شہر خموشاں کے چراغ

مبارک حسین مصباحی

شہر خموشاں کے چراغ

مبارک حسین مصباحی

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	شہرِ خموشاں کے چراغ
مصنف	مبارک حسین مصباحی
صفحات	۴۸۰
تعدادِ اشاعت	۱۱۰۰
اشاعت بارِ اول	۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰۰۹ء
کمپوزنگ	مہتاب پیامی پیامی کمپیوٹر گرافکس، مبارک پور، 9336741245
ناشر	تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ (یو. پی.) فون: 05462-252423 ای میل: info@aljamiatulashrafia.org aljamiatul_ashrafia@rediffmail.com ویب سائٹ: www.aljamiatulashrafia.org
ملنے کا پتہ:	المجمع المصباحی مبارکپور، اعظم گڑھ (یو. پی.) فون: 05462-252422 الجامعة الاشرفیه مبارکپور، اعظم گڑھ (یو. پی.) فون 05462-250418, 250092

انتساب

جلالۃ العلم قطب الارشاد

حافظ ملت

حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی

بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

کے نام............

جن کے خلق جمیل اور شخصیت سازی نے ایک صدی کو متاثر کیا

اور............

شہزادۂ حافظ ملت مرشد طریقت

عزیز ملت

حضرت مولانا شاہ عبدالحفیظ (بی.ایس.سی. انجینیرنگ علیگ)

سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

کے نام............

جن کے اخلاص پیہم اور جہد مسلسل نے اپنے عہد کو متاثر کیا

از: مبارک حسین مصباحی

شہر خموشاں کے چراغ

مشمولات

﴿۱﴾

ملتِ اسلامیہ کا پاسباں جاتا رہا دسمبر ۱۹۹۰ء ۳۱

خطیبِ مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی آپ کی بلند پایہ شخصیت سے اپنے اور بیگانے سبھی آشنا تھے۔ آپ ایک شیریں بیان اور گھن گرج خطیب،نقطہ رس اور حاضر جواب مناظر،صاحب طرز اور عمیق النظر ادیب ، دور اندیش اور ماحول آشنا صحافی تھے۔ الجامعة الاشرفیہ اور کاروان اشرفیہ سے آپ کے بڑے گہرے روابط تھے ۔ جامعہ کی سب سے اعلیٰ بااختیار کمیٹی "مجلس شوریٰ" کے اہم رکن تھے ۔ جامعہ اشرفیہ کے بانی جلالۃالعلم حضور حافظ ملت سے بڑی عقیدت رکھتے تھے ۔حافظ ملت کو "استاذ العلماء" اور "جلالۃ العلم "سب سے پہلے آپ نے لکھا۔

﴿۲﴾

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں فروری ۱۹۹۱ء ۳۶

مولانا محمد شفیع مبارک پوری موصوف کے سانحۂ ارتحال کے بعد تعزیتی جلسوں کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ آپ کی رحلت کوئی معمولی حادثہ نہیں بلکہ ایک عالم کی موت ایک عالَم کی موت ہے۔ آپ کا شمار حافظ ملت کے نمایاں تلامذۃ میں ہوتا تھا۔ آپ اخلاص و للّٰہیت کے پیکر، دین و دانش کے مرقع اور بلند کردار و عمل کے حامل انسان تھے ۔ آپ کی دینی و ملی خدمات، آپ کے علمی و فکری رشحاتِ قلم اور تنظیمی و اصلاحی کارناموں کے اَن مٹ نقوش آج بھی دلوں کی دنیا میں آباد ہیں۔

﴿۳﴾

اک اور شمع مہر صداقت ہوئی خموش فروری ۱۹۹۱ء ۴۱

ادارۂ شرعیہ پٹنہ مسلمانان بہار کے اس مرکز کا نام ہے جو ان کی ہر مسرت وشادمانی کے موقع اور ہر ابتلاو آزمائش کے مرحلہ پر قیادت ورہنمائی کرتا ہے۔ اور دینی، ملی، سیاسی اور سماجی در پیش مسائل کا بر وقت حل پیش کرتا ہے۔ مولانا مرحوم عرصۂ طویل سے اسی ادارہ کے شعبۂ افتاو قضا کی ذمہ داریوں کو بحسن خوبی انجام دے رہے تھے۔

﴿۴﴾

مصباحی صاحب کے والد گرامی فروری ۱۹۹۱ء ۴۳

۲۳/ دسمبر ۱۹۹۰ء، جمادی الآخرہ ۱۴۱۱ھ دوشنبہ کی رات میں دس بجے حضرت علامہ محمد احمد مصباحی شیخ الادب جامعہ اشرفیہ اور مولانا حافظ احمد القادری پرنسپل مدرسہ عربیہ مدینتہ العلوم جلالی پورہ بنارس کے والد گرامی محترم جناب محمد صابر اشرفی علیہ الرحمہ تقریباً ۹۵/ برس کی عمر میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔

﴿۵﴾

فخر الافاضل مولانا کاظم علی عزیزی فروری ۱۹۹۲ء ۴۴

حضرت مولانا کاظم علی عزیزی مصباحی ایک بلند پایہ مدرس، متبحر عالم دین، وسیع النظر، کثیر المطالعہ، انتہائی ذہین وفطین، بے پناہ دینی علمی صلاحیتوں کے مالک، حد درجہ متقی وپرہیزگار اور ہر دل عزیز، معتبر، قد آور اور مثالی استاذ تھے۔ ان سارے علمی محاسن وکمالات کے ساتھ ساتھ بڑے پاک باز، نیک طبیعت، خوش خلق اور خاموش طبع تھے، نہ ظاہری ولسانی طمطراق تھا، نہ قول وعمل میں تضاد۔

﴿۶﴾

یادِ رفتگاں — اپریل، مئی ۱۹۹۲ء — ۵۲

پرودگارِ عالم کا بارانِ رحمت کسی موسم گل کا منتظر نہیں ہوتا۔ جب بھی دین و دانش کا کوئی چمن اپنے دیدہ ور سے محروم ہوا اور خزاں نے اس کی جانب پیگ بڑھائی ۔ رحمتِ الٰہی کسی جانشین اور سچے محافظ و پاسبان کو منتخب فرما دیتی ہے۔ جو اپنا خونِ جگر جلا کر اس خزاں رسیدہ چمن کو پھر لالہ زار اور رشک مہ و انجم بنا دیتا ہے۔ کاروبارِ ہستی میں اگر اس مقدس روایت کا وجود نہیں ہوتا تو نہ کوئی سلسلہ برقرار رہتا اور نہ کوئی تحریک و ادارہ زندہ رہتا۔

﴿۷﴾

حافظ محمد تقی اعظمی عزیزی — فروری ۱۹۹۳ء — ۵۴

حضرت حافظ محمد تقی عزیزی اعمیٰ مبارک پوری بڑے با فیض شخص تھے ، آپ کو حضور حافظِ ملت سے ارادت و اجازت حاصل تھی، الہ آباد، بھدوہی اور گورکھ پور وغیرہ میں آپ کے بڑے مریدین و متوسلین ہیں ۔ آپ کا فیض ہندوؤں اور مسلمانوں پر عام تھا ، اسی لیے مسلمانوں کے ساتھ ہندو بھی آپ کے بڑے گرویدہ اور دلدادہ ہیں۔

﴿۸﴾

حضرت مولانا عبد القادر کھتری — اکتوبر ۱۹۹۳ء — ۵۶

مرحوم الجامعۃ الاشرفیہ ، اس کے اساتذہ اور ذمہ داروں سے قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ جامعہ اشرفیہ کی تعلیم و تربیت اور اس کے نظم و نسق کے بے پناہ مداح تھے۔

﴿۹﴾

علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری	فروری ۱۹۹۴ء	۵۷

آپ ایک زبردست عالم دین ،بلند پایہ محقق ، زبان وادب کے ماہر اور زودنویس قلم کار تھے ، عصری وسماجی تقاضوں پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے ۔تصنیف وترجمہ کی جو لاں گاہ میں آپ کا اشہب قلم زندگی بھر رواں دواں رہا ۔آپ کے قلمی کارناموں کی دلآویز تفصیل دیکھ کر تو میری حیرت کی انتہا نہیں رہی ،آپ کے برق رفتار قلم نے جو گراں قدر نگارشات پیش فرمائی ہیں ان کتب جلیلہ کی تعداد ایک سو پانچ تک پہنچتی ہے ان میں فکر انگیز اور تحقیقی تصنیفات بھی ہیں اور معلومات افزا اور ایمان افروز تالیفات بھی ،اور اثر انگیز اور عصری اسلوب میں تراجم بھی ۔

﴿۱۰﴾

شمس العلما مفتی نظام الدین الٰہ آبادی	جولائی ۱۹۹۴ء	۶۴

بڑی بڑی درس گاہوں کی صدر نشینی کا اعزاز ان کی شخصیت سے قائم تھا ،اشاروں میں معقولاتی گتھیاں سلجھانے والا فلاسفر چلا گیا ،قلم برداشتہ فتویٰ نویسی کرنے ولے عظیم مفتی سے عظیم دارالافتا خالی ہو گیا ۔آہ وہ مرجع علم چلا گیا جس کی علمی دہلیز پر بڑے بڑے صاحبان جبہ ودستار دریوزہ گری کو وجہ افتخار سمجھتے تھے ۔

﴿۱۱﴾

آہ! مخدومۂ ملت	اکتوبر ۱۹۹۴ء	۶۷

حضرت مخدومۂ ملت انتہائی نیک طینت ،بلند اخلاق ، اور عابدہ زاہدہ تھیں۔ صوم وصلوٰۃ کی بھر پور پابندی کے ساتھ دیگر اورادو وظائف کی بھی عامل تھیں، برسوں سے ان کی نماز تہجد نہیں چھوٹی تھی ۔

﴿۱۲﴾

قادری منزل کا حادثۂ غم		مارچ ۱۹۹۵ء		۶۹

مرحومہ اپنے عہد کی بڑی نیک طینت بلند اخلاق اور عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں ۔ اطاعت الٰہی اور عشقِ رسول کا جذبۂ بے کراں ان کی رگ رگ میں سمایا ہوا تھا ۔ وہ خود بھی دین دار تھیں اور دوسری خواتین کو بھی اسلامی تعلیمات اور شرعی مسائل سے بہرہ مند کرتی رہتی تھیں۔

﴿۱۳﴾

ایسا کہاں سے لائیں کہ تم سا کہیں جسے		اکتوبر ۱۹۹۵ء		۷۱

اس عہد بلا خیز میں آپ کی زندگی ایک مینارہ ہدایت تھی ،انہیں نہ حسب ونسب کا غرہ تھا اور نہ کبھی پدرم سلطان بود کو وجہ افتخار سمجھا ،وہ عالی نسب سید گھرانے کے چشم وچراغ تھے مگر انہوں نے اپنے آباء واجداد کے روشن ناموں کو کبھی کھانے کمانے کا دھندہ نہیں بنایا .ان کی نظر میں امیر وغریب یکساں تھے وہ سب کو اپنے خوان نعمت سے نوازتے ،ان کی علماء نوازی کا حال دیکھ کر اسلام کے عہد زریں کی یاد تازہ ہوجایا کرتی تھی

﴿۱۴﴾

استاذ القراء قاری محمد یحیٰ مبارکپوری		جون ۱۹۹۶ء		۷۸

وہ جب اپنے مخصوص لب ولہجہ میں قرآن عظیم کی تلاوت فرماتے تھے تو سامعین پر وجد کا عالم طاری ہو جاتا تھا ،کبر سنی اور نقاہت کے باوجود ان کی دل کش آواز کی بلندی اور دل آویزی ذرہ برابر متاثر نہیں تھی ،تلاوت کے وقت نہ چہرے کا تیور بدلتا تھا اور نہ ادائیگی میں کسی قسم کے تصنع کا احساس ہوتا تھا ،بلکہ وہ جب مخارج وصفات کے فطری التزام اور لب ولہجہ کے کیف اور نشیب وفراز کے ساتھ نغمۂ لاہوتی چھیڑتے تھے تو بالکل ایسا لگتا تھا کہ کسی سمندر سے

دلنواز موجیں اٹھ رہی ہیں اور پوری فضائے بسیط اس کے جذب وکیف سے سرشار ہو رہی ہے ۔

﴿۱۵﴾

گل گلزار اشرفیت　　جنوری ۱۹۹۷ء　　۸۰

عہدِ حاضر میں سرکارِ کلاں علیہ الرحمہ کچھو چھہ مقدسہ کی سب سے مقتدر اور بزرگ ترین شخصیت تھے، تقویٰ شعار اور عابد شب زندہ دار تھے ،حسن کردار اور بلند اخلاقی کی چلتی پھرتی تصویر تھے ، پروقار وضع قطع ،پرکشش اور نورانی چہرہ، عادات وخصائل میں سادگی اور سادگی میں بانکپن وہ بھی ایسا کہ"وہ بھیڑ میں بھی جائیں تو تنہا دکھائی دیں" ۔

﴿۱۶﴾

نغمے ان کے یاد رہیں گے　　اپریل ۱۹۹۷ء　　۸۲

راز الٰہ آبادی نے صنف نعت کو شریعت کی تمام تر پابندیوں کے ساتھ برتا ہے ۔عشق رسول کی خوشبو ان کے کلام سے لے کر زندگی کی گہرائیوں تک سمائی ہوئی تھی، پروقار اور بھاری بھرکم چہرے پر داڑھی خوب کھبتی تھی جو ان کے عشق رسول کی ایک بڑی سچائی تھی ۔

﴿۱۷﴾

مولانا سعید اعجاز کامٹی　　اپریل ۱۹۹۷ء　　۸۳

وہ مقبول عام خطیب کے ساتھ عظیم نعت گو شاعر بھی تھے،نکتہ آفرینی، انتہائی لطیف طنزومزاح ان کی خطابت کا ایک وصف تھا جو انھیں کے ساتھ خاص تھا۔ جب وہ اپنے خاص رنگ میں آتے تو پوری محفل کو لالہ زار اور گلِ گلزار بنادیتے ،بد مذہبوں کا رد اتنے دل نشیں اور مدلل پیرایۂ بیان میں فرماتے کہ عام انسان بھی حقانیت کی دہلیز پر سر تسلیم خم کیے بغیر نہیں رہتا ۔

﴿۱۸﴾

آہ! مجاہد دوراں نہ رہے	دسمبر ۱۹۹۷ء	۸۵

موصوف انقلابی شاعر بھی تھے کبھی ان کا ایک شعری مجموعہ بھی نظروں سے گزرا تھا ،ملی اور سیا سی سر گرمیاں موصوف کا خاص میدان تھا دوبار الیکشن لڑ کر پارلیمنٹ کے ممبر بنے، برسوں تک متحدہ محاذ کے پلیٹ فارم سے خدمت انجام دی اور بابری مسجد ایکشن کمیٹی کے منصب صدارت سے بھی آپ نے بڑا تاریخی کردار ادا کیا، لیکن یہ ہماری پوری جماعت ہی کا المیہ ہے کہ تاریخی کام تو انجام پاتے ہیں لیکن تاریخ نویسی کا اہتمام قطعاً نہیں ہوتا .نتیجۃً اغیارسہرا اپنے سر سجا لیتے ہیں ۔

﴿۱۹﴾

ضیاء الامت پیر کرم شاہ ازہری	مئی ۱۹۹۸ء	۸۷

نثر میں نعت گوئی کو ہی سیرت نگاری کہا جا سکتا ہے ،بارگاہ رسول کا ادب واحترام اور منصب نبوت کی عظمت وعصمت دونو ں ہی مقام پر ملحوظ خاطر رہتی ہے ،عشق رسول کے حقیقی سوزوگداز اور منصب رسالت کے کمال ادب واحتیاط کے بغیر نہ نعت رسول کہی جا سکتی ہے اور نہ سیرت نگاری سے عہدہ برا ہوا جا سکتا ہے .یہی وجہ ہے کہ شبلی وسلیمان کی سیرت النبی ،اور ابوالکلام آزاد اور سلیمان منصور پوری وغیرہ کی سیرت کے موضوع پر کتابیں حجم کے اعتبار سے ضخیم ہونے کے باوجود سیرت رسول کی روح سے خالی ہیں ان میں اکثر مقامات پر مستشرقین کے اعتراضات کے رد میں معذرت خواہا نہ انداز اختیار کیا گیا ہے .حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے " ضیاء النبی " لکھ کر پوری جماعت اہل سنت کا قرض ادا کر دیا ہے ۔

﴿۲۰﴾

مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی کا سانحۂ قتل	اگست ۱۹۹۸ء	۹۳

موصوف کا سانحۂ قتل انتہائی افسوس ناک حادثہ ہے اس سازش میں کوئی فرد ملوث ہو یا تنظیم وجماعت یہ جرم صد

قابل نفرت وملامت ہے، عقیدہ وفکر کے اختلاف اور تنقیدات ونظریات کے تصادم کی بنا پر قتل غارت گری کا سلسلہ شروع ہو گیا تو نہ کسی جماعت کے علما ومشائخ کی عزت محفوظ رہے گی اور نہ جان ، قلم کا جواب قلم سے دیا جائے اور تقریر کا جواب تقریر سے ، زبان وقلم کا جواب قاتلانہ حملوں سے دینا بہادری نہیں فکر کی کمزوری ، بزدلی اور غیر انسانی حرکت ہے ۔

﴿۲۱﴾

حضرت مولانا مشاہد رضا حشمتی مارچ ۱۹۹۹ء ۹۶

آپ کی ابتدائی تعلیم والد بزرگوار کی درسگاہ میں ہوئی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی کی بارگاہ میں آئے اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں داخلہ لیا یہاں سات برس تک بڑی محنت و لگن سے اعلیٰ تعلیم مکمل کی دوران طالب علمی حضور حافظ ملت اور دیگر اساتذہ علم و فن سے خوب فائدہ اٹھایا اور فروری ۱۹۵۷ء میں الجامعۃ الاشرفیہ سے سند فراغ حاصل کیا ۔

﴿۲۲﴾

برادر حافظ ملت حکیم عبدالغفور دسمبر ۱۹۹۹ء ۹۹

آپ طبیب جسمانی بھی تھے اور طبیب روحانی بھی لیکن تعویذ نویسی کو بھی ذریعہ معاش نہیں بنایا ۔زندگی بھر محلہ کی مسجد میں بلا معاوضہ امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے ماہ رمضان میں قرآن عظیم بھی اسی مسجد میں پڑھتے تھے اور پورے علاقے میں حکیم جی اور بڑے مولانا کے نام سے مشہور تھے عام طور پر لوگ آپ سے شرعی مسائل دریافت کرنے بھی آتے تھے اختلافی مسائل میں آپ کا قول حرف آخر کی حیثیت رکھتا تھا ۔

﴿۲۳﴾

حکیم محمد موسیٰ امرتسری فروری ۲۰۰۰ء ۱۰۱

آپ نے "مرکزی مجلس رضا لاہور" سے امام احمد رضا کی تصانیف اعلیٰ معیار پر شائع کر کے ملک اور بیرون ملک میں لاکھوں

کی تعداد میں مفت تقسیم کیں ۔ اہل قلم کو رضویات کی جانب متوجہ کیا عنوانات اور مواد دے دے کر امام احمد رضا کے حوالے سے سیکڑوں مقالات اور درجنوں کتابیں لکھوائیں۔ جو دور تھے انھیں قریب کیا ، جو قریب تھے انھیں مستعد کیا ،جو متنفر تھے انھیں دلائل سے ہم نوا کیا، اس طرح غلط فہمیوں کے بادل چھٹنے لگے ،حقائق کے اجالے پھیلنے لگے اور پھر گلستان رضا میں بہار آگئی ۔

﴿۲۴﴾

گوشۂ شارح بخاری　　جولائی ۲۰۰۰ء　　۱۱۹

شارح بخاری فقیہ اعظم ہند حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا ۶/ صفر ۱۴۲۱ھ/۱۱/ مئی ۲۰۰۰ء کو انتقال ہوا ، راقم نے حضرت کے عرس چہلم کے موقع پر ماہنامہ اشرفیہ جولائی ۲۰۰۰ء کا خصوصی گوشہ بنام "فقیہ اعظم ہند نمبر" پیش کیا ۔یہ گوشہ تعزیتی خطبات، تعزیتی نگارشات اور تعزیتی مکتوبات پر مشتمل تھا ۔ہم قدرے حذف واضافے کے ساتھ اس یادگار "گوشۂ شارح بخاری" کو "شہر خموشاں کے چراغ" میں شامل کر رہے ہیں ۔

﴿۲۵﴾

اہل سنت کی درخشاں تاریخ کا ایک دور ختم ہو گیا　　جولائی ۲۰۰۰ء　　۱۲۰

ہم ملت کے ہزاروں مسائل لے کر نامساعد حالات کی چلچلاتی دھوپ میں کھڑے ہوئے ہیں اور دور دور تک کوئی ملت کا مخلص ، غم گسار، تحریک اشرفیہ کا بلند قامت ترجمان اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کا عبقری پاسبان نظر نہیں آتا ۔ اب یقین ہوا کہ ہم سچ مچ یتیم ہو گئے ، ہم ہی کیا پوری جماعت اہل سنت یتیم ہو گئی ، سنیت کی بہاروں پر خزائیں چھا گئیں ور گلستانِ حافظ ملت نے مشکباری کھو دی۔ جہانِ سنیت میں نفس نفس مرثیہ خواں ہے اور چمنِ اشرفیہ کا ذرہ ذرہ ماتم کناں ہے۔

﴿۲۶﴾

وہ فخر اشرفیہ بھی تھے اور فرزند اشرفیہ بھی ۱۸ رجون ۲۰۰۰ء ۱۲۸

خدا داد صلاحیتوں کے ساتھ محنت، لگن اور جہد مسلسل ہو تو طالب علم کی زندگی میں حیرت انگیز انقلابات رونما ہوتے ہیں اور اساتذہ کا فیضان موسلا دھار بارش کی طرح برسنے لگتا ہے۔ حضرت حافظ ملت دورانِ درس فرمایا کرتے تھے:
''جب میں تم کو پڑھانے لگتا ہوں تو میرے علم میں جوش آجاتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ جو کچھ حضرت صدر الشریعہ نے عطا فرمایا ہے، سب تمہارے سینے میں انڈیل دوں۔''

﴿۲۷﴾

فقیہ اعظم ہند کی آفاقی شخصیت اور منفرد علمی شناخت جولائی ۲۰۰۳ء ۱۳۳

فقیہ اعظم ہند کے فضائل وکمالات کو دیکھا جائے تو قسم خدا کی ان کی زندگی کا ایک ایک باب اپنے فن کا دبستاں نظر آتا ہے اگر حافظ ملت کسی کے مناظرہ پر اعتماد کرتے تھے تو اس کا نام فقیہ اعظم ہند تھا۔ اگر حافظ ملت کسی کے تفقہ اعتماد کرتے تھے تو اس کا نام فقیہ اعظم ہند تھا۔ اگر حافظ ملت کسی کی حدیث دانی پر اعتماد کرتے تھے تو اس کا نام فقیہ اعظم ہند تھا۔ اگر بغیر پڑھے ہوئے کسی کے فتوے پر تصدیق کی جا سکتی تھی تو ہندوستان کی سر زمین پر اس کا نام مفتی محمد شریف الحق امجدی تھا۔

﴿۲۸﴾

فقیہ اعظم ہند حضرت عزیز ملت ۱۳۱

آج ہم تنہائی کا احساس کر رہے ہیں کہ اب ہماری مجلس باوزن کیسے بنے گی اب ہمیں مشورہ دینے والا کون رہے گا، اب ہمارا ہاتھ پکڑ کر چلنے والا کون رہے گا، جب یہ حالت ہو تو بتاؤ، ہمارا کیا عالم ہوگا، ہم اپنے احساسات کو بیان نہیں کر سکتے۔
جامعہ کے تعلق سے کوئی بھی مسئلہ در پیش ہوتا علمی

مسئلہ ہو ،تدریسی مسئلہ ہو ، انتظامی مسئلہ ہو ،رقم کی فراہمی کا مسئلہ ہو اس بوڑھے مرد مجاہدنے ہر موڑ پر ہمیں حوصلہ دیا اور رہنمائی فرمائی اور ہم نے ان کے دیئے ہوئے حوصلوں سے اپنے اندر توانائی محسوس کی اور اس سے فائدہ اٹھایا۔ضرورت پڑی تو باہر نکلے چل نہیں سکتے تھے مگر چلے اور رقم جمع فرما کر جامعہ کو عطا فرمائی یہ وہی جذبہ تھا جو حافظ ملت نے انہیں عطا فرمایا تھا ۔

تعزیتی تاثرات

حضرت امین ملت مارہروی.................................۱۴۶

مولانا محمد الیاس عطار قادری.................................۱۴۷

﴿۳۰﴾

تعزیتی نگارشات

شارح بخاری ایک گلدستۂ محاسن　　علامہ محمد احمد مصباحی　　۱۴۸

مختلف دینی و علمی موضوعات کو انہوں نے عنوانِ قلم بنایا اور جس موضوع پر لکھا اس کا حق ادا کر دیا۔ پہلی بار جب خلا بازوں کے چاند پر جانے کی خبر نشر ہوئی تو مذہبی حلقوں میں ایک شور برپا ہو گیا۔ مفتی صاحب نے اس موضوع پر ایک مختصر مضمون نوری کرن بریلی میں شائع کرایا، جس میں یہ ثابت کیا کہ چاند، سوروج اور تمام ستارے آسمان کے نیچے ہیں اور انسان کے لیے چاند تک پہنچنا ممکن ہے۔اس مضمون کی تردید بھی کی گئی جس کے بعد انہوں نے ایک مبسوط کتاب کی ضرورت محسوس کی اور "اسلام اور چاند کا سفر" لکھ کر شائع کیا۔

(۳۱)

تعزیتی مکتوبات

مغربی ممالک میں صف ماتم بچھ گئی — علامہ قمرالزماں اعظمی — ۱۵۲

مشہور فرانسیسی مستشرق گستالیبان نے کہا تھا کہ فقہ اسلامی میں اجتہاد قیاس اور استنباط نے اسلامی قوانین کو ایک بحر ناپید اکنار کی حیثیت عطا کردی ہے اور قوانین کے یہ سر چشمے اسلام کو عصری تقاضو ں کے مطابق رہنمائی کی مکمل استعداد عطا کرتے رہیں گے۔
فقیہ عصر نے اپنی قیادت میں فقہ اسلامی سے متعلق تحقیقاتی اور نظریاتی کو نسل قائم فرماکر عصری مسائل کو اصول فقہ اور دانش حاضر کی روشنی میں حل کرنے کی طرف نمایاں پیش رفت فرمائی اور الجامعۃ الاشرفیہ میں مفتیان کرام کی تربیت کا جو نظام قائم فرمایا وہ اپنی مثال آپ ہے امید ہے کہ جامعہ کا یہ شعبہ عالم گیر شہرت کا حامل ہوگا اور اگر ان کے متعین کردہ خطوط پر تواتروتسلسل سے کام ہوتا رہا تو اس ادارے کوجامعہ ازھر کے دارالافتا اور مجمع البحوث الاسلامیہ وغیرہ کا ھم سر بنایا جا سکے گا۔

(۳۲)

مولانا غلام ربانی فائق اعظمی — نومبر ۲۰۰۰ء — ۱۸۰

ترجمہ کرنا ایک مستقل فن اور دقت طلب کام ہے ایک قالب کا قلب نکال کر دوسرے قالب میں ڈالنا ہوتا ہے دو زبانوں پر بیک وقت یکساں دسترس کی ضرورت ہوتی ہے ہر زبان کا اپنا ایک اسلوب ہوتا ہے اپنے استعارات اور محاورے ہوتے ہیں ایک زبان کے محاورے کے لیے دوسری زبان کے محاورے کو تلاش کرنے یا محاورے کی روح متاثر ہوے بغیر دوسری زبان میں ترجمانی کر نے کے لیے زبان وبیان پر مکمل دسترس درکار ہوتی ہے .مولانا غلام ربانی صاحب ایک کامیاب مترجم تھے انھوں نے عربی اور فارسی کی متعدد کتابوں کے بڑے دل آویز ترجمے کیے ہیں۔

﴿۳۳﴾

مفتی سخاوت علی مصباحی بستوی نومبر ۲۰۰۰ء ۱۸۷

حضرت مفتی سخاوت علی علیہ الرحمہ تجارت کی مصروفیات کے باوجود پچاس ساٹھ کی تعداد میں ہر ماہ "ماہ نامہ اشرفیہ "منگاتے تھے اور علاقے بھر میں تقسیم کراتے تھے۔ یہ ان کی اشرفیہ نوازی اور خدمتِ دین کا بے لوث عمل تھا۔ راقم سطور سے بارہا ملاقات ہوئی، ملاقات کے وقت ماہ نامہ اشرفیہ کے لیے کوئی نہ کوئی مشورہ ضرور دیتے تھے۔

﴿۳۴﴾

وہ حادثات جو میری نظر سے گزرے ہیں دسمبر ۲۰۰۰ء ۱۸۸

۵/نومبر ۲۰۰۰ء کو ٹھیک سات بجے شام مبارک پور کے بھرے بازار میں بیک وقت مختلف مقامات پر بم پھٹے۔دہشت ناک آوازیں گونجیں،بھگدڑ مچی،اور پھر ہر طرف ہاوہوکا سناٹا چھا گیا۔کچھ دیر بعد خبر ملی گیارہ جانیں تلف ہو گئیں۔یہ شیعہ دیوبندی اختلافات کا بھیانک نتیجہ تھا۔

﴿۳۵﴾

مولانا محمد حنیف قادری دسمبر ۲۰۰۰ء ۱۹۰

حضرت مولانا محمد حنیف قادری مصباحی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے قابل فخر فرزندوں میں تھے۔انھوں نے ٹیچر ایسو سی ایشن مدارس عربیہ اترپردیش کے صدر اور روح رواں کی حیثیت سے جو گر انقدر خدمات انجام دی ہیں انھیں مدارس عربیہ کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

﴿۳۶﴾

تحریکِ اشرفیہ کا ایک اور مخلص خلد آشیاں ہو گیا فروری ۲۰۰۱ء ۱۹۳

وہ بجائے خود بڑے ملنسار، خوش اخلاق اور نیک سیرت تھے، فرزندان اشرفیہ اور عزیزی برادران سے ان کے تعلقات وروابط کا خاص دائرہ تھا بلکہ ملک بھر میں شیدائیانِ حافظ ملت کے درمیان متعارف اور مثالی نمونہ تھے۔

﴿۳۷﴾

فن تجوید وقراءت کا آخری دانائے راز — اکتوبر ۲۰۰۱ء — ۱۹۸

حضرت قاری احمد ضیا صاحب نے فن تجوید وقراءت کے فروغ وارتقا میں جو آفاقی خدمات انجام دیں ہیں انہیں خدمت قرآن کی تاریخ میں زریں حروف سے لکھا جائے گا اور اسلامی درس گاہوں میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا ۔ اور انشاء اللہ خدمت قرآن کے صلے میں عنداللہ بھی ان کا مقام بہت بلند ہوگا ۔

﴿۳۸﴾

فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی — نومبر ۲۰۰۱ء — ۲۰۷

ہمارے مفتی صاحب کی تقویٰ شعار شخصیت اور مستند فکر کل بھی قابل اعتماد تھی ۔ آج بھی قابل اعتماد ہے اور کل بھی قابل اعتماد رہے گی ۔ہم چاہتے ہیں کہ ان کی باتیں "ارشادات امجدی " کا مجموعہ بنیں ، ان کے خطوط ،مکتوبات امجدی کا مرقع بنیں ، ان کی تقریریں "خطبات امجدی " کا دبستان بنیں ان کی اردو کتابوں کے ہندی ،گجراتی ،اور انگریزی ایڈیشن چھپیں اور ان کی پاکیزہ زندگی کے درخشاں نقوش نئی نسلوں کے لیے نمونہ عمل بنیں ۔

﴿۳۹﴾

مرد آہن حافظ عبدالحکیم عزیزی — اپریل ۲۰۰۲ء — ۲۱۶

اور تاریخ شاہد ہے کہ حافظ صاحب نے تن تنہا وہ کام انجام دیا جو ایک جماعت کا کام تھا ۔ اور نہ صرف دینی اور علمی سطح پر بھی بلکہ سماجی اورسیاسی سطح پر اپنی بالا دستی تسلیم کرائی اور کیا ہندو ،اور کیا مسلمان ، سب میں ہر دل عزیز رہے ،سیاسی اور سماجی سطح پر بھی ان کا قد بلند تھا، غیرمسلم لوگ اپنے معاملات کے تصفیہ کے لیے آپ کی بارگاہ میں حاضری دیتے اور جو فیصلہ فرماتے سب کے لیے قابل قبول ہوتا ۔

﴿۴۰﴾

مولانا سید موصوف اشرف اشرفی　　　اپریل ۲۰۰۲ء　　　۲۱۹

بہت سے اہل خانقاہ کو دیکھا گیا ہے کہ فراغت کے بعد اپنے محسن اساتذہ کا ذکر کرنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں کہ کہیں ان کی ملکوتی شخصیت پر کسی انسان کی برتری ثابت نہ ہو جائے ، مگر آپ حق گو اور حق شناس تھے ، احسان فراموش نہیں تھے ، وہ اپنے اساتذہ بالخصوص حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی سے بے پناہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے ۔ ان کی محفل میں جب ذکر حافظ ملت چھڑ جاتا تھا تو وہ ان کی اوصاف وکمالات اور ان کی اخلاقی اور علمی نوازشات کا تذکرہ سناتے ہی چلے جاتے تھے ، کتنی ہی بار ہم نے ان کی آنکھوں میں ذکر حافظ ملت کے دوران اشک ہائے محبت چھلکتے دیکھے ہیں ۔

﴿۴۱﴾

رئیس القلم علامہ ارشد القادری　　　جون ، جولائی ۲۰۰۲ء　　　۲۲۳

دروازہ پر کندہ تحریر کی عبارت صرف اتنی تھی۔"یا سلطان الہند غریب نوازالمدد" خدا جانے حضرت سلطان الہند کے نام میں وہ کون سا یقین بول رہا تھا کہ علامہ صاحب نے کسی پس و پیش کے بغیر اس انداز سے گھر کے دروازے پر دستک دی گویا کہ صاحب خانہ برسوں کا شناسا ہو۔ ہم سفر کی وضاحت طلب نگاہوں کا جواب دیتے ہوئے علامہ صاحب نے فرمایا:"عقیدہ و عمل کی یگانگت خون کے رشتوں سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے۔ خون کے رشتے تو نظریاتی دیواروں کے کھڑے ہونے سے ٹوٹ جاتے ہیں لیکن دربارِ خواجہ سے مدنی تاج دار کی دہلیز تک ہم عقیدت کیشوں کی فکری ہم آہنگی کا رشتہ اتنا مستحکم ہے کہ یہ حوادث روزگار کیا ، موت کا فرشتہ بھی نہیں توڑ سکتا۔

﴿۴۲﴾

فیض العارفین شاہ غلام آسی پیا　　　فروری ۲۰۰۳ء　　　۳۸۱

حضرت فیض العارفین بہت سی خوبیوں کے جامع اور بافیض بزرگ تھے، ان کے دانش مندانہ دماغ پر قلندرانہ مزاج غالب تھا ،اور عالمانہ جاہ وجلال پر صوفیانہ رنگ چڑھا ہوا تھا ، آج عام طور پر جو مرشدان طریقت ہیں وہ یا تو نرے جاہل ہیں یا نرے عالم ،جب کہ تصوف کے میدان میں قال پر حال کا غلبہ نہ ہو اور دانشوری پر قلندری کی عارفانہ چادر نہ چڑھی ہو تو مجاہد بے سیف نظر آتا ہے ،لیکن اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ حال کے لیے قال اور قلندری کے لیے دانشوری ریڑھ کا درجہ رکھتی ہے ،ورنہ ڈرامائی رنگ روپ اور مستانہ ہاؤہو کی حیثیت ایک دل فریب آرٹ سے زیادہ کچھ بھی نہیں ۔

﴿۴۳﴾

شہید مدینہ سید مثنیٰ میاں اشرفی جیلانی　　　جنوری ۲۰۰۴ء　　　۳۸۷

حضرت انگریزی زبان پر بھر پور عبور رکھتے تھے دینی اور ملی مسائل پر آئے دن انٹرویو دیتے رہتے تھے ،ممبئی کے اخبارات میں ان کے بیانات کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا ،چند برسوں سے رضا اکیڈمی ممبئی کے پروگراموں کی صدارت و پیشوائی بھی فرماتے تھے ،موصوف اشرفی رضوی اختلافات پر بھی خون کے آنسو روتے تھے ۔

﴿۴۴﴾

مفتی ظفر علی نعمانی کراچی　　　فروری ۲۰۰۴ء　　　۳۹۱

حضرت مفتی ظفر علی نعمانی اپنے استاذ گرامی حضور حافظ ملت سے عشق کی حد تک محبت فرماتے تھے ،وہ اپنی تمام تر کامیابیوں کو استاذ محترم کی دعا وفیض کا نتیجہ سمجھتے تھے ،اپنے استاذ گرامی کے خلاف زبان کھولنا تو دور

کی بات ہے کسی دوسرے سے بھی ایک لفظ نہیں سن سکتے تھے ،حضرت عزیز ملت دامت برکاتھم العالیہ نے فرمایا ۔"ایک بار آپ کلکتہ تشریف لے گئے وہاں کسی صاحب نے دریافت کیا کہ صاحب زادے کیا پڑھتے ہو؟ آپ نے جواب دیا "صدرہ" وغیرہ موصوف نے برجستہ نے کہا مولانا عبد العزیز صدرہ پڑھا لیتے ہیں؟یہ سن کر آپ کا تیور بدل گیا اور پورے جاہ وجلال کے ساتھ فرمایا میرے استاذ کا پایۂ علم تو بہت بلند ہے آپ جیسے لوگوں کو تو صدرہ میں پڑھا سکتا ہوں۔

﴿۴۵﴾

آہ!اشرف العلما　　　　　　جون۲۰۰۴ء　　　　۳۰۱

راقم سطور حضرت سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا اور ذکر چھڑ گیا ماہنامہ اشرفیہ کا دارالعلوم محمدیہ کے ایک بڑے استاذ نے بڑی بے اعتنائی سے فرمایا میرے پاس اشرفیہ بھی آتا ہے اور کئی رسالے آتے ہیں لیکن دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا، اس پر حضرت اشرف العلما نے بڑے دل آویز اور حوصلہ افزا لب ولہجہ میں فرمایا:جی ہاں ،میرے پاس بھی ماہ نامہ اشرفیہ پوری پابندی سے آتا ہے اور ایک ایک مضمون پوری توجہ اور دلچسپی سے پڑھتا ہوں اور راقم کو دعائیں دیتے ہوئے حوصلہ افزا جملوں سے سرفراز فرمایا ۔ بلا شبہہ بڑوں کی بڑی بات ہوتی ہے۔ اسے کہتے ہیں اصاغر نوازی ،یہ وصف خاص بھی انہیں حافظ ملت سے ورثے میں ملا تھا اور آج کے دور میں تو عام طور پر اصاغر نوازی کا تصور ہی عنقا ہے، الا ماشاء اللہ ۔

﴿۴۶﴾

وہ دیارِ حرم میں منارۂ حق وصداقت تھے　　　　　　جنوری۲۰۰۵ء　　　۳۱۴

حضرت سید محمد بن علوی مالکی عظیم مصنف ومحقق ہونے کے ساتھ عارف باللہ اور عاشق رسول بھی تھے ۔ آپ کے دل ودماغ عشق وعرفان کے روحانی کیف سے سرشار رہتے ۔ آپ کی محفلیں عشق واطاعت کے سوز وگداز میں ڈوبی رہتیں ۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ناموس رسالت کے تحفظ اور

مذہب عشق کے فروغ میں صرف ہوتا تھا .ذکر وفکر کی محفلیں منعقد کرنا اور میلاد رسول کی بزمیں سجانا آپ کی سب سے مرغوب روحانی غذا تھی۔ آپ احسان وتصوف کے بڑے عظیم منصب پر فائز تھے ۔ اہل شوق دور دراز کا سفر طے کر کے آپ کی محفلوں میں شریک ہوتے اور تزکیۂ نفس کا سامان فراہم کرتے ۔

﴿۴۷﴾

خلیفۂ حافظ ملت حافظ محمد حنیف عزیزی　　اگست ۲۰۰۶ء　　۴۲۳

حافظ محمد حنیف صاحب عہد طالب علمی ہی سے نیک طبیعت اور پاکیزہ خصلت تھے ، لیکن حافظ ملت کی نگاہ کیمیا اثر نے ان کے فکر و عمل کا رخ ہی بدل دیا تھا . سفر ہو یا حضر ان کے مخصوص اوراد و وظائف اور نوافل تک کی ادائیگی میں فرق نہیں پڑتا تھا . تلاوت قرآن کریم ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا . ہر تیسرے دن ایک قرآن عظیم ختم کرنا ان کا خاص معمول تھا . قریب پچاس برس تک بلرام پور کی جامع مسجد ابراہیم مستری مرحوم میں بلا معاوضہ نماز تراویح پڑھائی ۔ آپ بلا ناغہ عرس حافظ ملت میں شرکت کے لیے مبارک پور تشریف لاتے تھے ، مگر نہ جلسہ و جلوس میں نظر آتے اور نہ عام نشست گاہوں میں . ایام عرس میں مزار حافظ ملت ان کے اوراد و وظائف کا خاص مقام تھا .

﴿۴۸﴾

ممتاز الشعرا حضرت واصف عزیزی　　جون ۲۰۰۷ء　　۴۳۰

حضرت واصف صاحب میں ایک خاص بات یہ تھی کہ انھوں نے زندگی بھر حافظ ملت سے نسبت کا بھرم باقی رکھا ۔ بھوج پور میں حافظ ملت اور خانوادۂ حافظ ملت کا ہر مہمان ان کا مہمان بھی ہوتا تھا . کیا مجال تھی کہ کوئی عزیزی یا حافظ ملت کا شیدائی بھوج پور پہنچے اور ان کے دستر خوان سے استفادہ کیے بغیر بھوجپور چھوڑ دے .اور سب سے بڑی بات یہ کہ "این خانہ ہمہ آفتاب است" والا معاملہ تھا . اگر وہ کبھی نہیں ہوتے تو گھر کا گھر سراپا میزبان بن جاتا تھا . یہ ان کی بے لوث اخلاقی تربیت کا اثر تھا .

﴿۴۹﴾

صدر العلما علامہ تحسین رضا	اکتوبر ۲۰۰۷ء	۴۳۶

ان سے ملاقات کے بعد دل و دماغ نے گہرا اثر قبول کیا، ان کے اخلاق و تقویٰ اور کردار و عمل کے بارے میں جو کچھ سن رکھا تھا اس سے سوا پایا، عالمانہ رکھ رکھاؤ، متوسط مائل بہ دراز قامت، دبلا پتلا منحنی جسم، کشادہ اور پر نور پیشانی، بڑی بڑی آنکھیں جن میں شب بیداری کا نورانی خمار، خوب صورت جسم پر سفید لباس، سر پر عمامہ، ہاتھ میں چھڑی۔ لگتا تھا کوئی مردِ علم اور تقویٰ شعار رجلِ عظیم ہے۔ وہ عظیم خاندان کے چشم و چراغ تھے، علم و فضل میں بھی یکتاے روزگار تھے، زہد و ورع میں بھی حضور مفتیِ اعظم ہند کے عکسِ جمیل تھے، صاحبِ علم و فضل تھے، مگر ان کے فکر و عمل کے کسی زاویے سے بھی اظہارِ علم و فضل نہیں ہوتا تھا ، کم گو،منکسر المزاج، وسیع النظر تھے، بے جا تکلفات سے بالا تر انتہائی سادہ لوح تھے ، ان سے ملاقات کے بعد ہمیں یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ ہم کسی عظیم شخصیت کے رو بہرو محوِ گفتگو ہیں۔

﴿۵۰﴾

علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری	نومبر ۲۰۰۷ء	۴۴۳

حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری ایک عالم ربانی، تقویٰ شعار، بلند پایہ مصنف و مدرس، جماعتی درد رکھنے والے ، اخلاص پیشہ محسنِ اہلِ سنت تھے ۔ آپ نے اردو عربی اور فارسی زبان میں قریب ایک سو کتابیں تصانیف و تراجم کی شکل میں مرتب فرمائیں ، مستقل تصانیف و تراجم کے علاوہ مختلف ناموں سے آپ کے مقالات و مضامین کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں ۔ آخری عہد میں کنز الایمان کی روشنی میں آپ نے ترجمۂ قرآن بھی تحریر فرمایا۔ حضرت علامہ شرف قادری صاحب کی علمی شخصیت گوناگوں اوصاف و کمالات کی حامل تھی۔ آپ نے پاکستان کی مختلف درس گاہوں میں مدرس، صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے کام کیا ۔ ملک کے طول و عرض میں آپ کے تلامذہ دین و دانش کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں ۔ آپ نے زندگی بھر لکھا بھی اور اپنی تربیت گاہ سے با صلاحیت اربابِ قلم پیدا بھی کیے ۔ آپ رواں

دواں استدلالی اسلوب میں لکھتے تھے۔ ہمارے عہد میں پاکستان کے جن اہلِ قلم نے پورے بر صغیر کو متاثر کیا ۔ ان میں ایک وقیع نام حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شارف قادری لاہورتی علیہ الرحمہ کا بھی تھا۔

﴿۵۱﴾

حضرت مولانا محمد نعمان خاں اعظمی　　　مئی ۲۰۰۸ء　　　۲۵۰

حضرت مولانا محمد نعمان خاں مصباحی علمی ماحول کے پروردہ تھے ۔ آپ کے والد جناب منیر احمد خاں نعت گو شاعر اور سچے عاشقِ رسول تھے ان کے دو نعتیہ مجموعے بھی شائع ہوئے۔ "کوثر و زمزم" اور "لمعاتِ منیر" جب کہ آپ کے بڑے بھائی عبدہ کے کئی نعتیہ اور غزلیہ مجموعے منظر عام پر آئے۔ جناب منیر احمد صاحب ۱۲/ ربیع الاول شریف کے موقع پر سالانہ محفلِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام بڑے ذوق و شوق سے فرماتے تھے ۔ حضور حافظ ملت بلا ناغہ اس محفل میں مدعو ہوتے تھے ۔ حضرت حافظ ملت نے ۱۹۶۱ء میں لکھا تھا کہ اس محفل میں شرکت کرتے ہوئے ۲۵/ برس گزر گئے ، جب کہ یہ سلسلہ اس کے بعد بھی جاری رہا۔ ۱۹۷۶ء میں حضور حافظ ملت کا وصال ہوا ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریب ۴۰/ برس حضور حافظ ملت نے اس محفل میں شرکت فرمائی۔

﴿۵۲﴾

اجالوں کا سفیر　　　جولائی ۲۰۰۴ء　　　۲۵۵

پروفیسر مسعود احمد کی رحلت کا غم جہانِ سنیت کے ہر باشعور انسان نے محسوس کیا ، موصوف اپنے وجود میں فکر و قلم کی ایک انجمن اور ہمہ گیر تحریک تھے ، ان کی فکر و شخصیت، جدید و قدیم علوم و فنون کا سنگم تھی، انہوں نے درجنوں موضوعات پر لکھا اور سیکڑوں اہلِ قلم کے لکھنے کی راہ ہموار کی ۔ آپ کی توجہ سے پہلے ، امام احمد رضا قدس سرہ کا تعارف بہت کم تھا ۔ آپ نے علمی دنیا میں رضا شناسی کی لہر پیدا کی ، قلمی تحریک سے بر صغیر میں ہزاروں ہم نوا پیدا کیے ، درجنوں یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا کی کثیر جہات شخصیت پر پی۔ایچ۔ڈی۔ کی ڈگریاں تفویض ہوئیں۔ آپ نے رضا رضا کہا، ہر طرف رضا رضا ہو گیا۔ آپ نے لکھنے والوں کو عناوین

دی، قیمتی مواد دیے، اور بھر پور تعاون کیا ۔ اللہ تعالی نے ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے امام احمد رضا کا انتخاب فرمایا اور مصطفی جان رحمت نے رضا شناسی کے لیے پروفیسر مسعوداحمد کا انتخاب فرمایا۔ یہ بڑے کرم کے فیصلے ہیں، یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔ اسی کے ساتھ آپ نے امام ربانی مجدد الف ثانی پر بھی کام کیا اور حق یہ ہے کہ کام کا حق ادا کر دیا۔

﴿۵۳﴾

مرا رفیق مرے غم کا ترجمان گیا　　مارچ۲۰۰۹ء　　۲۶۰

آہ! کیا یہ سچ ہے کہ مولانا شکیل احمد مصباحی اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ ہزاروں لوگوں کو ان کی موت کی خبر دے چکا ، مگر اپنے دل کو ابھی تک یہ یقین نہیں دلا سکا کہ وہ واقعی دائمی مفارقت دے گئے ۔ سطح ذہن پر جب بھی ان کا دل آویز نقشہ ابھرتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اب چل چکے ہوں گے اور اب آرہے ہوں گے۔ وہ میری صحافتی اور قلمی دنیا کے سب سے بڑے راز دار تھے۔ میں ان کے مشوروں پر اپنے فیصلے بدل دیتا تھا۔ وہ ایک مخلص رفیق و دمساز تھے۔ ان کے بغیر رسالے کا ہر کام ادھورا رہتا تھا۔ وہ میرے فکر و خیال میں اتنے قریب تھے کہ کسی کام کے لیے بس اشارہ کافی ہوتا تھا۔ ۱۲/ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ / ۱۰/ جنوری ۲۰۰۹ء کو بارہ بجے تک ہم لوگ ماہ نامہ اشرفیہ کے دفتر میں ایک ساتھ تھے۔ آفس سے رخصت ہوتے وقت میں نے کہا، آج رات کو انجمن غوثیہ محلہ پرانی بستی میں شہدائے کربلا کے حوالے سے ایک جلسہ ہے، اگر جی چاہے تو آجانا۔ انہوں نے جواب دیا، آج کچھ طبیعت علیل ہے، پیٹ میں تکلیف ہے، میرا آنا مشکل ہوگا۔ پھر دوسرے ٹائم گھر پر چپراسی آیا ، مولانا شکیل صاحب نے کمپوز شدہ مضامین مانگے ہیں، وہ انھیں رات میں پڑھ لیں گے۔ میں نے فائل ان کے حوالے کر دی اور مطمئن ہو گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شہر خموشاں کی تقریب

یہ جولائی ۱۹۹۰ء کی بات ہے۔ ابھی میری مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں، جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے سند فضیلت حاصل کر چکا تھا اور ابھی اسی باغ فردوس کے شعبۂ عربی ادب میں تخصص کر رہا تھا۔ اسی دوران ہمیں یہ خوش خبری سنائی گئی کہ تمھیں ''ماہ نامہ اشرفیہ'' کی ادارتِ عظمیٰ سونپ دی گئی ہے۔ یہ سننے کے بعد ہم نے کئی روز تک زمین کی طرف نہیں دیکھا۔ لیکن جب پہلی بار باضابطہ بساطِ صحافت پر قدم رکھا تو سارا غرورِ علم ہرن ہو گیا، اور اسی کے ساتھ جہل مرکب کا مفہوم بھی سمجھ میں آ گیا۔

قرطاس و قلم کے حوالے سے اس عہد کو قحط الرجال کے دور سے یاد کیا جاتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ ان دنوں قلم خریدنے کے لیے جامعہ اشرفیہ سے کئی کلومیٹر دور جانا پڑتا تھا۔ اس دور میں جب ہم اربابِ فکر و قلم کو شمار کرنے بیٹھتے تو سانس ٹوٹنے سے پہلے نام ختم ہو جاتے تھے اور وہ بھی اپنے اپنے میدانوں میں ہمہ دم مصروف۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان دنوں معیاری مضامین کی فراہمی کتنی مشکل تھی۔ جو دو چار ماہ نامے نکلتے تھے وہ بھی آئے دن آنکھ مچولی کرتے رہتے تھے۔

جہاں تک نیشنل یا انٹرنیشنل میڈیا کا سوال ہے، علمائے اہل سنت بڑی حد تک اس سے بے بہرہ یا محفوظ تھے اور میڈیا کی نظر میں تو آج تک ہمارا اجتماعی وجود نا قابلِ توجہ ہے۔ ہوسکتا ہے اس کے پیچھے بھی اسرائیل اور فسطائی طاقتوں کا ہاتھ ہو۔ اکیسویں صدی جو میڈیا اور کمپیوٹر کی صدی ہے، بعض علمائے ہند کے درمیان یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ ''ٹی وی'' (جائز پروگرام) دیکھنا جائز ہے یا حرام۔ اگر آپ مجھے پاگل نہ کہیں تو یہ بھی بتا دوں کہ ابھی تک مفتیانِ ہند کے درمیان اخبار بینی کا مسئلہ بھی غیر واضح ہے کہ جن اخباروں میں جان داروں کی تصویریں ہوتی ہیں ان کا خریدنا اور پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اتر پردیش کے ایک سنی دار العلوم میں طلبہ اور اساتذہ کو اخبار خریدنے اور پڑھنے کی قطعاً اجازت نہیں، کسی داخلی ضابطۂ اخلاق کی وجہ سے نہیں بلکہ

تصویروں کے پیش نظر۔ سنا ہے وہ بے چارے رفع حاجت کے وقت چھپ چھپا کر اپنے ذوقِ مطالعہ کی تسکین کا سامان فراہم کرتے ہیں............ اس وقت عالمی سطح پر الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو مسلسل یلغار کر رہا ہے، وہ کسی اہلِ دانش پر مخفی نہیں۔

....

تنظیم ابنائے اشرفیہ نے ۱۸/۱۹ رمئی ۲۰۰۶ء کو جامعہ اشرفیہ میں بین الاقوامی میڈیا سیمینار کیا، موضوع تھا: ''اسلام اور عصر حاضر کا چیلنج: میڈیا کے حوالے سے'' ایک سو سے زائد ملک کے نام ور علما اور دانش وروں نے شرکت کی۔ پاکستان، امریکہ، انگلینڈ، ہالینڈ اور ساؤتھ افریقہ سے بھی مقالات موصول ہوئے۔ ماہ نامہ ماہِ نور دہلی، ماہ نامہ کنز الایمان دہلی اور ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے سیمینار کے حوالے سے خصوصی شمارے مرتب کیے۔ ملک گیر سطح پر درجنوں اردو، ہندی اور انگریزی اخبارات نے رپورٹیں شائع کیں، الیکٹرانک میڈیا کی بھی حصہ داری رہی اور بالکل پہلی بار نیشنل میڈیا نے اہلِ سنت کے جماعتی وجود کا ادراک کیا۔ سیمینار کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مدارسِ اسلامیہ کے ایک بڑے حلقے نے میڈیا کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کیا۔ اسی سیمینار کے بطن سے ''میڈیا سینٹر'' کا تصور ابھرا اور معروف نقاد و صحافی برادرم خوشتر نورانی نے اس خواب کو پیکرِ جاناں کی طرح تراش کر دہلی کی سرزمین پر اتار دیا۔ اے امام احمد رضا کے مرکزِ عقیدت و روحانیت! مارہرہ مطہرہ زندہ باد۔

ذکر تھا میڈیا سیمینار اور اس کے اثرات کا۔ ایک معروف مفتی صاحب جو ''ٹی وی'' کی حرمت پر متعدد فتاوے اور کتابیں لکھ چکے تھے، اب چیخ چیخ کر اس کے جواز و استحسان کا اعلان کر رہے ہیں۔ مگر اس کا خریدنا آج بھی ان کے نزدیک حرام ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس انتظار میں ہوں کہ دیگر امورِ خانہ داری کی طرح ''ٹی وی'' بھی کوئی انھیں ہبہ کر دے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو ہم اہلِ سنت کی عالمی تحریک ''دعوتِ اسلامی'' کے ذمہ داروں سے پر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کارِ خیر میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کریں لیکن اسی کے ساتھ ایک عدد ادھر بھی......

میں لکھتے لکھتے اپنے دور کے چند فقہی مسائل پر غور کرنے لگا ''ٹی وی'' کا دیکھنا جائز و مستحسن ہے تو خریدنا ناجائز کیوں۔ جن حضرات کے نزدیک ٹی وی دیکھنا قطعاً ناجائز ہے تو ان کے نزدیک انٹرنیٹ کا استعمال جائز کیوں۔ ٹی وی کی اسکرین پر ابھرنے والے عکوس کے

بارے میں علما کا اختلاف ہے کہ وہ تصویریں ہیں یا نہیں جب کہ اخباری تصویروں کے بارے میں ہندستانی علما کا متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ تصویریں ہی ہیں تو پھر ان کے نزدیک اخبارات خریدنا اور پڑھنا جائز کیوں۔ جب اس قسم کے بہت سے سوالات کی بوچھار ہونے لگی تو میں اپنی فکر نارسا پر دیر تک ماتم کرتا رہا اور پھر قرطاس وقلم چھوڑ کر جھنجھلا کر اٹھ گیا۔

....

کل میز پر جو اشارات چھوڑ کر گیا تھا آج انھیں کو سپردِ قلم کر کے عہد برآ ہونا چاہتا ہوں۔ کتاب کا نام "شہرِ خموشاں کے چراغ" مناسب ہے۔ اس میں میرے عہدِ ادارت میں داغِ مفارقت دینے والے اشخاص اور شخصیات کا تذکرہ ہے۔ یہ زمانہ ۱۹ ربرس کو محیط ہے۔ اس میں قریب پچاس نورانی چہروں کی رونمائی کی گئی ہے۔ ان چہروں کا وطنی تعلق عالم عرب اور ہندو پاک سے ہے۔ ان میں دو قابلِ احترام خواتینِ اسلام بھی ہیں۔ ان پچاس شخصیات میں جلالۃ العلم حافظ ملت نور اللہ مرقدہ شامل نہیں، لیکن شاید ہی کوئی تذکرہ ہو جس میں حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا کوئی باضابطہ کردار نمایاں نہ ہو۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ان عظیم اور نامور شخصیات سے میرے جذباتی رشتوں کی بنیادیں حضور حافظ ملت اور جامعہ اشرفیہ نے ہی فراہم کی ہیں۔ اس پس منظر میں اب میں بہ آوازِ بلند یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اس شہرِ خموشاں میں اہل سنت کی علمی، ادبی، قلمی، روحانی، دینی اور دعوتی تاریخ کا ایک عہد پنہاں ہے اور اسی کے جلو میں حافظ ملت کے منتشر اور زریں اوراقِ حیات بھی، جنھیں اب میری یادوں کے روشن چراغوں میں بہ آسانی پڑھا جا سکتا ہے۔

مشمولات میں آپ نے جن علما، مشائخ شعرا اور دیگر اہم شخصیات کی زیارت کی، ان پر مختلف انداز کی تحریریں ہیں، یادیں، باتیں، خاکے نثری مرثیے، مبسوط تذکرے اور احساسات و تاثرات۔ دراصل تذکار وسوانح میں یک سانی وہاں ہوتی ہے جہاں کتاب کے موضوع کا تصور پہلے ہو اور تحریریں بعد میں۔ یہاں اس کے برخلاف تحریریں پہلے وجود میں آئیں اور کتاب کا خاکہ بعد میں۔ جہاں تک اسلوب اور جامعیت کا سوال ہے، ہم نے اس کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ یوں بھی آہ و فغاں اور گریہ وزاری کا کوئی لہجہ نہیں ہوتا۔ بس اتنا سمجھیے کہ یہ تحریریں یادوں، جذبوں اور غموں کی ترسیل کا ایک ذریعہ ہیں۔ کتاب میں پہلی تحریر دسمبر ۱۹۹۰ء کی ہے اور

آخری مارچ ۲۰۰۹ء کی۔ اس طویل دور میں یقیناً فکر و اسلوب نے بھی کچھ ارتقائی سفر طے کیا ہوگا، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ایک قاری جیسے جیسے آگے بڑھے گا، اسے اسلوب و فکر کی بدلتی فضا کا احساس ہوگا، جہاں تک شخصیات کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر کا سوال ہے اس میں اہم اور اہم تر کا کوئی مسئلہ نہیں جو چراغ شہر خوشاں میں پہلے پہنچا اسے پہلے جگہ مل گئی۔

....

علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور فرض عین انھیں علوم کا سیکھنا ہے۔ ایک بندۂ مومن اپنے دین میں جن کا بالفعل محتاج ہو، علما انبیا کے وارث ہیں، اسلامی تہذیب اور روایت کے امین ہیں، بلکہ برصغیر میں اردو زبان و ادب کی روایتیں بھی بڑی حد تک انھیں کی محفلوں میں باقی ہیں۔ عہد حاضر میں علما اور مشائخ کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ نئی نسلیں بڑی تیزی سے فکری اور تہذیبی ارتداد کی جانب بڑھ رہی ہیں، جب کہ علما و مشائخ صدیوں پرانی تہذیب و فکر کے مرکز ثقل ہیں۔ افسوس! جو مسلم نوجوان کل تک اپنے دینی پیشواؤں کے ناموس کی حفاظت کے لیے سینہ سپر رہتے تھے، آج انھیں کے خلاف سراپا احتجاج بنے رہتے ہیں۔ علما سے کٹ جانا۔ اپنے دین اور اپنی تہذیب و روایت سے کٹ جانا ہے۔ ذرا کان لگا کر اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات سنیے: ''جو علما کے حق کو ہلکا جانتا ہے وہ منافق ہوتا ہے۔'' ...... ''جو ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری امت سے نہیں۔''

اردو ادب کے ناقدین اگر میری بات سن رہے ہوں تو اس زمینی حقیقت کو نوٹ فرما لیں کہ اردو زبان آج مدارس اور خانقاہوں سے زندہ ہے۔ علما اور مشائخ اپنے نوک قلم سے اسے آب حیات پلا رہے ہیں۔ اس لیے اسلامی ادب کو اردو ادب کے کسی خانے میں رکھنے کے لیے غور ہونا چاہیے۔ سنا ہے پاکستان میں اردو ناقدین نے جب سے نعتیہ شاعری کی جانب توجہ کی ہے، اردو شاعری پھر سے جوان ہوگئی ہے۔

....

علم نور ہے اور علماے ربانی چراغ نور۔ یہ جس محفل میں جلوہ آرا ہوں وہ محفل اجالی ہو جائے۔ جہاں سے گزر جائیں چراغاں ہو جائے۔ علما و مشائخ کے مزارات بلاشبہ ''شہر خوشاں کے چراغ'' ہیں۔

ان کا جلوہ اک تجلی ان کا نقشِ پا چراغ
وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

ان کے وجودِ مسعود سے عذابِ الٰہی اٹھا لیا جاتا ہے اور رحمت و نور کی برکھا برستی رہتی ہے۔ اسی طرح ان کی یادیں اور باتیں بھی رحمتِ الٰہی کے نزول کا سبب ہوتی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کی تلاوت بھی باعثِ اجر و نجات ہوگی۔

شہرِ خموشاں کا تصور ابھرتا ہے تو لگتا ہے میں اپنے پدر بزرگوار جناب خلیل احمد مرحوم کی قبر پر کھڑا ہوں۔ آنکھیں اشک بار ہیں، بدن لرزیدہ ہے اور لبوں پر یہ دعا مچل رہی ہے۔ یارب العالمین میرے والد گرامی کو بخش دے، انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما۔ اے میرے مولا! میری والدہ ماجدہ جن کا گھنیرا سایہ ابھی میرے سر پر ہے انھیں صحت و سلامتی کے ساتھ عمر خضر عطا فرما۔ میرے اور تمام مسلمانوں کے حق میں ان کی درد بھری دعاؤں کو قبول فرما۔

رخصت ہونے سے پہلے ایک بار پھر میں شہرِ خموشاں کے آخری چراغ کے روبرو حاضر ہوں۔ مولانا شکیل مصباحی! آپ مجھے ایسے عالم میں چھوڑ کر گئے جب مجھے اور ملت کو آپ کی شدید ضرورت تھی۔ ان منتشر مضامین کی دستیابی اور ترتیب میں آپ کا خونِ جگر شامل ہے۔ قارئین سے پر خلوص گزارش ہے کہ اول و آخر درود، سورہ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر شہرِ خموشاں کے تمام چراغوں کو ایصالِ ثواب کر دیں۔ مولائے قدیر ان خلد آشیانی بزرگوں اور دوستوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں مولانا ساجد رضا مصباحی، مولانا قطب الدین رضا مصباحی، مولوی ابرار احمد، مولوی محمد علی، مولوی رضوان احمد، مولوی توصیف رضا اور مولوی جنید احمد کا شکریہ نہ ادا کروں جنھوں نے بڑی محنت سے پروف پڑھے۔ اور شکر گزار ہوں جناب مہتاب پیامی صاحب کا جنھوں نے بڑی محبت سے کتاب کی کمپوزنگ اور تزئین کاری کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے علم و اقبال میں بلندی عطا فرمائے۔ اور ان چراغوں کا اجالا ہر گھر آنگن تک پہنچائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

از: مبارک حسین مصباحی
۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

ملتِ اسلامیہ کا پاسباں جاتا رہا

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

پاسبانِ ملت خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی ۸رربیع الثانی ۲۹راکتوبر ۱۹۹۰ء بروز دوشنبہ ۱۱ر بجکر ۴۰ر منٹ پر ہمیں ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئے۔ فضا کشیدہ ہونے کی وجہ سے اسی دن بعد عشا دارالعلوم غریب نواز کے مغربی شمالی کمرہ میں آپ کی وصیت کے مطابق دفن کیا گیا۔ آپ کی بلند پایہ شخصیت سے اپنے اور بیگانے بھی آشنا تھے۔ آپ ایک شیریں بیان اور گھن گرج خطیب، نقطہ رس اور حاضر جواب مناظر، صاحب طرز اور عمیق النظر ادیب، دوراندیش اور ماحول آشنا صحافی تھے۔ الجامعۃ الاشرفیہ اور کاروان اشرفیہ سے آپ کے بڑے گہرے روابط تھے۔ جامعہ کی سب سے اعلیٰ با اختیار کمیٹی "مجلس شوریٰ" کے اہم رکن تھے۔ جامعہ اشرفیہ کے بانی جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ حافظ ملت کو "استاذ العلماء" اور "جلالۃ العلم" سب سے پہلے آپ نے لکھا۔ حافظ ملت بھی آپ پر بڑے مہربان اور شفیق تھے۔ اپنے ارشد تلامذہ کی طرح نوازتے تھے۔ آپ کی فرمائش پر عدیم الفرصتی کے باوجود "ماہنامہ پاسبان" کے لیے "معارف حدیث" کا کالم لکھنا شروع فرمایا تھا۔ جب بھی آپ سے ملتے باغ باغ ہو جاتے، سینے سے لگاتے اور بڑی دعاؤں سے نوازتے۔ حافظ ملت کے وصال کے بعد بھی اشرفیہ کے اکابر واصاغر سے پاسبانِ ملت کے باہمی عقیدت ومحبت کے روابط برقرار تھے۔ آج جامعہ اشرفیہ اپنے رکن اور حافظ ملت قدس سرہ کے محبوب سے محرومی پر سوگوار ہے۔

مرض وصال: —تقریباً تین سال قبل ناسک میں موصوف پر شدید فالج کا حملہ ہوا۔ وہاں سے علاج کے لیے ممبئی گئے۔ ہسپتال "جسلوک" میں علاج کے لیے داخل کیا گیا۔ بڑے سے بڑا جو ڈاکٹر مل سکا۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ جو علاج ہو سکا کیا گیا۔ چھ ماہ کے بعد کچھ کچھ سفر کے لائق

بھی ہو گئے تھے۔ اور پھر رفتہ رفتہ کچھ تقریر بھی کرنے لگے تھے۔ امید یہ ہو چلی تھی کہ اب علامہ نظامی صاحب کچھ اور دن اپنے فیوض و برکات سے مسلمانوں کو فیض یاب فرمائیں گے۔ لیکن چند ماہ قبل بمبئی سے گھر آتے ہوئے راستے میں پہلی اگست ۱۹۹۰ء کو ٹرین میں فالج کا سخت حملہ ہوا اور مستقل بے ہوشی طاری ہوگئی۔ اخیر کلمہ جو زبان سے ادا کیا وہ درود میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ اس کے بعد قطعاً کوئی بھی کلام نہیں کر سکے۔ ۲ اگست کو الہ آباد پہنچے، اسٹیشن ہی سے ان کو الہ آباد کے سب سے اعلیٰ پرائیویٹ ہسپتال میں علاج کے لیے داخل کر دیا گیا لیکن ہوش نہ آنا تھا، نہ آیا۔ مرض کا علاج ہے، پیام اجل کا کوئی علاج نہیں:

فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُونَ. (الاعراف، آیت ۳۴)

جب ان کا وعدہ آجائے گا، ایک گھڑی نہ پیچھے ہو نہ آگے۔

حالات :- حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آباد کی مشہور تحصیل پھول پور کے موضع سرائے غنی میں ۱۹۲۲ء میں خاک دان گیتی پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کے والد ماجد زمیں دار تھے۔ اب بھی آپ کی پختہ حویلی، بہت بڑا آم کا باغ اور آراضی موجود ہے۔ والد ماجد اگرچہ زمیں دار تھے اور ملک برادری سے تعلق رکھتے تھے، اس کے باوجود بہت نیک، درویش صفت، متواضع، منکسر المزاج، دین دار بزرگ تھے۔ انھوں نے اپنی دین داری کی وجہ سے یہ چاہا کہ میرا یہ فرزند عالم دین بنے۔ ورنہ زمیں داروں میں عموماً یہ شوق ہوتا ہے کہ اپنی اولاد کو گریجویٹ بنائیں۔

تعلیم و تربیت :- پاسبانِ ملت نے اپنے والد ماجد کی خواہش کے مطابق قرآن مجید اور اردو کی مروج تعلیم اپنے گاؤں ہی میں حاصل کی۔ جب سن شعور کو پہنچ گئے تو ان کے والد ماجد انھیں اپنے ہم راہ لے کر خواجۂ خواجگان سلطان الہند خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانے پر گئے اور وہیں یہ منت مانی کہ میں اس بچے کو عالم دین بناؤں گا۔ رجب میں عرس مبارک کے موقع پر اجمیر شریف میں یہ منت مانی تھی۔ اسی سال شوال میں انھیں لاکر الہ آباد کی مشہور درس گاہ مدرسہ سبحانیہ میں داخل کر دیا۔

اس وقت مدرسہ سبحانیہ اوج کمال پر تھا۔ امام التارکین حضرت مجاہد ملت مولانا

حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس وقت اس کے صدر المدرسین تھے۔ پاسبانِ ملت کے والد ماجد نے اپنے ہونہار بچے کو حضرت مجاہدِ ملت کے سپرد کر دیا اور واقعات گواہ ہیں کہ حضرت مجاہدِ ملت نے اپنے فیوض و برکات سے بھرپور نوازا۔

فارسی کے ابتدائی اسباق ملا رحمۃ اللہ نامی استاذ کے سپرد ہوئے۔ لیکن یہ انتہائی متعصب وہابی تھا۔ یہ بات جب حضرت مجاہدِ ملت کے علم میں آئی تو ان کے اسباق وہاں سے اٹھا لیے اور اپنے محبوب تلمیذ شیخِ طریقت مولانا قاری عبد الرب ازہری مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں منتقل کر دیے۔ هداية النحو تک آپ نے انھیں سے تعلیم حاصل کی۔ پھر شرح جامی تک حضرت مولانا مفتی عبد القدوس بھدرکی علیہ الرحمہ سے پڑھا۔ جو اس زمانے میں مدرسہ سبحانیہ کے مدرس تھے۔ اس کے بعد حضرت پاسبانِ ملت کے تمام اسباق حضرت مولانا شاہ نظام الدین بلیاوی علیہ الرحمہ کے یہاں ہونے لگے۔ اس درمیان میں قصیدہ بردہ شریف ، كنز الدقائق اور شرح جامی کے کچھ اسباق حضرت مجاہدِ ملت نے بھی آپ کو پڑھائے۔ درسِ عالیہ کی کچھ کتابیں مثلاً دیوانِ متنبی ، هدايه اخيرين ، سبع معلقه ، ديوان حماسہ وغیرہ حضرت مولانا مفتی عبد القدوس اور مولانا محمد عمر الٰہ آبادی سے پڑھیں۔

حضرت مجاہدِ ملت کو آپ کی تعلیم کا اتنا شوق تھا کہ آپ کو بعد نمازِ تہجد بھی پڑھاتے تھے۔ آپ ۱۹۳۶ء میں درسِ نظامیہ سے فارغ ہوئے۔ دورانِ تعلیم عالم، منشی، فاضلِ ادب، کامل کے امتحانات میں بھی فرسٹ ڈویژن حاصل کیا۔ آپ نے طب کی بھی تعلیم حاصل کی۔ مولانا حکیم محمد احسن بہاری سے موجز قانونچه، شرح اسباب نفیسی وغیرہ پڑھی۔

درس و تدریس :- درس و تدریس کا سلسلہ طالب علمی ہی کے زمانہ سے شروع کر دیا تھا اور مولوی، عالم کی کتابیں پڑھانے لگے تھے۔ ابتدا میں ایک سال جامعہ حبیبیہ مسجد اعظم میں مدرس رہے۔ مدرسہ فاروقیہ بنارس میں صدر المدرسین کے عہدے پر فائز ہوئے۔ لیکن چند ہی مہینوں کے بعد مدرسہ سبحانیہ کے اراکین نے انھیں مجبور کیا اور وہ مدرسہ فاروقیہ چھوڑ کر مدرسہ سبحانیہ میں مدرس ہو گئے اور تین سال سے کچھ زائد مدرس رہے۔

ترک ملازمت اور تبلیغ :- اس عرصے میں پورے ملک میں ہی آپ کی تقریر کی

دھوم مچ گئی اور اتنے کثرت سے پروگرام آنے لگے کہ آپ نے مدرسہ سبحانیہ کی ملازمت ترک کر دی۔ اور پھر پورے ملک میں وعظ و تبلیغ کے لیے جانے لگے۔ اس وقت اتنے زیادہ جلسے نہیں ہوتے تھے، مگر پھر بھی خطیب مشرق کا حال یہ تھا کہ وہ خود کہا کرتے تھے کہ جی بھر کر گھر بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا۔ ہندوستان کا کون سا گوشہ ہے جہاں پاسبانِ ملت علامہ نظامی کی تقریریں نہیں ہوئیں۔ ان کی تقریر سے ہزاروں بدمذہب، صحیح العقیدہ سنی ہو گئے۔ اور کتنے مذبذب پختہ ہو گئے۔ تقریر میں وہ اثر تھا کہ ان کی ہر تقریر بلاشبہہ اس کی مصداق تھی کہ

ع　　کسی کی آنکھ میں جادو تری زبان میں ہے

تلامذہ:- مولانا حافظ قاری نعمت اللہ غازی پوری، مولانا عبد الحمید مراد آبادی، مولانا نور الدین نظامی، پرنسپل مدرسہ عالیہ رام پور، عالی مرتبت جناب مولانا ابوذر رمائی، سابق انسپکٹر عربی فارسی بورڈ الہ آباد اتر پردیش مولانا انوار احمد نظامی، ناظم اعلیٰ دار العلوم غریب نواز وغیرہ یہ مشاہیر تلامذہ ہیں۔ ان کے علاوہ اور سیکڑوں ہیں۔

کارنامے:- جب حضرت مجاہد ملت نے تبلیغ سیرت قائم کی تو آپ اس کے جوائنٹ سکریٹری منتخب ہوئے اور جب تک جوائنٹ سکریٹری رہے، بڑے خلوص، محنت اور لگن سے اس کا کام کرتے رہے۔ جب آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ قائم ہوا تو آپ اس کے آرگنائزر سکریٹری منتخب ہوئے۔ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما کے ایک عرصے تک جنرل سکریٹری رہے۔ اور ایک مدت تک صدر بھی۔ سنی تبلیغی جماعت کا قیام بھی آپ کا زریں کارنامہ ہے۔ ماہنامہ "پاسبان" اہل سنت کا معیاری ترجمان آپ نے جاری کیا۔ توکلا علی اللہ صرف اپنے بل بوتے پر ناساز گار ماحول میں دار العلوم غریب نواز قائم کیا اور رفتہ رفتہ اس کی فلک بوس عمارت بھی تعمیر کی اور اسے اہل سنت کی صف اول کی تعلیم گاہوں میں کھڑا کر دیا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں جہاں کہیں مناظرہ ہوتا تو اس میں علامہ نظامی صاحب کی شرکت ضروری تھی۔ آپ نے مناظروں میں بڑے اہم موقعوں پر ایسا نمایاں کام کیا ہے جو آپ ہی کا حصہ تھا۔ بھیونڈی کے مناظرہ میں ایک موقع پر ایسا نقطہ پیدا کیا تھا کہ حضرت مجاہد ملت نے فرمایا: "اگر مجھے وسعت ہوتی تو تم کو روپیوں سے تول دیتا۔"

تصانیف:۔ آپ کی تصانیف کی بہت طویل فہرست ہے۔ چند مطبوعہ یہ ہیں:
خون کے آنسو (دو حصے)، جماعت اسلامی کا شیش محل، انکشافات، ہند کے راجہ، مجرم کون ہے؟، کربلا کا مسافر، دین دار کے بے نقاب چہرے، نسیم رحمت (تین حصے)، فردوس ادب (چار حصے)، مینارۂ ہدایت، تنویر الایمان، قہر آسمانی، وہابی دیوبندیوں کی پہچان، تبلیغی جماعت کے اصول کا پول، خطبات نظامی، دیوبند کی خانہ تلاشی، دیوبندی بولتے ہیں مگر سمجھتے نہیں، وغیرہ۔
حضرت پاسبانِ ملت عظیم خطیب ہونے کے ساتھ بلند پایہ صحافی بھی تھے۔ آپ نے مشکل ترین ماحول میں "ماہ نامہ پاسبان" جاری کیا اور جہانِ سنیت میں فکری انقلاب برپا کر دیا۔ یہ رسالہ حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے کئی بار بند ہوا مگر سخت جان مدیر نے کئی بار اسے نئی زندگی بخشی۔ حالات حاضرہ پر تنقیدی نظر، علما و مشائخ کے تعارفی خاکے، دینی اور روحانی موضوعات پر گراں قدر مضامین، جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی، دعوت و تبلیغ کے فروغ کے لیے فکر انگیز دردمندانہ تحریریں، گستاخانِ رسول کی نقاب کشائی، دین فروشوں کا سخت علمی اور دینی محاسبہ، اسلوب بیان کی انفرادیت اور زبان و ادب کا رکھ رکھاؤ ان کی صحافتی خدمات کے نمایاں اوصاف ہیں۔
آپ نے ممبئی سے "تاج دار ویکلی" بھی جاری کیا اور مسلمانانِ ہند کی سیاسی و ملی رہنمائی فرمائی۔ ان کے قلمی لب و لہجہ کا دل کش جمالیاتی بانکپن آج بھی اہل علم و دانش کے دماغوں میں تر و تازہ ہے۔ مگر افسوس ان کے علمی وارثین اور عقیدت کیشوں نے ان کے علمی کارناموں کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اے کاش! کوئی قلم کار ان کے مضامین، مقالات، علمی مباحث اور اداریوں کے مجموعے مرتب کر دیتا۔
مختصر یہ ہے کہ حضرت علامہ نظامی صاحب ایک فردِ واحد کا نام نہیں بلکہ فردِ واحد کے روپ میں ایک پوری انجمن تھے۔ اور فضائل و کمالات کے گنجینہ اور حقیقی معنی میں ملت کے پاسبان تھے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اسلام و مسلمین کی طرف سے بہت بہت جزا عطا فرمائے۔

(ماہ نامہ اشرفیہ، دسمبر ۱۹۹۰ء)

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

ابھی خطیب مشرق کی رحلت سے پُرنم آنکھوں کے سوتے خشک بھی نہیں ہوئے تھے کہ اچانک مرکز علم وفن سرزمین مبارک پور سے دنیائے سنیت میں:

ع: خبر رسید کہ یک قصر علم وفضل نماند

یعنی حضور حافظ ملت کے تلمیذ رشید، سابق ناظم اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اچانک بدھ کی شب کو بارہ بج کر تیس منٹ پر ہم سے جدا ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یہ وحشت افزا خبر جوں ہی اطراف وجوانب میں پھیلی، شیدائیوں کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور پورا ماحول سوگوار ہو گیا۔ آپ کیا گئے اساطین مبارک پور کی صف اول ٹوٹ گئی۔ صبح کو تمام کاروانِ اشرفیہ بجائے تعلیم وتعلم کے قرآن خوانی اور ایصال ثواب میں مصروف ہو گئے۔ تمام شعبوں میں ایصالِ ثواب کی مجالس منعقد ہوئیں اور حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ اور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری شیخ الجامعہ نے اپنے اپنے درد وغم کا اظہار کیا اور دعائے مغفرت پر مجلسیں برخاست ہوئیں۔ تین بجے نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں قرب وجوار کے ہزاروں افراد اور کثیر علما ومشائخ نے شرکت کی۔ دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ سرزمین مبارک پور پر حضور حافظ ملت کے بعد اتنا ہجوم کسی جنازے میں دیکھنے کو نہیں ملا۔ مرحوم کو آبائی احاطہ محلہ پورہ دیوان میں بصد حسرت ویاس سپرد خاک کیا گیا اور لوگ غم واندوہ سے چور قافلہ در قافلہ یہ کہتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔

کل گئے وہ اور آج تم اور کل چلے جائیں گے ہم
اس طرح یارو نظام مے کدہ تو چل چکا

موصوف کے سانحہ ارتحال کے بعد تعزیتی جلسوں کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ آپ کی رحلت کوئی معمولی حادثہ نہیں بلکہ ایک عالم کی موت ایک عالَم کی موت ہے۔ آپ کا شمار حافظ ملت کے نمایاں تلامذہ میں ہوتا تھا۔ آپ اخلاص وللہیت کے پیکر، دین ودانش کے مرقع اور بلند کردار وعمل

کے حامل انسان تھے۔آپ کی دینی وملی خدمات،آپ کے علمی وفکری رشحات قلم اور تنظیمی واصلاحی کارناموں کے اَن مٹ نقوش آج بھی دلوں کی دنیا میں آباد ہیں۔

تعلیمی مراحل:- ابتدائی تعلیم محلہ کے ایک حافظ صاحب کے پاس ہوئی، پھر مدرسہ احیاء العلوم میں درجہ دوم تک پڑھا، پھر دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ لیا اور پرائمری کی تکمیل کے بعد بعد شوق ۱۲ر جمادی الآخرہ ۱۳۵۵ھ میں درس نظامیہ میں داخل ہو گئے۔ دوران تعلیم ۱۳۵۹ھ میں بریلی چلے گئے، جہاں حضرت مولانا مفتی وقار الدین اور حضرت علامہ عبد المصطفیٰ ازہری سے تعلیم حاصل کی اور حضرت علامہ سردار احمد محدث اعظم پاکستان کے فیض صحبت وتربیت سے بھی سرفراز ہوئے۔شوال ۱۳۶۰ھ میں پھر دار العلوم اشرفیہ مبارک پور چلے آئے اور شعبان ۱۳۶۹ھ/ جولائی ۱۹۴۲ء میں باضابطہ درس نظامیہ کی تکمیل کے بعد دستار فراغت اور سند فضیلت حاصل کی۔اور یہاں ان حضرات سے تعلیم وتربیت کی دولت بے بہا پائی ،حضرت حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی،حضرت مولانا محمد سلیمان بھاگل پوری،حضرت مولانا شمس الحق اعظمی۔

تدریس و تنظیم : فراغت کے بعد ۱۳۶۶ھ میں مدرسہ انوار العلوم تلسی پور ضلع گونڈہ میں بحیثیت مدرس تشریف لے گئے۔جہاں ۱۳۷۳ھ تک انتہائی محنت وجانفشانی سے تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ۶رذی الحجہ ۱۳۷۳ھ کو مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں صدر المدرسین کے عہدے پر چلے گئے۔جس کی تمام ذمہ داریوں کو اپنی فکروعمل اور محنت وکاوش سے بحسن وخوبی انجام دیا۔اس کے بعد ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ میں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کی مسند تدریس پر فائز ہوئے۔اسی دوران ۱۹۷۱ء میں نائب ناظم اور ناظم تعلیمات منتخب ہو گئے۔اور ۱۹۷۸ء میں ناظم اعلیٰ ہوئے۔اور اپنے عہد نظامت میں مدرس اعزازی بھی رہے۔جہاں آپ علمی گہرائی ،فکری بلندی اور ٹھوس تدریسی صلاحیتوں کے مالک تھے۔وہیں انتظامی امور میں بھی خاصی دستگاہ اور بصیرت تھی ان کے زمانہ تدریس میں جتنے بھی اشرفیہ کے طلبہ وفارغ ہوئے اکثر وبیشتر کو ان سے شرف تلمذ ضرور حاصل ہوا،اس لحاظ سے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے،جن میں اکثر آج صف اول کے علما میں شمار کیے جاتے ہیں۔

سرمایۂ قرطاس وقلم : آپ ایک اچھے قلم کار تھے۔آپکی تحریروں میں ادب کا بانکپن بھی ملتا ہے اور فکر کی گہرائی بھی ،ملت کا سوزوگداز بھی ملتا ہے۔اور اہل سنت کی ترجمانی بھی۔آپ تہذیب حجازی اور عقائد اہل سنت کے امین تھے۔ذیل میں ملی بدحالی اور مغربی

تہذیب کے خلاف آپ کے قلم کا تیور اور اسلوب تحریر کا رنگ و آہنگ ملاحظہ کیجیے:

"تہذیب جدید کا یہ کرشمہ ہے کہ قوم ہو یا فرد اخلاقی گراوٹ میں اس طرح مبتلا ہے کہ شریف انسان کو دیکھ کر گھن آتی ہے شرم وحیا محبت ورحم دلی مخلوق پروری وغم گساری اور عدل وانصاف وغیرہ اعلیٰ اخلاقی قدروں سے پورا معاشرہ خالی ہو چکا ہے۔ حالانکہ انہیں صفات سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ مغربی تہذیب کے دلدادہ لوگوں کے دلوں میں اس تہذیب نے ایسا بیج بویا ہے کہ خدا کے تصور اور مذہب کی قید و بند سے آزاد ہو گئے۔ اور لازمی طور پر طہارت قلب و پاکیزگی نگاہ سے محروم ہو گئے۔"

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

یہ سچ ہے کہ آپ کا تحریری سرمایہ کم ہے جہاں تک میری معلومات ہے ایک کتاب اور کم وبیش ایک درجن مقالات ہیں مگر جو لکھا ہے وہ اہل دین ودانش کے لیے لائق اعتنا اور قابل توجہ ہے۔ آپ کے خوشہ چینوں کی ایک طویل فہرست ہے جنہیں آپ نے شعور قلم اور شوکت تحریر سے سرفراز کیا۔ آیئے ذیل میں مولانا بدر القادری کی تحریر میں آپ کی کتاب "الوسیلة السنیه" کا اجمالی تعارف پڑھ لیجیے:

"الوسیلة السنیه۔ مسئلہ توسل پر ایک مختصر مگر جامع تحریر ہے۔ جس میں قرآن وحدیث کے مستند حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ جن پر قرن ہا قرن سے سارے عالم کے مسلمانوں کا تعامل رہا۔

پیش نظر کتاب میں شوخی تحریر اور انشا پردازی سے قطع نظر صرف بیان مقاصد پر اکتفا کیا گیا ہے۔ جو حضرت مصنف کی سادہ مزاجی کا ثبوت ہے۔ اس عنوان پر اب تک بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اردو زبان میں بھی متعدد رسالے اور کتابیں طبع ہوئیں۔ مگر زیر نظر کتاب میں مناظرانہ اور پر جوش انداز بیان کے بجائے نہایت متین اور سنجیدہ لہجہ استعمال کیا گیا ہے۔ جو ٹھوس شرعی دلائل پر منحصر ہے۔ اب چونکہ موضوع ہی موجودہ دور

کے لحاظ سے نرالی ہے اس لیے جا بجا ان لوگوں کا ذکر لازم تھا جو اس
عقیدہ کے ابتدائی مخالف تھے ۔ یہ کتاب کچھ ایسی نہیں جسے حضرت
مصنف کا کوئی عظیم علمی کارنامہ کہا جائے ۔ مگر اس مختصر تحریری آئینے میں
ان کے علمی وقار، وسعت مطالعہ قوت استدلال اور زبان وبیان کی
قدرت کا اندازہ مشکل نہیں ۔" (ص: ۷۔۶ مرالوسیلۃ السنیہ)

قافلہ حجاز کی قیادت : اہل مبارک پور اپنے جذبۂ دین داری اور اسلام دوستی میں یکتا اور منفرد ہیں ۔ جس کا ثبوت ہمیں ہر اس موقع پر بہ آسانی مل جاتا ہے جب کوئی جلسہ، جلوس یا دینی تعمیری کام یا حجاج اکرام کی روانگی اور استقبال کا وقت ہو ۔ چہارشنبہ ۱۸ ار اکتوبر ۱۹۷۷ء کو مبارک پور سے تقریباً ۲۲ حاجیوں کا ایک قافلہ حضرت مولانا الحاج محمد شفیع صاحب قبلہ کی قیادت میں روانہ ہوا۔ نہ پوچھیے اس وقت کا عالم جب مبارک پور سے عربی یونیورسٹی تک بے شمار مسلمانوں کا اژدہام اپنے جذبات ایمانی کا ثبوت دیتے ہوئے تکبیر ورسالت کے نعرے اور قافلۂ حجاز زندہ باد اور حافظ ملت زندہ باد کے غلغلے بلند کر رہا تھا۔ عربی یونیورسٹی سینٹرل بلڈنگ کے گیٹ سے حضرت ناظم تعلیمات کی بر آمدگی اور جماعت حجاز کی روانگی کا منظر بڑا ہی رقت انگیز تھا۔ حضرت سربراہ اعلیٰ صاحب قبلہ اور مدرسین اشرفیہ ہی نہیں بلکہ بے شمار موجودین کی آنکھیں نم ناک تھیں ۔ حسرت کی نگاہوں سے حضرت ناظم تعلیمات کی طرف دیکھا اور مبارک پور سے دور ہوتے چلے گئے ۔ اسٹیشن تک کم از کم دو ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ بنارس تک جا کر دو سو آدمیوں نے قافلۂ حجاز کو بمبئی کے لیے الوداع کہا۔ (ماہنامہ اشرفیہ نومبر ۱۹۷۷ء)

عقیدتوں کی دنیا : مولانا موصوف علیہ الرحمہ ایک نیک سیرت اور صالح انسان تھے ۔ آپ ایک سچے نائب رسول اور پر خلوص خادم سنیت تھے ۔ یوں تو آپ بزرگان دین اور اولیائے کاملین سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے ۔ مگر اپنے عہد کی دو عظیم شخصیتوں سے ان کی عقیدت عشق ووارفتگی کی حد تک بڑھی ہوئی تھی ۔ ان میں سے ایک شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند تھے ۔ جن سے انھیں شرف بیعت وخلافت حاصل تھا۔ جن کی نگاہ کیمیا اثر نے دل کی دنیا میں انقلاب پیدا کیا اور تزکیۂ نفس کا سامان فراہم کیا۔ دوسری شخصیت جلالۃ العلم حضرت حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی کی تھی ۔ جن کی تعلیم وتربیت نے اس ذرہ خاک کو ہم دوش

ثریا کیا، علم وفن اور فکر وبصیرت کی بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا اور دل کی دنیا میں گہرے رشتۂ محبت کی یہ آبادکاری کسی خارجی دباؤ اور اندھی عقیدت کی بنیاد پر نہیں تھی بلکہ عالم فرزانگی میں بہت سوچ سمجھ کر دامن دل ان کے حوالے کیا تھا۔ ان حقائق کی پردہ کشائی انھوں نے اپنے الفاظ میں بھی کی ہے، بار خاطر نہ ہو تو انھیں بھی پڑھ لیجیے۔ اپنے پیر ومرشد سے متعلق فرماتے ہیں:

"دنیائے اہل سنت آپ سے اس لیے عقیدت ومحبت رکھتی ہے کہ آپ علم شریعت کے حامل اور عشق ورسالت کے حامل تھے۔ خشیت الٰہی اور تقویٰ وورع کی بنیاد پر آپ کو ہر شخص اپنی روح سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ تقویٰ وطہارت کی شان دیکھ کر اغیار بھی گرویدہ ہو جاتے تھے۔ حضور مفتی اعظم ہند اس لیے بڑے نہیں تھے کہ آپ اعلیٰ حضرت کے صاحب زادے تھے۔ بلکہ آپ کو اپنے علم وفن، خشیت الٰہی، عشق رسالت، عبادت وریاضت اور تقویٰ واحتیاط کے کمال نے یہ عظمت مرحمت فرمائی"۔

اپنے استاذ ومربی حضرت حافظ ملت سے متعلق اظہار تاثر فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

"اس دور میں بھی حق پسند حق گو بندگان خدا کی کمی نہیں۔ گو ان کے افعال وکردار سے دنیا کما حقہ آشنا نہ ہو۔ مگر تجسس کی نگاہ سے اوجھل بھی نہیں۔ انھیں بندگان خدا میں حافظ ملت کی ذات تھی۔ جن کی پوری زندگی اخلاق فاضلہ، ملکات نفسانیہ کی ایک انجمن تھی۔ کسی نے زہد وتقویٰ کو دیکھا تو ریجھ گیا، کسی نے توکل وشان استغنا دیکھی تو گرویدہ ہو گیا، کسی نے سادگی میں سطوت شاہانہ دیکھی تو دامن سے وابستہ ہو گیا، کسی نے اخلاص وللّٰہیت کا مطالعہ کیا تو اسیر بن گیا، کسی نے خردوں پر شفقت وپیار کی برکھا دیکھی تو وارفتہ ہو گیا، کسی نے دینی سرگرمیوں کے لیے زندگی وقف دیکھی تو فدائی بن گیا۔ الغرض آپ کی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق اور حیات کا ایک ایک گوشہ اس قابل ہے کہ اس پر سیر حاصل بحث کی جائے۔ اور قوم کے لیے آپ کے کردار کی ایک دستاویز مہیا کی جائے۔" (ماہنامہ اشرفیہ فروری ۱۹۹۱ء)

اک اور شمع مہر وصداقت ہوئی خموش

قاضی شریعت حضرت مولانا محمد شفیع علیہ الرحمہ کے سانحہ ارتحال کا مرثیہ اور پرغم ذکر خیر زیر قلم ہی تھا کہ اچانک ادارۂ شرعیہ پٹنہ کا یہ دردناک نشریہ موصول ہوا کہ حضرت مولانا مفتی محمد فضل کریم رضوی قاضی شریعت ادارۂ شرعیہ بہار طویل علالت کے بعد اپنے آبائی وطن فیضی پور سیتامڑھی بہار میں ۲۱ردسمبر ۱۹۹۰ء کی شب ۳ بجکر ۲۰ منٹ پر ۸۰ رسال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے ۔"انا للہ وانا الیہ راجعون "۔انکی تجہیز وتکفین ان کے آبائی وطن میں ۲۲ردسمبر ۹ر بجے صبح عمل میں آئی ۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ دین وملت کا یہ قیمتی سرمایہ اگر اسی تندروی کے ساتھ تلف ہوتا رہا تو ملی مستقبل کا کیا حال ہوگا۔ کہ بے ساختہ زبان پر یہ کلمات آگئے ۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

ادارۂ شرعیہ پٹنہ مسلمانان بہار کے اس مرکز کا نام ہے جو ان کی ہر مسرت وشادمانی کے موقع اور ہر ابتلا و آزمائش کے مرحلہ پر قیادت ورہنمائی کرتا ہے۔اور دینی ،ملی ،سیاسی اور سماجی در پیش مسائل کا بر وقت حل پیش کرتا ہے۔ مولانا مرحوم عرصۂ طویل سے اسی ادارہ کے شعبۂ افتا وقضا کی ذمہ داریوں کو بحسن خوبی انجام دے رہے تھے ۔صد افسوس کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں عائلی اور معاشرتی حل پیش کرنے والے ایک عظیم مفتی اور قاضی سے ہم محروم ہوگئے ۔

حضرت علامہ ارشد القادری نے حضرت قاضی صاحب کی وفات پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''علم وفضل اور زہد وتقوی کی ایک شخصیت سے محروم ہوگئے ۔ بہار کے علمائے راسخین کی وہ صف ٹوٹ گئی جس میں آپ کی حیثیت میر کارواں کی تھی ۔آپ بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے ۔آپ اپنے اخلاق

واوصاف کی وجہ سے اپنے اور بیگانے سبھی میں یکساں طور پر مقبول تھے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی مسلک اہل سنت وجماعت کی ترویج واشاعت میں صرف فرمائی۔ آپ ایک طویل عرصہ سے ادارہ شرعیہ بہار کے قاضی شریعت کے عہدہ جلیلہ پر فائض تھے۔
خدائے قدیر ان کی مغفرت فرمائے اور جنات عالیہ میں انھیں اعزاز کی جگہ مرحمت فرمائے۔ آمین“

(ماہنامہ اشرفیہ، فروری ۱۹۹۱ء)

مصباحی صاحب کے والد گرامی

۲۳ر دسمبر ۱۹۹۰ء جمادی الآخرہ ۱۴۱۱ھ دوشنبہ کی رات میں دس بجے حضرت علامہ محمد احمد مصباحی شیخ الادب جامعہ اشرفیہ اور مولانا حافظ احمد القادری پرنسپل مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم جلالی پورہ بنارس کے والد گرامی محترم جناب محمد صابر اشرفی علیہ الرحمہ تقریباً ۹۵ ربرس کی عمر میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔ ۲۴ر دسمبر بروز دوشنبہ بعد نماز ظہر تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے پڑھائی۔ جنازہ میں مقامی و بیرونی عوام کے علاوہ کافی تعداد میں اساتذہ اور طلبہ نے شرکت کی۔

مرحوم کو بھیرہ کے سب سے بڑے اور آبائی قبرستان میں جو آبادی کے دکھن دریائے ٹونس کے کنارے واقع ہے برگد کے درخت کے نیچے دفن کیا گیا۔ موصوف بڑے دین دار، نیک سیرت صوم وصلوٰۃ کے پابند اور بے پناہ دینی اور ملی جذبہ کے حامل تھے۔ ۶ر جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ کو حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے پیر ومرشد اور برادر اکبر سید شاہ اشرف حسین کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے۔ حضرت صدر الشریعہ، حضرت محدث اعظم ہند، شیر بیشہ اہل سنت، حافظ ملت علیہم الرحمہ اور دیگر علما اور دینی و ملی شخصیات سے قریبی تعلقات رکھتے تھے۔ اور اکثر علما سے بڑی عقیدت ومحبت سے ملتے۔ اپنے دینی جذبہ اور مذہبی حمیت کے تحت اس دور بلا خیز میں ہزاروں جتن کر کے اپنے دونوں فرزندوں کو دینی تعلیم وتربیت دلائی۔ جن خلوص پیشہ فرزندوں کی دینی وعلمی خدمات کی ایک طویل داستان ہے۔ انجمن امجدیہ اہل سنت بھیرہ (قائم شدہ ۱۹۶۱ء/۱۳۸۰ھ) جس کے تحت مدرسہ عزیزیہ خیر العلوم بھیرہ چل رہا ہے۔ اس انجمن کے قیام اور بھیرہ کی سنیت کی بقا میں موصوف کے مساعی حسنہ اور جذبات دینیہ کا بڑا حصہ ہے۔

پروردگار عالم آپ کی قبر پر رحمت ونور کی بارش فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔　　(ماہنامہ اشرفیہ، فروری ۱۹۹۱ء)

فخر الافاضل مولانا کاظم علی عزیزی

موت تجدید مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

یہ اندوہناک خبر آپ تک یقیناً پہنچ چکی ہوگی۔ کہ حضور حافظ ملت کے تلمیذ رشید ممتاز الاساتذہ حضرت مولانا کاظم علی عزیزی مصباحی ۱۶؍دسمبر ۱۹۹۱ء کو بروز دوشنبہ شام ۶؍بجکر ۵۰؍منٹ پر ممبئی میں داغ مفارقت دے گئے۔ "اناللہ وانا الیہ راجعون"۔ حضرت حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ سے مرحوم کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ آپ کے وصال کی افسوس ناک خبر جب جامعہ اشرفیہ میں پہونچی تو پورا ماحول سوگوار ہوگیا۔ عزیزی ہال میں تعزیتی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں ارکان ادارہ، اساتذہ اور طلبہ نے شرکت کی اور شیخ الجامعہ نے ادارہ کی جانب سے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ ۳۲؍قرآن عظیم کا ثواب ایصال کیا گیا۔ صلوٰۃ وسلام اور دعاے مغفرت پر مجلس برخاست ہوئی۔ اللہ تعالیٰ موصوف علیہ الرحمہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور تمام پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین۔

حضرت مولانا کاظم علی عزیزی مصباحی ایک بلند پایہ مدرس، متبحر عالم دین، وسیع النظر، کثیر المطالعہ، انتہائی ذہین وفطین، بے پناہ دینی وعلمی صلاحیتوں کے مالک، حد درجہ متقی و پرہیزگار اور ہردل عزیز، معتبر، قدآور اور مثالی استاذ تھے۔ ان سارے علمی محاسن وکمالات کے ساتھ ساتھ بڑے پاک باز، نیک طبیعت، خوش خلق اور خاموش طبع تھے، نہ ظاہری ولسانی طمطراق تھا، نہ قول وعمل میں تضاد اور نہ کبھی کاروبار "خورا فضیحت دیگراں را نصیحت" کے الزام میں ملوث ہوئے، نام ونمود، شہرت ونام آوری اور جاہ ومنصب کے کبھی خواہاں نہ رہے۔ تواضع وانکساری، خاکساری وفروتنی، جیسے الفاظ عام طور پر بولے جاتے

ہیں مگر ان اوصاف کے حامل کم نظر آتے ہیں۔ لیکن مولانا موصوف علیہ الرحمہ بلاشبہ ان اوصاف کی سچی تصویر تھے۔ جلسہ ہو یا جلوس، جلوت ہو یا خلوت، مسند تدریس ہو یا کرسی خطابت ہر جگہ تواضع وخاکساری کے پیکر نظر آتے تھے۔ نہ لباس و پیرہن میں کوئی سج دھج، نہ لب ولہجہ میں شوخی و بانکپن۔ اخلاص و دردمندی، بڑوں کا ادب، نسبتوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت ونوازش ان کی فطرت میں داخل تھی۔ حضور حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ کی محبت میں تا عمر سرشار رہے۔ ان کے خلاف ایک لفظ سن نہیں سکتے تھے۔ اور یہ سب کچھ کیوں نہ ہوتا ان دونوں سے رشتہ ہی اتنا مقدس اور نازک تھا۔ حضور حافظ ملت آپ کے پیرومرشد اور مخلص استاذ تھے۔ اور جامعہ اشرفیہ، مادر علمی تھا۔ انہیں دونوں کی برکتوں، عنایتوں اور نوازشوں نے آپ کو زمین کی پستیوں سے اٹھا کر ہم دوش ثریا کیا تھا۔ سال میں دو مرتبہ آپ جامعہ اشرفیہ میں ضرور تشریف لاتے۔ سالانہ تقریری امتحان کے موقع پر اور عرس عزیزی کے ایام میں۔

انہیں موقعوں پر مجھے بڑے قریب سے دیکھنے اور متعارف ہونے کا موقع ملا تھا۔ دو کتابوں (بخاری شریف اور توضیح تلویح) کے امتحان دینے کا شرف بھی حاصل ہو چکا ہے۔ جب آپ امتحان لینے تشریف لے آتے تھے، تو طلبہ عام طور پر اس بات کے متمنی رہتے تھے کہ کسی کتاب کا امتحان ان کے پاس ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اپنی علمی جلالت اور فلسفیانہ رعب وطمطراق سے طلبہ کو مرعوب نہیں کرتے تھے کہ طلبہ حواس باختہ ہو کر زبان ہی نہ کھول سکیں اور جواب مستحضر ہونے کے باوجود قوت گویائی ساتھ نہ دے سکے۔ بل کہ آپ بڑے نرم، سادہ اور ٹھہرے ہوئے لب ولہجہ میں سوال کرتے اور طلبہ انتہائی اطمینان وسکون کے ساتھ جواب دیتے اور کسی قسم کا بوجھ محسوس کیے بغیر جو کہنا چاہتے کہہ دیتے۔ آپ کے احباب ومتعلقین میں صاحبان جبہ ودستار بھی تھے اور واعظان خوش بیان بھی، ارباب ثروت واقتدار بھی تھے اور اصحاب علم وفضل بھی مگر آپ کی علمی لیاقت، فکری صلاحیت اور سادگی کے سب معترف نظر آتے ہیں۔

آپ کی پیدائش ضلع بستی کی مشہور تحصیل خلیل آباد کی ایک مسلم معاشرتی آبادی موضع

دیوریا کے غریب، دیندار اور پاک باز خاندان میں ۱۹۳۲ء کو ہوئی۔ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔اس کے بعد دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ میں داخلہ لیا، یہاں اس مدرسہ کے مدرس اول مولانا فاروق فیض آبادی سے میزان سے شرح جامی تک اور فقہ میں شرح وقایہ تک پڑھا۔پیرِ طریقت حضرت مولانا صوفی نظام الدین اور حضرت مولانا سخاوت علی آپ کے ابتدائی ہم سبق رفقا تھے۔بڑھتی ہوئی تعلیمی پیاس بجھانے کے لیے اصحاب ثلاثہ پر مشتمل یہ قافلۂ شوق ۱۹۴۷ء میں میرٹھ روانہ ہوا اور مشہور دینی درس گاہ مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میرٹھ میں امام النحو صدر العلما حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی اور حضرت مولانا مبین الدین محدث امروہوی سے مکمل ایک سال تک اکتساب فیض کیا۔

ان دنوں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کا تعلیمی شہرہ ملک کے طول وعرض میں ہو چکا تھا۔میخانۂ حافظ ملت کی شراب علم وحکمت کی دھوم مچی ہوئی تھی۔علمی وروحانی فیوض وبرکات کے جام پر جام چل رہے تھے۔اس مثالی درس گاہ کی دھوم آپ نے بھی محسوس کی اور دل ودماغ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔اور چند افراد کا یہ قافلہ ۱۹۴۸ء میں مبارک پور پہنچ گیا۔یہاں آپ کے علمی وفکری شوق کو بھرپور تسکین ملی۔اور حضور حافظ ملت کے زیر سایہ علوم وفنون کے ماہر اساتذہ سے خوب سیرابی حاصل کی۔جن میں حضرت علامہ عبد الرؤف بلیاوی، حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی، حضرت مولانا غلام جیلانی، اور حضرت مولانا سلیمان بھاگلپوری وغیرہ ہیں۔آپ کو حضور حافظ ملت کا خصوصی فیضان حاصل تھا۔آپ کو درس کے خارجی اوقات میں بھی پڑھاتے تھے، سفر تک میں درس دیا کرتے تھے۔اس طرح کا ایک واقعہ خود موصوف نے سپرد قلم فرمایا ہے جو کئی اعتبار سے طلبہ اور اساتذہ کے لیے مفید اور مشعل راہ ہے۔آپ رقم طراز ہیں:

> ”آپ کے ساغر علم وحکمت خواہ سفر ہو یا حضر ہر فرد ملت پر یکساں طور پر چھلک رہے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت بھاؤ پور کے ایک جلسہ میں جانے والے تھے، حضرت کی نگاہ انتخاب نے کفش برادری کے لیے عقیدت کیش ہی کو منتخب کیا۔چونکہ سالانہ امتحان

بالکل ہی قریب تھا، اس بنا پر حضرت کی طلبہ نواز ذہنیت کچھ کتب درسیہ ہمراہ لے چلنے کے لیے مصر ہوئی، جن میں خاص طور سے منطق کی ایک معرکۃ الآرا کتاب "حمد اللہ" جو حضرت کے یہاں ہو رہی تھی، بہر حال سفر کا آغاز مبارک پور سے ہوا بذریعہ ٹرین مئو پہنچے۔ مئو ٹرین پر سوار ہوئے مسافروں کی کثرت سے کہیں جگہ نہ مل سکی، بالآخر بیچ کے کنارے بکس رکھ کر اس پر بستر بچھا دیا۔ اس کے بعد حضرت سے عرض کیا حضور تشریف رکھیں، حامل النعل اسی بکس سے متصل نیچے بیٹھ گیا۔ میرے اصرار پر حضرت نے آرام فرمایا۔ تھوڑی ہی دیر بعد حضرت کی آنکھ لگ گئی۔ اور میں "حمد اللہ" کے مطالعہ میں مشغول ہو گیا، دوران مطالعہ میں مغلقات کتاب حل کرتا جاتا۔ مگر صورت حل پر نئے اشکال پیدا ہوتے رہتے، اور اپنی کاوش لا حاصل سمجھتا اس عالم میں غیر ارادی طور پر میری گردن حضرت کی جانب مڑ جاتی۔ معاً حضرت بیدار ہو جاتے، اور اپنی خداداد قوت باطنہ سے صورت حال سمجھ جاتے، اور فوراً ارشاد ہوتا کیوں اشکال پیدا ہو رہا ہے؟ فلاں اشکال کا دفع یہ ہے اور فلاں اشکال کا حل یہ ہے۔

"حمد اللہ" جیسی کتاب پڑھنے پڑھانے والے یہ بخوبی جانتے ہیں کہ مطالعہ کے وقت ان پر کیا گزرتی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ عبارات کے نفس مطالب میں اشکال نہ تھا۔ بلکہ مفاہیم عبارات میں میرے اپنے ذہنی اشکال تھے، جو خود اپنے ذہن کی پیداوار تھے۔ بلکہ اظہار حقیقت کے پیش نظر نہ کہنا ناشکری ہوگی۔ کہ یہ صلاحیت بھی حضرت کی عنایات کی رہین منت ہے اب ایسی شکل میں ذہن کے کنکوں سے واقف ہونا کتنی اہم بات ہے۔

مزید براں ذہنی اشکال کو دور کرنا یہ فیضان الٰہی نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے۔ واقعتاً حضرت اپنی کنیت کے مطابق ''ابوالفیض'' تھے۔

درس نظامی کی باضابطہ تکمیل دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں ۱۹۵۲ء میں کی، فراغت کے بعد مزید تعلیم کے لیے خصوصی طور پر حضور حافظ ملت نے آپ کو روک لیا۔ اس دوران آپ نے منقولات میں بڑی مہارت حاصل کی، اور معقولات پر تو پہلے ہی خاصا عبور حاصل کرلیا تھا۔ ان چند سالوں میں حضور حافظ ملت اور جامعہ اشرفیہ کے در و دیوار کی محبت اتنی رچ بس گئی تھی کہ جدائی کا ایک لمحہ گوارہ نہ تھا، مگر بہر حال خدمت دین اور اشاعت سنیت کے لیے کسی نہ کسی دن آپ کو مادر علمی چھوڑنا ہی تھا۔

انہیں دنوں مدرسہ ضیاء الاسلام اترولہ گونڈہ کے ارباب حل وعقد نے حضور حافظ ملت سے اپنے مدرسہ کے لیے ایک صدر مدرس کی درخواست کی، اس عہدہ کے لیے حضور حافظ ملت نے آپ کو منتخب کیا۔ اور اس ذمہ داری سنبھالنے کا حکم صادر فرمایا۔ مفارقت کے اس صدمہ جاں کاہ سے دل و دماغ کا عالم زیروزبر ہوگیا۔ اس وقت حضور حافظ ملت نے فرمایا: ''آپ کو تبلیغ دین وسنیت کے لیے تیار کیا تھا، اب دین کو تمہاری تبلیغ کی ضرورت ہے اس لیے جاؤ''۔ یہ فرما کر حضور حافظ ملت نے سینۂ مبارک سے لگایا اور رخصت کیا۔ آپ کے ہم راز وہم درس اشرف العلما حضرت مولانا سید حامد اشرف کچھوچھوی نے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا اور تمام طلبہ نے غم ومسرت کے ملے جلے جذبات سے الوداع کہا۔

مدرسہ ضیاء الاسلام میں دو برس تک تدریسی اور صدارتی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھایا۔ آپ کے حسن تدبر اور محنت ولگن سے مدرسہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اس کے بعد مدرسہ انوار العلوم تلسی پور کے ذمہ داروں نے آپ کے بارے میں حضور حافظ ملت سے درخواست کی، جو حالات کے پیش نظر منظور ہوگئی اور آپ بحکم حافظ ملت ۱۹۵۴ء میں تلسی پور چلے آئے اور مدرسہ انوار العلوم میں چار سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ انہیں دنوں آپ سخت علالت کے سبب خلیل آباد کے ایک اسپتال میں زیر علاج تھے۔ کہ اچانک ایک صاحب حضور حافظ ملت کا حکم نامہ مع زادراہ لے کر پہنچے جس میں سلام ودعا کے بعد یہ حکم

تھا: "آپ فوراً دامودر پور چلے جائیں، وہاں کے ادارہ کو فروغ دینا ہے اور بڑھتی ہوئی بد مذہبیت کا قلع قمع کرنا ہے"۔

اسی حکم کے بعد آپ ۱۹۵۷ء میں محبوب الاولیا، شاہ تیغ علی علیہ الرحمہ کے قائم کردہ مدرسہ انوار العلوم علیمیہ دامودر پور بہار تشریف لے گئے۔ جس وقت یہاں پہنچے مدرسہ ابتدائی مراحل میں تھا، چاروں طرف بد مذہبوں اور مخالفوں کا طوفان تھا، مگر آپ کی پیہم کوششوں اور جاں فشانیوں کا یہ ثمرہ ظاہر ہوا کہ چھوٹی سی درس گاہ صوبہ بہار کا مرکزی دار العلوم بن گیا، ٹھوس علمی لیاقت اور تدریسی صلاحیت کا اس قدر شہرہ ہوا کہ دور دراز سے جوق در جوق طلبہ کے قافلے اترنے لگے اور داخلہ کی گنجائش ختم ہوگئی۔ سالانہ بیس، بیس، تیس، تیس، کی تعداد میں باصلاحیت علما و حفاظ فارغ ہونے لگے۔ دار العلوم علیمیہ کی تمام تر ترقیاں اور اس علاقہ میں سنیت کا فروغ و ارتقا آپ کی بے پناہ مساعی جمیلہ کی حسین یادگار اور ناقابل شکست نقوش ہیں، یہاں آپ نے تقریباً پندرہ برس تک علمی اور دینی خدمات انجام دیں۔

اس کے بعد آپ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی کے اراکین کے اصرار اور حضور حافظ ملت کے ایما پر دار العلوم علیمیہ تشریف لے گئے۔ یہاں کوئی ایسا انتظام نہ تھا کہ مدرسہ دار العلوم بن سکے آپ کی کوششوں سے بیرونی طلبہ کے لیے قیام وطعام کا انتظام کیا گیا، سررشتہ تعلیم اتر پردیش سے الحاق کیا گیا۔ اس کے بعد تعلیمی نظم ونسق کافی ترقی کر گیا۔ طلبہ بورڈ کے امتحانات میں بھی شریک ہونے لگے اور جلسہ دستار فضیلت کا انعقاد بھی ہوا۔ اسی دوران حضور حافظ ملت کے وصال جاں کاہ کی خبر ملی۔ اس قیامت آشوب حادثہ کا دل ودماغ پر بہت گہرا اثر پڑا اور شدید علالت میں مبتلا ہوکر گھر بیٹھ گئے۔ آخر میں آپ دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ بستی میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور تادم آخر اسی میں خدمات انجام دیتے رہے۔

آپ نے اپنے عہد تدریس میں مختلف درس گاہیں بدلیں۔ مگر اس عہد تدریس کا سرسری جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت ہر موڑ پر جلوہ بار نظر آتی ہے کہ درس گاہوں کے بدلنے کا سبب منصب کی طلب اور دولت کی خواہش نہ تھی۔ بل کہ ہر موقع پر حضور حافظ ملت کا حکم اور علم

و دین کا فروغ نظر آتا ہے۔ کئی ابتدائی مدرسوں کو شہرستان علم بنادیا اور کئی مکاتب کو اعلیٰ درس گاہوں میں تبدیل کردیا۔

یہ صحیح ہے کہ آپ ایک اعلیٰ مدرس بھی تھے۔ اور سنجیدہ لب ولہجہ کے مستند خطیب اور مصلح و واعظ بھی۔ مگر مختلف ادوار میں مختلف درس گاہوں میں آپ کے فیض یافتہ تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔ جو ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جن میں سحر نگار قلم کار بھی ہیں اور شعلہ بار خطیب بھی، بلند پایہ معلم ومدرس بھی ہیں اور دوربیں متفکر ودانش ور بھی۔ مشاہیر تلامذہ میں چند اسما یہ ہیں:

حضرت مولانا اسلم بستوی، شیخ الحدیث جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور۔

حضرت مولانا شفیق الرحمن عزیزی مصباحی، استاذ دار العلوم محمدیہ بمبئی۔

حضرت مولانا شمس الہدیٰ مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔

حضرت مولانا قمر الحسن مصباحی، استاذ دار العلوم محبوب سبحانی بمبئی۔

حضرت مولانا مسعود احمد، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔

حضرت مولانا عبد الرحمن مصباحی، استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی۔

حضرت مولانا محمد یعقوب، استاذ دار العلوم غوثیہ بجڈ حیہ بنارس۔

آپ کی نسبی یادگاروں میں تین صاحبزادیاں اور تین صاحب زادے ہیں۔ جناب عبد العلی عزیزی، جناب عبد القوی عزیزی، اور جناب عبد النبی عزیزی۔ ماشاء اللہ تینوں بڑے ملنسار اور خوش اخلاق ہیں۔ بمبئی میں کاروبار کرتے ہیں معاشی حالت بھی بہت اچھی ہے۔ ۳؍ جنوری ۱۹۹۲ء کو بمبئی میں جامعہ اشرفیہ کے دفتر برائے رابطہ عامہ کا افتتاح تھا۔ جس میں شرکت کے لیے ایک وفد اشرفیہ سے گیا تھا جس میں راقم بھی تھا۔ اس موقع پر تینوں صاحب زادوں سے ملاقات ہوئی جناب عبد العلی عزیزی صاحب نے اپنے والد گرامی مرحوم کی آخری ایام کی روداد بڑی رقت انگیز انداز میں سنائی تھی جو کچھ اس طرح ہے۔

”حضرت مولانا کاظم علی عزیزی علیہ الرحمہ ادھر کچھ دن سے علیل چل رہے تھے۔ اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ ۲۳ر دسمبر کو بستی

سے بسلسلہ علاج بمبئی تشریف لائے تھے، یہاں مختلف ڈاکٹروں
سے رابطہ قائم کیا گیا۔ بڑے سے بڑا علاج بھی کیا گیا، مگر شفا مقدر
نہیں تھی نہیں ہوئی، بلکہ دن بدن طبیعت بگڑتی گئی ان دنوں ایک
خواہش نے آپ کو بہت تڑپایا کہ مجھے میرے مرشد حضور حافظ ملت
کی بارگاہ میں مبارک پور لے چلو۔ اس تمنا کا انھوں نے بار بار اظہار
کیا۔ آخر میں آپ نے چند وصیتیں بھی کیں کہ میری کتابوں میں
سے بخاری شریف اور تفسیر بیضاوی دارالعلوم محمدیہ کو دے
دینا اور جلالین، مشکوۃ، ترمذی اور مدارک مدرسہ
مصباح العلوم میں پہنچا دینا۔ اور میری نماز جنازہ اشرف العلما
حضرت مولانا سید حامد اشرف کچھوچھوی پڑھائیں۔ شجرہ خوانی اور
کلموں کے پڑھنے کا حکم دیا خود بھی ورد کرتے رہے۔ اچانک چہرہ پر
بشاشت اور پر کشش رونق نمودار ہوئی، اور کلمہ طیبہ پڑھتے پڑھتے
جان، جان آفریں کے حوالے کردی۔'' سچ ہے ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں موت آید تبسم بر لب اوست

وصیت کے مطابق نماز جنازہ حضرت اشرف العلما نے پڑھائی۔ جنازہ میں کثیر
تعداد میں علمائے کرام اور ائمہ مساجد نے شرکت کی اور ۱۷ ردسمبر تقریباً ۱۱ بجے دن ناریل
واڑی قبرستان بمبئی میں بصد حسرت ویاس سپرد خاک کیا گیا۔

(ماہنامہ اشرفیہ فروری ۱۹۹۴ء)

یادِ رفتگاں

اس عہدِ قحط الرجال میں گزشتہ چند مہینوں میں سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کو جو عظیم نقصان اور قیامت آشوب صدمہ پہنچا ہے، اس نے پوری جماعت کو نڈھال کر کے رکھ دیا ہے۔ کاروبارِ عالم سے فردوسِ بریں کی جانب جانے والے مشائخ اور اساطین امت کی ایک طویل فہرست ہے۔ پیرِ طریقت حضرت مولانا شاہ محمد صدیق احمد علیہ الرحمہ سجادہ نشین آستانہ یار علویہ براؤں شریف سدھارتھ نگر، پیرِ طریقت حضرت مولانا سراج الہدیٰ مصباحی سجادہ نشین بیت الانوار گیا، حضرت مولانا سید ریاست علی قادری بانی ''ادارہ تحقیقات امام احمد رضا'' کراچی، حضرت مولانا کاظم علی عزیزی مصباحی شیخ الحدیث تدریس الاسلام بسڈیلہ بستی، حضرت مولانا بدر الدین مصباحی شیخ الحدیث دار العلوم غوثیہ اور حضرت مولانا محمد طیب خاں شیخ الحدیث مدرسہ منظر حق ٹانڈہ فیض آباد۔ یہ تمام علما و مشائخ اپنے اپنے دائرۂ اثر اور میدانِ عمل میں مرکزِ ثقل اور مرجعِ عوام و خواص تھے۔ ان حضرات کی رحلت دردمندانِ ملت کے لیے ایک سوالیہ نشان بن گئی ہے کہ اب ان گلستانِ احسان و تصوف اور چمنستان علم و ادب کی آبیاری اور دیکھ ریکھ کون کرے گا جن کے یہ پاسبان اور روحِ رواں تھے۔

مگر اس حیات آفریں تصور سے بے چین روح کو صبر و سکون مل جاتا ہے۔ پروردگارِ عالم کا بارانِ رحمت کسی موسمِ گل کا منتظر نہیں ہوتا۔ جب بھی دین و دانش کا کوئی چمن اپنے دیدہ ور سے محروم ہوا اور خزاں نے اس کی جانب پینگ بڑھائے۔ رحمتِ الٰہی کسی جانشین اور سچے محافظ و پاسبان کو منتخب فرما دیتی ہے۔ جو اپنا خونِ جگر جلا کر اس خزاں رسیدہ چمن کو پھر لالہ زار اور رشکِ مہ و انجم بنا دیتا ہے۔ کاروبارِ ہستی میں اگر اس مقدس روایت کا وجود نہیں ہوتا تو نہ کوئی سلسلہ برقرار رہتا اور نہ کوئی تحریک و ادارہ زندہ رہتا۔

خدا کی بارگاہ میں بصد عجز و نیاز یہ دعا ہے کہ جلد از جلد ان کے نعم البدل اور جانشین

یہ فرمادے اور تمام پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمادے۔ ادارہ اشرفیہ ان الم
ناک حوادث کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا کناں ہے کہ مالک حقیقی اپنے حبیب علیہ
التحیۃ والثنا کے طفیل ان تمام مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور ان
کے نیک ناموں اور بلند کارناموں کو زندۂ جاوید بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

(ماہنامہ اشرفیہ، اپریل مئی ۱۹۹۲ء)

ایک عارف باللہ کا انتقال پر ملال: سلسلۂ عالیہ اشرفیہ کے عقیدت مندوں
کو اس اطلاع پر بے حد رنج و افسوس ہوگا کہ خانوادۂ اشرفیہ کے ایک عظیم روحانی پیشوا،
قابل احترام ہستی حضرت سید شاہ ظہیر الدین اشرف بسکھاروی کا بروز اتوار مورخہ ۸؍ اگست
۱۹۹۳ء کو انتقال ہوگیا۔

نماز جنازہ خانوادۂ اشرفیہ کی ایک بزرگ ہستی نے پڑھائی اور حضرت محبوب یزدانی
مخدوم سلطان سید اشرف جہاں گیر اشرف سمنانی قدس سرہ العزیز کے جوار میں سپرد لحد کیا
گیا۔ رب کریم مرحوم کو رحمت و غفران سے آسودہ فرما کر جنت الفردوس میں جگہ مرحمت
فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ (آمین)

(ماہنامہ اشرفیہ، اکتوبر ۱۹۹۳ء)

ڈاکٹر سید محمد اجمل مرحوم: الٰہ آباد دائرہ شاہ اجمل کے مشہور خانوادہ
کے چشم و چراغ ڈاکٹر سید محمد اجمل اجملی نے ۶؍ اگست ۱۹۹۳ء بروز جمعہ بعد نماز فجر
داعی اجل کو لبیک کہا۔ ادارہ مرحوم کے تمام پس ماندگان کے غم میں شریک ہے۔ ہماری دعا
ہے کہ مولا عز وجل مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوار قدس میں جگہ عطا فرمائے۔ ان
کے تمام پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ اشرفیہ، اکتوبر ۱۹۹۳ء)

حضرت حافظ محمد تقی اعمیٰ عزیزی علیہ الرحمہ

حضرت حافظ محمد تقی عزیزی اعمیٰ مبارک پوری بڑے بافیض شخص تھے، آپ کو حضور حافظ ملت سے ارادت واجازت حاصل تھی، الہ آباد، بھدوہی اور گورکھ پور وغیرہ میں آپ کے بڑے مریدین ومتوسلین ہیں۔ آپ کا فیض ہندوؤں اور مسلمانوں پر عام تھا، اسی لیے مسلمانوں کے ساتھ ہندو بھی آپ کے بڑے گرویدہ اور دلدادہ ہیں۔ آپ حافظ قرآن اور نعت گو شاعر بھی تھے، آپ کو علمی، ادبی، تاریخی اور مذہبی کتابوں سے بڑا لگاؤ تھا۔ کتابیں دوسروں سے پڑھوا کر سنتے تھے اور جو ایک بار سن لیتے وہ ہمیشہ ان کے حافظے میں تازہ رہتا۔ اسی لیے بڑے بڑے کثیر المطالعہ لوگ بھی ان کے سامنے خاموش ہو جاتے تھے۔ آپ کا آبائی وطن نوادہ مبارک پور تھا۔ زندگی کے اکثر ایام الہ آباد اور بھدوہی وغیرہ میں گزارتے تھے۔ گزشتہ دنوں جب آپ سخت علیل ہوئے تو معتقدین بسلسلۂ علاج سنجے میموریل ہاسپٹل لکھنؤ لے گئے مگر شفا مقدر نہ تھی۔ ۲۴ ردسمبر ۱۹۹۲ء صبح ۷ رنج کر ۲۵ رمنٹ پر بروز جمعرات لکھنؤ ہاسپٹل میں وصال ہو گیا۔ ان کے عقیدت مند لکھنؤ سے الہ آباد لے گئے۔ لیکن جب ان کے اہل خاندان کو علم ہوا تو وہ الہ آباد سے نوادہ مبارک پور لے آئے اور ۲۵ ردسمبر کو بعد نماز جمعہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ نماز جنازہ میں مقامی وبیرونی ہزاروں افراد نے شرکت کی اور نوادہ روڈ پر خود انھیں کے خطۂ زمین پر انھیں سپرد خاک کر دیا گیا۔ حضرت عزیز ملت نے ان کے مزار کی بنیاد رکھی ہے۔ مزار تعمیری مراحل سے گزر رہا ہے۔ مزار کے پہلو میں خود ان کی خواہش کے مطابق ایک لائبریری کی تعمیر کا پروگرام بھی مرتب ہو چکا ہے جو جلد ہی زمین پر اتار دیا جائے گا۔ حافظ صاحب مرحوم نے کتابوں کا بڑا عظیم سرمایہ چھوڑا ہے جو مبارک پور اور الہ آباد میں محفوظ ہے۔ جناب ماسٹر محمد مصطفیٰ رسول پوری کی معیت میں راقم نے بھی ان کی کچھ کتابوں کی زیارت کی۔ دیکھ کر طبیعت عش عش کر اٹھی۔

بلا شبہ حافظ صاحب نابینا تھے مگر ان کے علم و بصیرت کی آنکھیں روشن تھیں۔
اہل خانہ کے ذریعہ معلوم ہوا کہ ان کی متروکہ کتابوں کا سرمایہ بہت جلد مستقبل قریب میں بننے والی لائبریری میں منتقل کر دیا جائے گا۔ رب قدیر ان کی آرزوؤں کی جلد تکمیل فرمادے تاکہ ایک عالم کو ان کی کتب سے زیادہ سے زیادہ استفادے کا موقع میسر آسکے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

یکم فروری ۱۹۹۳ء کو بروز پیر عرس چہلم کی تاریخ طے پائی۔ اس میں ایصال ثواب کی دیگر تقاریب کے ساتھ علمائے کرام کی تقریریں بھی ہوئیں۔ اراکین عرس نے بڑے اخلاص سے عرس کی تقریبات کا اہتمام کیا تھا۔

(ماہنامہ اشرفیہ، فروری ۱۹۹۳ء)

آہ! حضرت مولانا عبدالقادر کھتری مرحوم

انتہائی افسوس کے ساتھ یہ الم ناک خبر دی جا رہی ہے کہ حضرت مولانا عبد القادر کھتری علیہ الرحمہ گزشتہ ماہ اس دار فانی سے دار بقا کی جانب رحلت فرما گئے۔ مرحوم عروس البلاد بمبئی کے ہر دل عزیز اور مقتدر شخصیت تھے، اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ و پرہیز گاری میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ دین وسنیت کی بے لوث خدمت اور احقاق حق اور ابطال باطل کا جذبۂ خیر بھی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ حق گوئی اور بے باکی جیسے اوصاف کے حامل ہونے کے ساتھ انتہائی خوش خلق اور نیک طینت تھے۔

مرحوم الجامعۃ الاشرفیہ، اس کے اساتذہ اور ذمہ داروں سے قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ جامعہ اشرفیہ کی تعلیم وتربیت اور اس کے نظم ونسق کے بے پناہ مداح تھے۔ گزشتہ دنوں ان کے دو صاحب زادے بھی جامعہ میں زیر تعلیم تھے۔ دو ایک بار وہ خود بھی جامعہ میں تشریف لائے تھے۔ ایک بار طلبہ کے سالانہ تحریری انعامی مقابلہ "یوم رضا" میں بھی شرکت فرمائی تھی۔ مرحوم نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے جن امور کی جانب نشان دہی فرمائی تھی، بفضلہٖ تعالیٰ آئندہ برسوں میں اس پر عمل درآمد ہوا۔

آپ کے وصال پر ملال سے ملت اسلامیہ کا زبردست نقصان ہوا ہے۔ ادارۂ اشرفیہ میں آپ کی روح پاک کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور دین وملت کی خدمت کے لیے ان کا سچا جانشین پیدا فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر وشکر کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین۔

(ماہ نامہ اشرفیہ، اکتوبر ۱۹۹۳ء)

حضرت علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری علیہ الرحمہ

فروغِ شمع تو باقی رہے گا روزِ محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ دسمبر ۱۹۹۳ء میں یہ اندوہناک خبر پڑھ کر دل ودماغ پر ایک غم انگیز سکتہ طاری ہوگیا کہ لاہور (پاکستان) کے جید عالم اور عظیم مصنف و مترجم حضرت علامہ عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری ۱۴ر نومبر ۱۹۹۳ء بروز اتوار طویل علالت کے بعد اس جہان فانی کو چھوڑ کر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

وصالِ پُر ملال کی خبر پاتے ہی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی۔ مرحوم الجامعۃ الاشرفیہ کی حسن کارکردگی اور دینی وعلمی کارگزاریوں سے بے پناہ متاثر تھے۔ شارح بخاری فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ کے بڑے مداح اور حد درجہ معتقد تھے، باہم مراسلت بھی رہتی تھی۔ جامعہ میں مجلس تعزیت کا انعقاد ہوا۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ اور دیگر علمائے اشرفیہ نے آپ کی رحلت پر گہرے رنج وغم کا اظہار فرمایا اور روحِ پاک کو ایصال کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے طفیل مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر وشکر کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

علامہ مرحوم حضرت مجدد الف ثانی اور مجدد اعظم امام احمد رضا کے شیدائی، ان کے افکار ونظریات کے پرجوش داعی اور سرگرم ترجمان تھے۔ آپ حجۃ الاسلام حضرت مفتی حامد رضا بریلوی کے خلیفہ اور حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ دہلوی کے مرید صادق تھے اسی بیعت کی نسبت سے مرحوم اپنے نام کے ساتھ مظہری لکھتے تھے۔ آپ صوفی طبع، درویش صفت، حق گو اور بے باک مجاہد سنیت تھے، عشق رسول، تصلب فی الدین اور اخلاص فی العمل آپ کے ممتاز اوصاف تھے، دین متین کی گوناگوں اور بلند پایہ خدمات کی وجہ سے آپ کی شخصیت

لاہور میں مرجع اہل سنت اور سرچشمۂ فیوض و برکات تھی۔ دین وسنیت کی ترویج واشاعت کے لیے آپ نے جو گراں قدر کارنامے انجام دیے ہیں ان میں ''مرکزی مجلس رضا'' لاہور کا قیام بھی ایک اہم اور یادگار کارنامہ ہے۔ اس مجلس کی طرف سے آپ نے عصری تقاضوں کے مطابق سیکڑوں دینی وعلمی کتب پاک وہند اور دیگر ممالک میں مفت تقسیم کیں۔ خدمت لوح وقلم کا یہ ایک عظیم کارنامہ ہے جو اشاعت حق کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ وروشن رہے گا۔

آپ ایک زبردست عالم دین، بلند پایہ محقق، زبان وادب کے ماہر اور زود نویس قلم کار تھے، عصری وسماجی تقاضوں پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ تصنیف وترجمہ کی جولاں گاہ میں آپ کا اشہب قلم زندگی بھر رواں دواں رہا۔ آپ کے قلمی کارناموں کی دلآویز تفصیل دیکھ کر تو میری حیرت کی انتہا نہیں رہی، آپ کے برق رفتار قلم نے جو گراں قدر نگارشات پیش فرمائی ہیں ان کتب جلیلہ کی تعداد ایک سو پانچ تک پہنچتی ہے ان میں فکر انگیز اور تحقیقی تصنیفات بھی ہیں اور معلومات افزا اور ایمان افروز تالیفات بھی، اور اثر انگیز اور عصری اسلوب میں تراجم بھی۔

آپ اردو، عربی اور فارسی زبان وادب پر بڑی دست رس اور قلمی قوت رکھتے تھے، ترجمہ کرنا مستقل ایک فن ہے اور بلاشبہ آپ اس فن کے ممتاز فنکار تھے۔ عام کتب کے مقابلہ میں احادیث کا ترجمہ کرنا ایک انتہائی مشکل کام ہے کیوں کہ اس میں زبان واسلوب کی معرفت کے ساتھ دینی بصیرت اور منشائے نبوی کی فہم وفراست بھی ضروری ہے یہ وہ نازک ترین میدان ہے جہاں ذرا سی لغزش قلم بھی متلاشیان حق کو گم کشتگان راہ بنا سکتی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ آپ نے برصغیر کے علمائے اہل سنت میں سب سے زیادہ کتب احادیث کا ترجمہ فرمایا ہے اور آپ اس پرخار وادی میں بڑی کامیابی کے ساتھ گزرے ہیں یہ تراجم شرعی نقطۂ نظر سے مستند ہونے کے ساتھ زبان وبیان کے محاسن وکمالات کے بھی دلکش مرقع ہیں اور آپ کی یہ مساعی جمیلہ خدمت حدیث کے ساتھ اردو ادب کا بھی گراں قدر کارنامہ ہے۔ اب ذیل میں ان کتب احادیث کی فہرست ملاحظہ فرمائیے جن کے آپ نے تراجم فرمائے ہیں۔

(۱) بخاری شریف (مترجم) جلد اول، دوم، سوم　مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور ۱۹۸۲ء

(۲) موطا امام مالک (مترجم) جلد اول، دوم	//		//	//	//	۱۹۸۳ء
(۳) سنن ابن ماجہ (مترجم)	//	//	//	//	//	۱۹۸۳ء
(۴) سنن ابوداؤد مترجم و محشی	//	// //	//	//	//	۱۹۸۵ء
(۵) مشکوۃ شریف مترجم	//	// //	//	//	//	۱۹۸۶ء
(۶) طحاوی شریف مترجم	//	// //	چہارم			
(۷) موطا امام محمد مترجم						
(۸) مسلم شریف مترجم	اول	دوم	سوم			

مذکورہ بالا فہرست کی روشنی میں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ مرحوم نے احادیث نبویہ کے مقدس ذخیرہ کو اردو میں منتقل کرنے کے لیے کتنی عظیم اور تاریخی خدمات انجام دی ہیں، اس سے اگر ایک طرف فن حدیث پر آپ کی گہری بصیرت، عشق رسول ﷺ کے جذبۂ فراواں اور علم و ادب کی کوہ پیا بلندیوں کا اندازہ ہوتا ہے وہیں آپ کے بے پناہ اخلاصِ عمل اور جہدِ مسلسل کی حیرت انگیز اور قابلِ تقلید روداد بھی سامنے آتی ہے۔ اور یہ آپ کے تراجم کی دل آویز داستان کا آخری باب نہیں ان کے علاوہ بھی آپ نے بہت سی دینی، علمی اور اہم دستاویزی فارسی اور عربی کتب کا اردو ترجمہ فرمایا ہے۔ ذیل میں ان کی فہرست بھی ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) جواہر البحار مترجم جلد اول	مطبوعہ مکتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۴ء
(۲) الشفاء مترجم جلد اول	مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۷۹ء
(۳) دار المعارف مترجم و محشی	مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور ۱۹۸۳ء

مندرجہ ذیل کتب کے تراجم جہاں تک میری معلومات ہے اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکے۔

(۴) ترجمہ فتوح الغیب	ارشادات غوث اعظم
(۵) ترجمہ الفتح الربانی	// //
(۶) ترجمہ شفاء السقام	از امام تقی الدین سبکی
(۷) ترجمہ رسالہ تہلیلیہ	از حضرت مجدد الف ثانی

(۸) ترجمہ اثبات النبوۃ	"	"
(۹) ترجمہ مبدأ و معاد	"	"
(۱۰) ترجمہ معارف لدنیہ	"	"
(۱۱) ترجمہ تبیض الصحیفہ	ازامام جلال الدین سیوطی	
(۱۲) ترجمہ کفائف مذہب شیعہ	از حضرت مجدد الف ثانی	
(۱۳) ترجمہ الاصول الاربعہ	از مولانا حسن جاں سرہندی	
(۱۴) ترجمہ شرح رباعیات	از حضرت مجدد الف ثانی	
(۱۵) ترجمہ مکاشفات غیبیہ	"	"

امام احمد رضا قدس سرہ کی ہمہ گیر اور آفاقی شخصیت پر دنیا بھر میں گزشتہ دو دہائیوں میں جتنا اہم اور عظیم کام ہوا ہے اس کا عشر عشیر بھی اس سے قبل نہیں ہو سکا اور اس میں بھی کوئی شبہہ نہیں کہ رضویات پر کام کی اسپرٹ پاکستانی علمانے پیدا کی۔ پاکستانی علمانے خود رضویات پر قابلِ قدر اور دستاویزی کارنامہ انجام دیا اور دنیا بھر کے اداروں اور اہم قلم کاروں کو اس طرف متوجہ کیا۔ انھیں مردانِ کار میں ایک اہم اور قابلِ تبریک شخصیت حضرت علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری کی بھی ہے۔ آپ نے دیگر قلمی خدمات کے ساتھ رضویات پر ہزاروں صفحات لکھے اور ایک عالم کو محوِ حیرت کر دیا۔ رضویات پر آپ کی ایک انتہائی اہم اور ضخیم کتاب ''معارفِ رضا'' ہے جو چار ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ ذیل میں اس دستاویزی تصنیف کے تعارف پر مشتمل مصنف کا ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیے۔ مصنف رقم طراز ہیں:

> ''فقیر کی تصنیف ''معارف رضا'' کا اجمالی تعارف یہ ہے کہ یہ ۱۳۹۴ھ کی تصنیف چار جلدوں پر مشتمل ہے ہر جلد کے ایک ہزار صفحات ہیں، نفس مضمون مجدد مأتہ حاضرہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کا تجدیدی کارنامہ ہے۔ پہلی جلد میں تخریب کاری کے علم برداروں کی مذموم کارگزاریوں کے چہرے سے نقاب کشائی۔ دوسری جلد میں آپ کی قلمی جہات کی تفصیلات، تیسری جلد میں اعلیٰ

حضرت کے منصب امامت کی وضاحت، چوتھی جلد آپ کے شیخ کامل ہونے کی شہادت پیش کرتی ہے۔ پاکستان کے مختلف اخبار و رسائل میں "معارف رضا" کا ذکر ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں مخالفین اہل سنت اور معاندین اعلیٰ حضرت کی توضیح میں احقر نے مختلف مضامین لکھے جس کا مجموعہ ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری مظہری مجددی فیڈرل گورنمنٹ اسکول لاہور چھاؤنی۔

وصال سے قبل آپ امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن "کنز الایمان" اور دیگر اردو تراجم کا ایک مفصل تنقیدی جائزہ لکھ رہے تھے مگر آہ! وقت اجل آ پہنچا اور برق رفتار قلم ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

اب آیئے ذیل میں رضویات پر آپ کی تصانیف کی فہرست ملاحظہ فرمایئے:

(۱) معارف رضا۔ رضوی انسائیکلو پیڈیا، صفحات چار ہزار

(۲) اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا، لاہور ۱۹۷۱ء
مطبوعہ مع اضافہ فرید بک اسٹال، لاہور۔ ۱۹۸۶ء

(۳) اعلیٰ حضرت کی تاریخ گوئی　مطبوعہ ادارہ غوثیہ رضویہ، لاہور۔ ۱۹۸۶ء

(۴) خصائص کنز الایمان　مطبوعہ مرکزی مجلس امام اعظم۔ ۱۹۸۸ء

(۵) سیرۃ امام احمد رضا　مطبوعہ مرکزی مجلس امام اعظم۔ ۱۹۸۸ء

(۶) چودھویں صدی کا مجدد کون تھا؟

(۷) شانِ احمد رضا

(۸) بلبل باغ رسول، امام اعلیٰ حضرت کا امام نعت گویاں ہونا۔

(۹) امام احمد رضا کا معتدل مسلک۔ صفحات: ۲۰۰

(۱۰) امام احمد رضا اور مسئلۂ بدعت۔ صفحات: ۲۰۰

(۱۱) امام احمد رضا اور شرک فروش ٹولہ۔ صفحات: ۲۵۰

(۱۲)　امام احمد رضا کس کے ایجنٹ تھے؟ صفحات: ۲۰۰

(۱۳)　امام زمانہ۔ امام احمد رضا کی انفرادیت

(۱۴)　مسلک امام احمد رضا، فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

(۱۵)　واصفِ شاہ ہدیٰ۔ امام احمد رضا کی نعت گوئی میں انفرادیت

(۱۶)　رسائلِ رضویہ۔ اول، دوم

(۱۷)　تسہیلِ کنز الایمان

آپ سلسلۂ مجددیہ میں بیعت تھے اس لیے حضرت مجدد الف ثانی سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ ان کی حیات و خدمات کے تعارف اور افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت میں بڑی اہم اور گراں قدر قلمی کاوشیں فرمائی ہیں۔ آپ نے حضرت مجدد الف ثانی کی نصف درجن کتب کا اردو میں ترجمہ بھی فرمایا ہے، جن کا ذکر ماقبل میں گزرا اور ان کی روحانی اور عبقری شخصیت پر مندرجہ ذیل سوانحی، معلوماتی اور تحقیقی کتابیں بھی سپردِ قلم فرمائی ہیں۔

(۱)　تجلیات امام ربانی　　مطبوعہ مکتبہ نبویہ، لاہور۔ ۱۹۷۸ء

(۲)　امام اعظم مجدد الف ثانی کی نظر میں۔ مطبوعہ مرکزی مجلس امام اعظم، لاہور۔ ۱۹۸۶ء

(۳)　مجددی عقائد و نظریات

(۴)　مہر درخشاں: تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی۔ مطبوعہ ۱۴۰۰ھ، صفحات: ۷۰۰

(۵)　صحابۂ کرام حضرت مجدد الف ثانی کی نظر میں　　صفحات: ۱۵۰

اب ذیل میں آپ کی دیگر تصانیف ایک نظر میں ملاحظہ فرمائیے جو احسان و تصوف، فقہ و حدیث، تفسیر قرآن، تاریخ و سیر، عقائد و اسلامیات اور تردید مذاہب باطلہ وغیرہ موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔ اگرچہ یہ فہرست نامکمل ہے تاہم اکثر کتابوں کا تذکرہ اس میں آجائے گا۔

حقانیتِ اسلام، مشعلِ راہ، کلمہ حق، کیا تعظیم رسول شرک ہے؟ پروانۂ شمع رسالت، دنیا کے اسلام کے امام اعظم، کنز العرفان، (یہ کتب مطبوعہ ہیں)۔ فاروق اعظم ۵۰۰ صفحات، عظیم الشان (تذکرہ شاہ ولی اللہ دہلوی) ۵۰۰ صفحات، ثانی اثنین ابوبکر ۶۰۰ صفحات، کھلا خط (اکابر دیوبند کی تکفیر کا عام فہم تجزیہ) ۶۰۰ صفحات، مظہر البیان (قرآنی معلومات کا تحقیقی کشکول) ۹۰۰

صفحات، مظہر شریعت (فقہ حنفی کے مطابق مسائل کا جدید ترین مجموعہ) ۸۰۰ر صفحات، دوسرا رخ (دیوبندی عقائد ان کے اپنے آئینے میں) ۳۰۰ر صفحات، دلی سے بالاکوٹ تک سید احمد اینڈ کمپنی کی تحریک جہاد کے مقاصد ۵۰۰ صفحات، تجلیات مظہر اللہ (تذکرہ حضرت مفتی اعظم دہلی) ۳۰۰ صفحات، تقویۃ الایمان کا جائزہ ۴۰۰ر صفحات، مودودیت کا علمی جائزہ ۷۰۰ر صفحات، صحابہ کرام مودودی کی نظر میں ۳۰۰ر صفحات، قرآن مجید کے اردو تراجم پر ایک طائرانہ نظر ۲۰۰ر صفحات، مسلمانوں کی اصلی جماعت ۱۵۰ر صفحات، قرآنی عقائد ونظریات ۴۰۰ر صفحات، قرآن مجید کا ضابطۂ عبادت ۴۰۰ر صفحات، قرآن مجید کا ضابطۂ اخلاقیات ۳۰۰ر صفحات، قرآن مجید کا ضابطۂ معلومات ۳۰۰ر صفحات، قرآن مجید کا ضابطۂ تکفیر ۱۵۰ر صفحات، دو قومی نظریہ کیا ہے ۴۰۰ر صفحات، معجزات کا توحید و شرک سے تعلق ۲۵۰ر صفحات، اسلام میں یہودیت کا پیوند ۴۰۰ر صفحات، شمع ہدایت ۳۰۰ر صفحات، خوش فہمیوں کے ہوائی قلعے ۲۰۰ر صفحات، تقدس کے سہارے خوابوں کے سہارے ۲۰۰ر صفحات، نظریاتی تضاد کا ایک منظر ۱۵۰ر صفحات، پھولوں کے سائے ۳۰۰ر صفحات، موجودہ عیسائی اور بائبل ۳۰۰ر صفحات، بیان قدر واختیار (ذاتی اور عطائی اختیارات پر تحقیقی بحث) نظر انور (قرآن واحادیث کی روشنی میں نگاہ مصطفی) تجلیات احادیث، ارمغان عقیدت (پانچ بزرگوں کے نعتیہ کلام)، قادیانی دجال وکذاب، امام اعظم ابوحنیفہ، بشریت انبیائے کرام ۲۵۰ر صفحات، خرمن اسلام میں بولہبی کی چنگاری ۴۰۰ر صفحات۔

مندرجہ بالا تمام تصانیف وتراجم کی روشنی میں آپ کی محققانہ اور مفکرانہ قد آور شخصیت سے دل ودماغ بے پناہ متاثر ہیں۔ آپ کے وصال سے ملت کا جو عظیم نقصان ہوا ہے نوک قلم اس کے اظہار سے قاصر ہے، یہ چند سطریں نہ خراج عقیدت کے جذبۂ فراواں کی تکمیل ہیں اور نہ عظیم شخصیت کا تعارف۔ بس دل کی دنیا میں آپ کی جدائی کا جو طوفانِ غم اٹھا ہے اسی کے یہ چند قطرے ہیں جو بے اختیارانہ صفحات قرطاس پر ساغر قلم سے چھلک گئے ہیں، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آنکھوں کے اشک تو خشک ہو جائیں گے مگر صفحہ قرطاس پر ثبت کیے ہوئے یہ چند قطرے ہمیشہ تر وتازہ اور یادگار رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔

(ماہنامہ اشرفیہ، فروری ۱۹۹۴ء)

شمس العلما مفتی نظام الدین الہ آبادی علیہ الرحمہ

دینی اور عقلی علوم وفنون کے مسلم استاذ اور تبحر عالم ومفتی شمس العلما حضرت علامہ مفتی نظام الدین علیہ الرحمہ ۲۶ راپریل ۱۹۹۴ءکو اس جہان فانی کو ہمیشہ کے لیے داغ فراق دے گئے" انا للہ وانا الیہ راجعون "مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن اور فکر وفن کے دبستاں تھے، ان کی جدائی سے صرف اہل خانہ ہی نہیں تڑپے ہیں بلکہ علم وادب اور فکر وفن کے کتنے اداروں میں صف ماتم بچھ گئی ہے، کتنے مسکراتے چہرے غم واندوہ کی تصویر بن گئے اور کتنی پرسرور آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ بڑی بڑی درس گاہوں کی صدر نشینی کا اعزاز ان کی شخصیت سے قائم تھا، اشاروں میں معقولاتی گتھیاں سلجھانے والا فلاسفر چلا گیا، قلم برداشتہ فتویٰ نویسی کرنے والے عظیم مفتی سے عظیم دار الافتا خالی ہوگیا۔ آہ وہ مرجع علم چلا گیا جس کی علمی دہلیز پر بڑے بڑے صاحبان جبہ ودستار دریوزہ گری کو وجہ افتخار سمجھتے تھے۔

جس طرح یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ درخت کو اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح پھلوں کی قدر وقیمت کا اندازہ درخت سے بھی لگایا جاتا ہے۔ علامہ مرحوم کی بلند پایہ شخصیت کو جس معیار پر بھی دیکھیے اپنی مثال آپ نظر آتے ہیں۔ آپ کے بہت سے قابل ذکر اور تبحر تلامذہ ہیں مگر میں ان میں سے صرف ایک نام حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی کا پیش کرتا ہوں۔ علامہ نظامی کی گوناگوں اور ہمہ جہت شخصیت عوام وخواص میں محتاج تعارف نہیں، علامہ مشتاق احمد اپنے انھیں استاذ گرامی کی جانب نسبت کر کے نظامی لکھتے تھے اور پھر یہ خوب صورت انتساب ان کے نام کا ایسا جز ولاینفک ہوگیا کہ اس نسبت کے بغیر ان کی شخصیت کا تصور بھی نہیں ہوتا ہے۔ جس استاذ کا شاگرد اتنا جلیل القدر ہو اس کے فضل وکمال پر روشنی ڈالنا سورج کو چراغ دکھانے کے مرادف ہی سمجھا جائے گا۔

حضرت علامہ نظام الدین علیہ الرحمہ کی عظمت وبزرگی کا دوسرا رخ یہ ہے کہ آپ

تارک الدنیا، منبع علم و حکمت، مصدر رشد و ہدایت، مجاہد ملت حضرت علامہ حبیب الرحمن اڑیسوی علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید اور وارث علم و حکمت تھے۔ واقف کاروں کا کہنا ہے کہ حضور مجاہد ملت نے اساتین علم و فن کی جو صف تیار کی تھی اس میں حضرت علامہ نظام الدین علیہ الرحمہ کی شخصیت سب سے عظیم اور سب سے بلند تھی۔ ان کے تذکرے کے بغیر نہ حضور مجاہد ملت کی معلمانہ اور مربیانہ زندگی کی کہانی پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی ہے۔ اور نہ ان کے ذکر جمیل کو نظر انداز کر کے پاسبان ملت کی عظیم شخصیت کی داستان دہرائی جا سکتی ہے۔

آپ نے ایک عرصے تک اپنے تلمیذ رشید کے جاری کردہ ماہنامہ "پاسبان" الہ آباد میں "مفتی پاسبان" کی حیثیت سے "فتاوائے پاسبان" بھی تحریر فرمائے۔ ان فتاویٰ کی روشنی میں آپ کی فقہی بصیرت، عصر شناسی، فکر رسا اور قلمی صلاحیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ ذیل میں افادۂ عام اور نمونہ کے طور پر علامہ مرحوم کا ایک فتویٰ نقل کرتا ہوں۔

آپ کے پاس ایک سوال آیا کہ عاشورہ کے روز کھچڑا پکانا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام نیاز کرنا کیسا ہے۔ علامہ مرحوم اس کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"عاشورہ کے روز کھچڑا پکانا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام نیاز فاتحہ کرنا درست ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔ "ولا باس بالمعتاد خلطاً ویوجر"۔ اسی کے تحت علامہ شامی نے فرمایا ہے مفتی اعظم نے عربی عبارت نقل فرمائی ہے مگر ہم صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ شارح کا یہ ارشاد ہے کہ جو کچھ میرے حافظہ میں ہے وہ یہ حدیث ہے کہ عاشورہ کے روز جو شخص اپنے اہل و عیال پر وسعت کرے گا باری تعالیٰ اس کو سال بھر تنگی سے محفوظ رکھے گا اور وسعت دے گا تو لوگوں نے اس حدیث سے یہ اخذ کیا کہ مختلف قسم کے غلوں کو استعمال کر کے یعنی کھچڑا پکا کر وسعت دیں کیوں کہ یہ بھی ان چیزوں میں سے ہے جس پر توسع صادق آتا ہے۔ اس کے بعد علامہ شامی نے یہ بھی اسناد فرمایا کہ جو شخص اپنے اہل و عیال پر وسعت کرے گا اس سال بھر تک وسعت اور فراخ دستی میں رہنا مجرب ہے اس کو حضرت جابر نے اور ابن عیینہ

سے مناوی نے نقل فرمایا ہے۔ (فتاوائے پاسبان ص ۹۶)

یہ تو ملخصاً ایک فتوے کو نقل کر دیا ہے اگر ان کے فقہی تبحر، آسان اور دل نشیں اسلوب میں عقلی و نقلی دلائل و شواہد کے حیرت انگیز نمونے دیکھنا ہوں تو ان کے گلستان فتاوی کی سیر کیجیے، ورق ورق فقہ و بصیرت اور عشق و عرفان کی دل آویز خوشبوؤں سے معطر نظر آئے گا۔ آپ کی شہرت و عظمت کا ایک دوسرا پہلو علوم عقلیہ میں مکمل عبور اور کامل دسترس تھی۔ آپ کے معقولاتی تبحر اور برتری کا اعتراف اصاغر و اکابر، اخیار و اغیار سب نے کیا ہے حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے خطبات نظامی حصہ اول کے مقدمہ میں آپ سے متعلق ایک واقعہ سپرد قلم فرمایا ہے اس سے میرے مدعا پر کسی قدر روشنی ضرور پڑے گی۔ جس وقت حضرت مولانا نظام الدین صاحب قبلہ مدرسہ عالیہ رام پور کے صدر المدرسین ہو کر گئے تو مولوی وجیہ الدین رام پوری جن کو اپنے منطقی ہونے پر بڑا فخر تھا انھوں نے اپنے مخصوص شاگردوں کو اس بات پر متعین کر دیا کہ ان کتابوں میں مولانا نظام الدین کو چلنے نہیں دیا جائے گا، امور عامہ، افق المبین، شرح اشارات اور تصریح جیسی کتابوں میں ان کے تلامذہ شریک ہوئے اور انھوں نے جب یہ دیکھا کہ تصریح جیسی کتابیں قاعدہ بغدادی جیسی پڑھائی جا رہی ہیں۔ تو ان کے ہاتھ کے طوطے　اڑ گئے اور حواس باختہ ہو گئے۔ آپ ۱۹۵۳ء تک مدرسہ سبحانیہ کے ناظم تعلیمات اور صدر مدرس رہے اور پھر الہ آباد میں اردو فارسی کے لکچرر رہے۔ اس کے بعد مدرسہ فیض العلوم جمشید پور، مدرسہ خیریہ سہرام اور دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف وغیرہ متعدد مدارس میں صدارت و شیخیت کے منصب پر فائض رہے اور ہر جگہ اپنے علم و فضل اور کردار و عمل کی وجہ سے فائق اور ہر دل عزیز رہے، انتہائی نیک　سیرت اور پرہیز گار تھے۔ بیعت کا تعلق حضرت شاہ عبد العلیم آسی اور حضرت مجاہد ملت شاہ حبیب الرحمٰن اڑیسوی سے ہے۔ اللہ تعالی علامہ علیہ الرحمہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کے روحانی فیوض و برکات کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے۔ آمین۔

(ماہ نامہ اشرفیہ، جولائی ۱۹۹۴ء)

آہ! مخدومۂ ملت علیہا الرحمہ

جز ذات خداوند کہ ہے دائم و باقی
دنیا میں سدا کوئی رہا ہے کہ رہے گا

۱۷ ربیع الآخر ۱۴۱۵ھ ۲۴ ستمبر ۱۹۹۴ء بروز ہفتہ قریب نو بجے دن مراد آباد سے بذریعہ فون یہ قیامت خیز خبر موصول ہوئی کہ عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ کی والدہ محترمہ (حضور حافظ ملت کی اہلیہ) آج صبح ساڑھے سات بجے وصال فرما گئیں۔ بس کیا تھا پورا گھر ماتم کدہ بن گیا۔ چند لمحوں میں یہ روح فرسا خبر بجلی کی طرح مبارک پور اور قرب وجوار میں پھیل گئی۔ پورا علاقہ اپنی مخدومہ کے غم میں سوگوار ہوگیا۔ الجامعۃ اشرفیہ اور دیگر مدرسوں اور انجمنوں میں قرآن خوانی اور ایصال ثواب کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

مخدومہ ملت ادھر چند دنوں سے علیل تھیں اور اپنے وطن مالوف بھوج پور ضلع مراد آباد میں زیر علاج تھیں، گھر کے کچھ افراد ان کی تیمارداری اور خدمت گزاری کے لیے بھوج پور میں تھے اور کچھ مبارکپور میں تھے۔ حضرت عزیز ملت چند روز قبل بھوج پور سے مبارکپور ہوتے ہوئے جمشید پور تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت ہمارے لیے سب سے اہم سوال حضرت عزیز ملت کو مطلع کرنے کا تھا مگر افسوس ہزار جدوجہد کے بعد بھی جمشید پور فون نہیں ہو سکا۔ نیز جہاں تک ممکن ہو سکا ہم نے ملک کے دیگر مقامات کو بھی اس وصال پر ملال کی خبر سے آگاہ کیا۔

اساتذہ اشرفیہ اور اہل مبارک پور قافلہ در قافلہ غم واندوہ سے نڈھال تجہیز وتکفین میں شرکت کے لیے بھوج پور روانہ ہو گئے اور خود میں بھی گھر کے تمام افراد کو لے کر چل پڑا۔ جب ہم تمام لوگ اتوار کی صبح کو بھوجپور پہنچے تو رنج وغم کا عجیب عالم تھا برادرم مولانا محمد نعیم الدین عزیزی اور حضرت واصف عزیزی وغیرہ پرنم آنکھوں سے آنے والوں کا استقبال

کر رہے تھے۔ جب اپنوں سے اپنوں کی آنکھیں ملیں تو صبر وضبط کا دامن ہاتھوں سے چھوٹ گیا اور پورا ماحول آہ وبکا میں ڈوب گیا۔ ہر شخص حضرت عزیز ملت کی غیر موجودگی کا شدت سے احساس کر رہا تھا مگر آہ! جو بیٹا اماجی کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھا وہی سب سے دور تھا۔ مراد آباد، بمبئی اور مبارک پور وغیرہ سے رابطے کی ہر کوشش ناکام رہی جب کہ بلرامپور سے حضرت بکل اتساہی، ڈاکٹر اقبال عزیزی، حضرت مولانا اسلم بستوی، مبارک پور سے حضرت مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا معراج القادری، جناب حاجی سرفراز احمد ناظم جامعہ اشرفیہ اور صوفی نظام الدین صاحب صدر وغیرہ کثیر تعداد میں عوام خواص دور دراز سے بھوج پور پہنچ گئے تھے۔

۲۵ر ستمبر کو بعد نماز ظہر تجہیز و تکفین کی گئی جنازہ میں مقامی و بیرونی ہزاروں افراد کے علاوہ کثیر تعداد میں مقامی و بیرونی علما و مشائخ نے شرکت کی۔ نماز جنازہ حضور حافظ ملت کے برادر اصغر حضرت مولانا حکیم عبد الغفور صاحب نے پڑھائی اور محلہ کی مسجد فتح پوری کے احاطے میں سپرد خاک کیا گیا۔ سوم کی مجلس میں قرآن خوانی اور کلمہ خوانی کے بعد ان کی تقویٰ شعار شخصیت پر روشنی ڈالی گئی۔ اس مجلس میں راقم السطور نے بھی اپنے خیالات واحساسات کا اظہار کیا۔

حضرت مخدومۂ ملت انتہائی نیک طینت، بلند اخلاق، اور عابدہ زاہدہ تھیں۔ صوم وصلوٰۃ کی بھرپور پابندی کے ساتھ دیگر اوراد و وظائف کی بھی عامل تھیں، برسوں سے ان کی نماز تہجد نہیں چھوٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کا روحانی فیض ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین۔

(ماہنامہ اشرفیہ اکتوبر ۱۹۹۳ء)

قادری منزل کا حادثۂ غم

یہ روح فرسا خبر قارئین اشرفیہ کے حلقوں میں بڑے درد و کرب کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ ۲۹؍رجب المرجب/یکم جنوری ۱۹۹۵ء کو بوقت ۸؍بجے شب حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ، مصنف بہار شریعت علامہ شاہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کی اہلیہ اور ہم سب کی مخدومہ طویل علالت کے بعد اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

کس قدر غم ناک ہے یہ سانحہ
جرعہ جرعہ زہر غم کو پیجیے

۲؍جنوری کو اس سانحۂ ارتحال کے غم میں جامعہ اشرفیہ میں تعطیل کر دی گئی اور عزیزی ہال میں قرآن خوانی اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ اس بزم غم میں اساتذہ، طلبہ اور اہل مبارک پور نے شرکت کی اور مخدومہ کی روح کو ایصال ثواب کیا۔ اور پھر اساتذہ وطلبہ اور اہل مبارک پور غم واندوہ سے نڈھال نماز جنازہ میں شرکت کے لیے گھوسی روانہ ہوئے۔ جب ہم لوگ گھوسی پہنچے تو وہاں درد و کرب کا بڑا رقت انگیز عالم تھا۔ پوری فضا خاموش آہ و بکا میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دور دراز سے لوگ قافلہ در قافلہ گھوسی کی سرزمین پر اتر رہے تھے۔ ہر طرف غم انگیز گہما گہمی کا عالم تھا۔ ۳؍بجے بعد نماز ظہر نماز جنازہ کا اعلان کیا گیا تھا۔ جوں جوں وقت قریب آ رہا تھا، مقامی وبیرونی حضرات کاشانۂ صدر الشریعہ ”قادری منزل“ کے سامنے کلیۃ البنات الامجدیہ کے صحن میں جمع ہو رہے تھے۔ قریب ڈھائی بجے صلوٰۃ وسلام کی صداؤں میں علما ومشائخ نے کانپتے ہاتھوں سے جنازہ اٹھایا اور پھر جلوسِ جنازہ وسیع شاہراہ سے گزرتے ہوئے آخری آرام گاہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ نماز جنازہ جامعہ امجدیہ کے وسیع صحن میں محدثِ کبیر جانشین صدر الشریعہ حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی، جن میں کثیر تعداد میں

علماے کرام اور طلباے مدارس تھے۔ روضۂ صدر الشریعہ میں ایک جانب بصد حسرت و یاس انھیں سپردِ خاک کیا۔ مغفرت اور بلندیِ درجات کے لیے دعا کی گئی۔

مرحومہ اپنے عہد کی بڑی نیک طینت بلند اخلاق اور عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔ اطاعت الٰہی اور عشقِ رسول کا جذبۂ بے کراں ان کی رگ رگ میں سمایا ہوا تھا۔ وہ خود بھی دین دار تھیں اور دوسری خواتین کو بھی اسلامی تعلیمات اور شرعی مسائل سے بہرہ مند کرتی رہتی تھیں۔ عورتیں اپنی دینی ضرورتوں کے حل کے لیے ان کی جانب رجوع کرتیں اور وہ بڑی خوش اسلوبی اور خوش اخلاقی سے ان کو حل کرتی رہیں۔ آپ کو عورتوں میں دینی تعلیم عام کرنے کا بڑا جذبہ تھا۔ آپ نے اپنے فرزندِ ارجمند حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ خواتین کی اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے ادارہ قائم کریں۔ بفضلہ تعالیٰ ان کی نیک خواہشات کے نتیجے میں آج ایک عظیم ادارہ بہ نام "کلیۃ البنات الامجدیہ" لڑکیوں کی اعلیٰ دینی تعلیم و تربیت کا کام انجام دے رہا ہے اور وہاں کی سند یافتہ عالمات و فاضلات ملک کے طول و عرض میں دینی و علمی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

مخدومہ فرائض و واجبات کی بھرپور پابندی کے ساتھ بہت سے وظائف و نوافل کی بھی سختی سے پابند تھیں۔ میری معلومات کے مطابق نماز تہجد، دلائل الخیرات شریف کا ورد، ہر روز تلاوت قرآن کریم اور ہر جمعرات کو محفلِ میلاد کا اہتمام ان کے محبوب مشاغل تھے، جن میں کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے آغوشِ تربیت سے بڑے بڑے نامور فرزند پیدا کیے اور لڑکیوں کو بھی اعلیٰ دینی تعلیم دلائی۔ ادارہ اشرفیہ مرحومہ کی اعزہ و اقارب کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ بارگاہِ ایزدی میں دعا ہے کہ مولا تعالیٰ مخدومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ اشرفیہ، مارچ ۱۹۹۵ء)

مرشدِ اعظم احسن العلما مارہروی

ایسا کہاں سے لائیں کہ تم سا کہیں جسے

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

۱۲ ستمبر ۱۹۹۵ء پیر کا دن گزار کر رات کے قریب ڈیڑھ بجے محترم جناب سعید نوری بانی رضا اکیڈمی بمبئی کا یہ قیامت خیز فون موصول ہوا کہ احسن العلما حضرت سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں سجادہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف دہلی میں وصال فرما گئے۔ یہ روح فرسا خبر سنتے ہی دل ودماغ کا عالم زیر وزبر ہو گیا۔ ایک سرد آہ کے ساتھ زبان پر ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کے کلمات جاری ہو گئے۔ اب آنکھوں سے نیند کا پرندہ اڑ چکا تھا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ شب دیجور کے سناٹوں میں پوری فضا ڈوبی ہوئی تھی پردۂ ذہن پر طرح طرح کے خیالات ابھر رہے تھے اور ختم ہو رہے تھے۔ آہ اب ملت کے الجھے ہوئے مسائل کا حل کون تلاش کرے گا۔ آہ اب تشنگان معرفت کو سیراب کون کرے گا۔ آہ اب علمائے اہل سنت کی دستگیری کون کرے گا۔ آہ اب مشائخ اہل سنت کی سرپرستی کون کرے گا۔ آہ اب امام احمد رضا کی شراب عشق ومعرفت کے جام کون پلائے گا۔ آہ اب تصوف کے اسرار ورموز کون سمجھائے گا۔ آہ اب الجامعۃ　فیہ کا محبت بھرا تعارف کون کرائے گا۔ یہ سوچتے سوچتے مجھ پر ایک سیمابی کیفیت طاری ہو گئی اور نمودِ صبح کے انتظار میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا، مگر شب غم کی اس تنہائی میں کوئی نہیں تھا جو کہتا کہ تمہارے دل ودماغ کی یہ مضطربانہ کیفیت حضور احسن العلما کو واپس نہیں لا سکتی۔ دلوں کی ناشکیبائی نے کبھی قدرت کا نظام بدلا ہے جو آج بدلے گا

"فاذا جاء اجلهم لا یستاخرون ساعةً ولا یستقدمون" (اعراف آیت ۳۴)

انتظار کے صبر آزما لمحات کے بعد صبح کا سپیدا نمودار ہوا، نماز فجر کے بعد الجامعۃ اشرفیہ

رابطہ قائم کیا فون پر حضرت مولانا زاہد علی سلامی استاذ الجامعۃ اشرفیہ سے ملاقات ہوئی، ان کا پہلا سوال تھا مارہرہ شریف جانے کے لیے کیا پروگرام مرتب کیا۔ حضرت مفتی صاحب اور حضرت مصباحی صاحب وغیرہ ماروتی وین سے رات ہی نکل چکے ہیں۔ میں نے اشرفیہ پہنچنے کا وعدہ کر کے فون رکھ دیا اور بلا تاخیر اشرفیہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ اشرفیہ پہنچا تو پورا ماحول حساس تھا جامعہ پر غم واندوہ کی چادر تنی ہوئی تھی۔ جامعہ کے تمام شعبوں میں تعطیل کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ آفس سے قرب وجوار کے مدارس اور ذمہ داروں کو اس حادثہ کی خبر بھیجی جارہی تھی، اساتذہ اور طلبہ ایک عجیب سی بے چینی اور مضطربانہ کیفیت میں ڈوبے ہوئے تھے، عزیزی ہال میں قرآن خوانی اور بزم ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ کچھ لوگ اس میں شریک ہو کر مصروفِ تلاوت تھے کچھ مارہرہ شریف پہنچنے کی تیاریوں میں سرگرداں تھے، قریب نو بجے دن تمام شعبوں کی جانب سے مشترکہ طور پر سیکڑوں قرآن عظیم کی تلاوت کا ایصال ثواب کیا گیا۔ اور دعائے مغفرت کی گئی۔

مبارکپور سے مارہرہ شریف کا فاصلہ ۶۰۰ رسو کلومیٹر سے بھی زائد ہے، سیکڑوں طلبہ شرکت جنازہ کے لیے پر تول رہے تھے، اتنی عجلت میں ایک لمبے سفر کے لیے کئی گاڑیوں کا انتظام ایک مشکل ترین مسئلہ تھا، خیر انتظامیہ پوری تندہی کے ساتھ حرکت میں آئی اور یہ مشکل بھی حل ہو گی، گیارہ افراد پر مشتمل ایک قافلہ کے ساتھ پہلے ہم لوگ نکلے ہمارے بعد اساتذہ کی قیادت میں دو بسوں کے ذریعہ طلبہ بھی روانہ ہو گئے۔ اشرفیہ کے اندر میں نے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ حضور حافظ ملت نے نقارہ "الرحیل" بجا دیا ہو اور عزیزی دستے رخت سفر باندھ کر سرکار مارہرہ کی بارگاہ میں عہد غلامی کی تکمیل کے لیے ٹوٹے دلوں کا نذرانہ لے کر نکل پڑے ہوں۔ راستے بھر حضرت احسن العلما علیہ الرحمہ کے اخلاق فاضلہ اور اوصاف حمیدہ کا تذکرہ ہوتا رہا، سب لوگ اپنی اپنی یادوں کے چراغ جلاتے رہے اور ذکر خیر کی محفل سجاتے رہے۔ وقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نماز جنازہ میں شرکت یقینی نہیں تھی مگر ایک امید کی کرن تھی جس کے سہارے زخم آبلہ پائی کا احساس کیے بغیر دیوانوں کا قافلہ بڑھتا ہی چلا جارہا تھا۔

اس عہد بلا خیز میں آپ کی زندگی ایک مینارہ ہدایت تھی، انھیں نہ حسب ونسب کا غرہ تھا اور نہ کبھی پدرم سلطان بود کو وجہ افتخار سمجھا، وہ عالی نسب سید گھرانے کے چشم و چراغ تھے مگر انہوں نے اپنے آبا و اجداد کے روشن ناموں کو کبھی کھانے کمانے کا دھندہ نہیں بنایا۔ ان کی نظر میں امیر و غریب یکساں تھے وہ سب کو اپنے خوان نعمت سے نوازتے، ان کی علما نوازی کا حال دیکھ کر اسلام کے عہد زریں کی یاد تازہ ہو جایا کرتی تھی، آج پیری مریدی ایک پیشہ نہیں بلکہ اعلیٰ تجارت ہو کر رہ گئی ہے اگر چل گئی تو پیر رئیس وقت ہو جاتا ہے اور نہ چلی تب بھی عام سطح زندگی سے بلند ہی رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے پیر الا ماشاء اللہ اسلامی تعلق خاطر کے تمام پیمانے توڑ کر صرف سیٹھوں اور دولت مند مریدوں ہی کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں مگر حضرت کی زندگی اس عام روش سے بالکل مختلف تھی مریدان کی تلاش میں نکلتے تھے وہ مریدوں کی تلاش میں کبھی نہیں نکلے۔ احباب آپ کی پاکباز زندگی کے رقت انگیز واقعات سناتے رہے اور سفر کٹتا رہا کتنی ہی بار پیمانہ صبر چھلکا اور دامن تر ہو کر رہ گیا۔ آہ!

ع دل سے کس طرح مٹادوں تری یادوں کے نقوش

ایٹہ پہنچے تو نماز فجر کا وقت قریب تھا، رفقائے سفر کا مشورہ ہوا پہلے نماز فجر ادا کر لی جائے پھر آگے بڑھیں گے، مسجد میں داخل ہوئے تو مسافروں کا ایک وفد نظر آیا، ان کے تھکے ہارے جسموں اور پژمردہ چہروں کو دیکھ کر یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ یہ بھی اسی تیر غم کی چوٹ کھائے ہوئے ہیں جس کے قتیل ہم ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ نماز جنازہ بعد نماز عصر ادا کی جا چکی ہے اتنا سننا تھا کہ پیروں کے نیچے سے زمین کھسک گئی، آہ آخری دیدار کی حسرت بھی بالیں کے قریب سر پٹک کر رہ گئی۔

اس کے دل سے پوچھیے ناکامیوں کی لذتیں
جو مسافر لٹ گیا ہو جا کے منزل کے قریب

نماز فجر اول وقت میں ادا کرنے کے بعد جب مارہرہ شریف کی حدود میں داخل ہوئے تو لوگ نمازوں سے فارغ ہو کر جوق در جوق آستانہ عالیہ برکاتیہ میں داخل ہو رہے تھے، ہم لوگ بھی پراگندہ حال، درد و غم سے نڈھال آستانہ پر جلال کی چوکھٹ کو چومتے ہوئے

داخل ہو گئے یکلخت پردۂ ذہن پر یہ تصور ابھرا۔ یہی وہ مرکز روحانیت ہے جس کے معدن سے امام احمد رضا جیسا عبقری مجدد اٹھا اور پوری دنیا میں عشق و معرفت اور علم و تحقیق کا انقلاب بر پا کر دیا۔ یہی وہ در بار فیض بار ہے جس کی ایک جھلک حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی پر پڑی تو وہ آفتاب رشد و ہدایت بن کر چمکنے لگے، یہی وہ بحر معرفت ہے جس کے ساحل سے بڑے بڑے اساطین علم اور تشنگان معرفت سیراب ہوئے۔ پہلے ہم لوگوں نے صاحب البرکات حضرت شاہ برکت اللہ عشقی علیہ الرحمہ اور دیگر بزرگوں کے مزارات مقدسہ پر فاتحہ پڑھی اور پھر دل تھام کر لرزتے قدموں سے اس تازہ قبر انور کی جانب بڑھے جس میں صاحب مزار کو لیٹے ہوئے صرف ایک رات گزری تھی۔ عجیب رقت کا عالم تھا، ہر آنکھ اشک بار تھی، ہر شخص اپنے ہی غم کا فریادی تھی۔ یہاں بہت سے شناسا چہرے نظر آئے مگر اجنبی اجنبی سے، اتنے میں ایک دل دہلا دینے والی چیخ بلند ہوئی دیکھا تو فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی تھے، حاضرین پر عجیب رقت طاری ہوگئی، دلوں کے پیمانے تو پہلے ہی سے لبریز تھے ٹیس لگتے ہی چھلک پڑے اور پورا مجمع آہ و فغاں میں ڈوب گیا حضرت مفتی صاحب اور احسن العلما کے درمیان بڑے گہرے مراسم تھے حضرت مفتی صاحب احب الخلفا تھے میں نہیں جانتا کہ علما میں مفتی صاحب سے زیادہ کوئی عالم ان سے قریب تھا۔

حضرت احسن العلما حضرت حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی اور ان کے ادارہ الجامعۃ الاشرفیہ کے بڑے مداح تھے اپنے مریدین و متوسلین میں جامعہ اشرفیہ کا بڑے موثر انداز میں تعارف فرماتے تھے، بلکہ سچائی تو یہ ہے کہ جامعہ کی بنیادوں میں خانوادہ برکاتیہ کے بزرگوں کی دعائیں شامل ہیں۔ حضور حافظ ملت نے جب ۶ رمئی ۱۹۷۲ء میں ''الجامعۃ الاشرفیہ'' کے سنگ بنیاد کے لیے مبارک پور کی زمین پر کل ہند تعلیمی کانفرنس کا اہتمام کیا تھا تو حضور مفتی اعظم ہند بریلوی اور حضرت احسن العلما کے برادر اکبر حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ صاحب علیہم الرحمہ کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ سنگ بنیاد کے موقع پر سید العلما حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ نے یہ حوصلہ افزا جملے ارشاد فرمائے تھے جواب تاریخ اشرفیہ کا ایک حصہ بن گئے ہیں۔

"حافظ ملت کو یقین واعتماد رکھنا چاہیے کہ اس کام میں نہ صرف میں بلکہ پورا خانوادہ برکاتیہ شریک اور ان کا معاون ومددگار ہے اس مشن کے لیے میں اپنے تمام اہل سلسلہ کو حافظ ملت کے آگے جھکا دوں گا۔" (ماہنامہ اشرفیہ دسمبر ۱۹۹۱ء)

اس کل ہندی تعلیمی کانفرنس کی صدارت بھی حضرت سید العلما نے فرمائی تھی "تاجدار ویکلی" بمبئی نے آپ کے خطبہ صدارت پر تبصرہ کیا تھا اس کی چند سطور ذیل میں پڑھیے اس سے حضرت سید العلما کی نظر میں جامعہ اشرفیہ کی ضرورت واہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"نعرہ تکبیر کی گونج میں صدر کانفرنس حضور سید العلما نے خطبہ صدارت کا آغاز فرمایا۔ پورا خطبہ ایمان وعمل کی تاریخ میں ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے بدلے ہوئے حالات میں دینی تعلیم کا تحفظ، ہمہ گیر اشاعت اور دار العلوم اشرفیہ کو پورے ملک کے لیے ایک عظیم یونیورسٹی میں ڈھال دینے کا حسین ترین خاکہ تھا۔ ایک ایسی تعلیم گاہ جس میں دینی شعور اور اسلامی احساس کی بنیاد پر مسلمانوں کی نئی پود کو حالات حاضرہ کی مکمل بصیرت مل سکے اور اسی کے ساتھ ساتھ ایک ایسی تربیت گاہ جہاں معاشی مشکلات کو دور کرنے کے لیے فن اور ہنر کے مختلف شعبے قائم کیے جائیں، پورے خطبہ میں مستقبل کی حسین تعمیر کے لیے واضح ارشادات موجود ہیں"۔

(ہفتہ وار تاجدار ۱۲ رمئی بحوالہ اشرفیہ کا ماضی اور حال)

حضرت احسن العلما حضرت حافظ ملت بانی جامعہ اشرفیہ کی علمی وفکری خدمات سے بھی بے پناہ متاثر تھے، حضرت احسن العلما علیہ الرحمہ نے "حافظ ملت نمبر" کے لیے جو پیغام رقم کیا ہے وہ میرے مدعا کی بڑی قوی دلیل ہے۔ پیغام کا ایک اقتباس ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

گرامی نامہ ملا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ مجھ جیسے طالب علم کے لیے ایسے عظیم الشان نمبر کے لیے جو ایسی ذات گرامی سے منسوب ہے جس کے ادنیٰ خوشہ چیں حکمت ودانش، علم ومعرفت کی چلتی پھرتی یونیورسیٹیاں ہیں۔ کچھ لکھنا گویا امتحان دینا ہے۔

یاد آئی ۷۳ء کی وہ صبح جب مارہرہ کی برکاتی خانقاہ میں حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ کے ساتھ پہلی بار حافظ ملت کی زیارت ہوئی تھی، اور آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما کانپور کانفرنس منعقدہ نومبر ۱۹۶۳ء میں پہلی بار اور یوم شہید اعظم ۱۹۷۱ء بمبئی میں دوسری بار ان کا بیان سننے کا موقع ملا۔ آخری بیان میں نے وہ سنا کہ دار العلوم برکاتیہ مکبر ضلع بستی کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر اپریل ۱۹۷۶ء میں فرمایا تھا۔ ان تمام مواعظ حسنہ میں علم وحکمت کے موتی پروئے تھے۔

علم وحکمت کا یہ درخشندہ آفتاب جس کی ضیا باری سے اقطار ہندو بیرون ہند منور اور جس کی شعاعیں دور دور تک بکھری ہوئی ہیں۔ جو یقیناً کھانے کے دستر خوان سے لے کر محراب ومنبر اور مسند درس وافتا سے تخت مشیخیت تک حافظ ملت تھے۔" (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر)

اس تاثراتی اقتباس کے بعد یہ حقیقت دل ودماغ میں پوری طرح مبرہن ہوگئی ہوگی کہ احسن العلما علیہ الرحمہ حضور حافظ ملت سے بے پناہ متاثر اور ان کی عالم گیر خدمات کے معترف تھے، اسی طرح حضرت احسن العلما کی نظر میں جامعہ کے دیگر متعلقین کی بڑی قدر ومنزلت تھی ۲۷/ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو حضرت سید شاہ ابو القاسم محمد اسمٰعیل حسن عرف شاہ جی میاں متوفی صفر ۱۳۴۷ھ کے عرس میں شرکت کے لیے حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب قبلہ کی معیت میں مارہرہ شریف حاضر ہوا تھا، اس خانقاہ کے طور وطریقے، رسم ورواج کو دیکھ کر دل ودماغ نے بڑا اچھا اثر قبول کیا تھا، حضرت احسن العلما نے بھی بڑی دعاؤں اور شفقتوں سے نوازا تھا۔ قل شریف کی خاص محفل میں ماہنامہ اشرفیہ کا تعارف کراتے ہوئے اپنے مریدین ومتوسلین کو حکم دیا تھا کہ ہر برکاتی بھائی کے گھر میں اس کا ہونا ضروری ہے۔ آہ آج جب یہ تمام باتیں سوچتا ہوں تو دل کانپنے لگتا ہے اور ڈبڈباتی آنکھوں میں آپ کی نورانی صورت تیرنے لگتی ہے۔

خانوادۂ برکاتیہ کے دیگر بزرگوں اور دانش وروں کا بھی یہی حال ہے تمام حضرات جامعہ

اشرفیہ کے مداح اور اس کے متعلقین سے مخلصانہ تعلق خاطر رکھتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ اور حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ سے بڑے گہرے مراسم ہیں۔ دو سال قبل شہزادہ سید العلما حضرت حسان العصر سید حسنین میاں برکاتی جامعہ اشرفیہ تشریف لائے تھے ان کی آمد پر جامعہ کے اساتذہ، ارکان اور طلبہ نے دلوں کا فرش بچھا دیا تھا اور بڑے شوق و ولولہ کے ساتھ جلسۂ استقبالیہ کا اہتمام کیا تھا، راقم نے جامعہ کی جانب سے اپنے معزز مہمان کی بارگاہ میں سپاس نامہ پیش کیا تھا۔ حضرت احسن العلما کے تمام صاحبزادگان بھی اہل اشرفیہ سے بڑے قریب ہیں۔ حضرت احسن العلما کے حقیقی بھانجے ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم صاحب اساتذۂ اشرفیہ اور مصباحی برادران سے بڑے قریبی معاملات رکھتے ہیں موصوف عظیم دانشور اور بلند پایہ قلم کار ہیں کئی سیمیناروں میں ساتھ رہنے کا موقع میسر آیا ہے راقم پر بڑے مہربان ہیں ادارت کے تعلق سے قیمتی مشوروں سے بھی نوازتے رہتے ہیں۔ خدا کرے خانقاہ برکاتیہ سے جامعہ اشرفیہ کا تعلق روز افزوں اور ہمیشہ باقی رہے۔

حضور احسن العلما علیہ الرحمہ کی موت۔ ''موت العالِم موت العالَم'' کی صحیح مصداق تھی آپ کے سانحہ ارتحال سے پوری جماعت اہل سنت متاثر ہو کر رہ گئی ہے۔ ملک بھر میں تعزیتی جلسوں کے سلسلے جاری ہیں۔ مگر سچائی تو یہ ہے کہ اللہ کے ولی مرتے نہیں بلکہ ایک لمحے کے لیے ان پر موت طاری ہوتی ہے پھر ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا روحانی فیضان حیات ظاہری سے ہزاروں گنا بڑھ جاتا ہے۔ دعا ہے مولیٰ تعالیٰ ان کی قبر پر انوار پر رحمت و غفران کی بارش فرمائے۔

جمال اس کا چھپائے گی کیا بہار چمن
گلوں پہ دب نہ سکی جس کی بوئے پیرہن

(ماہنامہ اشرفیہ، اکتوبر، نومبر ۱۹۹۵ء)

استاذ القرا قاری محمد یحییٰ مبارکپوری علیہ الرحمہ

۱۵ر مئی ۱۹۹۶ء بروز چہار شنبہ صبح چار بج کر ۳۰ر منٹ پر استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ علیہ الرحمہ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون"۔ یہ المناک خبر جیسے ہی عام ہوئی مبارکپور اور قرب وجوار میں غم واندوہ کے بادل چھا گئے، قریب نصف صدی کے دامن پر پھیلی ہوئی ان کی عہد ساز دینی وملی خدمات کے تذکرے ہونے لگے، ان کی خوش اخلاقی، اعلیٰ ظرفی، رواداری اور بلند کرداری کے دل آویز واقعات ایک ایک کر کے سطح ذہن پر ابھرنے لگے، وہ ایک بلند ہمت، پر عزم اور پرشکوہ شخصیت تھے، دلوں کو ان کی رحلت کا یقین نہیں آرہا تھا، مگر آنکھوں دیکھی حقیقت کا انکار کب تک کیا جاتا، قادر مطلق کے اس ناقابل شکست قانون کے سامنے ہر ایک کو سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

"اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ."

حضرت قاری صاحب قبلہ حضور حافظ ملت کے تلمیذ رشید اور معتمد تھے، وہ الجامعۃ الاشرفیہ کے ایک نامور فرزند تھے ان کی گوناگوں صلاحیتوں کا شہرہ ملک بھر میں تھا، وہ جب اپنے مخصوص لب ولہجہ میں قرآن عظیم کی تلاوت فرماتے تھے تو سامعین پر وجد کا عالم طاری ہو جاتا تھا، کبر سنی اور نقاہت کے باوجود ان کی دل کش آواز کی بلندی اور دل آویزی ذرہ برابر متاثر نہیں تھی، تلاوت کے وقت نہ چہرے کا تیور بدلتا تھا اور نہ ادائیگی میں کسی قسم کے تصنع کا احساس ہوتا تھا، بلکہ وہ جب مخارج وصفات کے فطری التزام اور لب ولہجہ کے کیف آور نشیب وفراز کے ساتھ نغمۂ لاہوتی چھیڑتے تھے تو بالکل ایسا لگتا تھا کہ کسی سمندر سے دلنواز موجیں اٹھ رہی ہیں اور پوری فضائے بسیط اس کے جذب وکیف سے سرشار ہو رہی ہے۔ آپ نے تدبیر وحکمت سے لبریز دل ودماغ پایا تھا، پوری زندگی دین وملت کی تعمیری اور انتظامی امور میں صرف ہوئی۔ اہل مبارک پور اور قرب وجوار کے انفرادی اور

...ہی مسائل سے انہیں عشق کی حد تک دلچسپی تھی ، بیماروں کی تیمارداری ،تقریبات میں
...کت ، اختلافی معاملات میں صلح جوئی ، پریشاں حالوں کی دادرسی ، اپنے اثر ورسوخ سے
...ی ضرورت مندوں کی اعانت اور خدمت خلق میں ہمہ دم تازہ دم اور مصروف عمل نظر آتے
... ۔اگست ۱۹۲۲ء میں مبارکپور میں پیدا ہوئے دارالعلوم اشرفیہ کے مکتب میں پرائمری کی
تعلیم مکمل کی اور اسی دارالعلوم میں حضور حافظ ملت کی زیر نگرانی ۱۳۵۸ھ میں درس نظامی کا
آغاز کیا اسی تعلیم کے ساتھ قراءت حفص مکمل کی اور اسی دوران تعطیل کلاں میں قراءت
سبعہ کی تکمیل کے لیے استاذ القرا حضرت قاری محب الدین علیہ الرحمہ کے پاس الہ آباد
تشریف لے گئے اور ۱۳۶۷ھ میں باضابطہ دارالعلوم اشرفیہ سے سند فضیلت حاصل
کی ۔فراغت کے بعد حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے آپ کا تقرر دارالعلوم اشرفیہ میں فرمایا
اور آپ درس نظامی اور شعبہ قرأت میں درس دینے لگے ، یہ سلسلہ ۱۹۶۲ء تک جاری رہا اس
دوران ملک و بیرون ملک کے سیکڑوں تلامذہ نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا ۔آپ کے
باکمال تلامذہ کی ایک لمبی تعداد آج بھی درس و تدریس اور امامت و خطابت کے فرائض انجام
دے رہی ہے ۔۱۹۶۲ء سے ۱۹۷۸ء تک دارالعلوم اشرفیہ کا عہدۂ نظامت سنبھالا اس کے
بعد ۱۹۸۵ء تک نائب صدر کی حیثیت سے دارالعلوم کی خدمت انجام دی ۔۱۹۷۴ء میں
حضور حافظ ملت نے آپ کو جامع مسجد مبارکپور کا نماز جمعہ کا امام و خطیب منتخب فرمایا یہ
خدمت آپ نے عمر کے آخری جمعہ تک بحسن و خوبی انجام دی ۔آپ کی رحلت کے بعد
جامع مسجد کے منبر و محراب اداس ہیں اور سچائی تو یہ ہے کہ برسوں تک نماز جمعہ میں آپ کی کمی
کا احساس تڑپاتا رہے گا ۔

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کے پسماندگان میں پانچ صاحبزادگان اور چار
صاحبزادیاں ہیں دعا ہے ، مولیٰ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور
پسماندگان کو صبر و شکر کی توفیق رفیق بخشے ۔آمین ۔

(ماہنامہ اشرفیہ ، جون ۱۹۹۶ء)

گلِ گلزارِ اشرفیت کا سانحۂ ارتحال

گلِ گلزارِ اشرفیت، شیخ طریقت، مخدوم اہل سنت حضرت سید شاہ محمد مختار اشرف سرکار کلاں کچھوچھہ مقدسہ ۲۱ رنومبر ۱۹۹۶ء کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ کیا گئے چرخ ولایت سے ایک ستارہ ٹوٹ گیا، ہر طرف رنج وغم کے تاریک بادل چھا گئے، ہر چہرہ پژمردہ اور ہر آنکھ اشک بار ہو گئی، مریدین ومعتقدین میں صف ماتم بچھ گئی، مدارس ومکاتب میں ایصال ثواب کیا گیا، شیدائیوں نے تعزیتی محفلوں کا انعقاد کیا، سوگوار مجلسوں میں خراج عقیدت پیش کیا گیا، مبارک پور میں بھی تعزیتی جلسوں کا انعقاد کیا گیا، جامعہ اشرفیہ میں بھی ایصال ثواب کیا گیا، جامعہ اشرفیہ انھیں شیخ طریقت کے سلسلۃ الذہب کی طرف منسوب ہے، خانوادۂ اشرفیہ کے علما ومشائخ میں بھی ایک بڑی تعداد فارغین اشرفیہ کی ہے جامعہ اشرفیہ سے خانوادۂ اشرفیہ کا رشتہ بہت پرانا ہے۔

عہد حاضر میں سرکار کلاں علیہ الرحمہ کچھوچھہ مقدسہ کی سب سے مقتدر اور بزرگ ترین شخصیت تھے، تقویٰ شعار اور عابد شب زندہ دار تھے، حسن کردار اور بلند اخلاق کی چلتی پھرتی تصویر تھے، پروقار وضع قطع، پرکشش اور نورانی چہرہ، عادات وخصائل میں سادگی اور سادگی میں بانکپن وہ بھی ایسا کہ "بھیڑ میں بھی جائیں تو تنہا دکھائی دیں"۔ آپ کے دامن کرم سے ایک عالم وابستہ ہے۔ ملک وبیرون ملک ہزاروں مریدین ومعتقدین ہیں اور سب خوش عقیدہ اور مسلک امام احمد رضا بریلوی کے پیروکار ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ آپ کے وصال پر ملال کی خبر جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں بڑی تاخیر سے پہنچی وہ بھی گھوسی سے، مجھے خود جمعہ کی صبح کو معلوم ہوا کہ حضرت رحلت فرما گئے اور آج ہی بعد نماز جمعہ نماز جنازہ ادا کی جائے گی جب کہ جامعہ اشرفیہ میں الہ آباد بورڈ کے امتحانات کا سینٹر تھا اور جمعہ کے دن بھی امتحانات ہو رہے تھے تمام اساتذہ امتحانات کی ذمہ داریوں میں الجھے ہوئے تھے۔ حضرت عزیز ملت، حضرت

فقیہ عصر اور حضرت محدث کبیر بیرونی دورے پر تھے ان مجبوریوں کے باوجود بھی ہم لوگوں نے چند چھوٹی بڑی گاڑیوں کا اہتمام کیا اور قریب ایک درجن اساتذہ اور سو سے زائد طلبہ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ جامع اشرف کے سامنے جلسہ گاہ میں قریب سات بجے بعد نماز مغرب نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اور بصد حسرت ویاس قریب ہی ایک مقام پر آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ ادارہ اشرفیہ دعا گو ہے مولیٰ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر و شکر کی توفیق رفیق بخشے آمین۔

(ماہ نامہ اشرفیہ، جنوری ۱۹۹۷ء)

نغمے ان کے یاد رہیں گے

شاعر اسلام شہنشاہ ترنم راز الہ آبادی ہمارے عہد کے ایک نامور اور بلند پایہ شاعر تھے، وہ شعر و سخن کے فنکار بھی تھے اور اسٹیج کے بادشاہ بھی، انتہائی رنج و غم کے ساتھ یہ خبر نذر قارئین اشرفیہ کر رہا ہوں کہ وہ عظیم شاعر اور قد آور فنکار اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ آہ! بزم شعر و سخن کی وہ صف اول ٹوٹ گئی، جس کے آپ رکن رکین تھے۔ موصوف مشائخ اہل سنت اور خاص طور پر حضور مفتی اعظم ہند علامہ محمد مصطفیٰ رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ اور دلدادہ و شیدائی تھے۔ حضور مفتی اعظم ہند بھی آپ پر بڑے مہربان تھے بلکہ سچائی تو یہ ہے کہ انہیں شیخ طریقت کی نگاہ فیض کا اثر تھا کہ ایک ذرہ آفتاب عالم تاب بن کر ابھرا اور ابھرتا ہی چلا گیا، سیرت النبی ﷺ کے جلسے ہوں یا ملی کانفرنسیں، نعت کی محفلیں ہوں یا غزل کے مشاعرے وہ جس بزم میں آجاتے اس کی کامیابی کی ضمانت بن جاتے تھے۔ راقم کو انہیں دو بار سننے کا موقع ملا۔ ایک بار حضور مفتی اعظم ہند کے عرس چہلم میں اور ایک بار مبارک پور کے مشاعرے میں دونوں موقعوں پر وہ اپنے ہم سفروں پر فائق نظر آئے۔ ان کا کوئی دیوان تو نظر سے نہیں گزرا مگر رسائل و جرائد میں ان کا فکر انگیز اور بلند پایہ کلام بارہا نظر سے گزرا۔ یوں تو موصوف نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے مگر غزل اور نعتیہ شاعری ان کا خاص میدان تھا، لیکن دینی حلقوں میں ان کو شہرت و مقبولیت نعت رسول مقبول ﷺ ہی کی بدولت ملی۔ انھوں نے صنف نعت کو شریعت کی تمام تر پابندیوں کے ساتھ برتا ہے۔ عشق رسول کی خوشبو ان کے کلام سے لے کر زندگی کی گہرائیوں تک سمائی ہوئی تھی، پر وقار اور بھاری بھرکم چہرے پر داڑھی خوب کھلتی تھی جو ان کے عشق رسول کی ایک بڑی سچائی تھی۔ عازمین حرم سے ان کی صدائے دل سینئے۔

خوشا بخت سوے حرم جانے والے
بھلا دے تو دنیا کے غم جانے والے
میرے آنسوؤں کی یہ معراج ہوگی
لیے جا مری چشم نم جانے والے
وہ سب آنسوؤں کی زباں سے سنیں گے
ہے بے کار کاغذ قلم جانے والے
زمین حرم پر انھیں توڑ دینا
جو ہیں خواہشوں کے صنم جانے والے
مدینے میں تو رازؔ کی بات کہنا
ہو اتنا کرم کم سے کم جانے والے

شاعر اسلام رازؔ الہ آبادی صرف اسٹیج ہی کے ہر دل عزیز شاعر نہیں تھے بلکہ ان کے کلام میں فکر وفن کی معنویت، لب ولہجہ کا بانکپن، شعور کی حسیت اور عشق وعرفان کا سوز گداز بھی بھرپور نظر آتا ہے ذیل کے دو قطعات ملاحظہ کیجیے۔

جو صدا دے ٹوٹ کر وہ ساز ہوں
جس کی لے ٹوٹے نہ، وہ آواز ہوں
سارا عالم مجھ سے واقف ہوگیا
ان کی نظروں میں ابھی تک رازؔ ہوں

....

کون روکے گا راہ میں مجھ کو
میں نے رخ کر لیا مدینے کا
جس کو طوفان لوگ کہتے ہیں
ناخدا ہے مرے سفینے کا

(ماہ نامہ اشرفیہ، اپریل ۱۹۹۷ء)

خطیب وشاعر مولانا سعید اعجاز کامٹی علیہ الرحمہ

یہ روح فرسا خبر سن کر قارئین اشرفیہ کو غم ہوگا کہ جماعت اہل سنت کے مشہور خطیب ومبلغ حضرت مولانا سعید اعجاز کامٹی کا گذشتہ دنوں انتقال ہوگیا۔ موصولہ خبر کے مطابق علامہ موصوف بمبئی کے کسی اسٹیج پر تقریر فرمارہے تھے تقریر کے دوران دل کا دورا پڑا اور چند لمحوں میں ترنم آمیز خطابت کا موجیں مارتا ہوا دریا ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا، دلوں کو ایمانی شگفتگی عطا کرنے والا گل رعنا خود ہی پژمردہ ہوگیا، آسمان خطابت کا وہ انجم ٹوٹ گیا جس کی تنویر سے ہند سے افریقہ تک کی مذہبی دنیا منور تھی۔

علامہ موصوف سے راقم عرصہ دراز سے آشنا تھا مگر قریب سے دیکھنے کا موقع گذشتہ سال ۱۹۹۶ء میں پونہ کے چند پروگراموں کے دوران ملا، ہر جلسہ میں میری تقریر کے بعد ان کی تقریر ہوئی مگر واہ رے خُرد نوازی کا جذبہ فراواں، ہر بار اپنی خطابت سے قبل وہ میری تقریر وخطابت کی اتنی حوصلہ افزائی فرماتے کہ بار کرم سے میری گردن خم ہو جاتی۔ دیگر معمولات زندگی اور اخلاق کریمانہ میں بھی میں نے انھیں بہت بلند پایا۔ وہ مقبول عام خطیب کے ساتھ عظیم نعت گو شاعر بھی تھے نکتہ آفرینی، انتہائی لطیف طنز ومزاح ان کی خطابت کا ایک وصف تھا جو انھیں کے ساتھ خاص تھا۔ جب وہ اپنے خاص رنگ میں آتے تو پوری محفل کو لالہ زار اور گل گلزار بنا دیتے، بدمذہبوں کا رد اتنے دل نشیں اور مدلل پیرایۂ بیان میں فرماتے کہ عام انسان بھی حقانیت کی دہلیز پر سر تسلیم خم کیے بغیر نہیں رہتا۔ ۲ر مارچ ۱۹۹۷ کو ناگپور کے قریب کامٹی میں ان کا عرس چہلم تھا فیض العارفین حضرت شیخ غلام آسی پیارام پوری دامت برکاتہم القدسیہ کے زیر صدارت ہونے والے عرس چہلم میں یہ راقم بھی مدعو تھا مگر افسوس بعض موانع کے پیش نظر میں شرکت نہیں کرسکا اور زبان کے بجائے قلم سے خراج محبت پیش کر کے کسی طرح اپنا غم ہلکا کرلیا۔

دعا ہے مولیٰ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

(ماہنامہ اشرفیہ، اپریل ۱۹۹۷ء)

آہ! مجاہد دوراں نہ رہے

۱۱ر نومبر ۱۹۹۷ء کو کچھوچھہ مقدسہ کی مشہور شخصیت عظیم قائد وخطیب مجاہد دوراں حضرت علامہ سید مظفر حسین کچھوچھوی "علیہ الرحمہ" ہو گئے اور اسی کے ساتھ سنی پر جوش قیادت کا ایک دور بھی ختم ہو گیا۔ سیاسی دنیا سے دینی دنیا تک اور ولولہ انگیز خطابت سے لے کر مجاہدانہ قیادت تک موصوف بڑی حد تک ممتاز ونمایاں تھے، ملی اور جماعتی مسائل میں ہمیشہ سرگرم ومتحرک رہتے، عام طور پر لوگ اپنے ذاتی، علاقائی اور جماعتی مسائل کو لے کر ان کے پاس پہنچتے رہتے تھے اور وہ پوری فراخ دلی اور خنداں پیشانی سے ان کے حل کرنے اور کرانے میں لگ جاتے تھے، درازی عمر سے ان کے قویٰ مضمحل ضرور ہو گئے تھے لیکن ان کے مجاہدانہ حوصلوں پر کوئی اثر نہیں تھا، گزشتہ چند ماہ تک ان کی لمبی لمبی تقریریں ہوتی رہی ہیں، خطابت کا تیور بالکل جوانوں جیسا رہتا تھا جو گھن گرج، جوش وخروش، لب ولہجہ کا اتار چڑھاؤ اور فلک پیما امنگ وترنگ کا انداز خطابت عہد شباب میں رہتا تھا، بڑھاپے میں بھی نظر آیا، وہ جب رزمیہ اشعار پڑھ پڑھ کر مجمع کو للکارتے تو ایسا لگتا کہ وہ کرسی خطابت پر نہیں میدان کارزار میں صف آرا ہیں۔ دہلی کی جامع مسجد کا ایک خاص حجرہ اور لکھنؤ کا دار العلوم وارثیہ ان کی خاص اقامت گاہیں تھیں بلکہ ان جگہوں کو ان کے فکر وعمل کی آماجگاہیں بھی کہا جا سکتا ہے۔ وہ اپنی ہزار مقبولیت اور صلاحیت کے باوجود سیاسی اور ملی مسائل میں اتنے الجھے رہے کہ نہ کوئی اپنا ادارہ بنا سکے اور نہ کوئی مستقل تنظیم چلا سکے۔ ہاں مگر ان کی شخصیت بجائے خود ایک انجمن تھی، انتہائی سادہ وضع قطع میں بلا کا بانکپن اور مجاہدانہ رنگ وآہنگ تھا۔ متواضع طبیعت کے باوجود بڑے بڑے لیڈروں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، علمائے اہل سنت سے بڑی نرم خوئی اور خندہ روئی سے ملتے بلکہ اجنبیوں تک سے اس طرح ٹوٹ کر ملتے گویا برسوں کی شناسائی ہے۔ میں نے سب سے پہلے انھیں مدرسہ اجمل العلوم سنبھل کے

سالانہ جلسہ میں دیکھا تھا اسی جلسہ میں صدر العلما حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی بھی زیارت نصیب ہوئی تھی ان دنوں میں وہاں شعبۂ حفظ کا طالب علم تھا اس وقت شعور ہی کیا تھا لیکن ان کی تقریر کے ولولہ انگیز واقعات آج تک ذہن میں محفوظ ہیں۔ یہ مصرعے بھی میں نے اسی تقریر میں سنے تھے جو غالباً انھیں کے تھے۔

ع قفس کی تیلیوں کو کاٹنا ہم کو بھی آتا ہے۔

جب یہ مصرع پڑھ رہے تھے تو ان کی انگلیاں قینچی کی طرح چل رہی تھیں۔ اسی نظم کا یہ شعر بھی تھا۔

مری خاموشیوں سے تم کہیں دھوکا نہ کھا جانا
محبت کی فضا میں بولنا ہم کو بھی آتا ہے

موصوف انقلابی شاعر بھی تھے کبھی ان کا ایک شعری مجموعہ بھی نظروں سے گزرا تھا، ملی اور سیاسی سرگرمیاں موصوف کا خاص میدان تھا دو بار الیکشن لڑ کر پارلیمنٹ کے ممبر بنے، برسوں تک متحدہ محاذ کے پلیٹ فارم سے خدمت انجام دی اور بابری مسجد ایکشن کمیٹی کے منصب صدارت سے بھی آپ نے بڑا تاریخی کردار ادا کیا، لیکن یہ ہماری پوری جماعت ہی کا المیہ ہے کہ تاریخی کام تو انجام پاتے ہیں لیکن تاریخ نویسی کا اہتمام نہیں ہوتا۔ نتیجۃً اغیار سہرا اپنے سر سجا لیتے ہیں۔

حضرت مجاہد دوراں کی وہ خصوصیت جس نے مجھے بے حد متاثر کیا ان کا متوازن اور غیر متعصب انداز فکر تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ "اشرفی رضوی تنازع" میں بھی کافی حد تک غیر جانب دار رہے دو سال قبل انھیں بریلی شریف میں عرس اعلیٰ حضرت کے اسٹیج پر بھی دیکھا گیا تھا، نیز وہ روایتی کروفر، متکبرانہ جبہ و دستار اور ہم چنیں دیگرے نیست والے انداز سے بھی محفوظ تھے۔ خدا انھیں جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(ماہنامہ اشرفیہ، دسمبر ۱۹۹۷ء)

آہ! ضیاء الامۃ پیر کرم شاہ ازہری

پیر طریقت، صاحب طرز ادیب، کہنہ مشق صحافی، مشہور مفکر و مفسر حضرت علامہ پیر کرم شاہ ازہری پاکستانی اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ کاتب تقدیر کا لکھا ہوا امر ہے۔ فیصلہ قدرت میں کسی کو مجال دم زدن نہیں، یہی وہ مقام ہے جہاں ہر فرد کو خواہی نخواہی سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ ملک الموت کی گرفت سے نہ کوئی جابر و سرکش بچ سکا اور نہ کوئی فرشتہ صفت مطیع و فرماں بردار۔ موت خدائی فیصلہ بھی ہے اور بنی نوع انسانیت کے لیے ایک مکمل درس عبرت بھی، دنیاوی زندگی عارضی اور مختصر ہے اور اخروی زندگی ہمیشہ کی زندگی۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی شخصیت میں دنیائے دین و دانش کو نور بخشتا ہوا ماہتاب دیکھتی آنکھوں روپوش ہو گیا، ہر طرف غم و اندوہ کے تاریک بادل چھا گئے، لوح و قلم کی سرگرم محفلوں پر سکتہ طاری ہو گیا، وعظ و خطابت کی بزموں میں خاموشیاں چھا گئیں، علم و ادب کی انجمنیں سوگوار ہو گئیں، میخانہ عشق و عرفان کی بہاریں روٹھ گئیں۔ وہ کیا گئے ان کے قلم سے وابستہ ہزاروں آرزوؤں کا جنازہ نکل گیا۔ دیکھنے میں وہ ایک فرد تھے مگر سچائی یہ ہے کہ فرد کی شکل میں ایک فعال انجمن تھے، وہ ایک شگفتہ پھول نہیں پر بہار چمن تھے، وہ علم کی ایک کتاب نہیں مکمل دبستاں تھے۔

اب شخصیت شناسی کے پرانے معیار ٹوٹ رہے ہیں، پہلے شخصیتوں کا اندازہ موروثیت اور "پدرم سلطان بود" کی بنیاد پر لگایا جاتا تھا۔ اب شخصیات کا قد خدمات کے حوالے سے ناپا جا رہا ہے، مگر حضرت پیر کرم شاہ ازہری کی شخصیت ہر دو منظر ناموں اور معیاروں پر قد آور دیکھی جا سکتی ہے، وہ عالی نسبت اور خاندانی وجاہت کے حامل بھی تھے اور ذاتی اوصاف و کمالات میں اپنے ہم عصروں کی بزم میں صدر نشیں بھی۔ حضرت شاہ

صاحب علیہ الرحمہ ۱۲ ررمضان المبارک ۱۳۳۶ھ یکم جولائی ۱۹۱۸ء، بروز پیر بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی سلطان العارفین پیر محمد شاہ غازی ابن حضرت امیر السالکین نے تحریک پاکستان میں بھرپور عزم وحوصلہ اور ولولہ وترنگ کے ساتھ حصہ لیا، اور آزادی کشمیر کی جنگ میں نمایاں کردار ادا کیا جن کی بنا پر کرنل کیانی (آزاد کشمیر فورسز) نے آپ کو اعتراف خدمت کے طور پر سرٹیفکٹ دیا۔

آپ کے سلسلہ نسب اور آپ کے مورث اعلیٰ کی آمد پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب رقم طراز ہیں:

> ''آپ کا سلسلہ نسب شیخ الاسلام بہاء الحق والدین ابو محمد زکریا سہروردی ملتانی قدس سرہ سے ہوتا ہوا اصحاب صفہ میں صحابی رسول حضرت ہبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ تقریباً تین سو سال قبل حضرت شیخ الاسلام کے خاندان کے ممتاز فرد حضرت دیوان پیر فتح شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھیرہ میں تشریف لائے اور رشد وہدایت اور تبلیغ اسلام کا وہ چراغ روشن کیا جو آپ کی اولاد امجاد کی بدولت ہمیشہ درخشندہ وتابندہ رہا حتیٰ کہ یہ مرکزیت اور دینی قیادت حضرت پیر محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور پھر حضرت کے عظیم فرزند حضرت مولانا پیر کرم شاہ کے حصے میں آئی۔''
>
> (تذکرہ اکابر اہلِ سنت پاکستان، ص ۴۷۸)

آپ کی تعلیم دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ میں ہوئی، ابتدائی کتابیں مولانا محمد قاسم بالاکوٹی سے پڑھیں، کتب متوسطہ کا درس مولانا محمد دین بدھوی سے لیا اور اعلیٰ علوم کے درس کے لیے علامہ غلام محمود کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ یہ تمام اساتذہ علم وفن دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ میں مسند تدریس پر فائض تھے۔ اور دورہ حدیث کے لیے مفسر قرآن حضرت صدر الافاضل علامہ سید شاہ محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ۱۹۴۳ء میں سند فراغت اور دستار فضیلت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد ۱۹۴۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔

۱۹۵۱ء میں جامعہ ازہر مصر تشریف لے گئے وہاں تین سال قیام کے بعد ۱۹۵۴ء میں جامعہ کی اعلیٰ سندات ''الشھادۃ العالمیۃ'' اور ''تخصص القضاء'' حاصل کیں۔ اور امتحانات میں جامعہ کے تمام طلبہ کے درمیان دوسری پوزیشن حاصل کی۔

جامعہ ازہر مصر سے فراغت کے بعد آپ نے دارالعلوم محمدیہ بھیرہ میں تدریسی سلسلہ جاری رکھا نیز تبلیغی، قلمی اور سیاسی وملی سرگرمیاں بھی جاری رہیں، آپ بچپن میں حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی اور فراغت کے بعد حضرت خواجہ محمد قمر الدین سے بیعت ہوئے اور خلافت واجازت سے مشرف ہوئے۔

آپ کی ملی اور سیاسی خدمات کا دائرہ بھی خاصہ وسیع ہے آپ نے بہت سے نازک مراحل میں اسلام اور مسلمانوں پر ہونے والے قلمی وسیاسی حملوں کا دفاع کیا، اور پورے اخلاص وللٰہیت سے اسلامی اقدار کی روشنی میں کلمہ حق کی سربلندی کا فریضہ انجام دیا۔

حضرت مولانا محمد صدیق ہزاروی صاحب رقم طراز ہیں۔

۱۹۷۷ء کی تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ میں بڑے بڑے اہل علم وتقویٰ صحیح قوت فیصلہ سے محروم رہے۔ آپ نے نہایت پیچیدہ اور سنگین حالات میں تحریک کی قیادت باحسن وجوہ فرمائی۔ آپ نے خود کو گرفتاری کے لیے پیش فرما کر پیران طریقت کے لیے ایک قابل تقلید مثال قائم کردی۔

قریب اٹھائیس برس قبل آپ نے لاہور سے ماہنامہ ''ضیاء حرم'' جاری فرمایا جو آج تک اپنی گوناگوں خصوصیات کے پیش نظر ملک اور بیرون ملک میں مقبول اور ہر دل عزیز ہے۔ اس رسالے نے بلاشبہ دین ودانش، سیاست وصحافت اور دعوت وتبلیغ کی گراں قدر خدمات انجام دیں ''ضیاء حرم'' اس عہد تیرہ وتاریک میں لعل شب افروز اور مینارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ معیاری مضامین، دلکش کتابت وطباعت، حسن ترتیب، دل آویز لب ولہجہ، فکر انگیز اور موثر انداز نگارش ضیاء حرم کے نمایاں امتیازات ہیں۔ یہ ماہنامہ دراصل ''فقر غیور اور عشق خود آگاہ'' کا نقیب ہے ہر شمارہ کے اندرونی ٹائٹل کی پیشانی پر یہ شعر نظر آتا ہے۔

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست

سوئے قطار می کشم ناقہ بے زمام را

"سر دلبراں" کے عنوان سے ہر ماہ "ضیاء حرم" کے اداریئے ملی اور ملکی مسائل کا بے لاگ تجزیہ ہوتے ہیں ان میں دلِ دردمند کا سوز بھی ہوتا ہے اور اشکبار آنکھوں کے موتی بھی، بے راہ روی پر کڑی گرفت بھی ہوتی ہے اور نفاق و گمراہی کے خلاف اعلان جنگ بھی، احساس زیاں بھی ہوتا ہے اور مسائل کا مثبت اور پرامن حل بھی، پیچیدہ مسائل اور حالات کے مدوجذر کے باوجود ایک لمحے کے لیے بھی نوک قلم سے تدبر کا پہرہ نہیں اٹھتا۔ ضیاء حرم کے متعدد خصوصی شمارے اور نمبر بھی نکلے ہیں ان میں سے یہ چند بڑے مشہور ہیں۔
میلاد النبی نمبر، ختم نبوت نمبر، فاروق اعظم نمبر، صدیق اعظم نمبر وغیرہ

صحافت اور مضمون نویسی کے علاوہ آپ کی چند وقیع اور ضخیم تصانیف بھی ہیں، پانچ جلدوں پر مشتمل قرآن عظیم کی مکمل تفسیر بنام "ضیاء القرآن" آپ کی مشہور اور مقبول ترین تصنیف ہے، اردو زبان میں اس وقت دو تفسیریں سکہ رائج الوقت کی حیثیت رکھتی ہیں، حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی "خزائن العرفان" مختصر اور ان کے تلمیذ رشید حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی کی "تفسیر نعیمی" مطول جبکہ حضرت پیر کرم شاہ ازہری کی تفسیر متوسط ہے اور حسن اتفاق یہ بھی درسگاہ صدر الافاضل ہی کے خوشہ چیں ہیں۔ تفسیر ضیاء القرآن کا فکر انگیز اسلوب کوثر و سلسبیل سے دھلی ہوئی زبان، قارئین کے عصری فکر و مزاج سے ہم آہنگی، قرآنی مضامین کی موثر اور مربوط ترجمانی، دل و دماغ پر بڑے قریب سے دستک دینے والا انداز استدلال اس تفسیر کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ پھر بھی قرآنی اعجاز کی دہلیز پر ان کے نوک قلم کا اعتراف عجز اور عجز و نیاز کا منظر ملاحظہ فرمایئے۔

> "اس بحر ناپیدا کنار میں غواصی کرنے والوں میں غواصی کا حق ادا کر دیا، ہر ایک نے اپنی ہمت کے مطابق انمول موتیوں سے اپنی جھولیاں بھریں، لیکن اس معارف کے خزینے بھرے کے بھرے ہی رہے، اس کے اسرار و رموز کے گنجینوں میں کمی نہ ہوئی، جنھوں نے اس گلستان معنیٰ میں گل چینی کرتے کرتے عمریں گزار دیں انھوں نے یہ تو نہیں کہا ہم نے سب پھول

چن لیے ہیں بلکہ سب نے بے تامل یہ اعتراف کیا۔"

دامان نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گل چیں تو از تنگی داماں گلہ دارد

خدا شاہد ہے کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ مجھے یہ کام کرنا ہے یا میں کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں...... اسی کی توفیق نے دستگیری فرمائی اسی کی عنایات پیہم کے سہارے قدم اٹھتے رہے، اسی کی تائید مسلسل سے میں یہاں تک پہنچا۔"

مصنف نے اہم مقامات پر نحوی اور صرفی گرہ کشائی بھی فرمائی ہے اور ہر سورت سے قبل اس کا تعارفی نوٹ بھی لکھا ہے، جس میں متعلقہ سورت کے مرکزی مضامین کا جامع خلاصہ بھی ہے اور اہم قصص وواقعات کا پس منظر بھی۔ قرآن عظیم کا ترجمہ بھی الفاظ کی رعایت اور معانی کے کمال احتیاط کے ساتھ سلیس ورواں اسلوب میں کیا ہے، تشریحات میں جامعیت اور مربوطیت کا عنصر غالب ہے۔ قاری کو دوران مطالعہ کسی قسم کے بکھراؤ اور تشنگی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ایسا لگتا ہے کہ غار حرا سے ایک چشمۂ شیریں بہ رہا ہے اور دل گداز اور فرحت بخش فضاؤں میں بہتا اور ہر تشنۂ جاں کو سیراب کرتا ہی چلا جا رہا ہے۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے سیرت رسول کے عنوان پر بنام "ضیاء النبی" سات جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب لکھی جو ہندوپاک میں بہت مقبول ہوئی، انڈیا میں اس کا سب سے پہلا ایڈیشن المجمع المصباحی مبارک پور نے شائع کیا ہے۔ راقم نے اس پر ایک طویل مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔ نثر میں نعت گوئی کو ہی سیرت نگاری کہا جا سکتا ہے، بارگاہ رسول کا ادب واحترام اور منصب نبوت کی عظمت وعصمت دونوں ہی مقام پر ملحوظ خاطر رہتی ہے، عشق رسول کے حقیقی سوز وگداز اور منصب رسالت کے کمال ادب واحتیاط کے بغیر نہ نعت رسول کہی جا سکتی ہے اور نہ سیرت نگاری سے عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شبلی وسلیمان کی سیرت النبی، اور ابوالکلام آزاد اور سلیمان منصور پوری وغیرہ کی سیرت کے موضوع پر کتابیں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے خالی ہیں ان میں اکثر

مقامات پر مستشرقین کے اعتراضات کے رد میں معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ''ضیاء النبی'' لکھ کر جماعت اہل سنت کا قرض ادا کر دیا ہے۔ اردو زبان میں سیرت کے موضوع پر یہ منفرد کتاب ہے۔

پروفیسر محمد عقیل شعبہ فلسفہ گورنمنٹ کالج لاہور فرماتے ہیں۔

''سیرت نگاری انتہائی محتاط کام ہے، ''لائف اوف محمد'' لکھتے وقت ''ولیم میور'' جیسا مصنف بھٹک گیا، شبلی اور دیگر سیرت نگار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محض جسمانی خدوخال کی تحقیق کرتے رہے۔ مگر جسٹس پیر محمد کرم شاہ نے روحانیت سمیت سیرت نگاری کے تمام پہلوؤں کا حق ادا کر دیا، بلا شبہ ''ضیاء النبی'' ادب عالیہ کا درجہ رکھتی ہے۔''

پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری فرماتے ہیں۔

''ضیاء النبی میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر شخصیت کا کامل بیان ہے یہ کتاب طالب علم کے لیے ایک اہم دستاویز اور عام مسلمانوں کے لیے سیرت النبی اور دیگر اسلامی علوم کا ایک مکمل انسائیکلو پیڈیا ہے۔ ضیاء النبی کی اشاعت سے ایک سو سالہ علمی خلا پر ہو گیا ہے۔''

حضرت شاہ صاحب کی جامع صفات شخصیت پر یہ چند سطریں انتہائی عجلت میں سپرد قلم کر دیں ورنہ شخصیت کا تقاضہ تھا کہ ابھی بہت کچھ لکھا جائے۔ دعا ہے پروردگار عالم ان کے مشن اور ان کی تحریک کو پروان چڑھائے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

(ماہنامہ اشرفیہ مئی ۱۹۹۸ء)

مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی کا سانحۂ قتل

گردش لیل ونہار کے ساتھ ہزاروں حادثات رونما ہوتے ہیں اور بھلا دیے جاتے ہیں لیکن بعض حادثات اتنے دل دوز اور دردناک ہوتے ہیں کہ اشک ہائے غم کے سیلاب میں ان کی تصویریں ابھرتی اور ڈوبتی رہتی ہیں اس قسم کے حادثات میں "تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ" کے جواں سال مصنف کا پراسرار قتل بھی ہے۔ دیکھنے والوں نے انہیں بنارس کے ایک جلسہ میں شب تین بجے تک دیکھا، علمائے کرام کی تقریروں کے دوران وہ اسٹیج سے اٹھ کر کب گئے، کس کے ساتھ گئے اور کیوں گئے اس قسم کے جوابات سے ان کے ہم نشیں اور ملاقاتی بھی خاموش ہیں۔ ہاں دوسرے روز پولس نے ان کی درس گاہ مدرسہ مجیدیہ سرائے ہڈہا بنارس میں یہ جاں کاہ خبر دی کہ حضرت مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی کی لاش رسڑا ضلع بلیا میں لاوارث پائی گئی ہے۔ یہ واردات ۸؍جون ۱۹۹۸ء کو ہوئی ہے۔ مخبر نے یہ سنسنی خیز خبر دیتے ہوئے مزید کہا۔ تو فوراً وہاں پہنچ کر آخری رسومات اپنی نگرانی میں انجام دیں اور مرحوم کے گھر والوں کو باخبر کردیں۔

گھر سے نکلو تو پتہ جیب میں رکھ کر نکلو
حادثے چہرے کی پہچان مٹا دیتے ہیں

اہل رسڑا نے انہیں بصد حسرت وغم سپرد خاک کیا۔ ان کی حیات کا درخشاں آفتاب عین نصف النہار میں غروب ہوگیا۔ اور کتنے علمی اور فکری خاکے انہیں کے ساتھ دفن ہوگئے مرحوم باصلاحیت عالم،، مصلح خطیب، اخلاص پیشہ مبلغ، دردمند اور پرعزم قلم کار تھے۔ تذکرہ نگاری اور تاریخ نویسی ان کے من پسند موضوع تھے۔ علمائے اہل سنت کے قدیم قلمی آثار وتبرکات کے رسیا تھے۔ اپنے موضوع کے مواد کے سلسلہ میں جہاں سراغ پاجاتے ہزار مشقت اور دماغ سوزی کے باوجود حاصل کر کے ہی دم لیتے۔ آخری ایام میں ان کے فکر وقلم کا موضوع "تاریخ بنارس" تھا، کئی برس سے مسلسل اس کی تدوین وتالیف میں مصروف تھے۔ انہیں اپنے اس موضوع سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا، جب بھی ملاقات ہوتی اپنے موضوع کے حوالے سے نئے

نئے حیرت انگیز انکشاف فرماتے ۔ خدا جانے ان کا یہ کام کس منزل تک پہنچا اے کاش کوئی درد مندان کی آخری تصنیف "تاریخ بنارس" کو تکمیل واشاعت کے مراحل سے گزار کر منظر عام پر لے آتا تو ان کی روح بھی خوش ہوتی اور بنارس کی دینی ، علمی اور روحانی تاریخ سے ایک عالم فیض یاب ہو جاتا ۔ بنارس کے دردمند اہل علم اور دین دار اہل ثروت کو اس جانب خصوصی توجہ دینا چاہیے ۔

موصوف کا سانحہ قتل انتہائی افسوس ناک حادثہ ہے اس سازش میں کوئی فرد ملوث ہو یا تنظیم وجماعت یہ جرم صد قابل نفرت وملامت ہے ، عقیدہ وفکر کے اختلاف اور تنقیدات ونظریات کے تصادم کی بنا پر قتل وغارت گری کا سلسلہ شروع ہو گیا تو نہ کسی جماعت کے علما ومشائخ کی عزت محفوظ رہے گی اور نہ جان ، قلم کا جواب قلم سے دیا جائے اور تقریر کا جواب تقریر سے ، زبان وقلم کا جواب قاتلانہ حملوں سے دینا بہادری نہیں فکر کی کمزوری ، بزدلی اور غیر انسانی حرکت ہے ۔

مرحوم سے راقم سطور کا برسوں پرانا تعلق تھا ۔ الحاج عبد الحکیم عزیزی بناری مرحوم کے دولت کدے پر سالانہ گیارہویں شریف کا پروگرام بڑے اہتمام سے ہوتا تھا ۔ اس موقع پر راقم بلا ناغہ حاضر ہوتا تھا اس تقریب میں حضرت مولانا عبد المجتبیٰ رضوی صاحب سے ملاقات ضرور ہوتی بلکہ اس موقع پر وہ اپنی تحقیقی فتوحات کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کرتے تھے ۔ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کی توسیع اشاعت میں بھی ان کی خدمات قابل ذکر تھیں ۔ ماہنامہ اشرفیہ میں گاہے بگاہے ان کے مضامین بھی شائع ہوتے رہتے تھے ۔

مرحوم چھریرے بدن کے دبلے پتلے سادہ لوح انسان تھے ، نیک سیرت ، خوش خصلت ، ملنسار عالم باعمل تھے ۔ حق گو ، بے باک اور بے لاگ داعی اہل سنت تھے ۔ مسلک اہل سنت کے فروغ اور اصلاحی کاموں سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا ۔ زر اندوزی اور شہرت طلبی سے بے نیاز ہو کر شہری سطح پر ابلاغ حق اور ابطال باطل کو اپنا فریضہ سمجھ کر انجام دیتے تھے ۔ تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند بریلوی علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل تھا ۔

مولانا موصوف کی سن پیدائش ۲۰ رفروری ۱۹۵۷ء ہے ۔ نیپال کے رہنے والے تھے ۔ ۱۹۷۴ء میں جامعہ فاروقیہ بنارس سے سند فراغ حاصل کیا ، برسوں سے مدرسہ مجیدیہ سرائے ہڑہا بنارس میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے ۔ مندرجہ ذیل کتب ان کی قلمی

یادگاریں ہیں جو انشاء اللہ ہمیشہ ان کی یادوں کے چراغ روشن رکھیں گی۔

(۱) تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ (۲) کنز الایمان اردو تراجم کی جان (۳) موت کے بعد (۴) دیوبندی عقائد ہندی ترجمہ عقائد علمائے دیوبند از حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ (۵) تاریخ بنارس (۶) ہماری نماز ہندی۔ ان کتابوں کے علاوہ متعدد علمی، فکری، تاریخی اور دینی مضامین ومقالات بھی ہیں۔

ان کی تصنیف "تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ" پہلی بار ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی تھی، اس کی اشاعت کے لیے مصنف کو بڑے دشوار مراحل کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس کام کے لیے انھوں نے جو قرض حسنہ لیا تھا اس کی ادائیگی میں کئی سال لگ گئے تھے، جہانِ قادریت اور حلقۂ رضویت میں کتاب خاصی پسند کی گئی لیکن ہزار جاں گسل محنت اور برسوں کی جدوجہد کے باوجود مصنف کے ساتھ کوئی مالی حسن سلوک نہیں کیا گیا۔ دیار ہند میں سنی اہل قلم کی جو ناقدری ہے کسی بھی مذہب ومسلک کے ماننے والوں میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

۱۹۹۵ء میں حضرت مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی صاحب المجمع المصباحی مبارک پور میں تشریف لائے اور انھوں نے اپنی خاموش آرزو کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر "تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ" اس شہرۂ آفاق ادارہ سے شائع ہو جاتی تو بہتر ہوتا خیر ہم نے مشورہ کر کے اس کی اشاعت کا وعدہ کر لیا، اور کتاب کا دوسرا ایڈیشن ان کی زندگی ہی میں منظر عام پر آگیا، جب ادارہ نے اس کے تیسرے ایڈیشن کا ارادہ کیا تو بعض احباب کی خواہش ہوئی کہ اس کے نام میں "برکاتیہ" کا اضافہ کر کے کتاب کا نام "تذکرہ مشائخ قادریہ برکاتیہ رضویہ" کر دیا جائے۔ یہ تبدیلی ادارہ نے مصنف کی اجازت کے بغیر کی ہے لیکن اس اعتماد ویقین کے ساتھ کی ہے کہ اگر مصنف بقید حیات ہوتے تو ضرور خوش ہوتے۔ اب اس تذکرہ کی حیثیت ایک اہم ماخذ کی ہوگئی ہے اور دن بدن اس کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دینی، علمی اور قلمی خدمات کو قبول فرمائے۔ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

(ماہ نامہ اشرفیہ اگست ۱۹۹۸ء)

حضرت مولانا مشاہد رضا حشمتی

نجدیوں کے حق میں تھے جو سیف ہندی شعلہ بار

اب فرزندان اشرفیہ کی اولین صفیں آہستہ آہستہ ٹوٹ رہی ہیں، حضور حافظ ملت کے تراشے ہوئے ہیرے اپنی درخشانیوں سے اپنے فکر وعمل کی جولانگاہوں کو منور کر کے یکے بعد دیگرے روپوش ہوتے چلے آرہے ہیں۔ آہ!

عید الفطر کے بعد یہ اندوہناک خبر بھی کانوں کو سننا پڑا کہ حضرت علامہ مشاہد رضا پیلی بھیتی ۲۱ر جنوری ۱۹۹۹ء کو بشب ۱۰ر بجکر ۱۱ر منٹ پر خلد آشیاں ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جنھیں اب تک دامت برکاتہم العالیہ لکھا جاتا تھا اب اچانک انھیں رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے۔ اب تک درازی عمر کی دعائیں کی جاتی تھیں اب دعاے مغفرت کے لیے ہاتھ اٹھائے جا رہے ہیں۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں پہنچ کر نوک قلم سرنگوں ہو جاتی ہے۔ زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ دل ودماغ مجبور ہو جاتے ہیں۔ آرزوئیں بکھر جاتی ہیں اور خواہشات نظام قدرت کی دہلیز پر سربسجود ہو جاتی ہیں۔ "اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون"۔

حضرت علامہ مشاہد رضا حشمتی علیہ الرحمہ شہزادۂ شیر بیشۂ اہل سنت تھے، حضور حافظ ملت محدث مرادآبادی کی تلمیذ رشید تھے، مجاہد سنیت تھے، بے باک مناظر اہل سنت تھے، باطل شکن خطیب تھے، دیوبندیت کے لیے شمشیر برہنہ تھے، دشمنان رسول کے لیے "اشداء علی الکفار" کی تفسیر تھے، اپنوں کے لیے پیار کا ساغر تھے، مسلک اعلیٰ حضرت کے بلند بانگ ترجمان تھے۔ مفتی شریعت بھی تھے اور پیر طریقت بھی، ان کے چاہنے والوں کا حلقہ وسیع تھا، ان میں مریدین ومتوسلین بھی تھے اور ان کے تقریروں کے رسیا بھی۔ عقائد ومعلومات میں

بے پناہ تصلب تھے، حق گوئی اور بے باکی ان کو اپنے والد گرامی سے ورثے میں ملی تھی بلکہ بعض دفعہ مصالح کو بھی نظر انداز کر دیتے تھے، اسی لیے بعض احباب ان سے چیں بہ جبیں نظر آتے تھے مگر سچائی یہ ہے کہ یہی ان کی پہچان تھی جس کی وجہ سے وہ خلوت وجلوت میں نمایاں اور منفرد نظر آتے تھے اور کمال یہ تھا کہ جو ان کا مرید یا شیدائی ہو جاتا اس میں ان کا تصلب اور ان کی سخت گیری رچ بس جاتی تھی۔ حشمتی خانوادہ کے مریدین ومتوسلین ان کے رنگ میں رنگے نظر آتے تھے اور یہی دراصل حشمتی رنگ ہے کسی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔

مجھے تو اپنے رنگ میں رنگ دے کچھ اس طرح ساقی
جو مجھ کو دیکھ لے اس کو ترا دیدار ہو جائے

ہر حشمتی اسی رنگ میں تابندہ اور درخشندہ نظر آتا ہے مرحوم اپنے ہزاروں مریدین متوسلین اور متعلقین کو اپنے غم فراق کی چادر اڑھا کر چلے گئے۔

نجدیوں کے حق میں تھے جو سیف ہندی شعلہ بار
آہ وہ سیف شجاعت ہم سے رخصت ہو گئے

نماز جنازہ میں ہزاروں اہل ارادات اور اہل تعلق نے شرکت فرمائی حضرت علامہ تحسین رضا بریلوی دامت برکاتہم العالیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جانشین مفتی اعظم ہند حضرت علامہ ازہری میاں صاحب قبلہ نے دعا فرمائی۔

آپ کی ولادت جمادی الآخرہ ۱۳۵۱ھ میں بہ مقام پیلی بھیت ہوئی ان دنوں آپ کے والد گرامی شیر بیشہ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی علیہ الرحمہ رنگون میں تھے جب انھیں اپنے فرزند دل بند کی خوشخبری ملی تو انتہائی مسرور ہوئے اور تاریخی نام "مختار علی" تجویز فرما کر ارسال کیا جبکہ آپ کے چچا حضرت مولانا محبوب علی آپ کا نام "محمد" رکھ چکے تھے اس طرح دونوں کا سنگم "محمد مختار علی" طے پایا اور کئی برس تک اسی نام سے آپ کو پکارا جاتا رہا مگر خدا جانے کیوں "مشاہد رضا" نام رکھ دیا گیا اور اسی نام سے آپ کو ملک بھر میں شہرت ملی۔

آپ کی ابتدائی تعلیم والد بزرگوار کی درسگاہ میں ہوئی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی کی بارگاہ میں آئے اور الجامعۃ الاشرفیہ

مبارک پور میں داخلہ لیا یہاں سات برس تک بڑی محنت ولگن سے اعلیٰ تعلیم مکمل کی دوران طالب علمی حضور حافظ ملت اور دیگر اساتذہ علم وفن سے خوب فائدہ اٹھایا اور فروری ۱۹۵۷ء میں الجامعۃ الاشرفیہ سے سند فراغ حاصل کیا۔ فراغت کے بعد اساطین علم وفضل میں اعلیٰ مقام اور جماعت اہل سنت میں قبول عام حاصل کیا۔ آپ کی خطابت میں حشمتی جاہ وجلال اور بدمذہبوں کے رد میں نمایاں کمال تھا، کبھی شدت احساس سے تڑپا دینا اور کبھی عبرت انگیز لطائف سے ہنسا دینا آپ کی تقریروں کا لازمہ تھا۔ چند بار تقریروں کے سننے کا موقع میسر آیا رد وہابیت خوب چٹخارہ لے لے کر کرتے تھے سامعین قہقہوں سے لوٹ لوٹ جاتے تھے۔ اپنے خصائل اور اصولوں میں پتھر کی لکیر تھے کسی کی خوشی اور ناراضی کا آپ پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا، تردید ومناظرہ میں بلاشبہ ملکہ حاصل تھا کئی ایک مناظروں میں دیوبندیوں کو شکست فاش دی اے کاش کوئی ان مناظروں کی روداد مرتب کر دیتا۔

ان دنوں آپ کی قیادت وسرپرستی میں بڑے زور شور سے جشن صد سالہ حضرت شیر بیشہ اہل سنت کی تیاریاں چل رہی تھیں اواخر شعبان اور اوائل رمضان میں بمبئی میں قیام تھا جشن صد سالہ کی میٹنگیں لے رہے تھے یہ خادم بھی ان دنوں بمبئی اور پونہ کے پروگراموں میں شرکت کے لیے بمبئی میں مقیم تھا ایک روز ان کی قیام گاہ جناب حاجی غلام نبی صاحب کے گھر پر اندھیری میں دعوت بھی تھی مگر افسوس اس دن وہ کسی دوسری جگہ مدعو تھے شرف ملاقات حاصل نہیں ہو سکا۔

جس عظیم الشان پروگرام کے لیے وہ اپنے بڑھاپے میں جوانوں کی طرح مصروف عمل تھے وہ حسین خواب ان کی زندگی میں شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا، قدرت کا فیصلہ اٹل تھا وہ جاتے جاتے اپنے چاہنے والوں کو ایک فکر اور ایک تحریک دے گئے اور خود اس تحریک کا ایک حصہ بن گئے۔ دعا ہے مولیٰ تعالیٰ ان کی تحریک کو بحسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہنچائے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ اشرفیہ مارچ ۱۹۹۹ء)

برادرِ حافظ ملت حکیم عبد الغفور بھی نہ رہے

۷ر نومبر ۱۹۹۹ء کو شب میں قریب دو بجے برادر حافظ ملت حضرت مولانا حافظ قاری حکیم عبد الغفور علیہ الرحمہ رحلت فرما گئے۔ ''انا للّٰہ وانا الیہ راجعون''۔ استاذ الحفاظ حضرت حافظ غلام محمد علیہ الرحمہ کے تین صاحب زادے تھے سب سے بڑے حضور حافظ ملت ان سے چھوٹے حافظ عبد الرشید اور سب سے چھوٹے حافظ مولانا حکیم عبد الغفور علیہ الرحمہ تھے تقویٰ شعار والد گرامی کے تینوں بیٹے انتہائی متقی و پرہیز گار تھے، حضرت مولانا حکیم عبد الغفور صورت و سیرت میں عکس حافظ ملت تھے ان برادران کو دیکھ کر اہل نظر پکار اٹھتے تھے۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔

جن برگزیدہ شخصیات کے دیدار نے میرے دل کو متاثر کیا ان میں ایک اہم شخصیت حضرت حکیم صاحب کی ذات گرامی تھی، کیا ہی نورانی چہرہ تھا انھیں دیکھ کر حضور حافظ ملت کی یاد تازہ ہو جاتی تھی بڑے کمال کے حافظ قرآن اور عامل قرآن تھے، درس نظامی کی اکثر کتابیں حضور حافظ ملت سے پڑھیں تھیں۔ حافظ ملت فرماتے تھے حافظ عبد الغفور صاحب نماز تہجد میں مجھ سے زیادہ تلاوت قرآن کرتے ہیں، قریب دو برس قبل میں نے دریافت کیا حضرت آپ نماز تہجد کب سے پڑھتے ہیں تو بڑے منکسرانہ انداز میں ارشاد فرمایا فقیر کا یہ عمل لگ بھگ چالیس برس سے جاری ہے قریب دو ڈھائی بجے حسب عادت بیدار ہو جاتا ہوں اور نماز تہجد کی ادائیگی کے بعد فجر تک اذکار و وظائف اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتا ہوں۔

اللہ اللہ کیا ذوق عبادت تھا، کیا شوق ریاضت تھا، اس شان کے عابد و زاہد اس عہد بلا خیز میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں اور اطاعت الٰہی کا یہ جذبۂ بیکراں صرف خانۂ خدا تک محدود نہ تھا بلکہ معمولات حیات میں بھی آپ انتہائی مرتاض اور پابند شریعت تھے۔

طب کی تعلیم باضابطہ لکھنؤ میں حاصل کی تھی تشخیص امراض اور نسخہ سازی میں بڑی مہارت تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ میں بڑی شفار کھی تھی اپنے وطن بھوجپور ضلع مراد آباد میں بڑا کامیاب مطب فرماتے تھے" دارالشفاء" ہمیشہ مریضوں سے بھرا رہتا تھا لوگ آپ سے دوا کے ساتھ تعویذ لینے کے بھی خواہش مند نظر آتے تھے گویا کہ آپ طبیب جسمانی بھی تھے اور طبیب روحانی بھی لیکن تعویذ نویسی کو کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ زندگی بھر محلہ کی مسجد میں بلا معاوضہ امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے، ماہ رمضان میں قرآن عظیم بھی اسی مسجد میں پڑھتے تھے اور پورے علاقے میں " حکیم جی" اور " بڑے مولانا" کے نام سے مشہور تھے عام طور پر لوگ آپ سے شرعی مسائل دریافت کرنے بھی آتے تھے اختلافی مسائل میں آپ کا قول حرف آخر کی حیثیت رکھتا تھا۔

راقم جب جامعہ فاروقیہ بھوجپور میں قرأت اور ابتدائی عربی درجات کا طالب علم تھا تو چند بار آپ کو امتحان دینے کا شرف حاصل کیا تھا۔ ماہنامہ اشرفیہ کے بڑے شائق تھے چند برس قبل میں نے " تعزیہ داری" کے عنوان سے اداریہ لکھا تھا اسے جمعہ کے دن مسجد میں پڑھ کر سنایا پھر جب میں بھوجپور گیا تو اس کا ذکر کیا اور عوام کا رونا رویا۔ ملت کا بڑا درد رکھتے تھے اصلاح عوام کے لیے ہمیشہ کوشاں بھی رہتے تھے۔

۹ر نومبر کو بعد نماز فجر عزیز المساجد میں قرآن خوانی اور ایصال ثواب کیا گیا انجمن غوثیہ وغیرہ میں بھی ایصال ثواب کی مجلس منعقد ہوئی، حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ بھوجپور تشریف لے گئے ۸ر نومبر کو قریب آٹھ بجے دن تجہیز و تکفین ہوئی۔ مسجد فتح پوری کے گراؤنڈ میں آپ کی قبر مبارک ہے۔ آپ کے چھوٹے بیٹے جناب حافظ حکیم قاسم صاحب آپ کے فکر و عمل کے سچے وارث اور نقش قدم پر ہیں۔ دعا ہے مولیٰ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر و شکر کی توفیق رفیق بخشے آمین۔

(ماہنامہ اشرفیہ، دسمبر ۱۹۹۹ء)

جہان رضا کا مرد درویش

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو بعد نماز عصر ہم لوگ (میں اور مولانا زاہد علی سلامی) ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کے دفتر میں داخل ہوئے حسن اتفاق مولانا یٰسین اختر مصباحی، حافظ قمر الدین رضوی کچھ دیگر علما اور کارکنان ادارہ موجود تھے جماعتی مسائل پر سرگرم گفتگو چل رہی تھی ہمیں دیکھ کر اہل محفل کی باچھیں کھل گئیں، ہم بھی بڑے چاؤ سے آگے بڑھے، پر جوش ماحول میں سلام و مصافحہ ہوا اور کسی تکلف کے بغیر ملت کے غم میں برابر کے شریک ہو گئے۔ بات نکل پڑی رضویات کی کہ ہندوستان میں امام احمد رضا کے حوالے سے جو کام ہوا ہے، اس کا نوے فیصد حصہ فرزندان اشرفیہ کے قلم کا ہے۔ یہ بھی ایک موضوع ہے، جس پر کام ہونا چاہیے۔

اچانک حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی مدظلہ العالی نے انتہائی سنجیدگی سے ارشاد فرمایا: لاہور کی کچھ خبر ہے؟۔ ہم نے نفی میں سر ہلا دیا موصوف نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں فرمایا۔ حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ سب نے بیک آواز کہا ''انا للہ وانا الیہ راجعون''۔ پورے ماحول پر غم و اندوہ کا سناٹا چھا گیا۔ مگر کبھی کبھی سچی باتوں پر بھی دل مطمئن نہیں ہوتا اور جی کہتا ہے اے کاش یہ خبر غلط ہو۔ اسی بے اطمینانی کی کیفیت میں میں نے عرض کیا۔ حکیم اہل سنت کا نہیں بلکہ ۱۴/ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو شارح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی کا لاہور میں انتقال ہوا ہے۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی نے کوئی جواب دیے بغیر ماہ نامہ رضائے مصطفیٰ کے تازہ شمارے کا آخری صفحہ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا۔ خبر نامہ کی غم انگیز عبارت یہ تھی۔

''حکیم اہل سنت الحاج حکیم محمد موسیٰ چشتی امرتسری شعبان المعظم

مطابق ۷ارنومبر بروز منگل لاہور میں انتقال فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو
بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ "مرکزی مجلس رضا"
کا قیام ہے، جس کے تحت لاکھوں کتب شائع ہوئیں اور اندرون اور بیرون
ملک تقسیم کی گئیں۔ آپ خود بھی کئی کتب کے مصنف ومرتب تھے۔ اعلیٰ
حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شخصیت اور مسلک کی
اشاعت کے لیے آپ نے جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔"

اس قدرتی فیصلے کی المناک خبر پر سر تسلیم خم ہو گیا اور پھر دیر تک حکیم اہل سنت کی بلند اخلاقی بے نفسی، سوز دروں، اخلاص وللہیت، خدمت خلق، پرورش لوح وقلم اور انقلاب آفریں قلمی اور اشاعتی خدمات کا تذکرہ ہوتا رہا۔ اور ایک آہ سرد کے ساتھ بے ساختہ زبان پر غالب کا یہ شعر آ گیا۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

میں جب ۱۹۸۵ء میں بحیثیت طالب علم الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوا تو انجمن اشرفی دارالمطالعہ (طلبہ لائبریری) کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سالانہ یوم رضا کا خوب چرچا تھا جس میں امام احمد رضا کی ہمہ گیر اور آفاقی شخصیت پر طلبہ مقالات پیش کرتے اور تقریریں کرتے تھے۔ ہر جماعت کے دو طالب علم دارالمطالعہ کے خصوصی رکن باتفاق رائے نامزد کیے جاتے تھے، میں جماعت رابعہ سے دورۂ حدیث تک اپنی جماعت سے انجمن کی خصوصی رکنیت کے لیے مسلسل منتخب ہوتا رہا، اس طرح ۲۵ر صفر المظفر کو اشرفیہ کے عزیزی ہال میں منعقد ہونے والے سالانہ "یوم رضا" کے نظم ونسق میں بھی دخیل رہتا۔ اس وقت ہم لوگوں کے سامنے مرکزی مجلس رضا لاہور کا "یوم رضا" قابل تقلید مثالی نمونہ تھا، اسی کی قابل رشک روداد رضا شناسی کا شعور دیتی، خوابیدہ جذبات کو انگیز کرتی اور آگے بڑھنے کا حوصلہ بخشتی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ مرکزی مجلس رضا لاہور کا ذکر ہوتا اور اس کے انقلاب آفریں بانی وسرپرست حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا دل آویز تذکرہ نہ چھڑتا۔ ان کے تعارف کے پہلے دن ان کی پرکشش شخصیت کا سطح ذہن پر جو نقش ابھرا تھا وہ دن بہ دن نکھرتا ہی رہا۔ یکے بعد دیگرے ان کے تحریکی، قلمی اور اشاعتی کارنامے

مطالعہ کی میز پر آتے رہے اور ان کی پاکیزہ اور عظیم شخصیت کی خوشبوؤں سے دل و دماغ مہکتے رہے۔ اور اب تو رضا شناسی کے حوالے سے ان کی فکر و شخصیت کا قد اتنا بلند ہو گیا تھا کہ وہ جہان رضا کے ہر گوشے سے صاف دکھائی دیتے تھے۔ بذات خود انسان کی حیثیت ہی کیا ہے مگر اس کے عظیم کارنامے اسے عظیم بنا دیتے ہیں کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے کاموں کی کثرت بڑے بڑے کارناموں پر بھاری ہو جاتی ہے۔ حکیم اہل سنت کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ۔ ع

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

ہاں اگر انسان کی بے لوث خدمات حالات کے پس منظر کے ساتھ سپرد قلم کردی جائیں اور لوح و قلم کے حوالے سے ان کی بے غرض اعانت اور خاموش کارگزاریوں کی مکمل روداد رقم کر دی جائے تو وہ خدمت لوح و قلم کے حوالے سے ایک انتہائی دل آویز آفاقی اور قابل تقلید مثالی شاہ کار اور رضا شناسی کی تاریخ کا اولین اور زریں باب ہو گی۔

میری وارفتگی شوق تماشا ہو گی
دل کی آنکھوں کے تقاضوں کو ابھر لینے دو

حکیم اهل سنت اور الجامعة الاشرفیه :- حکیم اہل سنت کے وصال پر ملال کی خبر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں پہنچی تو علمائے اشرفیہ نے بڑے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ان کی روح پاک کو ایصال ثواب کیا گیا۔ اشرفیہ سے ان کا بڑا قدیم تعلق تھا بقول مولانا عبدالمبین نعمانی ''المجمع الاسلامی مبارک پور کی بنیاد ڈالی گئی تھی تو ارکان ادارہ کے سامنے مرکزی مجلس رضا لاہور کا عملی خاکہ تھا، الجامعۃ الاشرفیہ کے بانی جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ سے بھی حکیم اہل سنت کی مراسلت تھی، حکیم اہل سنت الجامعۃ الاشرفیہ اور حضور حافظ ملت کی خدمات سے بے پناہ متاثر تھے۔ اپنی محفلوں میں ذکر حافظ ملت کرتے تھے۔ حیات حافظ ملت میں بہ نام حافظ ملت مجلس کی مطبوعات ارسال فرماتے تھے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ مجلس کی شائع شدہ کتابوں پر تحسین و آفریں اور حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرماتے تھے۔ ذیل میں اسی سلسلے کا ایک مکتوب گرامی بنام حکیم اہل سنت ملاحظہ فرمایئے:

۸؍جون ۱۹۷۵ء

مکرم و محترم حامی دین متین جناب مولانا حکیم محمد موسیٰ صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ　　　مزاج شریف!

آپ کی مرسلہ کتب، اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری پر ایک نظر، امام احمد رضا علمائے حجاز کی نظر میں، محاسن کنز الایمان، موصول ہوئیں۔ جن کے مطالعہ سے بے انتہا مسرت ہوئی، آپ کے ادارہ "مرکزی مجلس رضا" نے دین متین مذہب اہل سنت کی بڑی زریں خدمت کی۔ اس خصوص میں آپ کا ادارہ بلاشبہ منفرد ہے، قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔ مولائے قدیر اس ادارے کو ترقی دے، بام عروج پر پہنچائے دین متین کی بے شمار خدمات انجام دلائے۔ آمین وبہ نستعین۔

جملہ اراکین ادارہ کی خدمت میں سلام مسنون و مبارک باد

خادم دار العلوم اشرفیہ　　　　　　　عبد العزیز عفی عنہ

مبارکپور اعظم گڑھ۔ یوپی

اس مکتوب گرامی کی روشنی میں آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضور حافظ ملت کی نگاہ میں مرکزی مجلس رضا اور حکیم اہل سنت کی کتنی اہمیت تھی اور مجلس کی قلمی اور اشاعتی خدمات کو کتنی قدر کی نظر سے دیکھتے تھے۔ حکیم اہل سنت بھی حضور حافظ ملت کی جلیل القدر اور برگزیدہ شخصیت کے شیدائی اور فدائی تھے۔ یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ/۳۱؍مئی ۱۹۷۶ء میں حضرت حافظ ملت کا وصال پر ملال ہوا اور پوری جماعت اہل سنت میں صف ماتم بچھ گئی اس المناک موقع پر حکیم اہل سنت کی یہ تعزیتی تحریر موصول ہوئی:

"استاذ العلماء حضرت علامہ الحاج شاہ عبد العزیز صاحب قبلہ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ حضرت مولانا کی موت ایک عالم کی موت ہے۔ ایسے عالم ربانی وحقانی روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ ان کی جدائی سے دنیائے سنیت میں جو خلا پیدا ہوا ہے بظاہر اس کا پر ہونا مشکل ہے۔"

(حافظ ملت افکار اور کارنامے، ناشر ادارہ تحقیقات حافظ ملت مبارک پور)

۱۹۷۸ء میں جب ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کا ۶۷۵ صفحات پر مشتمل حافظ ملت نمبر نکلا تو مدیر کے نام پیغام ارسال فرمایا۔ حکیم اہل سنت کا یہ پیغام محبت بھی ذیل میں پڑھیے:

مرکزی مجلس رضا لاہور

گرامی قدر حضرت مولانا صاحب زید مجدکم۔ سلام ورحمت!

گرامی نامہ صدور لایا۔ یاد فرمائی کا شکریہ "ماہنامہ اشرفیہ" حافظ ملت نمبر کی تکمیل کی اطلاع سے دلی خوشی ہوئی۔ دنیا کی تمام زندہ قومیں اپنے اسلاف کے عظیم کارناموں اوران کی نیک یادوں کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی سعی کرتی ہیں۔ آپ نے حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی علمی دینی وملی خدمات جلیلہ کے تذکار پر مشتمل "ماہنامہ اشرفیہ" کا ایک ضخیم نمبر مرتب کر کے اہل سنت کی زندگی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

اور یہ نمبر اہل سنت کے علما اور عوام دونوں کے لیے دعوت فکر ہوگا۔ اس پیش کش پر احقر و جملہ اراکین "مرکزی مجلس رضا" لاہور کی طرف سے مبارکباد قبول کیجیے۔

والسلام بالاکرام

محمد موسیٰ عفی عنہ لاہور　۱۱/۴/۷۸

بفضلہ تعالیٰ مرکزی مجلس رضا لاہور سے الجامعۃ الاشرفیہ کا آج بھی بڑا مضبوط تعلق ہے، الجامعۃ الاشرفیہ کا ترجمان "ماہ نامہ اشرفیہ" مسلسل ارسال کیا جاتا ہے اور مجلس رضا کا آرگن، "ماہنامہ جہان رضا" بھی پوری پابندی سے موصول ہوتا ہے۔ مجلس کی دیگر تازہ مطبوعات بھی نظر نواز ہوتی رہتی ہیں۔ مجلس کے نگراں اور "جہان رضا" کے مدیر اعلیٰ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب سے سلسلہ مراسلت جاری ہے یہ قلمی رشتۂ محبت انشاءاللہ آئندہ بھی باقی رہے گا۔

کتنی قومیں وجود میں آئیں　　دہر میں خشک وتر کے رشتے سے
ہم نے بنیاد دوستی رکھی　　یاد خیر البشر کی رشتے سے

ولادت وخاندان:- ہندوستان کی مردم خیز آبادیوں میں پنجاب کا ایک تاریخی شہر امرتسر بھی ہے۔ تقسیم سے قبل یہ شہر علم ودانش کی جولانگاہ اور اہل عشق وعرفان کا مرکز فیضان تھا۔ اس کی

خاک سے ایک سے ایک یگانۂ روزگار اور کج کلاہانِ فکر وفن اٹھے ، اس شہر کے حوالے سے جب اہل عشق وتصوف اور ارباب علم وحکمت کی داستان چھڑ جاتی ہے تو روح میں تازگی اور دماغ میں بالیدگی کی لہر دوڑ جاتی ہے مگر حوادث روزگار کی دست درازیوں نے نہ جانے کتنے چمن اجاڑ دیے۔ آج کے امرتسر پر جب نگاہ پڑتی ہے تو ماضی کے تمام حقائق ایک خواب سے معلوم ہوتے ہیں۔ حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ چشتی امرتسری اسی شہر کے ایک علمی اور طبیب خاندان میں ۲۸ رصفر المظفر ۱۳۴۶ھ / ۲۷ راگست ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد ماجد فقیر محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ ماہر طبیب تھے شہر امرتسر میں انتہائی کامیاب مطب کرتے تھے ، پابند صوم وصلاۃ ، خوش خلق ، نیک سیرت ، صالح وضع قطع کے صوفی منش انسان تھے۔ اپنے رشتے کے چچا مولوی حکیم فتح الدین سے سلسلہ چشتیہ میں فیض حاصل کیا اور ان ہی کے اشارے پر حضرت مولانا الحاج میاں علی محمد خان سجادہ نشین بسی شریف (م محرم الحرام ۱۳۹۵ھ) سے بیعت ہوئے۔ تقسیم کے بعد لاہور میں مطب کیا ۱۳۷۱ھ میں آپ کا وصال ہوا، لاہور میں حضرت میاں میر علیہ الرحمہ کے پہلو میں قبر مبارک ہے۔

حکیم اہل سنت کے تمام بزرگ مذہباً حنفی اور مشرباً صوفی تھے ، طبابت آپ کا خاندانی مشغلہ ہے، آپ کے تین بڑے بھائی اور ایک چھوٹے بھائی طبیب ہیں اگرچہ وہ مطب نہیں کرتے۔ (مولانا محمد صدیق ہزاروی، تعارف علمائے اہل سنت، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۲۱۸)

حکیم اہل سنت نے تقسیم سے قبل امرتسر کے رستا خیز واقعات اور سیاسی کشمکش کے حالات اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھے تھے ان حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "جب تحریک پاکستان چل رہی تھی اس وقت امرتسر میں اکثر و بیش تر جلسے ہوا کرتے تھے، میں نے ان جلسوں میں اکثر بہ طور سامع کے شرکت کی۔ مسلم لیگ کے جلسے شیخ صادق حسن کے زیر انتظام ہوا کرتے تھے، جن میں اکثر مولانا عبدالستار خان نیازی ، راجہ غضنفر علی وغیرہ بہ طور مقرر تشریف لاتے تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا نیازی صاحب کا عالم شباب تھا، ان کا چہرہ بجلی کے قمقموں سے زیادہ سرخ اور چمک دار ہوا کرتا تھا۔ ان سے بھی زیادہ شعلہ

بیان مقرر جو امرتسر آتے تھے، مولوی بشیر احمد اخگر تھے۔ اس طرح راولپنڈی کے سید مصطفیٰ شاہ گیلانی بھی بہت اچھی تقریر کیا کرتے تھے۔ ایک اور آدمی تھا جسے لاہور والوں نے مار دیا، میں اکثر لوگوں سے پوچھتا ہوں بتاؤ وہ کہاں ہیں؟ وہ تھے پروفیسر عنایت اللہ یہ صاحب ان سے بہت بہتر مقرر تھے، یہ لوگ پورے ملک کے دورے کر کے اپنی شعلہ بیانی سے کانگریس اور احراری مقرروں کے مقابلے میں مسلم لیگ کی راہ ہموار کرتے تھے۔ ان پڑھے لکھے مقرروں کے علاوہ ایک ان پڑھ مقرر جو اس زمانہ میں بہت مشہور ہوئے لاہور مزنگ کے استاذ عشق لہر تھے، استاذ عشق لہر اپنی پنجابی شاعری کو اپنے مخصوص انداز میں جب پڑھتے تھے تو مجمع میں آگ لگا دیا کرتے تھے۔ مگر پاکستان بننے کے بعد ان محسنوں کی، ان قومی ہیروؤں کی پزیرائی کا حال دیکھتا ہوں تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے۔ حکومت تحریک پاکستان کے کارکنوں اور رہنماؤں کو ہر سال ایوارڈ سے نوازتی ہے ان میں اکثر محسنوں کو نظر انداز کیا گیا۔"

(تلخیص تاریخی انٹرویو محمد موسیٰ امرتسری، محمد اشرف لودھی، ماہنامہ ساحل کراچی، مارچ ۱۹۹۳ء)

حکیم اہل سنت کے والد گرامی تحقیق و مطالعہ کا بھی بڑا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔ امرتسر میں ۲۵ ہزار کتابیں خود ان کے ذاتی کتب خانہ میں موجود تھیں، مگر تقسیم کے فسادات میں غیر مسلموں نے آپ کے کتب خانہ اور مطب کو نذر آتش کر دیا مگر ان تمام قربانیوں کے باوجود پاکستان میں مہاجرین کو ان کا حق نہ مل سکا۔

حکیم اہل سنت اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

"اس وقت انگریز اور ہندو ہمارے مد مقابل تھے۔ مسلمانوں کے سامنے آزادی اور اسلام کی سر بلندی کا نصب العین تھا۔ جب میرے والد صاحب کا کتب خانہ اور دوا خانہ سکھوں نے جلا دیا۔ تو اس وقت لوگ والد صاحب سے اظہار افسوس کرنے آئے تو والد صاحب کے الفاظ تھے۔ جب پاکستان بن جائے گا تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری یہ قربانی قبول ہو گئی۔ ہمارا کتب

خانہ امرتسر کا سب سے بڑا کتب خانہ تھا، اس میں ۲۵ ہزار کتابیں تھیں۔

ان سب قربانیوں کے بعد جب میں دیکھتا ہوں، اس ۱۴ اگست کو یوم آزادی کی صبح میں اپنے دروازے پر کھڑا ہوا اپنی تسبیح گھمار ہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا یہاں سے پندرہ میل سرحد ہے اور وہاں سے دس میل دور ہمارا وطن امرتسر ہے۔ آج ہم اپنے وطن جا نہیں سکتے اسے دیکھ نہیں سکتے، اپنے بزرگوں کی قبروں پر فاتحہ پڑھ نہیں سکتے۔ آخر کیوں؟۔ اس لیے کہ ہم ایک ملک اسلام کے لیے بنانا چاہتے تھے مگر آج میں دیکھتا ہوں کہ یہ تو زنا خانہ بنا ہوا ہے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

آپ لوگوں کو اندازہ نہیں کہ لوگ کیا کچھ قربان کر کے پاکستان آئے۔ اس شیخ صادق جو کہ امرتسر کے بہت بڑے امیر کبیر مسلمان رہنما تھے، وہ تقسیم ملک سے پہلے کروڑ پتی تھے، مشرقی پنجاب کا ایک ہی مسلمان تھا جس کی چار ملیں تھیں، آج آپ ان کی اولاد کو پاکستان میں تلاش کر کے بتائیں، ایسا لگتا ہے کہ پاکستان دشمنوں کے لیے بنا ہے، اس کے بنانے والوں کی اولاد کا بھی پتہ نہیں چلتا۔

(تلخیص تاریخی انٹرویو حکیم محمد موسیٰ امرتسری ملاقات محمد اشرف اووجی ساحل کراچی مارچ ۱۹۹۳ء)

حکیم اہل سنت کے مندرجہ بالا تاثرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں پاکستان کے حامی علمائے حق اور ترک وطن کرنے والے مہاجرین کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا شدید احساس تھا، وہ نظام مصطفیٰ والے پاکستان کے خواہاں تھے مگر ان کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

تعلیم ومطب :۔ اپنے والد گرامی سے قرآن عظیم پڑھا، قاری کریم بخش سے قراءت سیکھی، فارسی کتابیں کریما، سعدی، پند نامہ، گلستاں، بوستاں، نامۂ یوسف وزلیخا، احسن القواعد، اخلاق محسنی وغیرہ اور عربی صرف کی کتابیں مفتی عبدالرحمٰن ہزاروی مدرس مدرسہ نعمانیہ امرتسر سے پڑھیں۔ حضرت مولانا آسی علیہ الرحمہ کی درسگاہ سے بھی استفادہ کیا، اپنے والد ماجد سے علم طب کی تعلیم حاصل کی، مثنوی شریف کے پہلے دو دفتر پڑھے اور انھیں کے زیر سایہ مطب کی

تربیت پائی۔ فطری ذوق علم اور کثرت مطالعہ سے تاریخ و ادب اور تصوف و اسلامیات کے مختلف صیغوں میں درک و کمال حاصل کیا۔ عربی، فارسی، اردو، اور پنجابی زبان و ادب پر ان کی گہری نظر تھی، وہ علمی حلقوں میں ایک بلند پایہ ادیب و محقق کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔

۱۲ راگست ۱۹۴۷ء میں امرتسر سے پاکستان تشریف لے گئے، چھ ماہ تک سرگودھا رہے اور پھر اپنے والد گرامی کی طلب پر لاہور چلے گئے۔ (پروفیسر محمد ایوب قادری، سہ ماہی مجلہ ''العلم کراچی'' جولائی تا ستمبر ۱۹۷۲ء ص ۴۷) لاہور پہنچ کر والد صاحب کے ساتھ لوہاری دروازہ کے باہر مطب شروع کیا، ۱۹۴۹ء میں رام گلی میں علاحدہ مطب کیا، ان دنوں آپ ۵۵ رریلوے روڈ لاہور میں مطب چلا رہے تھے۔

(مولانا صدیق ہزاروی، تعارف علمائے اہل سنت، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۴۱۹)

حکیم اہل سنت نے زندگی بھر طبابت کی یہی ان کا پاکیزہ ذریعۂ معاش تھا، طبابت کرتے تھے مگر اخلاص پیشہ کہلاتے تھے، وہ کار مطب عبادت سمجھ کر انجام دیتے تھے۔ وہ حسن خلق کے پیکر اور خدمت خلق کے خوگر تھے، تلاش رزق سے زیادہ رضائے مولیٰ کے متلاشی رہتے تھے۔ خاندانی طبیب تھے فن طب میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے، وہ سچ مچ مسیحائے قوم تھے، ان کا مطب جسمانی اور روحانی بیماریوں کا شفاخانہ اور دین و دانش کا مرکز فیضان تھا۔ بہ قول پروفیسر محمد ایوب قادری، ان کا مطب طبی مرکز سے زیادہ علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کا مرکز ہے۔ (پروفیسر محمد ایوب قادری سہ ماہی مجلہ العلم کراچی، جولائی تا ستمبر ۱۹۷۱ء)

حکیم اہل سنت نے کسی درسگاہ میں بیٹھ کر درس نہیں دیا مگر ان کے فیض یافتگان کی طویل فہرست ہے۔ اہل قلم اور اہل تحقیق عام طور پر ان کے پاس آتے اور حکیم صاحب پوری ہمدردی کے ساتھ ان کے موضوع کے حوالے سے ماخذ اور مراجع کی نشاندہی فرمادیتے باتوں باتوں میں بہت سی علمی گتھیاں سلجھادیتے اور علم و تحقیق کے پیاسوں کو سیراب فرمادیتے۔

پروفیسر محمد صدیق فرماتے ہیں:

''ان کا مطب نہ صرف جسمانی مریضوں کو شفا بخش ادویات فراہم کرتا ہے بلکہ متلاشیان علم کے لیے بھی مجرب نسخے تجویز کرتا ہے جس سے وہ ہمیشہ

کے لیے صحت یاب ہو جاتے ہیں۔"

(پروفیسر محمد صدیق "ماہنامہ جہانِ رضا" لاہور جنوری ۱۹۹۳ء ص ۶)

ان کی بزمِ دین و دانش کے ایک حال آشنا رقم طراز ہیں:

"حکیم صاحب کی شخصیت کے یوں تو کئی پہلو ہیں مگر آپ کی شخصیت کا ایک نمایاں وصف آپ کا نوجوان دانشور محققین کی حوصلہ افزائی کرنا اور ان سے شفقت سے پیش آنا ہے۔ ملک بھر کی یونیورسٹیوں میں مختلف علوم میں پی ایچ ڈی۔ ایم فل کے طلبہ کو ان کے موضوع کے لیے درکار ماخذ کی نشاندہی اور رہنمائی کے لیے آپ ایک معتبر نام کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے علم کے متلاشیوں کو آپ نے ڈاکٹر، مصنف اور اسکالر بنا دیا۔ حکیم صاحب اپنی ذات میں ایک تحریک ایک ادارہ ہیں۔" (محمد اشرف اودھی "ماہنامہ ساحل کراچی" مارچ ۱۹۹۹ء)

ان کی زندگی کا ایک روحانی ورق :- حکیم اہلِ سنت اخلاص و عمل کے پیکر تھے، اخلاق و معاملات میں سنتِ مصطفیٰ کے آئینہ دار تھے، احسان و تصوف کے حال آشنا اور اولیا و مشائخ کی بارگاہوں کے ادب شناس تھے اسلاف کی روایات کے خاموش امین اور پرجوش داعی تھے۔ پیرِ طریقت حضرت مولانا الحاج میاں علی محمد خاں علیہ الرحمہ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے، مرشدِ طریقت بلند پایہ بزرگ اور صاحبِ فضل و کمال تھے۔ حکیم صاحب نے ان سے بڑے فیوض و برکات حاصل کیے اور سلسلہ چشتیہ میں مجاز ہوئے۔

۱۳۹۳ھ کو مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے، ایک عرصہ تک شہرِ حبیب میں قیام کا موقع ملا، وہاں دنیائے اسلام کے بڑے بڑے شیوخ اور علمائے کرام کی مجالس سے استفادہ کیا، شیخ العرب و العجم حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی مدنی خلیفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مجاز ہوئے۔ سلسلہ قادریہ کے معمولات کی اجازت دی۔ شیخ الدلائل شیخ محمد ہاشم شقرون سے "دلائل الخیرات" اور "قصیدہ بردہ" کی اجازتیں حاصل کیں۔ (مولانا اقبال احمد فاروقی "تذکرہ علمائے اہلِ سنت و جماعت لاہور" مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳۹۷، ماہنامہ جہانِ رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء)

ان کا وجود فیضان مشائخ کا مرکز انور تھا، ان کی زندگی صبر و قناعت کی پیکر تھی، ان کا مطالعہ احسان و تصوف کے دبستانوں کا خوشہ چیں تھا، ان کی زبان ذکر و فکر سے معمور تھی، ان کا قلم برگزیدان اسلام کے افکار و خدمات کا ترجمان تھا، ان کی محفل افق علم کے ستاروں کی کہکشاں تھی، جہاں عشق و عرفان کی خوشبو تھی اور دین و دانش کی چاندنی تھی۔

ان کی شب دوشیں کے ہم نشیں مولانا اقبال احمد فاروقی فرماتے ہیں:

> آپ کی مجلس علما، ادبا، صوفیا، شعرا، اور مولفین و مصنفین سے بھری رہتی ہے۔ چشتی ہیں مگر نقشبندی سلسلہ تصوف کے ترجمان ہیں، نظامی ہیں مگر مجددی تعلیمات کی اشاعت کرتے ہیں، طبیب ہیں مگر اعتقادی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔

(مولانا اقبال احمد فاروقی "تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت" لاہور مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳۹۷)

بڑے متواضع اور ملنسار تھے، مہمانوں کی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے تھے، چائے کا وقت ہو تو چائے، کھانے کا وقت ہو تو کھانا، ہر فصل کے ثمرات سے بھی اپنے احباب کی تواضع کرتے تھے مگر بہ قول محمد حنیف: جن احباب سے انھیں خاص انس تھا انھیں خمیرہ گاؤ زباں کی ایک خوراک کھلاتے تھے۔ معاملات میں بہت صاف ستھرے تھے، اپنی ذاتی کمائی کا ایک بڑا حصہ مرکزی مجلس رضا اور دیگر دینی اور اشاعتی اداروں پر صرف کیا۔ مجلس کی مکمل باگ ڈور ان کے ہاتھ میں تھی مگر کبھی ایک پائی بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کی، اس عہد بلا خیز میں وہ عزیمت و استقامت اور دیانت و صداقت کی ایک مثال تھے۔

علامہ عبدالحکیم شرف قادری اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

> "اخلاق کا یہ عالم ہے کہ ہر ماہ سیکڑوں روپے اپنی گرہ سے "مرکزی مجلس رضا" پر خرچ کرتے ہیں، مجلس کی ایک پائی بھی اپنی ذات پر خرچ کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے انھوں نے وصیت کی تھی کہ میری وفات پر بھی "مجلس رضا" کے فنڈ میں سے کچھ خرچ نہ کیا جائے بلکہ تجہیز و تکفین کے لیے ضرورت پڑے تو میری کتابیں فروخت کر

کے کام چلایا جائے۔ غرض یہ کہ مجلس کے فنڈ سے اپنی ذات کو عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح بالکل الگ تھلگ رکھا اور ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا۔" (علامہ شرف قادری، مکتوب بنام سید محمد عبد اللہ قادری، ماہنامہ "جہانِ رضا" لاہور، اگست ۱۹۹۸ء ص ۶۴)

ذوق مطالعہ اور خدمت لوح و قلم :- حکیم اہلِ سنت نے شعور کی دہلیز پر قدم رکھا تو گھر آنگن میں علم وادب کی خوشبوئیں تھیں، دین ودانش کی جلوہ ریزیاں تھیں، رنگارنگ کتب کی قوس وقزح تھی تہذیب وثقافت کی دودھیا چاندنی تھی۔ ماہرین تعلیم کا تجربہ بتاتا ہے کہ جب کوئی اخاذ طبع، محنت ومطالعہ کا خوگر علم وادب اور تہذیب وثقافت کی گھنی چھاؤں میں نشو ونما پاتا ہے تو کلیوں کی طرح چٹکتا ہے، پھولوں کی طرح مہکتا ہے۔ چاندنی کی طرح چمکتا ہے۔ چڑھتے ہوئے سورج کی طرح ابھرتا ہے اور سمندر کی طرح پھیل جاتا ہے۔

حکیم صاحب کو کتابیں جمع کرنے کا ذوق اور تحقیق ومطالعہ کا شوق اپنے پدر بزرگوار سے وراثت میں ملا تھا۔ انھیں کتابوں سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا، انھیں اپنے ذوق کی کتاب جہاں اور جس قیمت پر بھی ملتی حاصل کر کے ہی دم لیتے۔ ان کی دلچسپی کے موضوعات مختلف تھے، مذہب اسلام، تاریخ وسیر، سوانح وتذکرہ، تصوف واسلامیات اور جہانِ رضویات۔

وہ نصف صدی سے مسلسل کتابیں جمع کر رہے تھے، ان کی لائبریری میں نایاب کتابیں بھی دستیاب تھیں، انھوں نے اپنے مطب کی کمائی کا بیشتر حصہ کتابیں خریدنے میں صرف کیا تھا۔

محمد اشرف لودھی آپ کی لائبریری کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"دواخانہ کی بالائی منزل پر قائم کتب خانہ کی شہرت لاہور سے نکل کر نہ صرف پورے پاکستان بلکہ پوری دنیا تک پہنچ چکی ہے۔ پرانی وضع کے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا ہاتھ جدید علمی تحقیق کی نبض پر دھرا ہے کہ ہر نئی چھپنے والی کتاب اور دربدر کی ٹھوکریں کھانے والے قدیم نسخوں کے خریدار حکیم صاحب ہیں۔

آپ نے امرتسر میں اپنے والد ماجد کا ۲۵ رہزار کتابوں پر مشتمل کتب خانہ جل جانے کے بعد اس روایت کو پاکستان میں آکر زندہ کیا اور اپنی حیات میں ہی

اس کتب خانہ میں اتنی نایاب اور اہم کتابیں جمع کر دیں کہ نہ صرف لاہور بلکہ یورپ کے محققین نے لاہور آ کر آپ کے کتب خانہ سے استفادہ کیا۔"

(محمد اشرف لودھی "ماہنامہ ساحل" کراچی، مارچ ۱۹۹۳ء)

لیکن اس سے بھی بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس درویش صفت مرد قلندر نے دس ہزار کتابوں پر مشتمل اپنا پورا کتب خانہ افادہ عام کے لیے پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری کے لیے عطیہ کر دیا۔ علمی دنیا میں ایثار و قربانی کا یہ وہ مثالی کارنامہ ہے جو صدیوں تک یاد رکھا جائے گا۔

سکندر لوٹ کر بھی خوش نہیں دولت زمانے کی
قلندر ما یۂ ہستی لٹا کر رقص کرتا ہے

حکیم اہل سنت ایک بلند پایہ قلم کار، دل پذیر تذکرہ نگار، عظیم محقق اور بصیرت افروز مبصر تھے، کتابوں پر ان کے تبصرے بڑی جامعیت اور اہمیت کے حامل ہوتے تھے۔ وہ تبصرہ لکھنے سے پہلے پوری کتاب کا تنقیدی مطالعہ کرتے تھے اور پھر کسی تعلق و دوستی کی رعایت کیے بغیر جو حق ہوتا پوری جامعیت اور بلاغت کے ساتھ سپردِ قلم کر دیتے۔ آپ نے زیادہ تبصرے مجلّہ "فیض الاسلام" راولپنڈی کے لیے لکھے تھے، پہلے اپنے اصلی نام سے لکھتے تھے لیکن ان کی حق گوئی اور تنقید نگاری مصنفین و مؤلفین کے لیے ناگوار خاطر ہونے لگی اور کچھ لوگ ناراضی کا اظہار کرنے لگے تو حکیم صاحب نے "آثم" کے قلمی نام سے لکھنا شروع کیا اور پھر علامہ عرشی کے مشورے سے "حکیم" نام سے ادبی دنیا میں نثر و نظم کی زلفیں سنوارتے رہے۔ اور صالح تنقید نگاری کو فروغ دیتے رہے۔

آپ نے تاریخ و سیر، تصوف و اسلامیات، تنقید و ادب، اور تذکار و سوانحیات کی اہم کتب پر پیش لفظ، تعارف مصنف اور مقدمے تحریر کیے ہیں، ان کی تعداد بھی قریب سو تک پہنچ جاتی ہے ان میں مکتوبات امام ربانی، کشف المحجوب اور عباد الرحمٰن کے مقدمات تو اہل علم و دانش کی توجہ کے مرکز بن گئے۔ مختلف موضوعات پر آپ کے تحقیقی، ادبی اور سوانحی مضامین و مقالات کی فہرست سو سے بھی متجاوز ہے جو پاک و ہند کے رسائل و جرائد میں شائع ہو کر علم و ادب کی دنیا میں دھوم مچا چکے ہیں۔ آپ کی مطبوعہ تصانیف حسب ذیل ہیں۔

(۱) "اذکار جمیل" سوانح شیخ طریقت سید برکت علی شاہ۔ (۲) مولانا غلام محمد ترنم

امرتسری۔احوال و آثار۔(۳) ذکر مغفور۔سوانح پیر طریقت حضرت سید مغفور القادری۔ (۴) سوانح مولانا نور احمد پسروری ثم امرتسری۔(۵) تذکرہ مشاہیر امرتسر۔

اے کاش! کوئی قلم کار تلاش و تحقیق اور مکمل یک سوئی کے ساتھ آپ کے منتشر قلمی جواہر کو سلک ترتیب میں سجادے تو کئی گراں قدر اور وقیع مجموعے بن جائیں اور اہل علم وادب کی آنکھیں پر نور اور دل مسرور ہو جائیں۔حکیم اہل سنت کے حوالے سے یہ انتہائی اہم اور بنیادی کام ہے جسے اولین ترجیحات میں شامل کرنا چاہیے۔

اور اب ذکر ان کی مجلس رضا کا:- آج امام احمد رضا کا علمی شہرہ مدارس سے یونیورسٹیوں تک پہنچ چکا ہے،ان کی آفاقی فکر کا غلغلہ عجم سے عرب تک سنا جارہا ہے،ان کی عبقری شخصیت کی دھمک مشرق سے مغرب تک محسوس کی جارہی ہے۔دانش کدوں میں ان کی فکر و شخصیت پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ان کی نثر و نظم یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہو چکی ہے،اہل سائنس ان کے فلسفیانہ نظریات پر سر دھن رہے ہیں۔ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں میں درجنوں یونیورسٹیوں میں پی،ایچ،ڈی،کی ڈگریاں تفویض کی جاچکی ہیں۔ان کے تجدیدی اور فقہی کارناموں پر اہل قلم بے تکان لکھتے چلے جارہے ہیں۔بیسویں صدی عیسوی کے آخری دو دہوں میں جتنا آپ پر لکھا گیا کسی پر نہ لکھا گیا۔عالم اسلام کی مرکزی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے عرس عزیزی منعقدہ یکم جمادی الآخرہ ۱۴۲۰ھ/۱۲/ستمبر ۱۹۹۹ء کو علما و مشائخ اور دانش وروں کے اجتماع میں یہ اعلان کر دیا۔ ''امام احمد رضا بیسوی صدی عیسوی کی سب سے عظیم شخصیت ہے''۔اور الجامعۃ الاشرفیہ کی مجلس شوریٰ کے رکن ڈاکٹر شررمصباحی پکار اٹھے ۔

جو کل تھا وہ رضا کے کریموں کے نام تھا　　　جو آج ہے وہ سارا کا سارا رضا کا ہے

ایوان نجدیت ہو کہ قصر وہابیت　　　سب تہس نہس ہے وہ دھماکہ رضا کا ہے

مگر ایک دور تھا امام احمد رضا کا فضل و کمال بے نام و نشان تھا،سلطان شعر و سخن تھا مگر گم نام تھا،مجدد اعظم تھا مگر بے نام تھا،غیروں کی ریشہ دوانیاں شباب پر تھیں،حقائق کو چھپایا جارہا تھا،امام احمد رضا کا چاند سا چہرہ تعصبات کے پردوں میں ڈھانپ دیا گیا تھا۔ اتنی بدگمانیاں پھیلادی گئیں تھیں کہ اہل قلم اس طرف رخ ہی نہیں کرتے تھے۔

حکیم اہل سنت کو اس ماحول میں رہا نہ گیا، حساس دل تڑپ اٹھا۔ اور پھر انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں پورے عزم و حوصلے کے ساتھ چند احباب کو لے کر میدان عمل میں اتر پڑے۔ اور ۱۹۶۸ء میں "مرکزی مجلس رضا" کی بنیاد رکھ دی۔ جس کا بنیادی مقصد امام احمد رضا اور فکر رضا کا تعارف تھا، مسلک اعلیٰ حضرت کو عام کرنا تھا۔

حکیم اہل سنت "مرکزی مجلس رضا لاہور" کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

"مطالعہ میرا شروع سے شغف رہا ہے، میرے مطالعہ کے نتیجے میں مجھے اس بات نے پریشان کیا کہ تحریک پاکستان کی تاریخ میں ان علما نے کہ جنھوں نے کھل کر پاکستان کی مخالفت کی تھی انگریزوں کی کاسہ لیسی کی، ان کا تذکرہ تو ہیرو کے طور پر ملتا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کہ جن کے حوالے سے تاریخ میں انگریز دوستی یا تعلق کا کوئی حوالہ نہیں ملتا بلکہ انگریزوں کے شدید مخالف نظر آتے ہیں، ان کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے۔ میں ان سوالات کو پروفیسر ایوب قادری (جو کہ لاہور میں جب بھی تشریف لاتے میرے ہاں قیام کرتے تھے) سے اکثر کیا کرتا مگر کیوں کہ ان کا دیوبندیت کی جانب زیادہ جھکاؤ تھا۔ اس لیے میرے اس سوال کے جواب کو گول کر جاتے جس سے مجھے اعلیٰ حضرت کے بارے میں پڑھنے کی مزید جستجو ہوئی یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔ میں نے اعلیٰ حضرت کی تصانیف جو کہ اس دور میں نایاب تھیں تلاش کر کے پڑھیں، اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی تاریخ کی ایک مظلوم شخصیت ہیں لہٰذا ان پر کام کرنے کا ارادہ کیا اور کام شروع کر دیا۔"

(حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ملاقات محمد اشرف لودھی، ماہنامہ ساحل مارچ ۱۹۹۳ء)

آپ نے "مرکزی مجلس رضا لاہور" سے امام احمد رضا کی تصانیف اعلیٰ معیار پر شائع کر کے ملک اور بیرون ملک میں لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم کیں۔ اہل قلم کو رضویات کی جانب متوجہ کیا عنوانات اور مواد دے کر امام احمد رضا کے حوالے سے

سیکڑوں مقالات اور درجنوں کتابیں لکھوائیں۔ جو دور تھے انھیں قریب کیا، جو قریب تھے انھیں مستعد کیا، جو متنفر تھے انھیں دلائل سے ہم نوا کیا، اس طرح غلط فہمیوں کے بادل چھٹنے لگے، حقائق کے اجالے پھیلنے لگے اور پھر گلستان رضا میں بہار آ گئی۔

آج پروفیسر مسعود احمد کا نام رضویات پر اتھارٹی (Authority) سمجھا جاتا ہے مگر انھیں "جہان رضا" میں لانے والے کا نام حکیم اہل سنت ہے۔ پروفیسر مسعود احمد رقم طراز ہیں:

"محسنین اہل سنت محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور علامہ عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری کی تحریک پر ۱۹۷۰ء میں راقم نے امام احمد رضا پر کام کا آغاز کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جامعات وکلیات اور تحقیقی اداروں میں محققین اور دانشور امام احمد رضا کے علمی مقام سے واقف نہ تھے بلکہ ان اداروں میں تو امام احمد رضا کا ذکر وفکر معیوب سمجھا جاتا تھا اور خود راقم بھی حقائق سے باخبر نہ تھا۔"

(پروفیسر مسعود احمد، حرف آغاز، گویا دبستاں کھل گیا، ص ۱)

جماعت اہل سنت کے مشہور محقق اور مصنف حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری فرماتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ علیہ الرحمہ نے مجلس رضا قائم کر کے اہل سنت و جماعت کے عوام وخواص کو پڑھنے لکھنے کا شعور عطا کیا اور مجھ ایسے نو آموز قلم کاروں کی حوصلہ افزائی ہی نہیں رہنمائی بھی کی یہی وجہ ہے کہ ہم جیسے لوگ ان کے بستہ فتراک تھے اور بڑے بڑے علما مشائخ ان کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے۔"

(عبدالستار طاہر، محسن اہل سنت، رضا دار الاشاعت لاہور، ص ۱۲۶)

رئیس القلم علامہ ارشد القادری مصباحی بساط رضویات کا عالمی جائزہ لیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ایشیا میں "رضویات" پر تحقیقی کام کرنے والا سب سے قدیم ادارہ پاکستان میں ہے جو "مرکزی مجلس رضا" کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ اس کا صدر دفتر

لاہور میں ہے۔ ادارہ کے بانیوں میں نقیب اہل سنت حضرت مولانا حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا نام سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے کہ موصوف نے ادارہ کے ذریعہ سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی کی عبقری شخصیت، ان کے علمی کمالات، ان کی تصنیفی خدمات ان کے زہد تقویٰ ان کے مقام عشق وعرفان اور ان کے تجدیدی کارناموں سے دنیا کے بہت بڑے حصے کو روشناس کرایا۔"

(علامہ ارشد القادری، تقدیم امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات ص ۱۷)

مولانا محمود احمد قادری بھی اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ علوم و معارف احمد رضا بریلوی کے تعارف کے لیے کئی ادارے کام کر رہے ہیں سچ یہ ہے کہ اس کا جذبہ سعید حکیم اہل سنت مولانا حکیم محمد موسیٰ چشتی نظامی امرتسری امیر مرکزی مجلس رضا لاہور نے پیدا کیا اور وہی اس کارواں کے قافلہ سالار بھی ہیں۔"

(مولانا محمود احمد قادری، مکتوبات امام احمد رضا بریلوی، مجلس پبلیکیشنز دہلی ص ۱۹)

حکیم اہل سنت نے مرکزی مجلس رضا لاہور کے پلیٹ فارم سے درجنوں کتابیں عربی، اردو، انگریزی، سندھی اور پشتو میں اٹھارہ لاکھ سے زیادہ کی تعداد میں شائع کر کے دنیا بھر میں تقسیم کرائیں اور بقول علامہ اقبال احمد فاروقی:

آج "مرکزی مجلس رضا" اشاعتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اپنے ماہ نامہ "جہان رضا" کے صفحات پر اذکار رضا کو دنیا کے گوشے گوشے تک پھیلانے میں مصروف ہے اس کا سارا کریڈٹ حکیم محمد موسیٰ مرحوم کو جاتا ہے۔"

(علامہ اقبال احمد فاروقی، ماہنامہ "جہان رضا" لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء ص ۲۰۲)

ایک مخالف نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

"ہم نے تو مولانا احمد رضا خان بریلوی کو دفن کر دیا تھا مگر حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے انھیں زندہ کر دیا" الفضل ماشهدت به الاعداء "۔

(علامہ عبدالحکیم شرف قادری "جہان رضا" لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء ص ۱۳)

ان گراں قدر تاثرات کی تیز روشنی میں آپ اس نتیجے تک پہنچ چکے ہوں گے کہ حکیم اہل سنت گلشن رضا کی سیر کرنے والے قافلہ ہائے شوق کے میر کارواں تھے، جو تصنیف واشاعت کی پرخار وادیوں میں آبلہ پائی کا درد و احساس کیے بغیر منزل کی جانب بڑھتے ہی رہے۔ اور انھوں نے فکر رضا کی اشاعت کا پہاڑ کے برابر کارنامہ اتنی لگن، دردمندی، نظم اور اخلاص کے ساتھ انجام دیا کہ ان کی آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہوئی بلکہ ان کی آواز پر اہل علم وقلم، اہل نقد و نظر، مصنفین و ناشرین اور مخلصین و معاونین کی بھیڑ جمع ہوگئی اور "مجلس رضا" آسمان رضا کی کہکشاں بن گئی۔

مجلس رضا کی تحریک و دعوت اور نقش عمل پر ایشیا و یورپ اور افریقہ وامریکہ میں درجنوں ادارے قائم ہو گئے۔ رضا اکیڈمی انگلینڈ، رضوی انٹرنیشنل سوسائٹی افریقہ، المجمع الاسلامی مبارک پور، رضا اکیڈمی ممبئی، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، المجمع المصباحی مبارک پور وغیرہ وغیرہ اور اب تو امام احمد رضا کا نام و کام اتنا دل کش اور مقبول عام ہوگیا ہے کہ ان کے مخالفین و معاندین بھی امام احمد رضا کی تصانیف بڑے چاؤ سے شائع کر رہے ہیں، دہلی میں قریب ۲۵ رناشرین کنزالایمان مع خزائن العرفان شائع کر کے ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا رہے ہیں، جو سب کے سب دیوبندی ہیں چند دیو بندی ناشرین نے اپنے مکتبوں کا نام بھی نام رضا سے منسوب کیا ہے" مکتبہ رضویہ دہلی، مکتبہ رضویہ نوریہ دہلی" اور رضا بک فاؤنڈیشن کا مالک بھی بریلوی نہیں ہے۔ لیکن ابھی سر کی آنکھیں کھلی ہیں دل کی آنکھیں نہیں کھلی ہیں اور دل کی آنکھیں کھل گئیں تو پورا وجود نور ایمانی سے جگمگا اٹھے گا اور ہماری آواز میں آواز ملا کر پکار اٹھیں گے۔

ڈال دی قلب میں عظمت مصطفیٰ
سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

(ماہ نامہ اشرفیہ، فروری ۲۰۰۰ء)

گوشۂ شارح بخاری

شارح بخاری فقیہ اعظم ہند حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا ۶ر صفر ۱۴۲۱ھ/ ۱۱ر مئی ۲۰۰۰ء کو انتقال ہوا، راقم نے حضرت کے عرس چہلم کے موقع پر ماہنامہ اشرفیہ جولائی ۲۰۰۰ء کا خصوصی گوشہ بنام ''فقیہ اعظم ہند نمبر'' پیش کیا۔ یہ گوشہ تعزیتی خطبات، تعزیتی نگارشات اور تعزیتی مکتوبات پر مشتمل تھا۔ ہم قدرے حذف واضافے کے ساتھ اس یادگار ''گوشہ شارحِ بخاری'' کو ''شہر خوشاں کے چراغ'' میں شامل کر رہے ہیں۔

از: مبارک حسین مصباحی

شارح بخاری علم وحکمت، تدبر وفقاہت، رضا وبرکات اور تحریک اشرفیہ کے ایک پرشکوہ اور روشن مینار تھے۔

اہل سنت وجماعت کی تابندہ تاریخ کا ایک دور ختم ہوگیا

بساطِ بزم الٹ کر کہاں گیا ساقی
فضا خموش، سبو چپ، اداس پیمانے

ہم ہچکیوں کے ساز پر اپنی داستانِ غم بار بار زمانے کو سنا چکے مگر نہ دل کا بوجھ ہلکا ہوا اور نہ آنسوؤں کا سیلاب تھما، جس آقائے نعمت کو ہم عہد شعور سے "دامت برکاتہم العالیہ" لکھتے آئے ہیں آج اچانک انھیں "علیہ الرحمۃ والرضوان" لکھتے ہوئے ہمارا قلم کانپ رہا ہے، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا ہے، دل بیٹھا جا رہا ہے، مگر اس قضا وقدر کے فیصلے سے انکار کب تک؟ اس آسمانِ علم وفضل کو تو ہم نے اپنے ہاتھوں سے زیر زمیں دفن کیا ہے۔ اب اس آنکھوں دیکھی حقیقت کی دہلیز پر دلِ ناشکیب بھی پیکرِ تسلیم بن کر سر خمیدہ ہے اور قلب حزیں کی گھٹی گھٹی آہوں سے یہ صدائے غم صاف سنائی دے رہی ہے کہ جس عہد ساز عبقری شخصیت کے عہد میں ہمارا کاروانِ حیات بلندیوں کی جانب بڑھ رہا تھا وہ قیادت وسرپرستی کا گھنیرا سایہ ہمارے سروں سے اٹھا لیا گیا۔ ہم ملت کے ہزاروں مسائل لے کر نامساعد حالات کی چلچلاتی دھوپ میں کھڑے ہوئے ہیں اور دور دور تک کوئی ملت کا مخلص، غم گسار، تحریک اشرفیہ کا بلند قامت ترجمان اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کا عبقری پاسبان نظر نہیں آتا۔ اب یقین ہوا کہ ہم سچ مچ یتیم ہو گئے، ہم ہی کیا پوری جماعت اہل سنت یتیم ہو گئی، سنیت کی بہاروں پر خزائیں چھا گئیں اور گلستانِ حافظ ملت نے مشکباری کھو دی۔ جہانِ سنیت میں نفس

نفس مرثیہ خواں ہے اور چمنِ اشرفیہ کا ذرہ ذرہ ماتم کناں ہے۔

یہ کون اٹھ گیا ہے کہ دوشیزۂ بہار
فرطِ الم میں پھینک کے زیور اداس ہے

آہ! اب ہماری سرپرستی کون کرے گا؟......آہ! اب مشکلات میں دادرسی کون کرے گا......آہ! اب ہماری غلطیوں پر تنبیہ کون کرے گا؟......آہ! اب ناموسِ رسالت کی پاسبانی کون کرے گا؟......آہ! اب اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف اٹھنے والی سازشوں کا دندان شکن جواب کون دے گا؟......آہ! اب بدمذہبوں کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کون کرے گا؟......آہ! اب عرب و عجم سے آنے والے فقہی سوالات کے تسلی بخش جوابات کون دے گا؟......آہ! اب ملت کی شیرازہ بندی کون کرے گا؟......آہ! اب نوکِ قلم سے صالح انقلاب برپا کون کرے گا؟......آہ! اب خانقاہ برکاتیہ کے آداب کون بتائے گا؟......آہ! اب مسلکِ اعلیٰ حضرت کی بے باک ترجمانی کون کرے گا؟......آہ! اب تحریک اشرفیہ کی تعمیر و ترقی کے لیے کاروانِ اشرفیہ کی رہ نمائی کون کرے گا؟......آہ! اب مجلس شرعی کی مخلصانہ سرپرستی کون کرے گا؟

تو تھا میر کارواں ہر اک مسافر کے لیے
اب کہاں جائے گا سارا کارواں تیرے بغیر

اے میرے آقائے نعمت! تمھاری جدائی کا پہاڑ سے بڑا غم لے کر ہم کس دہلیز پر جائیں۔ تمھاری طرح آنسو پونچھنے والا کوئی نہیں۔ تمھاری طرح تسلی کے میٹھے بول بولنے والا کوئی نہیں، اے میرے آقائے نعمت! ۱۰ رمئی کی شب میں دس بجے آپ نے لکھنے کا کچھ کام دیا تھا اور صبح کو بلایا تھا۔ میں تو آیا تھا، سب تھے مگر اپنی مسندِ صدارت پر آپ نہیں تھے۔ ہم سے ایسی کون سی خطا ہوئی کہ چھوڑ کر چلے گئے؟ کیا آپ اب دار الافتا میں اب کبھی نہیں آئیں گے؟ کیا آپ کے دروازے پر عصری نشست کی انجمن اب کبھی نہیں سجے گی؟ کیا اب اساتذہ کو میدانِ عمل میں اتارنے کے لیے رجزیہ جملے کبھی نہیں بولے جائیں گے؟......اے میرے آقا! ذرا دیکھیے تو سہی، یہ حضور حسنین میاں مارہروی تشریف لائے ہیں، ان کو دیکھ کر تو آپ خوشی سے اچھل پڑتے تھے۔ یہ آپ کے روبرو بیٹھے ہیں اور آپ نظر اٹھا کر بھی نہیں

دیکھئے، بہرِ خدا اٹھیے تو سہی، یہ آپ کی محبتوں کے مرکز حضور امینِ ملت بھی آچکے۔ ایسا تو زندگی میں کبھی دیکھا نہیں گیا کہ وہ آئے ہوں اور آپ اٹھے نہ ہوں۔ آپ تو کہتے تھے کہ عزیز ملت کی دل شکنی دیکھی نہیں جاتی، یہ دیکھیے! حضرت امینِ ملت سے مل کر کتنے بلک بلک رو رہے ہیں۔ آپ خفا ہوتے تھے تو مولانا عبدالحق منا لیتے تھے، کیا اب ان کی بات بھی نہیں مانیں گے۔ حضور! یہ آپ کے بابو ڈاکٹر محب الحق آئے ہیں۔ بڑی دیر سے سرہانے کھڑے رو رہے ہیں، ان کی بھی کچھ سن لیجیے! یہ آپ کے دوسرے بابو حافظ حمید الحق افریقہ سے تڑپتے ہوئے آئے ہیں، ان سے تو دو بول بول دیجیے کچھ تسلی ہو جائے گی...... آہ! کوئی جواب نہیں۔ محبِ محبوب کے جلووں میں گم ہے، دیوانہ جنتِ عدن کی بہاروں میں کھویا ہے۔

نکل گئے ہیں خرد کی حدوں سے دیوانے
اب اہلِ ہوش سے کہہ دو نہ آئیں سمجھانے

احباب کا مسلسل تقاضا ہے اپنے آقائے نعمت پر تم بھی کچھ لکھو، دل کہتا ہے مبارک ماتم کر لینے دو لکھنے کو زمانہ پڑا ہے۔ ہمت سمیٹ کر کبھی لکھنے بیٹھتا ہوں تو اشک ہائے غم سے دامنِ قرطاس تر ہو جاتا ہے اور سیاہی علامتِ غم بن کر پھیلنے لگتی ہے۔ ہر بار لکھنے کے لیے مواد تلاش کیا جاتا ہے۔ اس بار نوکِ قلم پر مواد کا ہجوم ہے، انتخاب مشکل ہے۔ ان کی پُر نور شخصیت کے دل و دماغ میں اتنے چراغ روشن ہیں کہ آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں۔ حضرت فقیہ اعظم ہند فکر و بصیرت اور عزیمت و استقامت کے ایک فلک پیما پہاڑ تھے، ان کے روبرو بڑے بڑے قد آور بونے نظر آتے تھے، ان کے وجودِ مسعود میں جانِ پر سوز تھی، ان کے پہلو میں ایک حساس دھڑکتا ہوا دل تھا، ان کی آنکھوں میں مدنی نورِ بصیرت تھا، ان کے سینے میں صوفیانہ سوزِ دروں تھا، ان کے سر میں دماغ فقیہانہ تھا، ان کے ہاتھوں میں قلم محققانہ تھا۔ جو صرف عالم ہو خشک مزاج ہوتا ہے۔ مگر وہ بڑے رقیق القلب تھے۔ جو محض صوفی ہو گوشہ گیر ہوتا ہے، مگر وہ مردِ میدان تھے ۔ جو فقط قلم کار ہو لفظوں کے پیچ و خم میں الجھا رہتا ہے، مگر وہ بحرِ معارف کے غواص تھے۔ وہ عظیم محقق اور فقیہ اعظم ہند تھے، مگر ان کی دل آویز مجلسی گفتگو ان پر ناز کرتی تھی۔ وہ میدانِ قلم کے تاجدار تھے، مگر خطابت ان پر فخر کرتی تھی وہ اکابر اہل سنت کے میر مجلس تھے مگر اصاغر نوازی ان

رشک کرتی تھی۔ کیا یہ اشعار ان کی آفاقی اور پرکشش شخصیت کی تصویر کشی کر سکیں گے۔

بے تکلف، بے ریا، بے نفس، بے خود، بے غرض
مہربانے، دل نوازے، دوست دارے ایں چنیں
چشمِ من بسیار گردید است و کم کم دیدہ است
ایں قدر عالی وقارے، خاک سارے ایں چنیں
در ہمہ عالم نہ بینی، جز بہ خاصانِ خدا
با چنیں طبعے بلند و انکسارے ایں چنیں

حضرت فقیہ اعظم ہند بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں اسلامی دنیا کے آفاق پر فضل وکمال کے مہر منیر بن کر چمکتے رہے۔ ان کی حکمت و دانائی کی دودھیا چاندنی جہانِ سنیت کو جگمگاتی رہی ، ان کے قلمی اور فقہی فیضان سے عالمِ اسلام کے کروڑوں افراد روحانی تسکین اور دینی و علمی زندگی حاصل کرتے رہے۔ وہ دین کے غداروں کے لیے برقِ تپاں اور غلامانِ مصطفیٰ کے لیے پیار و محبت کے موج زن سمندر تھے۔ ان کی یہ ادائے دل نواز بارگاہِ الٰہی میں بھی مقبول ہوئی اس لیے دنیا بھر کے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں ان کی محبت کے چراغ جل رہے تھے۔ ان کی وسیع ظرفی، بلند اخلاق، سیر چشمی، فطری فیاضی اور شخصیتی دل آویزی حضور حافظ ملت اور قرونِ اولیٰ کی مسلمانوں کی یاد تازہ کر دیتی تھی۔ بہ قول علامہ عبد الحکیم شرف قادری لاہوری: "یوں معلوم ہوتا ہے کہ دورِ ماضی کے بزرگوں کے قافلے کی ایک شخصیت ہمارے دور میں ظہور پذیر ہو گئی تھی۔"

ہماری شعوری زندگی نے حافظ ملت کا عہد نہیں پایا، ہمارے لیے تو وہی حافظ ملت تھے، ہم نے بلند کردار و اخلاق کے جو حیرت انگیز واقعات حضور حافظ ملت کے حوالے سے سنے اور پڑھے تھے، ان کی سچی تصویریں فقیہ اعظم ہند کے آئینۂ حیات میں بچشم سر دیکھیں۔ ان سے جو ایک بار مل لیتا وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور جو قریب ہو جاتا وہ ان کا ہی ہو کر رہ جاتا، دور ہونے کا تصور ہی اس کے دماغ سے نکل جاتا۔

نالہ از بہرِ رہائی نکند مرغِ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

اس برگزیدہ صفت شخصیت کے فکر و عمل کی جولان گاہ جامعہ اشرفیہ کا دارالافتا تھا اور وہی ان کا دارالتصنیف بھی تھا۔ گوشۂ خمولی میں مطالعۂ کتب اور قلمی کاشت ان کا خاص مشغلہ تھا مگر ان کی حساس اور عقابی نگاہ جہانِ سنیت کے ہر گوشے پر رہتی تھی۔ ملک کے کس خطے میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے، سیاسی طور پر کس رخ سے مسلمانوں کو پسپا اور بے اثر کیا جارہا ہے، کس سنی ادارے پر دشمنوں کی بری نظر ہے، مسلکِ اہلِ سنت کے خلاف کہاں سے یلغار اٹھ رہی ہے، عقائدِ اہلِ سنت کو کہاں چیلنج کیا جارہا ہے۔ انھیں نہ اخبار پڑھنے کا وقت تھا نہ ریڈیو سننے کی فرصت۔ خدا جانے یہ تمام احوال و وقائع انھیں کون بتا جاتا تھا۔ ہم تو انھیں بے چین دیکھ کر دور ہی سے سمجھ لیتے تھے کہ آج اسلام وسنیت کے خلاف کوئی دردناک خبر ان تک ضرور پہنچی ہے۔ معمولی معمولی سی باتوں پر مضطرب ہوجاتے، ہم کہتے حضور فلاں ضلع کا حادثہ ہے آپ کیوں پریشان ہیں؟ فرماتے: ''کیا جب بدعقیدگی کا طوفان تمھارے گھروں تک پہنچ جائے گا جب تم بیدار ہوگے؟ ہماری اسی ہماقتی بے حسی نے تو آج ہمیں اس خطرناک منزل پر لاکھڑا کیا ہے۔'' اور وہ صرف زبان ہی کے غازی نہیں تھے میدانِ عمل کے بھی مجاہد تھے۔ اگر تحریر کی ضرورت ہوتی تو قرطاس و قلم لے کر بیٹھ جاتے، چند گھنٹوں میں ایسی مدلل اور دندان شکن تحریر منصۂ شہود پر آتی کہ ایوانِ باطل میں موت کا سا سناٹا طاری ہوجاتا۔ ہم نے ایسے بھی مواقع دیکھے کہ بعد عشا بیٹھے اور فجر تک پوری کتاب لکھ کر کاتب کے حوالے کردی۔ تقریر کی ضرورت ہوتی تو کرسیِ خطابت پر اپنے موضوع کے حوالے سے علوم و معارف کے دریا بہاتے ہوئے نظر آتے، مناظرہ کی ضرورت ہوتی تو باطل شکن مناظر کی حیثیت سے مسلکِ اہلِ سنت کی فتح یابی کا پرچم لہراتے ہوئے نظر آتے، پیچیدہ مسائل سامنے آتے تو مسندِ افتا پر فقیہ اعظم نظر آتے، مفاہیمِ حدیث کا چہرہ مسخ کیا جاتا تو وہ شارحِ بخاری کی حیثیت سے تشریحاتِ احادیث کا ایمان افروز جلوہ دکھاتے ہوئے نظر آتے۔

''بے قرار زندگی اور پرسکون موت'' کا جملہ برسوں پہلے کہیں سنا تھا، لیکن حضرت فقیہ اعظم کی زندگی اور موت دیکھ کر اس کا سچا مصداق بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ان کی بے قرار زندگی اپنے مزار کی شمع سے کچھ اس طرح گویا نظر آتی ہے۔

اے شمع تجھ پہ رات یہ بھاری ہے جس طرح
ہم نے تمام عمر گزاری ہے اس طرح

فقیہ اعظم ہند کی ولادت ۱۱ر شعبان ۱۳۳۹ھ/ ۲۰ر اپریل ۱۹۲۱ء بہ مقام گھوسی ضلع مئو ہوئی۔ ۱۱ر شوال ۱۳۵۴ھ/ ۱۶ر جنوری ۱۹۳۵ء میں دارالعلوم اشرفیہ میں داخلہ لیا۔ ایک برس کے لیے بریلی شریف تشریف لے گئے۔ ۱۴ر شعبان ۱۳۶۲ھ/ ۱۶ر اگست ۱۹۴۳ء میں مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف سے دستار فضیلت اور سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد ملک کی مختلف درس گاہوں میں مدرس، صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ۲۰ر شوال ۱۳۷۸ھ/ ۲۹ر اپریل ۱۹۵۹ء میں فتویٰ نویسی کا آغاز کیا اور پھر زندگی کی آخری سانس تک یہ عمل جاری رہا۔ ۲۳ر ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ/ ۱۳ر دسمبر ۱۹۷۶ء میں صدر شعبۂ افتا کی حیثیت سے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور تشریف لائے۔ آپ کے فتاویٰ کی تعداد لگ بھگ ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔ عہد اشرفیہ ہی میں آپ نے ۹ر ضخیم جلدوں میں نزہۃ القاری شرح بخاری کی تکمیل فرمائی۔ حضرت صدر الشریعہ، حضرت مفتی اعظم ہند اور احسن العلما علیہم الرحمہ سے آپ کو خلافتیں اور تمام سلاسل کی اجازتیں حاصل تھیں۔ ملک اور بیرون ملک میں آپ کے مریدین و خلفا کی فہرست بھی کافی طویل ہے۔ آپ نے پہلا حج ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ/ ستمبر ۱۹۸۵ء میں اور دوسرا حج ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ/ اپریل ۱۹۹۸ء میں کیا۔ دو بار عمرہ کرنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ آپ نے دعوت و تبلیغ اور اہم کانفرنسوں میں شرکت کے لیے کولمبو (سری لنکا) ساؤتھ افریقہ اور پاکستان وغیرہ کے متعدد بار سفر کیے۔ آپ کو ملک و بیرون ملک سے اہم دینی اور علمی کارناموں کے حوالے سے مختلف اعزازات اور ایوارڈ ملے۔ چند کے نام اس طرح ہیں: ۱۸ر ربیع الاول ۱۴۱۷ھ/ ۱۴ر اگست ۱۹۹۶ء میں کراچی سے "شیخ عبدالواحد بلگرامی ایوارڈ"۔ ۱۰ر شوال ۱۴۱۷ھ/ ۱۹ر فروری ۱۹۹۷ء میں بمبئی سے "امام احمد رضا ایوارڈ"۔ ۹ر شعبان ۱۴۲۰ھ/ ۱۸ر نومبر ۱۹۹۹ء میں برکاتی فاؤنڈیشن کراچی کی جانب سے بہ دست حضرت امین ملت "شاہ برکت اللہ گولڈ میڈل"۔ ۲۱ر شوال ۱۴۲۰ھ/ ۲۹ر جنوری ۲۰۰۰ء میں رضا

اکیڈمی ممبئی کے زیر اہتمام "جشن تکمیل شرح بخاری" منایا گیا جس میں آپ کو چاندی سے تولا گیا اور آپ کی شخصیت و فکر اور آفاقی کارناموں کے حوالے سے گیارہ سو صفحات پر مشتمل "معارف شارح بخاری" کی رسم رونمائی ہوئی۔ آپ کو عہد اشرفیہ میں بہت سے اداروں میں لمبی لمبی تنخواہوں کا لالچ دے کر بلانا چاہا مگر اس مرد حق آگاہ نے ہر بار زر در کف اپنے مخلص خریداروں کو یہ کہہ کر مایوس کر دیا کہ "اب میں نے اپنے آپ کو تحریک حافظ ملت کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اب اشرفیہ سے میں نہیں میرا جنازہ اٹھے گا۔" اور زمانے نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اس عارف باللہ فقیہ نے جو فرمایا تھا سچ کر کے دکھا دیا۔ ۱۰ رمئی ۲۰۰۰ء کو دن میں گیارہ بج کر ۵۵ رمنٹ پر ہزاروں دیوانوں کے کاندھوں پر ان کا جنازہ اٹھا۔

ع: عاشق کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے اٹھا

حافظ ملت کی ظاہری زندگی نے بھی اسی جہان اشرفیہ کو الوداع کہا تھا مگر رات میں۔ شاید اس لیے کہ حافظ ملت عابد شب زندہ دار زیادہ تھے اور فقیہ اعظم میں مجاہد روز روشن کا وصف نمایاں تھا۔ حافظ ملت کو اپنے ہی چمن میں محو خواب ہونا تھا اور فقیہ اعظم کو اپنے وطن گھوسی میں سپرد خاک ہونا تھا۔

جب مادر علمی کے صحن چمن سے اس کے نبیل فخر فرزند کا جنازہ اٹھا تو جامعہ کے وسیع گراؤنڈ میں ایک حشر برپا تھا، در و دیوار آہ و فغاں کر رہے تھے، گلستان اشرفیہ کی ہر کلی چاک گریباں تھی، گلوں پر پژمردگی چھا گئی تھی، فضاؤں میں ہوائیں سانس روک کر ٹھہر گئی تھیں، فلک بوس عمارتیں جھک جھک کے الوداعی سلامی دے رہی تھیں۔ عزیز ملت اور اراکین اشرفیہ کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، اساتذۂ اشرفیہ کا تڑپ تڑپ کر رونا دیکھا نہیں جا رہا تھا، طلبہ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ قریب ساٹھ ہزار اہل محبت کا امنڈتا ہوا سیلاب غموں کے ناپیدا کنار سمندر میں گم تھا۔ جب جنازہ چند قدم آگے بڑھا تو طلبہ جوش جنوں میں راستہ روک کر کھڑے ہو گئے، ان کی یہ جنونی کیفیت چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھی ہمارے سرپرست اور محسن کا جنازہ ملت کے کاندھوں پر نہیں ہمارے سینوں پر گزر کر جائے گا...... اور پھر ملت نے حافظ ملت کے سپوت کو اپنی محبتوں کے پھولوں سے سجا کر حسرت و غم کے ماحول میں برستی آنکھوں کے ساتھ رخصت کیا اور درجنوں

گاڑیاں رخصت کرنے کے لیے گھوسی تک گئیں۔ دوسرے دن بعد نماز جمعہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ حضور حسنین میاں برکاتی نے نماز جنازہ پڑھائی اور ستر ہزار سے زیادہ فرزندانِ اسلام نے بصد حسرت وغم برکاتی مسجد کے پہلو میں سپرد خاک کیا۔ حضرت امین ملت اور عزیز ملت اور دیگر اکابر اہل سنت نے تعزیتی کلمات ادا فرمائے اور غم واندوہ کے دردناک ماحول میں دعائے مغفرت ہوئی۔

زندہ باد اے کاروانِ سنیت کے پاسباں
زندہ باد اے علمِ دینِ مصطفیٰ کے نکتہ داں

اس حادثۂ جاں کاہ کی غم انگیز خبر بجلی کی طرح عالم اسلام میں پھیل گئی۔ محسوس دنیا کا وہ کون سا ملک ہے جہاں مسلکِ اعلیٰ حضرت کے علم بردار ہوں اور فقیہ اعظم ہند کی روح کو ایصالِ ثواب نہ کیا گیا ہو اور ان کی مجاہدانہ عزیمتوں، علمی عظمتوں اور فقہی بصیرتوں کو سلام نہ کیا گیا ہو، حجازِ مقدس، دبئی، بحرین، لبنان، قاہرہ، عراق، پاکستان، آسٹریلیا، امریکہ، یورپ، برطانیہ، ہالینڈ، انگلینڈ، کولمبو، ساؤتھ افریقہ، ماریشش، ہرارے وغیرہ درجنوں ممالک سے فون، فیکس، اور ڈاک کے ذریعہ علما و مشائخ کے تعزیتی پیغامات کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ ریڈیو، ٹی وی اور ملک اور بیرون ملک کے درجنوں اخبارات وجرائد نے تعزیتی رپورٹیں اور درد انگیز تاثرات شائع کیے۔ ملک کے گوشے گوشے سے مدارسِ اہل سنت اور اساطین امت کے تعزیتی پیغامات موصول ہو رہے ہیں۔ یکم جون ۲۰۰۰ء کو "آوازِ ملک وارانسی" نے "شارح بخاری نمبر" شائع کیا ہے۔ ۱۸ر جون ۲۰۰۰ء کو راشٹریہ سہارا لکھنؤ نے "فقیہ اعظم ہند" نمبر شائع کر رہا ہے۔ "کنز الایمان دہلی" ایک ضخیم نمبر نکال رہا ہے۔ "سنی آواز ناگ پور" خصوصی شمارے کے لیے مواد ترتیب دے رہا ہے۔ آزادی کے بعد جماعتِ اہل سنت کی یہ پہلی شخصیت ہے جس کی رحلت پر اتنے ہمہ گیر، منظم اور بھرپور انداز سے عالم اسلام نے خراج عقیدت پیش کیا ہو۔

بعد از وفات تربت ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردم عارف مزار ماست

(ماہنامہ اشرفیہ جولائی ۲۰۰۰ء)

فقیہ اعظم ہند

فخرِ اشرفیہ بھی تھے اور فرزند اشرفیہ بھی

عالم اسلام کی عظیم شخصیتوں میں ایک انتہائی قد آور اور آفاقی شخصیت فقیہ اعظم ہند شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مصباحی کی تھی۔

قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ (مئو) کے ایک دیندار خاندان میں ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں جنم لیا، حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی کی شفقتوں نے سرفراز کیا، عالم اسلام کی عظیم درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں خصوصی تعلیم وتربیت حاصل کی، حضرت حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ کی شخصیت ساز سرپرستی نے علم وکردار کی تابنا کی عطا فرمائی اور انھیں کی نگاہ کیمیا اثر نے شہرت ومقبولیت کے اوج ثریا تک پہنچا دیا۔

حضرت شارح بخاری وقت وصال جامعہ اشرفیہ کے مندرجہ ذیل اہم عہدوں پر فائز تھے اور تمام ذمہ داریوں کو بحسن خوبی انجام دے رہے تھے۔

(۱) صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔

(۲) ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔

(۳) رکن مجلس شوریٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔

(۴) سرپرست مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ۔

(۵) مشیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔

حضرت شارح بخاری نہ صرف الجامعۃ الاشرفیہ کی آبرو تھے بلکہ پوری جماعت اہل سنت کے لیے سرمایۂ افتخار تھے۔ یہ ایک سچائی ہے کہ حضرت شارح بخاری کی پرشکوہ اور

بلند پایہ شخصیت کی تعمیر میں حضور حافظ ملت اور دار العلوم اشرفیہ کا بنیادی کردار رہا ہے۔

حضرت شارح بخاری رقم طراز ہیں:

"میں خود اپنی بات بتا رہا ہوں کہ اگر حافظ ملت مبارک پور نہ آئے ہوتے تو میں علم دین حاصل نہیں کر پاتا۔"

آئیے اب ہم ذیل میں حضرت شارح بخاری کی حیات وخدمات کا مختصر جائزہ حافظ ملت اور تحریک اشرفیہ کے حوالے سے سپرد قلم کرتے ہیں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی تحریک اشرفیہ دو عہدوں پر مشتمل ہے:

پہلا عہد دار العلوم اشرفیہ سے شروع ہو کر الجامعۃ الاشرفیہ کی سنگ بنیاد پر ختم ہو جاتا ہے۔ جب کہ دوسرا عہد الجامعۃ الاشرفیہ کے سنگ بنیاد سے تا حیات جاری رہا۔ حضرت شارح بخاری کی زندگی تحریک اشرفیہ کے دونوں عہدوں سے وابستہ ہے۔ پہلے دور میں وہ ایک طالب علم کی حیثیت سے اکتساب فیض اور طلب کمال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جب کہ دوسرے دور میں وہ صدر مفتی کے منصب پر فیضان کا دریا بہاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حضور حافظ ملت کی قیادت میں پورے ولولہ وترنگ کے ساتھ ۱۲ر شوال ۱۳۵۳ھ کو دار العلوم اشرفیہ (باغ فردوس) کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور اسی مناسبت سے ایک عظیم الشان جلسۂ عام کا انعقاد بھی ہوا۔ تاریخ اشرفیہ کے اس حسن اتفاق پر تو قارئین بھی جھوم اٹھیں گے کہ جس دن دار العلوم اشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا اسی دن حضرت شارح بخاری ایک طالب علم کی حیثیت سے اشرفیہ میں داخل ہوئے۔ گویا دار العلوم اشرفیہ کا سنگ بنیاد ہی حضرت شارح بخاری کی شخصیتی تعمیر کا سنگ اول قرار پایا۔ اور پھر دونوں ایک معمار کی فکر رسا اور دست محنت کے زیر سایہ پروان چڑھنے لگے۔ سنگ بنیاد کی تقریبات سے فراغت کے بعد حضرت حافظ ملت نے حضرت شارح بخاری کو داخلہ کے امتحان کے لیے طلب کیا۔ حافظ ملت نے مختصر سے وقت میں تعلیمی لیاقت، ذہانت اور شوق علم کا اندازہ لگا کر داخلہ کی کارروائی مکمل فرما دی۔

حافظ ملت آپ پر حد درجہ شفقت فرماتے تھے۔ آپ بھی کبھی قیام گاہ (پرانے مدرسہ) پر حاضر ہوتے اور حافظ ملت کی خدمت گزاری کو اپنی سعادت مندی اور خوش بختی

تصور کرتے۔ حافظ ملت یہ وقت بھی ضائع نہیں ہونے دیتے، کبھی اسباق کے بارے میں سوال کرتے، کبھی مخالفین اہل سنت کے اعتراضات کے جوابات سمجھاتے، کبھی اصلاح حال اور صدق مقال کے حوالے سے پند و نصائح فرماتے۔ حافظ ملت کا یہ طرز عمل آپ کی پوری طالب علمانہ زندگی میں شامل رہا۔

حافظ ملت کی درس گاہ میں آپ نے پہلی کتاب شرح جامی، بحث اسم پڑھی، پھر جلالین وغیرہ اعلیٰ کتابیں پڑھیں، حضور حافظ ملت کا طرز تدریس بڑا منفرد اور نتیجہ خیز تھا۔ آپ اس طرح پڑھاتے کہ طلبہ محنت و مطالعہ کرنے پر مجبور ہوتے، ان کے اندر کتب فہمی کی صلاحیت خود پیدا ہو جاتی اور درس کے دوران کردار و عمل کی اصلاح اور شخصیت سازی کا سبق بھی پڑھاتے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی درس گاہ کے طلبہ یگانۂ روزگار ہوتے اور جس میدان میں بھی جاتے فتح یاب اور سربلند ہوتے۔

حضرت شارح بخاری فرماتے تھے، جن کتابوں کو میں نے پڑھا ہے، اگر آج بھی میرے سامنے آئیں تو بلا تکلف بتا دوں گا کہ یہ مضمون دائیں صفحہ پر ہے کہ بائیں صفحہ پر، اوپر ہے یا نیچے، عرصہ ہوا گلستاں اور بوستاں پڑھی تھیں مگر ان کے اشعار اور عبارتیں اتنی زیادہ یاد ہیں کہ مجھے خود حیرت ہے، کتب فتاویٰ کی ہزاروں عبارتیں زبانی یاد ہیں اور احادیث کا تو شمار ہی نہیں مگر بہ تقاضائے عمر نسیان کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے۔

خداداد صلاحیتوں کے ساتھ محنت، لگن اور جہد مسلسل ہو تو طالب علم کی زندگی میں حیرت انگیز انقلابات رونما ہوتے ہیں اور اساتذہ کا فیضان موسلا دھار بارش کی طرح برسنے لگتا ہے۔ حضرت حافظ ملت دوران درس فرمایا کرتے تھے:

> ”جب میں تم کو پڑھانے لگتا ہوں تو میرے علم میں جوش آ جاتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ جو کچھ حضرت صدر الشریعہ نے عطا فرمایا ہے، سب تمھارے سینے میں انڈیل دوں۔“

آپ عہد طالب علمی میں رات بھر مطالعہ کرتے، کتنی ہی بار ایسا ہوا کہ جب مؤذن نے فجر کی اذان دی تو آپ حیرت زدہ رہ گئے کہ کہیں مؤذن کو دھوکا تو نہیں ہو گیا کہ وقت سے

پہلے اذان دے دی، جس کی وجہ سے آپ کی صحت بھی خراب ہو گئی تھی، اس پر بھی حافظ ملت نے تنبیہ فرمائی کہ رات رات بھر مت جاگا کرو، صحت کا خیال رکھو۔

زمانۂ طالب علمی میں جب آپ جلالین شریف اور مختصر المعانی وغیرہ پڑھ رہے تھے حضرت حافظ ملت نے آپ کو "معین المدرسین" منتخب کیا اور شرح تہذیب اور نخبۃ الیسین وغیرہ کتابیں پڑھانے کو دیں، آپ عہد طالب علمی کے ہر دور میں ایک کامیاب طالب علم رہے۔ ہر امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کرتے رہے اور اپنے اساتذہ کی شفقتوں کے مرکز توجہ بنے رہے۔ فراغت کے بعد حضرت حافظ ملت نے اپنے توسط سے پہلی ملازمت دلوائی اور پھر نوازشات اور کرم فرمائیوں کا سلسلہ تا حیات جاری رہا۔

حضرت حافظ ملت کی محبت سے شارح بخاری کے دل و دماغ ہمیشہ سرشار رہتے تھے، جب بھی ان کی محفل میں ذکر حافظ ملت چھڑ جاتا تو نوازشات حافظ ملت کی یادوں سے آنکھیں نم ہو جاتی تھیں اور اہل محفل پر ایک رقت انگیز کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

تصور سے کسی کے جگمگاتی ہے سحر میری
کسی کی یاد سے روشن چراغ شام کرتا ہوں

حضرت مولانا عبد الرؤف علیہ الرحمہ نائب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ ۱۴؍ شوال المکرم ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۱ء کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ آپ کے وصال پر ملال کا سب سے زیادہ اثر حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے دل و دماغ پر پڑا۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ان کے انتقال کی خبر سے حافظ ملت پر بڑھاپا طاری ہو گیا، حضرت حافظ ملت کو ان کی جگہ پُر کرنے کی فکر لاحق ہوئی۔ ہر طرف نظر دوڑائی مگر نگاہ انتخاب حضرت شارح بخاری پر پڑی۔ حضرت مولانا عبد الرؤف علیہ الرحمہ کی جگہ انھیں جیسی گونا گوں خصوصیات والی شخصیت کی ضرورت تھی حضرت شارح بخاری بلاشبہ ان تمام اوصاف کے حامل تھے۔ حسن اتفاق انھیں دنوں حضرت شارح بخاری مبارک پور تشریف لے آئے۔ حضرت حافظ ملت نے الجامعۃ الاشرفیہ کے شیخ الحدیث کے لیے پیش کش کی۔ حضرت شارح بخاری نے مشفق استاذ کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا اور باضابطہ تقرری عمل میں آ گئی مگر اہل بلرام پور نے جامعہ انوار

القرآن بلرامپور سے آنے نہیں دیا۔

حضرت حافظ ملت کے وصال کے بعد الجامعۃ الاشرفیہ میں ایک متبحر، تجربہ کار اور علمی جلالت کی حامل شخصیت کی ضرورت کا شدید احساس پیدا ہوا۔ جو اپنے علمی اور بزرگانہ جاہ و جلال کے ساتھ علم و فن کی گتھیاں بھی سلجھائے اور حالات کے مد و جزر پر مخلصانہ اور مدبرانہ نگاہ بھی رکھ سکے، ان تمام اوصاف کی حامل شخصیت حضرت فقیہ اعظم ہند کی تھی۔ ارباب حل و عقد کے اصرار پر صدر مفتی کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا۔

۲۲ر ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ ، دسمبر ۱۹۷۶ء میں حضرت شارح بخاری باضابطہ الجامعۃ الاشرفیہ میں تشریف لائے۔ آپ کی آمد سے قبل دار الافتا کے لیے نہ کوئی مخصوص ہال تھا اور نہ کوئی مستقل مفتی، جامعہ اشرفیہ میں مستقل مفتی کی حیثیت سے سب سے پہلی تقرری حضرت شارح بخاری کی ہوئی۔ مرکزی درس گاہ کی بالائی منزل میں ایک ہال ہے، جس میں جامعہ کی بڑی لائبریری تھی، اس لائبریری میں جانب شمال دو تخت ڈال دیے گئے تھے، جن پر بیٹھ کر حضرت شارح بخاری نے فتویٰ نویسی کا آغاز کیا۔ لائبریری کی وجہ سے حسب ضرورت کتابوں کی فراہمی میں بڑی آسانی تھی۔ اس وقت حضرت شارح بخاری تن تنہا پورا دار الافتا تھے، نہ کوئی معاون مفتی تھا اور نہ کوئی محرر، طلبہ سے رجسٹر پر فتاوے نقل کرائے جاتے تھے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سائلین کی عجلت کے پیش نظر فتاویٰ رجسٹر پر نقل کیے بغیر ہی دے دیے جاتے۔ جس کی وجہ سے بہت سے فتاویٰ ریکارڈ میں محفوظ نہ رہ سکے۔

حضرت شارح بخاری کی صدارت و رہ نمائی میں الجامعۃ الاشرفیہ کا دار الافتا دنیائے اسلام کا مرجع فتاویٰ بن گیا تھا۔ برصغیر سے تو مسلسل سوالات کا تانتا بندھا رہتا، بر اعظم افریقہ، یورپ، امریکہ اور عالم عرب سے بھی سوالات آتے رہتے۔ اگر کسی مسئلے میں مفتیان کرام کے فتاویٰ مختلف ہو جاتے تو ان کے تصفیہ کے لیے اشرفیہ کے فتویٰ کو حکم مانا جاتا تھا۔ بہت سے جدید مسائل ایسے آئے جن کے بارے میں قدیم کتب فتاویٰ میں کوئی تصریح مذکور نہیں۔ بہ فضلہٖ تعالیٰ جامعہ کے دار الافتا نے انتہائی غور و فکر اور تحقیق و مطالعہ کے بعد اپنا موقف واضح کیا۔ اور ناقابل شکست دلائل و شواہد کی روشنی میں فتاویٰ

صادر کیے۔ وقتی طور پر دیگر مفتیان عظام نے چہ مگوئیاں کیں لیکن پھر سب کو وہی تسلیم کرنا پڑا۔ مثلاً بیمہ کے احکام، اسپرٹ آمیز انگریزی دواؤں کا حکم، بینک کے منافع اور منافع پر زکوۃ کا حکم، مشینی ذبیحہ کا حکم وغیرہ۔ اس قسم کے بے شمار مسائل ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ میں حضرت فقیہ اعظم ہند کی حیثیت صرف صدر شعبۂ افتا کی ہی نہیں تھی بلکہ آپ تحریک اشرفیہ کے میر کارواں اور روح رواں بھی تھے۔ آپ کی نظر ہر شعبہ پر رہتی تھی اور ہر شعبہ کی اصلاح وترقی کے لیے آپ کوشاں رہتے تھے۔ ایک طرف آپ داخلی امور کی اصلاح ونگرانی فرماتے تھے تو دوسری طرف آپ خارجی سطح پر وسائل کی فراہمی بھی کرتے تھے اور جب بھی ضرورت پڑتی تھی آپ جامعہ کے لیے ملک وبیرون ملک کا سفر بھی کرتے تھے۔ آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ کی علمی، فکری، تعلیمی، قلمی اور تعمیری ترقی کے لیے ۲۴ ربرس تک جو خون جگر جلایا ہے اور شمع کی طرح اپنے آپ کو پگھلایا ہے یہ تاریخ اشرفیہ کا ایک تابندہ باب ہے جو تاریخ اشرفیہ کے ساتھ ہمیشہ پڑھا جاتا رہے گا اور جب تک اشرفیہ قائم رہے گا حضرت فقیہ اعظم ہند کا نام بھی جگمگاتا رہے گا۔ ۳۰ رجنوری ۲۰۰۰ء کو جب شرح بخاری کی تکمیل پر "جشن شارح بخاری" زیر اہتمام رضا اکیڈمی ممبئی منایا گیا تو آپ کو چاندی سے تولا گیا۔ آپ نے اس چاندی کے دو حصے الجامعۃ الاشرفیہ کو عطا فرمادیے۔ یہ وہ یادگار ایثار ہے جو بطور مثال رہتی دنیا تک دوہرایا جاتا رہے گا۔

حضرت فقیہ اعظم ہند نے اپنے تعلیمی نظامت کے عہد میں جو اصلاحات کیں، تعلیم وتربیت کے شعبوں میں جو گراں قدر خدمات انجام دیں ان کی روداد بڑی تفصیل طلب ہے، جس کی یہاں گنجائش نہیں، نزہۃ القاری شرح بخاری بھی آپ کے عہد اشرفیہ کا عہد ساز کارنامہ ہے۔ بلاشبہ حضرت فقیہ اعظم ہند فرزند اشرفیہ بھی تھے اور فخر اشرفیہ بھی۔

از: مبارک حسین مصباحی، شارح بخاری نمبر، روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ، ۱۸ رجون ۲۰۰۰ء

تعزیتی خطبات

فقیہ اعظم ہند کی آفاقی شخصیت اور منفرد علمی شناخت

مورخہ ۲۷ راپریل ۲۰۰۴ء کو گھوسی میں عرس شارح بخاری علیہ الرحمہ کے موقع پر ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب نے شارح بخاری کی سیرت وشخصیت اور ان کی دینی وملی خدمات پر ایک بہترین تقریر فرمائی۔ تقریر سننے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مبارک حسین مصباحی نہ صرف کشور صحافت کے تاجدار ہیں بلکہ میدان خطابت کے بھی شہسوار ہیں۔ قارئین اشرفیہ کے لیے ان کی تقریر پیش خدمت ہے۔

از: امیر الدین شمسی۔ کریم الدین پور امجدی روڈ گھوسی ضلع مئو۔

فقیہ اعظم ہند شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی ذات فقہی بصیرت اور محدثانہ عظمت کا خوبصورت سنگم تھی ہم آپ کی زندگی کے جس گوشے پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ اسی فن اور اسی دبستاں کے ماہر اور یکتائے روزگار تھے۔ حضرت شارح بخاری کسی کی پشت پناہی کی بنیاد پر یا کسی خاندانی پس منظر کی بنیاد پر عالم اسلام میں نہیں پہچانے گئے، آپ ایک عظیم محدث، ایک عظیم فقیہ، ایک عظیم مدرس، ایک عظیم محقق، اور ایک عظیم دانشور تھے۔

گھوسی کی سرزمین پر ایک معمولی سے خاندان میں ۱۹۲۱ء میں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اور ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں حاصل کرتا ہے۔ حضرت حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان جب ۱۹۳۴ء میں مبارک پور کی سرزمین پر جلوہ گر ہوتے ہیں آپ کی آمد کے بعد مدرسہ اشرفیہ شہرتوں کے بام وعروج پر پہنچتا ہے تو اس کی صدائے بازگشت گھوسی کی سرزمین پر بھی سنائی دیتی ہے وہ فقیہ اعظم ہند جو اس وقت صرف "محمد شریف الحق" کے نام سے پہچانے جاتے تھے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں انھوں نے عرض کیا مبارک پور کی سرزمین پر واقع درس گاہ الجامعۃ

الاشرفیہ کا فیضان اور حضرت حافظ ملت کا علمی فضل و کمال ابھرتے ہوئے سورج کی طرح آج پورے ہندوستان میں پھیلتا چلا جا رہا ہے میری بھی دلی خواہش ہے کہ میرا بھی داخلہ اسی درس گاہ میں کرا دیا جائے۔ حسن اتفاق کہ حافظ ملت نے دار العلوم اشرفیہ کی جدید عمارت کے سنگ بنیاد کی تقریب میں اپنے استاذ گرامی حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو مدعو کیا، جب صدر الشریعہ گھوسی کی سرزمین سے سنگ بنیاد رکھنے کے لیے چلتے ہیں تو حضرت فقیہ اعظم ہند نے موقع غنیمت جانا اور آپ کی انگلی پکڑ کر وارد اشرفیہ ہوئے۔ جس روز دار العلوم اشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا تھا اسی دن اسی تاریخ میں مفتی شریف الحق امجدی کی شخصیتوں کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور جس روز حضرت صدر الشریعہ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا اسی دن صدر الشریعہ نے اپنے خاندان کے ایک چھوٹے سے بچے محمد شریف الحق کو حافظ ملت کے حوالے کرنے کے بعد یہ فرمایا تھا کہ جس طرح اور جس تیزی کے ساتھ آپ نے مدرسہ اشرفیہ کو ترقی دی اور یہ دار العلوم کی شکل میں علم و فضل کی منزلیں طے کرتا چلا جا رہا ہے ایک بچہ آپ کے حوالے کر کے جا رہا ہوں۔ جس طرح یہ مدرسہ اشرفیہ ترقی کرتا جائے گا اسی طرح یہ بچہ بھی ترقی کرتا جائے گا۔ غور فرمایئے کہ شخصیتوں کی تعمیر کتنے خوبصورت انداز سے ہوتی ہے۔ آپ دیکھیں تو کسی اپنے دور کا عظیم فقیہ و مدرس اپنے ہاتھوں سے اس بچے کو اپنے تلمیذ رشید کے حوالے کرتا ہے کہ یہ بچہ آپ کے حوالے کر رہا ہوں لیکن جب یہ واپس گھوسی کی سرزمین پر آئے گا تو یہ محمد شریف الحق نہیں ہوگا بلکہ مفتی محمد شریف الحق ہوگا، یہ شارح بخاری اور فقیہ اعظم ہند ہوگا، حافظ ملت نے اپنے بچوں کی طرح شارح بخاری کی تربیت کی ہے۔ حافظ ملت، وفا، پیار اور شفقت کا نام ہے۔

شخصیت سازی میں حافظ ملت کا کوئی ثانی نہیں علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ:

> "شخصیت سازی کے فن میں کوئی مستقل کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری لیکن اپنی معلومات و تجربات کی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس فن کے امام تھے۔ شخصیت سازی سے میری مراد اپنے تلامذہ کو ان اوصاف کا حامل بنانا ہے جو ایک "مرد مومن" کی زندگی کے لیے لازم ہوتے ہیں۔ درس و تدریس کی دنیا میں اس فن کے نام سے اگر کوئی فن پہلے سے موجود تھا تو بلا شبہ انھوں نے اس فن میں گراں قدر اضافے کیے ہیں بلکہ یہاں تک میں کہہ سکتا ہوں اگر کوئی صاحب فکر و قلم حافظ ملت

کی زندگی کا گہرا مطالعہ کرے تو اسے شخصیت سازی کے فن میں اتنے مواد مل جائیں گے کہ وہ آسانی سے اس فن پر ایک ضخیم کتاب تیار کر سکتا ہے"۔

فقیہِ اعظم ہند نے اپنے زمانہ طالب علمی میں ذوق علم کا ایسا مظاہرہ کیا ہے کہ حافظ ملت دیکھتے تھے کہ رات کے سناٹے میں جب مدرسہ کے تمام طلبہ سو جاتے تھے اور ایک بچہ پوری رات جاگ کر پڑھتا تھا تو دنگ رہ جاتے اور فرماتے، اے شریف الحق! رات بھر مت پڑھا کرو تمہاری صحت خراب ہو جائے گی، ایک دوبار کہنے پر بھی جب آپ نہیں مانے تو حافظ ملت نے سختی کے ساتھ فرمایا اے شریف الحق! آج کے بعد تم کو ۱۲ بجے کے بعد مطالعہ کرتے نہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ اکبر حضرت فقیہِ اعظم ہند نے جو تعلیم حاصل کی اور محنت و مشقت کی اس کے ثمرات عہد طالب علمی میں ہی محسوس کیے گئے، حافظ ملت فقیہِ اعظم ہند کو کتنا مانتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ ملا حسن کا تحریری امتحان ہو رہا تھا تین گھنٹے گزرنے کے بعد تمام طلبہ کی کاپیاں لے لی گئیں لیکن شارح بخاری کی کاپی نہیں لی گئی اس وقت کے ناظم امین صاحب تھے انھوں نے اعتراض کیا تو حافظ ملت نے ان کے کان میں کچھ کہا اس کے بیس منٹ کے بعد شارح بخاری اپنی کاپی جمع کرتے ہیں پھر تمام بچوں کی کاپیاں ایک پیکٹ میں بند کر دی جاتی ہیں لیکن فقیہِ اعظم ہند کی کاپی کو حافظ ملت پڑھ کر سنانے لگے وہ گویا یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ یہ بچہ کوئی معمولی بچہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک دن اپنے ملک کی آبرو بنے گا اور جماعت اہل سنت کا نام روشن کرے گا۔

حافظ ملت نے دوسرے سال سالانہ جلسہ رکھا اور طلبہ کے درمیان یہ اعلان کر دیا کہ کچھ بچے عربی میں تقریر کرنے کی تیاری کر لیں تاکہ بیرونی مہمانوں کے سامنے عربی دانی کا مظاہرہ کرایا جائے، بہت سے طلبہ نے اس میں نام تحریر کرائے لیکن پورے دار العلوم اشرفیہ میں تقریر کرنے کے لیے اگر کوئی اسٹیج پر آیا تو اس کا نام محمد شریف الحق تھا۔ اس وقت اسٹیج پر صدر الشریعہ، محدث اعظم ہند، علامہ غلام جیلانی اعظمی اور اساتذہ اشرفیہ موجود تھے۔ شارح بخاری نے فصاحت و بلاغت کا وہ مظاہرہ کیا کہ پورا اسٹیج واہ واہ کر رہا تھا اور داد دیتے ہوئے حافظ ملت کھڑے ہو گئے صدر الشریعہ نے اس دور میں اپنی جیب سے ۲ روپے نکال کر بطور انعام دیے۔ حضرت فقیہِ اعظم ہند ایسے ہی فقیہِ اعظم ہند نہیں ہو گئے آپ نے اپنی طالب علمی کا زمانہ بے پناہ محنت و مشقت کے ساتھ گزارا ہے۔

میری خوش نصیبی یہ ہے کہ ایام زندگی کے آخری تین دنوں تک مغرب سے لے کر ۱۲ ربجے شب تک اگر کسی سے ملی مسائل پر گفتگو کی ہے تو اس کا نام مبارک حسین مصباحی ہے۔ وصال کی رات میں آپ سے ۹ ربجے تک گفتگو ہوئی پھر ایک دعوت میں جاتا ہوا مجھ سے ارشاد فرمایا کہ صبح فلاں چیز لکھ کر لانا لیکن صبح کو یہ اطلاع ملی کہ فقیہ اعظم ہند اس دنیا سے چلے گئے۔ فقیہ اعظم ہند کے فضائل و کمالات کو دیکھا جائے تو قسم خدا کی ان کی زندگی کا ایک ایک باب اپنے فن کا دبستاں نظر آتا ہے اگر حافظ ملت کسی کے مناظرہ پر اعتماد کرتے تھے تو اس کا نام فقیہ اعظم ہند تھا۔ اگر حافظ ملت کسی کے تفقہ پر اعتماد کرتے تھے تو اس کا نام فقیہ اعظم ہند تھا۔ اگر حافظ ملت کسی کی حدیث دانی پر اعتماد کرتے تھے تو اس کا نام فقیہ اعظم ہند تھا۔ اگر بغیر پڑھے ہوئے کسی کے فتوے پر تصدیق کی جا سکتی تھی تو ہندوستان کی سرزمین پر اس کا نام مفتی محمد شریف الحق امجدی تھا۔ اشرفیہ کی تاریخ میں دو شخصیتیں سب سے اہم نظر آتی ہیں ایک کا نام حافظ ملت تھا اور دوسری شخصیت کا نام علامہ عبد الروف بلیاوی تھا جب علامہ عبد الروف علیہ الرحمہ کا ۱۹۷۱ء میں انتقال ہوا تو حضرت حافظ ملت نے ان کی جانشینی کے لیے اگر کسی کا انتخاب کیا تو اس کا نام فقیہ اعظم ہند تھا اور حافظ ملت کے انتقال کے بعد علماے مبارک پور کی نظر انتخاب کسی پر پڑی تو اس کا نام فقیہ اعظم ہند تھا۔ معلوم یہ ہوا کہ علامہ عبد الروف کی تدریسی جانشینی کا مسئلہ ہو یا حافظ ملت کی علمی جانشینی کا موقع دونوں مواقع پر دار العلوم اشرفیہ میں فقیہ اعظم ہند کو یاد کیا گیا۔

فقیہ اعظم ہند الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے اتنے حساس تھے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی بدر عالم صاحب نے فقیہ اعظم ہند سے عرض کیا کہ حضور فلاں مولوی صاحب الجامعۃ الاشرفیہ کے بارے میں یوں یوں کہہ رہے تھے تو فقیہ اعظم ہند کا تیور بدل گیا اور بولے مولانا مجھ سے آکر شکایت کرتے ہو اس مولوی آپ نے مارا کیوں نہیں، عالمی، ملکی اور جماعتی مسائل پر بھی وہ اتنے ہی حساس تھے کہ جب کوئی مسئلہ حل ہوتا ہوا نظر نہیں آتا تو اس وقت فقیہ اعظم ہند کا تفقہ کام کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ جب ۱۹۴۹ء کے اندر عرب کی سرزمین فلسطین کے اندر اسرائیل کو جگہ دیدی گئی تو پورے عالم اسلام کے اندر کہ قرآن عظیم میں ہے:

وضربت علیهم الذلة والمسکنة وباؤ ابغضب من الله. (البقرة، آیت: ۶۱)

ترجمہ: ان پر ذلت اور گداگری چھاپ دی گئی اور وہ من جانب اللہ نشانہ غضب ہیں۔

اس کے باوجود اسرائیل کو بلند مقام اور دولت کی ریل پیل کیوں ملی، اس کا جواب کسی نے نہیں دیا جب یہ مسئلہ فقیہ اعظم ہند کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو اتنی خوبصورتی کے ساتھ اس کو سلجھایا کہ اس وقت کے علمائے کرام اور عقلائے روزگار دنگ رہ گئے اور کہا کہ ہماری نظر وہاں کیوں نہیں پہنچی۔ حضرت فقیہ اعظم ہند نے فلسفیانہ موشگافیوں کی بنیاد پر جواب نہیں دیا تھا صرف خاموش کرنے کے لیے الزامی جواب نہیں دیا تھا بلکہ قرآن کریم کی اس آیت پاک کی تفسیر کے لیے دوسری آیت کریمہ کو پیش کر دیا تھا۔

وضربت علیہم الذلۃ این ماثقفوا الابحبل مِنَ اللّٰہ وحبل من الناس۔

(آل عمران آیت ۱۱۲)

ترجمہ: ان یہودیوں پر ذلت چھاپ دی گئی جہاں رہیں مگر یہ کہ اللہ کی رسی پکڑ لیں یا لوگوں کی رسی پکڑ لیں"۔

آج فلسطین کی سرزمین پر یہودیوں کا قیام امریکہ کی بے جا حمایت کا مرہون منت ہے۔ اگر آج امریکہ اپنا دست تعاون کھینچ لے تو اسرائیل کو روئے زمین پر کہیں ٹھکانہ نہیں ملے گا، یہودیوں کو اللہ کی رسی تو نہیں مل سکتی وحبل من الناس کے مطابق امریکہ کا سہارا مل گیا ہے جس کی وجہ سے انہیں عارضی ٹھکانہ مل گیا۔ جس دن ان لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگا وہ یہودیوں کی تباہی اور ذلت و رسوائی کا آغاز ہوگا۔ اور یہ قوم پھر اپنی تاریخ ماضی دہراتی ہوئی نظر آئے گی۔

دوسرا اعتراض یہ اٹھایا گیا کہ حدیث پاک میں ہے کہ کوئی کافر حرمین طیبین پر حکومت نہیں کر سکتا جب کہ وہاں نجدی وہابی کی حکومت ہے اور جو آپ کے مسلک کے اعتبار سے کافر ہیں۔ حضرت فقیہ اعظم ہند نے جو اس کا جواب دیا ہے آج تک دنیائے وہابیت کی سناٹا ہے اور اس کے جواب الجواب کے لیے کسی کے اندر جرأت نہیں ہے۔ فقیہ اعظم ہند نے ارشاد فرمایا کہ ان الفاظ اور اس مفہوم کی کوئی حدیث ذخیرہ حدیث میں موجود ہی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی مقام پر یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ وہاں کسی کافر کی حکومت نہیں ہو سکتی اگر تھوڑی دیر کے لیے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہاں کسی کافر کی حکومت نہیں ہو سکتی تو بالکل پہلی مرتبہ وہاں نجدیوں کی حکومت نہیں ہوئی ہے اس سے قبل کافروں اور ملحدوں کی حکومت ہو چکی ہے، عبیدہ فاطمی کون تھے جنھوں نے دو برس تک حرمین طیبین پر ظالمانہ حکومت کی ان بدترین لوگوں میں ایک حاکم بامر اللہ تھا اس نے فرعون کی طرح اپنی خدائی کا عزم کر لیا تھا معترضین جواب دیں وہ کافر تھا یا مسلمان۔؟ قرامطہ جنھوں نے ۲۱ر سال تک حجر اسود کو چھپا

کر رکھا اور حرمین طیبین پر حکومت کی وہ کافر تھا یا مسلمان؟ اور یزید پلید جس کے متعلق بعض علماے کرام نے کفر کا فتوی دیا ہے اس نے بھی حرمین طیبین پر حکومت کی۔ فقیہ اعظم ہند نے اس کا یہ جواب عنایت فرمایا تو اس کے بعد سے آج تک کوئی اس مسئلہ کو اٹھاتا نظر نہیں آتا ہے دیو بندیوں اور وہابیوں کی جانب سے جب بھی کوئی اعتراض کیا جاتا، کتاب لکھی جاتی تو بے چین ہو جایا کرتے تھے، تڑپ جاتے تھے، عصری نشستوں میں اساتذہ اشرفیہ پر بگڑتے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تمہاری حس مرگئی ہے؟ باطل تمہارے دروازے پر آجائے تب تم کو احساس ہوگا۔ آپ مغرب کی نماز پڑھتے کھانا تناول فرماتے اور دار الافتا میں بیٹھ جاتے، فجر بعد آپ کی پیشانی کا رنگ بدلا ہوا نظر آتا بشاشت کے ساتھ ارشاد فرماتے۔ ظالم نے کتاب لکھی تھی آج میں نے اس کا جواب لکھ دیا ہے، ظالم نے پوسٹر شائع کیا تھا شریف الحق نے اس کا جواب تیار کر دیا ہے۔ ایسا کوئی حساس عالم ہندوستان کی سرزمین پر نظر نہیں آتا مگر مچھ کے آنسو بہانا اور بڑی بڑی باتیں کرنا الگ بات ہے لیکن خون جگر جلا کر اپنی جماعت کے شجر کی آب یاری کرنا بہت مشکل فن ہے۔ حضرت فقیہ اعظم ہند کی زندگی کو دیکھیں جتنا علم آپ کے پاس تھا اللہ نے اس علم کو استعمال کرنے کی توفیق عطا کی۔

آج پوری دنیا کا دانشور طبقہ اس بات پر متفق ہے کہ کوئی انسان علم کا سمندر بن جائے اور وہ اس کا اظہار نہ کرے یا اس کی کوئی تصنیف منظر عام پر نہ آئے تو عقیدت مندوں کا ہجوم تو نعرہ لگا سکتا ہے لیکن دنیا کا دانشور طبقہ اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ فقیہ اعظم ہند علم کے بحر بیدا کنار تھے، آپ ذرا دیکھیں "الملفوظ" پر برسوں سے دیو بندی وہابی اعتراض کر رہے تھے، لیکن کوئی عالم اس کا جواب لکھنے کو تیار نہیں ہوا ہندوستان کی بساط علم اور بساط اہل سنت و جماعت پر اگر کسی مرد مجاہد کے قلم نے تحفظ ناموس اعلیٰ حضرت اور تحفظ ناموس مفتی اعظم ہند کا کام انجام دیا ہے تو اس کا نام فقیہ اعظم ہند تھا، آپ نے "تحقیقات" لکھ کر "الملفوظ" پر وارد ہونے والے اعتراضات کا وہ دنداں شکن جواب دیا کہ جب بھی کوئی مخالف ان اعتراضات کو دہراتا ہے تو ہمارے عالم کے ہاتھ میں "تحقیقات" کا نسخہ کیمیا ہوتا ہے۔ فقیہ اعظم ہند نے صرف اعتراضات کا جواب ہی نہیں دیا ہے بلکہ الزامی سوالات بھی قائم کیے ہیں، بریلی کے مناظرہ کی بات آئی تو منظور احمد نعمانی نے "فتح بریلی کا دل کش منظر" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی اس نے اس میں لکھا کہ دیو بندیوں کو فتح حاصل ہوئی اور بریلیوں کی شکست فاش ہوئی ایک دو ایڈیشن

نہیں متعدد ایڈیشن برصغیر میں پھیلے۔ فقیہ اعظم ہند کی غیرت ایمان کو جوش آیا اور آپ نے ''سنی دیوبندی اختلافات کا مصنفانہ جائزہ'' لکھ کر مولوی منظور احمد نعمانی کے اعتراضات اور ''فتح بریلی کے دل کش منظر'' کا ایسا مسکت جواب دیا ہے کہ برسوں گزر جانے کے بعد بھی دیوبندیت کے اندر ایک سناٹا نظر آتا ہے۔ مصنفانہ جائزہ میں پوری علمی دیانت داری کے ساتھ دیوبندی مکتب فکر کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ اور اہل سنت و جماعت کی حقانیت چودہویں کے چاند کی طرح آشکار ہوگئی ہے۔

اعتراض کیا جاتا تھا کہ بریلوی صرف عرس، تیجہ، چالیسواں اور فاتحہ کھانے کے علاوہ کوئی کام نہیں کرتے اپنے عاشق رسول ہونے کا بہت نعرہ بلند کرتے ہیں لیکن حدیث کے موضوع پر ان کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ بخاری شریف کی اپنی درس گاہوں میں پڑھاتے ہیں لیکن سمجھنے کے لیے ان کے اندر کوئی شرح نہیں، ایک دو سال نہیں برسوں سے یہ اعتراضات علمائے دیوبند کی جانب سے علمائے اہل سنت کی جانب تیر و نشتر بن کر آرہے تھے۔ حضرت فقیہ اعظم ہند کی غیرت علمی بیدار ہوئی اور بخاری شریف کی شرح ''نزہۃ القاری'' لکھ کر پوری جماعت کا کفارہ ادا کر دیا یہ نہیں بخاری شریف کا صرف ترجمہ اور تشریح کر دی ہو بلکہ علوم و فنون کا موجزن سمندر اس میں انڈیل دیا ہے۔ دیوبند کے بڑے بڑے محدث کی حدیث دانی اس کے سامنے گرد راہ بنتی نظر آتی ہے۔ فقیہ اعظم ہند اپنے کارناموں کی بنیاد پر زندہ ہیں۔ اپنے قلم و تفقہ کی بنیاد پر زندہ ہیں، فقیہ اعظم ہند کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی فتویٰ نویسی ہے، جس دن ان کے ستر ہزار فتاوے مرتب ہو کر منظر عام پر آجائیں گے تو افادیت و ضخامت میں ''فتاویٰ رضویہ'' کے بعد ''فتاویٰ شریفیہ'' کا نمبر ہوگا جیسے جیسے یہ زمانہ ترقی کرتا جائے گا فقیہ اعظم ہند کی شناخت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ جیسے جیسے ہمارا علمی شعور بیدار ہوگا۔ فقیہ اعظم ہند کی علمی شناسائی بڑھتی چلی جائے گی۔

اعلیٰ حضرت، صدر شریعت، مفتی اعظم حافظ ملت
تو ان سب کے وصف کا سنگم نائب مفتی اعظم ہند
فقیہ عصر بھی ہے وہ فقیہ اعظم بھی
بفیض حضرت نعمان سب سے اعلم بھی

ماہنامہ اشرفیہ، جولائی ۲۰۰۳ء

تعزیتی خطبات

فقیہ اعظم ہند

حافظ ملت کے معتمد اور تحریک اشرفیہ کے دردمند سرپرست تھے

۱۳ر مئی ۲۰۰۰ء کو انجمن غوثیہ پرانی بستی کے زیر اہتمام حضرت فقیہ اعظم ہند کے سانحۂ ارتحال پر تعزیتی اجلاس کا انعقاد ہوا جس میں علما اور عوام نے کثیر تعداد میں شرکت کی علمائے کرام کے بیانات ہوئے۔ دردوغم کے ماحول میں آخری خطاب عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور کا ہوا آپ کے غم انگیز خطاب سے سامعین پر رقت خیز کیفیت طاری ہوگئی۔ خطاب کا لب ولہجہ اتنا دردناک تھا کہ دوران خطاب ہر آنکھ پرنم تھی اور ہر دل ماتم کناں تھا اس اہم خطاب کا ایک حصہ نذر قارئین ہے۔　　　از: مبارک حسین مصباحی

نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم۔

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ان اللہ مع الصٰبرین ۔صدق اللہ العلی العظیم۔

محترم حضرات!

آج کی یہ بزم حضرت فقیہ عصر شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے منعقد ہوئی ہے۔ علیہ الرحمہ کہتے ہوئے عجیب سی کیفیت طاری ہورہی ہے دل بے قابو ہوا جاتا ہے۔ ہم پر ان کی جو شفقت

تھی اور ان کا جو لگاؤ تھا اس کو نہ میں بیان کر سکتا ہوں اور نہ اس کی تفصیل آپ کے سامنے رکھ سکتا ہوں ۔ بس اتنا آپ سمجھیں حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے بعد تسلی دینے والی یہی شخصیتیں تھیں، آنسو پونچھنے والے یہی لوگ تھے، لیکن آج ایک خلا محسوس ہو رہا ہے کہ کوئی تسلی کا ہاتھ رکھنے والا بھی نظر نہیں آرہا ہے، ایسے حالات میں ایک انسان کی جو حالت ہوگی بس آج وہ میری حالت سمجھیے، نہ ذہن کام کر رہا ہے اور نہ دل کام کر رہا ہے۔ یہ تو ناظم اجلاس کا حکم ہوا میں حاضر ہو گیا ورنہ جس وقت سے مجھے خبر ملی ہے کہ حضرت فقیہ عصر دنیا سے رخصت ہو گئے اسی وقت سے عجیب و غریب کیفیت محسوس کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ اشرفیہ کے تعمیری امور میں، تعلیمی معاملات میں، کسی بھی شعبہ میں کوئی ضرورت محسوس ہوئی تو معاونت ورہنمائی ضروری ہوتی تھی اور ہم ان کے تجربات کی روشنی میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔

آج ہم تنہائی کا احساس کر رہے ہیں کہ اب ہماری مجلس باوزن کیسے بنے گی، اب ہمیں مشورہ دینے والا کون ہوگا، اب ہمارا ہاتھ پکڑ کر چلنے والا کون ہوگا، جب یہ حالت ہو تو بتاؤ، ہمارا کیا عالم ہوگا، ہم اپنے احساسات کو بیان نہیں کر سکتے۔

جامعہ کے تعلق سے کوئی بھی مسئلہ درپیش ہوتا علمی مسئلہ ہو، تدریسی مسئلہ ہو، انتظامی مسئلہ ہو، رقم کی فراہمی کا مسئلہ ہو اس بوڑھے مرد مجاہد نے ہر موڑ پر ہمیں حوصلہ دیا اور رہنمائی فرمائی اور ہم نے ان کے دیے ہوئے حوصلوں سے اپنے اندر توانائی محسوس کی اور اس سے فائدہ اٹھایا۔ ضرورت پڑی تو باہر نکلے چل نہیں سکتے تھے مگر چلے اور رقم جمع فرما کر جامعہ کو عطا فرمائی یہ وہی جذبہ تھا جو حافظ ملت نے انھیں عطا فرمایا تھا۔

جس وقت حضرت علامہ عبدالرؤف علیہ الرحمہ کا وصال ہوا ہے تو حافظ ملت نے فرمایا تھا کہ میرا داہنا ہاتھ ٹوٹ گیا، لیکن بعد میں جب مکان تشریف لے گئے میں علی گڑھ سے آیا تو فرمانے لگے کہ میری نگاہوں کے سامنے اندھیرا تھا لیکن اللہ نے انتظام کر دیا ان کی جگہ پر ہو گئی ہمیں ان کی جگہ پر کرنے والی شخصیت مل گئی وہ شخصیت کون تھی وہ شخصیت وہی تھی جسے ہم نے کل دفن کیا ہے۔

حافظ ملت مردم شناس تھے، چہرہ دیکھ کر پہچان لیا کرتے تھے۔ حافظ ملت ایسے ہی

کسی شخص کی تعریف نہیں کیا کرتے تھے، جب اس کے اندر وہ جوہر ہوتا تھا تو اس کو نکال کر قوم کے سامنے رکھ دیا کرتے تھے۔ غور کریں انھوں نے فرمایا میرا دا ہنا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے اور وہ جس شخص کو اپنا دا ہنا ہاتھ بنالیں اس شخصیت کو کون سمجھ سکتا ہے اسی کا اثر تھا کہ ہمارے ہر شعبے میں مفتی صاحب کی ضرورت ہوتی تھی۔ دار الافتا میں رہتے تھے لیکن ہم تعلیم میں بھی ان کی ضرورت محسوس کرتے تھے، اس لیے کہ ان کی نگاہیں ہر وقت طلبہ کا پیچھا کرتی تھیں اور مدرسین کا تعاقب کرتی تھیں کہ کون کیا کر رہا ہے؟ جو ایسی ہمہ گیر شخصیت کا مالک ہو جب وہ ہمارے درمیان میں نہیں رہے گا ہم پر کیا گزرے گی، اگر پہاڑ ٹوٹ جاتا اور ہم پر گر جاتا تو ہم برداشت کر سکتے تھے لیکن ہمارے اندر قوت نہیں ہے کہ ہم اس جدائی کو برداشت کرسکیں، یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل ہم پر فرمائے، قوت و توانائی عطا فرمائے، صبر عطا فرمائے، اس کی قدرت سے کوئی بعید نہیں ہے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کیا جائے۔ ہر شعبہ خالی ہے، انتظام کا شعبہ بھی ہمیں خالی دکھائی دے رہا ہے، دار الافتا بھی خالی دکھائی دے رہا ہے، طلبہ کی تربیت اور نگہ داشت کا شعبہ بھی خالی دکھائی دے رہا ہے، ہر شعبے میں خلا محسوس ہو رہا ہے۔ ایسی ہمہ گیر شخصیت ہم سے جدا ہو گئی اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے، کارنامے بہت ہیں مگر یہ کارنامہ کہ قوم کی حفاظت کے لیے حافظ ملت نے ایک مشن قائم کیا تھا اور اس میں روح پھونکنے کا کام کرنا یہ بہت بڑی بات ہے اس کو آگے لے چلنا یہ بہت بڑی بات ہے یہ کام فقیہ عصر ہمارے ساتھ رہ کر کرتے تھے۔

آپ ذرا سوچو! دولت کے پسند نہیں ہے دولت کے لیے انسان ہندوستان میں بھی رہ رہا ہے اور ہندوستان کے باہر بھی رہ رہا ہے، دولت کا ایک نشہ سوار نظر آرہا ہے لیکن ان کا جو بے مثال جشن ہوا ہے۔ اس بے مثال جشن میں پہلے پروگرام میں اپنے جذبات کا جو اظہار انھوں نے کیا وہ حافظ ملت سے ان کا سچا لگاؤ تھا، قلبی تعلق تھا، انھوں نے اپنے جشن میں فرمایا تھا، رضا اکیڈمی نے غلطی کی ہے میرا جشن نہیں منانا چاہیے تھا بلکہ جشن تو الجامعۃ الاشرفیہ کا منانا چاہیے تھا۔ کون دنیا میں ایسا شخص ہے جو اپنا اعزاز نہ چاہتا ہو، اپنی عزت نہ چاہتا ہو، اپنے وقار کی بلندیاں دیکھنا نہ چاہتا ہو، لیکن فقیہ عصر نے یہ کہہ کر ہم کو ذہن

فکر دیا کہ الجامعۃ الاشرفیہ وہ ہے جس سے زندگی کی بہاریں ملا کرتی ہیں اس کا اعزاز ہو جائے گا تو وہی ہمارا بھی اعزاز ہے ہماری قوم کا بھی اعزاز ہے۔

اہل مبارک پور جتنا بھی احسان مانیں کم ہے، کم ہے، کم ہے۔ ان کی بارگاہ میں جتنا خراج عقیدت پیش کریں کم ہی ہے۔ جس شخص کو اتنا لگاؤ الجامعۃ الاشرفیہ سے ہے کہ وہ اپنا اعزاز پسند نہیں کر رہا ہے بلکہ کہہ رہا ہے، میرا جشن نہیں الجامعۃ الاشرفیہ کا جشن منانا چاہیے۔ میں اسی کی دین ہوں، جو کچھ مجھے ملا ہے الجامعۃ الاشرفیہ سے ملا ہے۔ میں نے یہ کارنامہ بھی الجامعۃ الاشرفیہ میں کیا ہے۔ کہیں اور نہیں کر سکتا تھا اس احسان کو یاد کرنا معمولی بات نہیں ہے۔ اور اسی جشن میں اس کا ثبوت بھی انھوں نے دیا۔ دولت کسے پسند نہیں؟ چاندی سے انھیں تولا گیا، دولت کسے نہیں چاہیے؟ آدمی دولت ہی کے لیے سو جتن کر رہا ہے، کیا کیا کر رہا ہے دولت اکٹھا ہی کرنے کے لیے۔ اس مرد مجاہد کو تو چاندی سے تول دیا گیا، لیکن وہ آخر میں کھڑا ہو کر کہتا ہے میں اس چاندی کا دو تہائی حصہ الجامعۃ الاشرفیہ کو وقف کرتا ہوں باقی رضا اکیڈمی کو، وہ چاندی اس نے نہ اپنے بچوں کے لیے لی اور نہ اپنے لیے، نہ اپنے خاندان کے لیے لی۔ یہ قربانی کون دے سکتا ہے؟ وہی دے سکتا ہے جو حافظ ملت کا صحیح جانشین ہو سکتا ہے، صدر الشریعہ کا صحیح جانشین ہو سکتا ہے، جو امام اہل سنت کا صحیح جانشین ہو سکتا ہے وہی قربانی دے سکتا ہے۔ ورنہ ہم نے بڑے بڑوں کو دیکھا ہے ایسا ایثار نظر نہیں آتا، اس بلند ذہن و فکر، اخلاص و للہیت والی شخصیت جب ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئی، اب بتاؤ ہمارا دماغ کیسے کام کر سکتا ہے، دل کیسے قرار پا سکتا ہے، ہم کو کیسے قرار آ سکتا ہے، آنکھوں سے آنسو بہائیں تو آنسو پونچھنے والا ہمیں نظر نہیں آتا ہے، کوئی تسلی دینے والا نہیں ہے کہ کم سے کم دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے، یہ ہیں حضرت مفتی محمد شریف الحق علیہ الرحمہ! ان کے علمی کارنامے تو بہت ہیں آج اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہے کہ آج جماعت اہل سنت بحرانی کیفیت میں مبتلا ہو گئی ہے ایک وہ شخص تھا سارے مسائل کو حل کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا وہ علمی ہو، جماعتی ہو، کسی قسم کا مسئلہ ہو، چاہے اسلام پر حملہ کرنے والے سامنے آئیں اس وقت بھی وہ مجاہد غراتا ہی رہتا تھا اور شیروں کی طرح دہاڑتا ہی رہتا تھا۔

آپ نے عرس کے ایام میں ان کی تقریریں سنی ہوں گی۔ قل سے پہلے اگر کھڑے ہوگئے ہیں کسی کو بخشا نہیں ہے، کسی کو چھوڑا نہیں ہے۔ جو سچائی ہے اس کو ظاہر کر کے رکھ دیا ہے اور یہ خیال بھی نہیں کیا ہے کہ ہمارے پیچھے سی آئی ڈی ہے یا انٹیلی جنس لگی ہے اور ہمیں ہتھکڑی لگا کر جیل میں ڈال دیا جائے گا، یہ تو سنت آبائی ہوگی اگر جیل میں ڈال دیا جائے گا۔ اس لیے ہم جتنی بھی نذر عقیدت پیش کریں کم ہے، حق ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ آج اسی خلا کو پر کرنے کے لیے ہم آپ تمام حضرات سے دعاؤں کے خواستگار ہیں۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ارمانوں کے چمن کو شاد و آباد رکھے۔ ہمارے درمیان جو کمی واقع ہوگئی ہے، کسی طرح سے اسے پُر فرما دے تاکہ یہ علم کا کارواں آگے بڑھتا رہے۔ بڑھے گا انشاء اللہ۔ ہم ظاہری اسباب کو دیکھ کر پریشان ہیں مگر ہم اس قوم کے افراد ہیں جو اپنے اسلاف پر بھروسا رکھتے ہیں۔ حضرت مفتی شریف الحق صاحب علیہ الرحمہ نے ہمیشہ یہ ذہن وفکر دیا کہ اسلاف کی نگاہیں تم پر جمی ہوئی ہیں، انھیں کے کرم سے تمھارا قافلہ آگے بڑھتا رہے گا، یہ قافلہ کبھی رک نہیں سکتا ہے کیوں کہ اسلاف کا خون اس میں ہے، ان کے ارمانوں کی قربانیاں اس میں ہیں، ان کے احساسات کی قربانیاں اس میں شامل ہیں۔

ہمیں پروردگار سے یہ امید ہے کہ ہمارے اس قافلے کو آگے بڑھاتا رہے گا۔ اسلاف کے ارمانوں کو ہم پورا کرنے کی کوشش ہمیشہ کرتے رہیں گے۔ اس کی قوت ہمیں اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

آپ نے محسوس کر لیا ہوگا کہ میں کس حالت میں ہوں، جو کچھ بھی میں نے کہا یہ میرے منتشر خیالات تھے۔ میں ان کی بارگاہ میں نذر پیش کر ہی نہیں پاؤں گا، اس لیے کہ کہاں میں اور کہاں وہ۔

ہم اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرتے ہیں کہ ہمارے اسلاف کی نگاہ کرم ہم پر رہے۔ ہمارے احباب اسی قوت وتوانائی سے اس مشن کو آگے بڑھاتے رہیں۔

تاثرات

از:

امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں برکاتی مارہروی

سجادہ نشین بڑی سرکار خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف

فقیہ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ ہمارے دور کے بہت بڑے فقیہ تھے، ان کی متعدد تصانیف ان کا علمی مرتبہ متعین کرتی ہیں۔ بخاری شریف کی ضخیم شرح ان کی اہم ترین تصنیف ہے۔ فقہی بصیرت کے ساتھ ساتھ ان کی سیاسی اور سماجی سوجھ بوجھ کا اعتراف بھی ضروری ہے۔ عروس البلاد ممبئی میں ان کی علمی اور ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے چاندی میں تولا گیا اور شایان شان جشن منایا گیا۔

مفتی صاحب "فقیہ اعظم" کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے مصنف بھی تھے، ان کے شاگردوں کی تیسری نسل کے کئی عالم شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔

انھوں نے تقریباً پچاس ہزار سے زائد فتوے لکھے۔ امید ہے کہ ان کے مخلصین اور شاگردان فتاویٰ کو مرتب کر کے کتابی شکل میں جلد از جلد منظر عام پر لائیں گے، آج بھی انھیں یادوں کے ساتھ وہ ہمارے درمیان ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے نامکمل علمی کارناموں کو جلد از جلد مکمل کر کے شائع کیا جائے۔

سید محمد امین علی گڑھ

۲ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

تاثرات

از:

امیر دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد الیاس عطار قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم، سگ مدینہ محمد الیاس قادری رضوی عفی عنہ کی جانب سے سوگواران فقیہ اعصر مفتی محمد شریف الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رحلت کے غم میں ڈوبا ہوا اسلام۔ آہ۔ سنیوں نے ایک عظیم پیشوا گنوا دیا۔ حضرت فقیہ اعصر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وفات یہ کوئی معمولی حادثہ نہیں۔ اللہ عزوجل ان کی علمی اور ملی خدمات کو قبول فرمائے۔ اللہ عزوجل ان کی مغفرت فرمائے اور ہم سب کو صبر جمیل اور اس پر اجر جزیل بخشے دعوت اسلامی پر حضرت فقیہ اعصر رحمۃ اللہ علیہ کا خصوصی کرم تھا لہٰذا اسلامی بھائیوں نے حضرت کے تیجے کے لیے کافی نیک اعمال کیے تادم تحریر پاکستان کی دعوت اسلامی کی طرف سے جو اطلاعات مجھے موصول ہوئی ہیں ان کے مطابق ایصال ثواب کے لیے ذیل میں تحفے حاضر کیے جا رہے ہیں ان کا تیجے کی مجلس میں ایصال ثواب کر دینے کی مدنی التجا ہے۔ (یہ اعمال حسنہ بروز جمعہ ۸ رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ کو کیے گئے)

مدینہ ختم قرآن پاک ۱۶۳۸، مدینہ درود پاک ۱۸۹۱۶۷۷۶، مدینہ یٰسین شریف ۱۶۶، مدینہ سورہ ملک ۱۰۰، مدینہ سورۃ الاخلاص ۵۰۰۰۰، مدینہ کلمہ طیبہ ۵۵۰۰۰۔

محمد الیاس عطار قادری

۹ رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ

نزیل حیدر آباد (پاکستان)

شارح بخاری ایک گلدستۂ محاسن

از: علامہ محمد احمد مصباحی

حضرت شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی (ولادت ۱۱رشعبان ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۰را پریل ۱۹۲۱ء وفات ۶رصفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۱رمئی ۲۰۰۰ء) ایک عہد کے امین اور ایک تاریخ کے عینی شاہد تھے۔ انھوں نے جب سن شعور میں قدم رکھا تو یہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے خلفا اور تلامذہ کی قیادت کا دور تھا انھوں نے صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، صدرالا فاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی علیہم الرحمہ کو قریب سے دیکھا اور صدرالشریعہ سے فتویٰ نویسی کی مشق بھی کی، حافظ ملت مولانا عبدالعزیز مرادآبادی سے دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں منتہی کتابوں کا درس لیا۔ صدر العلما مولانا سید غلام جیلانی علی گڑھی ثم میرٹھی سے بھی میرٹھ میں بعض کتابیں پڑھیں اور محدث اعظم پاکستان، حضرت مولانا سردار احمد لائل پوری علیہ الرحمہ سے دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں ایک سال کتب حدیث کا درس حاصل کر کے شعبان ۱۳۶۲ھ میں سند فضیلت پائی۔

متعدد مدارس میں انھوں نے ایک کامیاب استاذ کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں لیکن ان کا زیادہ تابناک زمانۂ تدریس وہ ہے جو ۱۳۷۵ھ سے ۱۳۸۶ھ تک مظہر اسلام بریلی شریف میں گزارا، وہاں ان سے علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی، مولانا مفتی مجیب اشرف اعظمی، بانی و مہتمم دارالعلوم امجدیہ ناگپور، مفتی عبید الرحمٰن رشیدی سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ جونپور جیسے ارشد تلامذہ نے درس لیا اور وہیں ۱۳۷۸ھ سے حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے انھیں رضوی دارالافتا کا باضابطہ مفتی مقرر کیا۔ جہاں تقریباً پچیس ہزار فتاویٰ ان کے قلم سے صادر ہوئے پھر جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ سے

آخری حیات (چوبیس سال) تک وہ تدریس و افتاء کے بجائے صرف افتا، اصلاح فتاویٰ اور ترتیب فتاویٰ کی خدمات سے وابستہ رہے، ان کی علمی وجاہت اور معتمد شخصیت کے باعث اطراف ہند کی طرح اکناف عالم سے بھی ان کے پاس سوالات آتے اور ان کی پوری کوشش یہ ہوتی کہ سائلین کو جوابات جلد از جلد بھیج دیے جائیں۔ اندازہ ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں انھوں نے پچاس ہزار سے زیادہ فتاویٰ صادر فرمائے اس لحاظ سے وہ بلاشبہہ سب سے عظیم مرجع فتاویٰ تھے۔

قرطاس و قلم سے ان کا شغف عہد طالب علمی ہی سے تھا دبدبۂ سکندری وغیرہ میں ان کے مضامین منظر عام پر آتے رہتے تھے، لیکن جہاں تک مجھے علم ہے کتابی شکل میں ان کی پہلی کاوش "اشک رواں" کے نام سے ربیع الاول ۱۳۶۴ھ میں شائع ہوئی، جو ان کی تحریری صلاحیت کے ساتھ علمی، دینی اور سیاسی بصیرت و ژرف نگاہی کی بھی آئینہ دار ہے۔ یہ ان کی فراغت کے صرف دو سال بعد کی تصنیف ہے جسے ان کے اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ نے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا اگر چہ اکثر حضرات کو اس کے سیاسی موقف سے اتفاق نہ تھا مگر مصنف نے اس خطرناک اور پیچیدہ موضوع کو جوش شباب کے باوجود اکابر کے ادب و احترام کے ساتھ جس خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا ہے وہ بہر حال قابل تحسین اور آج ہمارے لیے قابل تقلید ہے۔

مختلف دینی و علمی موضوعات کو انھوں نے عنوان قلم بنایا اور جس موضوع پر لکھا اس کا حق ادا کر دیا، پہلی بار جب خلابازوں کے چاند پر پہنچنے کی خبر نشر ہوئی تو مذہبی حلقوں میں ایک شور برپا ہو گیا۔ مفتی صاحب نے اس موضوع پر ایک مختصر مضمون نوری کرن بریلی میں شائع کرایا جس میں یہ ثابت کیا کہ چاند سورج اور تمام ستارے آسمان کے نیچے ہیں اور انسان کے لیے چاند تک پہنچنا ممکن ہے۔ اس مضمون کی تردید بھی کی گئی جس کے بعد انھوں نے ایک مبسوط کتاب کی ضرورت محسوس کی اور "اسلام اور چاند کا سفر" لکھ کر شائع کیا۔

ضبط تولید اور نسبندی کا مسئلہ سامنے آیا اس کی حرمت پر انھوں نے ایک قرآنی آیت کا استدلال کرتے ہوئے اپنا مضمون شائع کیا۔ ارض مقدس میں یہودی حکومت کے قیام

سے لوگوں میں شکوک وشبہات پھیلے تو ایک تحقیقی مضمون ''ارض مقدس اور یہودی تغلب'' لکھ کر انھوں نے ازالۂ شبہات کی جانب توجہ فرمائی۔ خلافت معاویہ ویزید نامی کتاب منظر عام پر آئی جس میں یزید کو خلیفۂ برحق دکھانے کی نارواجسات کی گئی تو اس موضوع پر بھی حضرت مفتی صاحب کا لاجواب مضمون پاسبان الہ آباد میں شائع ہوا جسے پڑھ کر میں پہلی بار حضرت کی علمی جلالت سے روشناس ہوا۔ سیرت نبوی کا سلسلہ بھی انھوں نے شروع کیا تھا مگر صرف مقدمہ اور ابتدائی حصہ ہی رقم ہو سکا اور مبارک پور پہنچنے کے بعد شرح بخاری کا کام شروع ہو گیا جو بعونہ تعالیٰ مکمل ہوا اور حضرت کی علمی خدمات کا شاہکار قرار پایا۔

دعوت واصلاح اور تقریر وخطابت سے بھی ان کا رشتہ دور طالب علمی ہی سے قائم رہا اور ملک کے طول وعرض میں ان کی تقریروں نے اپنا اثر دکھایا۔ وہ جو بیان فرماتے دلیل کے ساتھ بیان فرماتے۔ اور انداز ایسا عام فہم اور دلنشیں ہوتا کہ سامع متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ تفہیم وتاثیر کا عنصر ان کی تحریروں میں بخوبی نمایاں ہے مختصر الفاظ میں مدلل طور پر اپنے موقف کو دل ودماغ میں اتار دینا ان کا خاص کمال ہے جو ان کی تقریر وتحریر کے ساتھ تدریس اور مجلسی باتوں میں بھی عیاں تھا۔ فن مناظرہ، حاضر جوابی اور مخالف کو جلد سے جلد سرنگوں کرنے میں بھی وہ یکتائے روزگار تھے۔ اس کا نمونہ ان کی تحریروں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ اعظمی علیہ الرحمہ سے بیعت وخلافت اور کتب احادیث کی اجازت حاصل تھی۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے جملہ سلاسل طریقت کی اجازت مرحمت فرمائی تھی، احسن العلما مولانا سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں مارہروی علیہ الرحمہ نے بھی خلافت سے نوازا تھا جس کے باعث بہت سے افراد حضرت مفتی صاحب سے بیعت ہوئے اور بہت سے علما خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔

وہ تعلیمی اور انتظامی امور میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے، اسی لیے جامعہ اشرفیہ کے ارباب حل وعقد ان کے مشوروں سے ہمیشہ استفادہ کرتے رہے، خصوصاً اخیر دور میں جب کہ وہ جامعہ کی انتظامیہ کے رکن اور ناظم تعلیمات ہو چکے تھے۔ تعلیمی وانتظامی امور میں ان کا مشورہ ضروری تھا، انھوں نے ایک حساس اور دردمند دل پایا تھا، اس لیے ہر پہلو پر سنجیدگی،

دور بینی اور اخلاص کے ساتھ غور کرتے اور مشورہ طلب کیے بغیر بھی ایک معمر اور شفیق مربی کی طرح ہدایت و نصیحت فرماتے رہتے۔

قومی و ملی ضروریات پر بھی ان کی نظر تھی اور اس سلسلے میں وہ برابر ہدایات دیتے رہتے۔ "مجلسِ شرعی" کے مذاکرات میں بھی وہ سرگرم حصہ لیتے۔ فقہی مباحث تو ان کی خاص جولان گاہ تھے، اس لیے وہ مجلس کے سرپرست بھی نامزد ہوئے لیکن اس سے ان کی دلچسپی اس لیے بھی تھی کہ اس کا قیام نئے مسائل کے حل اور نئی صورت حال میں مسلمانوں کی دینی و علمی رہ نمائی کے لیے عمل میں آئی، اس کی کارکردگی جس قدر بہتر ہوگی مسلمانوں کے مسائل کا حل بھی اتنا ہی جلد ہوگا۔

بہت سے اداروں کے وہ معتمد اور سرپرست بھی تھے، جہاں ان کے اثر و رسوخ اور اخلاص و دردمندی کے باعث پیچیدہ مسائل اور دشواریوں کے حل میں بڑی آسانیاں تھیں، افسوس کہ حضرت کی رحلت سے ان کے تلامذہ اور وابستہ علما و طلبہ کی طرح یہ ادارے بھی یتیم ہو گئے۔ مولا تعالیٰ موصوف کو اپنی بے کراں رحمتوں کے سائے میں جگہ دے اور ان کے متعلقین کو صبر و شکیب اور اثبات و استقامت سے نوازے۔

تعزیتی مکتوبات

مغربی ممالک میں صفِ ماتم بچھ گئی

محترم المقام مولانا مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر اشرفیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج؟

عزیزی عبد العلی عزیزی سلمہ کے ٹیلی فون سے فقیہ اعظم ہند محدث عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب علیہ الرحمہ کے وصال پر ملال کی اطلاع ملی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تھوڑی دیر تک سکتے کی کیفیت طاری رہی اور پھر زبان سے کلمہ استرجاع ادا ہوا، حضور فقیہ عصر کے وصال سے پوری دنیائے سنیت غم واندوہ میں ڈوب گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ حضور شارح بخاری علیہ الرحمہ کے دردناک وصال کی تعزیت کن کن افراد، جماعتوں، اداروں اور درس گاہوں کو پیش کروں حقیقت تو یہ ہے کہ اہل خانہ کے ساتھ عالم اسلام بالخصوص برصغیر ہندوپاک کا ہر مسلمان تعزیت کا مستحق ہے۔

حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ گلستان امجدیہ کی وہ بہار جاوداں تھے جن کے فیض سے سیکڑوں درس گاہیں اسلامی ادارے اور افتا کی مسندیں صبح قیامت تک فیض یاب ہوتی رہیں گی، بلاشبہ حضور فقیہ عصر کے وصال سے دنیائے علم وفکر، فقہ وافتا، تعلیم وتدریس، تحقیق وتفحص، نقد ونظر، مناقشات علمیہ، مباحثہ ومناظرہ، تصنیف وتالیف، تحریک وتنظیم میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا جس کا پر ہونا بہ ظاہر ممکن نظر نہیں آتا، عالم اسلام میں ایسی شخصیتیں بہت کم پیدا ہوتی ہیں جو علوم اسلامیہ کے تمام گوشوں کو یکساں احاطہ کرسکتی ہوں اور جن کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ وہ کس علم اور کس فن میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔

مجھے ان سے تلمذ کا شرف تو نہ حاصل ہو سکا لیکن ہندوستان کے دوران قیام اور برطانیہ منتقل ہونے کے بعد بھی بہت سی نشستوں میں ان کے علمی مباحث اور آراء کو سننے اور فیضیاب ہونے کا اتفاق ہوا اور ان کی جملہ تحریروں کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ فقہ اسلامی کے جملہ اصول وفروغ پر مکمل دسترس اور استنادی قدرت رکھتے تھے

جزئیات کا استقصا، اصول فقہ میں ان کا تبحر، مصادر استنباط اور مصادر استخراج میں ان کا درک کامل آج کے دور کے فقہا میں ان کو بہت منفرد اور بلند مقام پر فائز کرتا ہے۔

اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی شرح "جو بلا شبہ ملت اسلامیہ بالخصوص ملت حنفیہ پر ان کا احسان عظیم ہے" کے مطالعے سے اندازہ ہوا کہ حضور شارح بخاری علیہ الرحمہ فن حدیث میں بھی فقہ و افتا کی مہارت تامہ رکھتے تھے "نزھۃ القاری" میں سیکڑوں مقامات کی تشریح و تعبیر، توفیق و تفہیم اور تلفیق بین الآرا کے حوالے سے علم واستدلال کے وہ چراغ روشن کیے ہیں کہ جن کی ضیا سے ریب و تشکیک کے تمام اندھیرے کافور ہو گئے ہیں۔

بخاری شریف کی بعض معاصر شرحوں میں صرف اختلاف آرا کی نقل پر اکتفا کیا ہے۔ جس سے حدیث کا ایک عام طالب علم شکوک و شبہات کی دلدل میں پھنس جاتا ہے مگر فقیہ عصر نے انتہائی وقت نظر کے ساتھ اہل سنت اور احناف کے فقہی اور کلامی موقف کی تصویب و ترجیح پر جو دلائل قائم کیے ہیں وہ صرف ان کا ہی حصہ ہے۔

مطالعہ نزھۃ القاری کے بعد اس قول کی حقیقت مبر ہن ہو گئی ہے کہ

"ہر فقیہ کے لیے محدث ہونا ضروری ہے جبکہ ہر محدث کے لیے فقیہ ہونا ضروری نہیں۔"

مشہور فرانسیسی مستشرق گستالیبان نے کہا تھا کہ فقہ اسلامی میں اجتہاد و قیاس اور استنباط نے اسلامی قوانین کو ایک بحر ناپید اکنار کی حیثیت عطا کر دی ہے اور قوانین کے یہ سرچشمے اسلام کو عصری تقاضوں کے مطابق رہنمائی کی مکمل استعداد عطا کرتے رہیں گے۔

فقیہ عصر نے اپنی قیادت میں فقہ اسلامی سے متعلق "تحقیقاتی اور نظریاتی کونسل" قائم فرما کر عصری مسائل کو اصول فقہ اور دانش حاضر کی روشنی میں حل کرنے کی طرف نمایاں پیش رفت فرمائی اور الجامعۃ الاشرفیہ میں مفتیان کرام کی تربیت کا جو نظام قائم فرمایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ امید ہے کہ جامعہ کا یہ شعبہ عالم گیر شہرت کا حامل ہوگا اور اگر ان کے متعین کردہ خطوط پر تواتر و تسلسل سے کام ہوتا رہا تو اس ادارے کو جامعہ ازہر کے دار الافتا اور مجمع البحوث الاسلامیہ وغیرہ کا ہم سر بنایا جا سکے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ استاذی و استاذ العلما جلالۃ العلم مخدومی و مطاعی حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نیز نائب الشیخ حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف

صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد فقیہ عصر کی شخصیت نے جامعہ کے علمی، فنی اور تدریسی بھرم کو قائم رکھا اور مجھے امید ہے کہ ان کے زیر تربیت علما اور جامعہ کے عظیم اساتذہ اس روایت کو قائم رکھیں گے اور ان کا یہی عمل حضور فقیہ عصر کی خدمت میں بہترین خراج عقیدت ہوگا۔

وصال ایک عظیم حقیقت ہے مگر بڑے مبارک ہیں وہ نفوس قدسیہ جو مشیت کی طرف سے تفویض کردہ فرائض اور مسئولیات اور اپنے حصے کا ہر کام مکمل کر کے جاتے ہیں حضور فقیہ اعظم اسی جماعت کے نمائندہ تھے، "فجزاہ اللہ عنا و عن جمیع المسلمین"۔

برطانیہ کی بہت سی مساجد بالخصوص عباد الرحمان ٹرسٹ، جامع مسجد نارتھ مانچسٹر۔ ورلڈ اسلامک مشن، اسلامک سنٹر لیسٹر، مسجد نور الاسلام بوسٹن، مسجد خضریٰ گلاسگو اسکاٹ لینڈ، اسلامک سینٹر راچڈیل کے علاوہ یورپ میں ہالینڈ، جرمنی، ناروے امیریکہ میں ہوسٹن شکاگو، ڈیلس سان فرانسسکو، کنیڈا میں ٹورنٹو اور افریقہ میں، بہت سے ممالک میں حضور فقیہ عصر کے لیے تعزیتی اجلاس اور ایصال ثواب کی محافل، منعقد ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ میری طرف سے حضور عزیز ملت اور جملہ اساتذہ اشرفیہ و پسماندگان فقیہ اعصر کی خدمت میں سلام و تعزیت پیش فرما دیں۔

از: قمر الزماں اعظمی

ورلڈ اسلامک مشن، لندن

جامعہ نظامیہ لاہور کا تعزیتی پیغام

۱۷ر صفر ۱۴۲۱ھ

محترم و مکرم حضرت عزیز ملت مولانا عبد الحفیظ صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

حضرت فقیہ اعظم ہند، سرمایہ ملت، شارح بخاری، نائب مفتی اعظم ہند مولانا علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے انتقال پر ملال کی روح فرسا خبر ملی، دل پر شدید چوٹ لگی، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد　　روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

مولانا حسن علی رضوی مدظلہ العالی (میلسی) کے صاحب زادے جامعہ نظامیہ رضویہ میں پڑھتے ہیں، انھوں نے اپنے والد کے حوالے سے ایک عظیم سانحہ کی اطلاع دی تو دل دھک سے

رہ گیا، حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی مدظلہ العالی مولانا محمد منشا تابش قصوری صاحب سے ذکر کیا، لیکن کسی کو یقین ہی نہیں آرہا تھا، ابھی کل کی بات ہے کہ انھیں چاندی سے تولا گیا، لیکن دنیا والوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ انھوں نے ساری چاندی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور اور رضا اکیڈمی کی نذر کردی، ایسی دریادلی اور سیر چشمی تو قرون اولیٰ کے بزرگوں کے بارے میں پڑھتے تھے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ دور ماضی کے بزرگوں کے قافلے کی ایک شخصیت ہمارے دور میں ظہور پذیر ہوگئی تھی۔

گیارہ سو صفحات پر مشتمل "معارف شارح بخاری" کا شائع ہونا اور وہ بھی حضرت کی زندگی میں، ایک زندہ کرامت ہے، حضرت نے معارف شارح بخاری کا ایک نسخہ اور دیگر متعدد اپنی تصانیف بھجوائیں جن پر لکھا تھا منجانب شارح بخاری۔ اس کے علاوہ راقم نے درخواست کی کہ مجھے حدیث شریف، علوم دینیہ اور اعمال مشائخ کی اجازت دیں تو انھوں نے ازراہ کرم اجازت عطا فرمادی۔

غرض یہ کہ ان کی پیہم نوازشات کا سلسلہ جاری تھا ان کی رحلت الم ناک سانحہ پیش آگیا، جامعہ نظامیہ رضویہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی مدظلہ العالی جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ نے سخت صدمہ محسوس کیا، فارسی کلاس، دورۂ حدیث، درجہ عالیہ کی کلاس نے الگ الگ اور تمام طلبہ نے صبح اسمبلی میں اجتماعی طور پر، اساتذہ نے مفتی صاحب کے پاس ایصال ثواب کیا، اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے آپ کا فیض جاری وساری فرمائے اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

براہ کرم حضرت کے صاحبزادگان اور اہل خانہ تک بھی تعزیت پہنچا دیجیے۔ ممنون ہوں گا۔

مضت فرص الوصال وما شعرنا　　　بگو حافظ غزل ہائے فراقی

حضرت مفتی صاحب مدظلہ مولانا محمد منشا تابش قصوری اور دیگر اساتذہ تعزیت پیش کرتے ہیں۔ "اعلی اللہ تعالیٰ درجاتہ فی فرادیس الجنان"

علامہ محمد احمد مصباحی، صاحب زادہ نعیم الدین صاحب مولانا مبارک حسین مصباحی اور اساتذہ جامعہ کی خدمت میں السلام علیکم اور ہدیہ تعزیت پیش کرتے ہیں۔

ہم ایسا محدث ومفتی کہاں سے لائیں

محب گرامی قدر علامہ مبارک حسین صاحب، مصباحی، اڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

افسوس صد افسوس، ابھی ابھی بذریعہ ٹیلیفون یہ اندوہناک خبر ملی کہ نائب وآبروے حضور مفتی اعظم ہند، حضرت سیدی الکریم مخدومی علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب علیہ الرحمہ اس دنیاے فانی میں نہ رہے "انا للہ وانا الیہ راجعون" آہ اس صدمۂ جاں کاہ نے جماعت اہل سنت کی کمر توڑ دی۔ اب ہم کہاں سے ایسا محدث ومفتی، سنیت کا نگہبان، آبروے مسلک اعلیٰ حضرت مناظر، مورخ، مدرس، خطیب لائیں۔ جن کی ہر بات شرح حدیث، ہر فکر تفقہ فی الدین اب وہ ذات کہاں ملے گی، ہزاروں علما وتلامذہ کو بلکتا روتا چھوڑ کر اپنے معبود حقیقی کی رحمتوں میں پناہ گزیں ہو گئے، لاکھوں کروڑوں اہل سنت کو غمزدہ کر کے آخری راحت کدہ میں آرام فرما ہو گئے، فرط غم سے نڈھال ہو کر میں آپ کے ذریعہ سے آپ کے اہل خانہ بالخصوص صاحبزادہ ڈاکٹر صاحب اور اشرفیہ کے علما وخواص کی خدمات میں یہ پرسۂ غم ارسال کر رہا ہوں آپ ان کی خدمات میں اور ماہنامہ اشرفیہ کے ذریعہ اہل سنت تک پہنچا دیں۔ میں ان شاء اللہ المولیٰ تعالیٰ بہت جلد حضرت سیدی مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ کے چند گوشوں پر تحریر کروں گا پھر آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں، اور میرا ماہنامہ سنی آواز، ناگپور، خاص طور پر مضامین ترتیب دے رہا ہے۔

جیسے ہی دارالعلوم امجدیہ ناگپور میں یہ افسوس ناک خبر ملی، ویسے ہی، مفتی اعظم مہاراشٹر حضرت علامہ مفتی غلام محمد خان صاحب قبلہ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوے دونوں مدرسوں میں تعطیل کا اعلان کروا دیا اور فوراً قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا علما اور طلبہ نے حضرت کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کیا، علما نے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ کے چند گوشوں پر روشنی ڈال کر خراج عقیدت پیش کیا۔ حضرت علامہ مفتی محمد مجیب اشرف صاحب قبلہ تو فوراً صبح نو بجے مبارک پور روانہ ہو گئے۔ فقط

سید محمد حسینی اشرفی مصباحی

چیف اڈیٹر ماہنامہ "سنی آواز" دارالعلوم امجدیہ، محلہ گانجہ کھیت ناگپور

اقلیم علم ودانش کا تاجدار رخصت ہو گیا

فخر صحافت محب محترم حضرت مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی زید مجدہ

ہدیہ سلام ورحمت وخلوص! مزاج گرامی؟

میں ۱۱ر مئی ۲۰۰۰ء کو بوقت شام مادر علمی دار العلوم منظر حق ٹانڈہ پہنچا تو وہاں کا ماحول کچھ سوگوار سا لگا۔ کئی اساتذہ بھی موجود نہ تھے جب میں نے مولانا محمد شاکر صاحب مدرس دار العلوم ہذا سے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بڑی حیرت کے ساتھ فرمایا" کیا آپ کو معلوم نہیں"۔ شارح بخاری فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ محمد شریف الحق صاحب امجدی رحلت فرما چکے ہیں۔ آج صبح مبارک پور سے بذریعہ فون جیسے ہی یہ خبر جانکاہ موصول ہوئی۔ شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد سلطان صاحب، حضرت مولانا محمد شمیم صاحب اور حضرت مولانا محمد عقیل صاحب گھوسی کے لیے روانہ ہو گئے۔ بعض حضرات کل صبح گھوسی جانے کا ارادہ رکھتے ہیں تا کہ فقیہ اعظم ہند کی نماز جنازہ پڑھنے کی سعادت حاصل کر سکیں۔ یہ روح فرسا اور جانکاہ خبر میرے اوپر برق تپاں بن کر گری۔ چند لمحات تک میرے اوپر ایک سکتہ کی کیفیت طاری رہی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے حواس مختل ہو گئے ہوں۔ کچھ دیر بعد جب حواس بحال ہوئے تو بے ساختہ زبان پر "انا للہ وانا الیہ راجعون" کے کلمات جاری ہو گئے۔

محترم! نزہۃ القاری شرح بخاری کی عین تکمیل کے بعد حضرت شارح بخاری کا وصال آپ کی زندہ کرامت اور اللہ عزوجل کی ذات اقدس پر آپ کے کامل اعتماد کی دلیل ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ عند الملاقات میں نے حضرت سے استفسار کیا تھا کہ نزہۃ القاری کی تکمیل کب تک ممکن ہے؟ تو حضرت نے جواباً ارشاد فرمایا تھا کہ ابھی تو اچھا خاصہ کام باقی ہے۔ طبیعت بھی ناساز رہتی ہے لیکن مجھے اللہ عزوجل کی ذات پر کامل بھروسہ ہے کہ جب تک نزہۃ القاری کی تکمیل نہ ہو جائے گی انشاء اللہ مجھ پر موت واقع نہ ہوگی۔ لگتا ہے کہ موت کو نزہۃ القاری کی تکمیل کا ہی انتظار تھا اور جب یہ کام مکمل ہو گیا اور اس کا بڑے ہی تزک واحتشام کے ساتھ عروس البلاد ممبئی میں جشن بھی منا لیا گیا تو رحمت خدا وندی نے بڑھ کر آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

محترم! یہ چند ٹوٹے پھوٹے کلمات، عین اس حالت میں ذہن و دماغ میں ایک طوفان برپا ہے۔ ہاتھوں میں لرزش کے باعث قلم پر کامل دسترس حاصل نہیں ہے۔ اس عظیم المرتبت فقیہ اور جلیل القدر محدث کی بارگاہ میں بطور خراج عقیدت نذر ہیں۔ جس نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک مسند تدریس وافتا پر فائز رہ کر فروغ علم دین اور ملت اسلامیہ کی ہدایت ورہنمائی کا شاندار فریضہ انجام دیا ہے جوایک ناقابل فرموش کارنامہ ہے۔ آپ اگرچہ ظاہری طور پر ہمارے اندر موجود نہیں، مگر جب تک آپ کے سیکڑوں تلامذہ، درجنوں معرکۃ الآرا علمی و تحقیقی کتابیں، ہزاروں فتاوی اور الجامعۃ الاشرفیہ کے در و دیوار باقی رہیں گے آپ کی یاد کے دلکش نقوش صفحۂ دہر سے مٹ نہیں سکتے۔ دعا ہے کہ خالق ارض وسما بہ طفیل نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ ان کے روحانی درجات وکمالات کو بلند فرمائے ان کی قبر انور پر شب و روز عفو وغفران کی بارش نازل فرمائے۔		یکے از سوگوار حضور احمد منظری ٹانڈوی

صدر المدرسین دار العلوم غوث الوریٰ

باڑوزئی شاہجہان پور۔ یو۔ پی

حضور اکرم ﷺ کی نیابت کا حق ادا کیا

محترم مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی، مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اخبار روزنامہ سیاست حیدرآباد دکن سے یہ اطلاع ملی کہ فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ محمد شریف الحق امجدی اس دار فانی سے رحلت فرماگئے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون"۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور آپ کو جنت میں بلند درجات عطا فرمائے۔

بلاشبہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا حق ادا کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام کو کما حقہ امت مسلمہ تک پہنچایا۔ نیز زندگی کی آخری سانس تک آقا کی محبوب امت کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت فرماتے رہے، درس وتدریس اور فتاویٰ کے

علاوہ ''نزھۃ القاری'' شرح بخاری آپ کا ایسا عظیم کارنامہ ہے۔ جس سے برصغیر کے مسلمان تادیر مستفید ہوتے رہیں گے۔

آخر میں ہندوستان کے سنی مسلمانوں بالخصوص وابستگان جامعہ اشرفیہ سے اپیل کرتا ہوں کہ حضرت کی زندگی کو مشعل راہ بنا کر علم وعمل کے میدان میں اپنی انفرادیت برقرار رکھیں۔ حافظ ملت کے لگائے ہوئے جس شجر کی آبیاری شارح بخاری نے کی ہے اسے پھلتا پھولتا رکھیں۔ بلکہ ہندوستان اور بیرون ہند اس کے ثمرات پھیلائیں۔ فقط والسلام

محمد یونس انصاری حیدرآباد، حال مقیم بحرین

فقیہ اعظم محسن قوم وملت نہ رہے

مکرمی جناب حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں خیریت سے رہ کر آپ کی خیریت کا نیک خواہاں ہوں۔ لکھنا ضروری یہ ہے کہ ۶ر صفر مطابق ۱۱ر مئی بروز جمعرات پانچ بج کر چالیس منٹ پر یہ خبر بجلی بن کر گر پڑی کہ فقیہ اعظم مفتی صاحب اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

صدیوں سے یہ رسم قائم ہے کہ ایسے محبوبان کے وصال کے موقع پر قرآن خوانی، دعائیں، اور درود پاک وغیرہ کا ورد کر کے ان کی ارواح طیبہ کو ایصال ثواب کیا جائے اور ان کے اوپر جو رحمت خداوندی سایہ فگن ہے اس سے کچھ حصہ پانے کے لیے بزم فیضان سجا کر یہ بتایا جائے کہ جس طرح ان کے اندر دین وملت کی تڑپ تھی اور خدمت خلق کا جذبہ تھا اور جس انداز سے شریعت کے مطابق زندگی گزاری اسے یاد کرنے اور لوگوں کو اس کی یاد دلا کر اسی طرح زندگی گزارنے کی دعوت دی جائے اور اس موت کی یاد دلائی جائے جس کی آغوش میں ہر ایک کو جانا ہے، اسی کے مطابق فقیہ اعظم محسن قوم وملت شیخ العلما والمسلمین حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال کے موقع پر مورخہ ۶ر صفر ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۱ر مئی ۲۰۰۰ء بروز جمعرات دار العلوم انوار رضا نوین نگر سوسائٹی نوساری گجرات میں چھٹی کر کے قرآن خوانی اور ایصال ثواب وغیرہ کیا گیا اور ۱۲ر مئی ۲۰۰۰ء بروز

جمعہ خادم غلام مصطفیٰ قادری برکاتی ناظم اعلیٰ دارالعلوم ہذا نے سرزمین سورت پر محلہ سگرام پورہ مولوی اسٹریٹ میں قرآن خوانی کرائی اور ایک تعزیتی جلسے کا انعقاد کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کے درجات بلند کرے اور حضرت قبلہ کے جملہ پسماندگان کو صبر وشکر کی توفیق دے اور ہم سب کو ان کا بدل عطا فرمائے (آمین)

فقط: غلام مصطفیٰ قادری برکاتی ناظم اعلیٰ دارالعلوم انوار رضا نوساری گجرات

وہ کیا گئے سارا چمن ویران ہو گیا

آہ در چشم زدن صحبت یار آخر شد		روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

گرامی وقار مخلص محترم حضرت مولانا مبارک حسین صاحب مدیر ماہنامہ اشرفیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

۱۱ مئی تقریباً صبح ساڑھے چھ بجے عزیزی حافظ غلام غوث سلمہ متعلم الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا فون آیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ کا انتقال ہو گیا۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' یہ خبر بجلی کے کرنٹ کی طرح دل کو لگی کچھ دیر کے لیے دل ودماغ ماؤف ہو گیا اور بے اختیار زبان پر استرجاع جاری ہوا۔ میرے لیے ہارٹ آپریشن کے بعد اکیلا اور بھاگ دوڑ کا سفر ممکن نہیں تھا اس لیے عزیزی مولوی یحیٰ رضا مصباحی سلمہ کو فوری طور پر جنازہ میں شرکت کے لیے روانہ کر دیا۔

چندرہویں صدی ہم سینوں کے لیے کس قدر صبر آزما ثابت ہو رہی ہے۔ ماضی کی تاریخیں نگاہ میں پھرنے لگیں۔ اکابر علما کا یکے بعد دیگرے بڑی تیزی سے رخصت ہو جانا علامت قیامت ہی تو ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی علم کا اٹھ جانا ہے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علم کس طرح اٹھ جائے گا فرمایا علما اٹھا لیے جائیں گے۔

فقیہ عصر شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان کا انتقال ملت کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ علمی دنیا میں ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پر ہونا بظاہر ناممکن نظر آ رہا ہے۔ جب ہم غور کرتے ہیں تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے ہمارا ماضی جتنا تابناک تھا

مستقبل اتنا ہی تاریک نظر آرہا۔ آج ملک میں بڑی بڑی درس گاہیں کھل رہی ہیں لیکن مدرسین، مصنفین، مناظرین کتنی تعداد میں نکل رہے ہیں یہ اظہر من الشمس ہے۔ حضرت شارح بخاری کو جس زاویے سے دیکھیے اپنی مثال آپ تھے۔ درس و تدریس میں یکتائے روزگار، تصنیف و تالیف میں صد افتخار، وہ کیا گئے سارا چمن ویران ہوگیا۔ اب ہم علمی پیاس کہاں بجھائیں گے، الجھی ہوئی گتھیوں کو کون سلجھائے گا، مسائل لاینحل کو کون حل کرے گا، مجلس شرعی بورڈ کی سرپرستی کون کرے گا، جامعہ اشرفیہ کی جان نکل گئی، فقہ کی دنیا سونی پڑگئی، بزم سخن کی شمع بجھ گئی، نازش امام بخاری، مفتخر امام غزالی، مسلک اعلیٰ حضرت کا پاسبان، دعوت اسلامی کا سچا ترجمان، سرکار مفتی اعظم ہند کا راز دار، حضور صدر الشریعہ کی یادگار، حضور حافظ ملت کی امانت، صاحب کشف و کرامت، پیکر صدق و صفا، صاحب جود و سخا، تقویٰ و طہارت کا مجسم، شریعت و طریقت کا سنگم، نہ جانے کیسی کیسی خوبیاں تھیں جانے والے میں۔ فقیہ اعظم ہند شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان ہم سب کو داغ مفارقت دے کر اور خود خاموشی کی چادر اوڑھ کر ابدی نیند سو گئے۔

مولائے کریم بطفیل رؤف و رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم ان کی خدمات دینی کا نیک صلہ اس عالم میں عطا فرمائے اور ان کے مزار پر انوار پر رحمت و نور کی بارش نازل فرمائے اور ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلام علیہ وعلیہم اجمعین۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
شبنم نورستہ اس گل کی نگہبانی کرے

(مفتی) محمد عبد الحلیم رضا کالونی شانتی نگر ناگپور

اشرفیہ مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان ہے

حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم　　　　السلام علیکم

نائب مفتی اعظم شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے نہ صرف اشرفیہ کا نقصان ہوا ہے بلکہ عالم اسلام وسنیت بھی ایک بہت بڑے

عالم دین سے محروم ہوگئی اور یہ وہ نقصان ہے جو پر نہیں ہوسکتا ہے۔ یکم صفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۶ رمئی ۲۰۰۰ء بروز ہفتہ کو الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں بعد نماز عصر حضرت کی زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل رہا۔ ۶ رصفر مطابق ۱۱ رمئی کو رات ایک بجے ممبئی پہنچا اور صبح ساڑھے سات بجے گھوسی سے فون آیا کہ حضرت کا وصال ہوگیا ہے۔ رضا اکیڈمی کی جانب سے اخبارات کو اطلاع روانہ کی گئی۔ اراکین رضا اکیڈمی آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

اشرفیہ مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان اور محافظ ہے جب بھی کسی نے اعلیٰ حضرت یا مسلک اعلیٰ کے خلاف کوئی بات لکھی یا کہی تو اس وقت سب سے پہلے اشرفیہ ہی سینہ سپر ہوکر سامنے آتا ہے رب قدیر اس کی اس خصوصیت کو دائم وقائم رکھے۔

محمد سعید نوری۔ رضا اکیڈمی ممبئی

جماعت ایک عبقری فقیہ سے محروم ہوگئی

حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

سلام مسنون

صبح ساڑھے سات بجے فون کے ذریعہ یہ خبر اندوہناک بجلی بن کر دارالعلوم میں آنا فانا پھیل گئی کہ فقیہ اعظم حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ (علیہ الرحمہ) اس دار فانی سے رحلت فرماگئے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون"

رب العزت مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اور پسماندگان وصاحبزادگان و متعلقین ومتوسلین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

جماعت اہل سنت ایک عبقری فقید المثال فقیہ ومحدث ونکتہ رس محقق وبالغ نظر قائد اور سچے مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے جانشین سے محروم ہوگئی۔ الجامعۃ الاشرفیہ لائق صد افتخار قائد کی پر خلوص قیادت وسیادت سے محروم ہوگیا۔ رب العزت اپنے فضل عمیم سے نہ فقط الجامعۃ الاشرفیہ بلکہ پوری ملت بیضا اہل سنت وجماعت کو حضرت کا نعم البدل نصیب فرمائے۔ حضرت کو رب العزت نے بے پناہ محاسن ومکارم سے نوازا تھا۔ حضرت کی تابندہ زندگی درخشندہ کارکردگی وروشن خدمات ہمیشہ اہل دل وخوش عقیدہ فرزندان توحید کے دلوں میں نقش

کا مجرا رہیں گی۔ آپ کا علمی چشمہ رواں تا قیامت اہل عقیدت کی سیرابی کرتا رہے گا۔ دار العلوم اسحاقیہ کی فضا غم واندوہ کی تصویر بن گئی۔ فوراً چھٹی کا اعلان کر کے قرآن خوانی کروائی گئی۔ اور آخر میں والا صفات علیہ الرحمہ کی درخشاں خدمات واحوال وسوانح پر روشنی ڈالی گئی، اور ایصال ثواب کر کے روح پر فتوح کو ثواب بخشا گیا۔ والسلام مع الاحترام

محمد اشفاق حسین، صدر مدرس الجامعۃ الاسحاقیہ جودھ پور

پاکستان کے گوشے گوشے میں اظہار غم کیا گیا

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی چیف اڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور

السلام علیکم

آپ کی نظر التفات سے ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ باقاعدگی سے مل رہا ہے ہمارا خیال ہے کہ اڈیٹر افکار رضا جناب زبیر خان قادری صاحب ممبئی سے "جہانِ رضا" پہنچانے کا اہتمام کر رہے ہوں گے اور فاضل بریلوی کے افکار ونظریات کا یہ مجلہ در مطالعہ پر دستک دے رہا ہوگا۔

حضرت شارح بخاری کی رحلت پر برصغیر کے سارے علمائے اہل سنت نے اظہار غم کیا۔ پاکستان کے گوشے گوشے میں بھی اس بطل عظیم کی موت پر بڑے دکھ کا اظہار کیا گیا ہے یہاں کے تمام سنی رسائل واخبارات نے آپ کی خدمات علمیہ کو ہدیہ تبریک پیش کیا ہے اور کم وبیش ہر رسالے نے اس علمی شخصیت پر شذرہ لکھا۔ مرکزی مجلس رضا کے تمام اراکین نے دار العلوم نعمانیہ میں ایک تعزیتی اجلاس منعقد کیا جس میں دار العلوم کے اراکین اساتذہ اور طلبا کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی شرکت کی اور دعائے مغفرت کی۔

آپ کے دار العلوم سے ایسی بلند پایہ علمی شخصیت خاموشی سے موت کی وادی میں چلی گئی یقیناً اس دار العلوم کو بے پناہ صدمہ اور ناقابل تلافی نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہے، ایسے اساتذہ، ایسے اہل علم اور ایسے قابل لوگ روز روز میسر نہیں آتے۔ ہم لوگ دور بیٹھے شریک جنازہ اور شریک اجلاس تعزیت تو نہیں ہو سکے مگر یہاں کا ہر دل، دار العلوم اور آپ کے صدمہ میں شریک غم رہا ہے اور آپ کے ملال میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کو

اپنی رحمت میں جگہ دے اور ان کی دینی خدمات کو قبول فرمائے،

ہم لوگ ان کی زندگی کے علمی پہلوؤں سے اتنے متعارف نہیں ہیں جس قدر آپ لوگ ہیں اگر وہاں حضرت مرحوم کی زندگی پر اشرفیہ کا کوئی خصوصی نمبر چھپے تو پاکستان پہنچانے کی کوشش فرمائیں۔

نوٹ: سیرت ابن اسحاق کا ترجمہ آپ کی نذر ہے۔　　والسلام

(پیرزادہ) اقبال احمد فاروقی

مدیر اعلیٰ جہان رضا لاہور

بریلی شریف میں غم واندوہ کے بادل چھا گئے

فخر صحافت مخلصم حافظ مبارک حسین صاحب مدظلہ النورانی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج وہاج!

بہ ذریعہ فون یہ خبر آناً فاناً بجلی بن کر شہر بریلی میں پھیل گئی کہ فقیہ عالم نائب مفتی اعظم قابل اعتماد واستناد عالم اقلیم علم ودانش کا کوہ گراں اہل سنت وجماعت کا سرخیل ومیر کارواں نوازشوں شفقتوں کا مجسمہ فقید المثال فقیہ ومحدث اور مفسر نکتہ رس محقق بالغ نظر قائد قابل قدر مفتی برکات ملت اسلامیہ کی عبقری شخصیت استاذنا الکریم آقا ودا تا ملجا وماوئی سے آج ہم سب محروم ہو گئے یہ بات کہنے پر زبان مجبور ہے۔

حضرت شارح بخاری کے وصال کی خبر بریلی کے تمام محلوں میں برق خاطف بن کر گری۔ تمام ابنائے اشرفیہ بلکہ باشندگان بریلی شریف غم واندوہ کے غار عمیق میں غرق ہو گئے سب کی زبان پر بیک وقت جاری وساری تھا "انا للہ وانا الیہ راجعون" "ہمیں حضرت کا بدل بلکہ نعم البدل اللہ عطا فرمائے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی مساجد اور قیام گاہوں پر محافل اور وعظ وذکر کی مجالس منعقد کیں اور شارح بخاری کی شخصیت پر مدلل ومفصل روشنی ڈالنے کی سعی پیہم کی، ہندوستان کی مرکزی درسگاہ دار العلوم مظہر اسلام مسجد بی بی جی کے وسیع وعریض صحن میں دار العلوم کے صدر المدرسین وشیخ الحدیث حضرت الحاج مفتی محمد اعظم صاحب نے بہت

ہی جامع اور بصیرت افروز تقریر حضرت شارح بخاری کی زندگی پر فرمائی نیز اپنے دیرینہ تعلقات اور حضرت کی دینی، علمی، ادبی اور ثقافتی خدمات کو خراج وتحسین پیش کیا اور فرمایا کہ" بلا شبہہ میں یہ کہتا ہوں حضرت مفتی اعظم کے جنازے میں جو لوگوں کی کثرت دیکھی تھی اس کے بعد میں نے جن جنازوں میں شرکت کی ان جنازوں میں سب سے زیادہ کثرت حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جنازے میں دیکھی ہے۔

متاع زندگی جس نے لٹا دی جان رحمت پر
خدا کی رحمتوں کے پھول برسیں ان کی تربت پر

محمد ذوالفقار علی نوری

مدرس دارالعلوم مظہر اسلام مسجد بی بی جی، بریلی شریف یو،پی

اب خود کو چھپا بیٹھے کر کے ہمیں دیوانہ

صحافی بے مثال حضرت مولانا مبارک حسین صاحب قبلہ مصباحی رام پوری

اڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ چھیڑوں داستاں کیسے

حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ پھر کون ایسی آنکھ تھی جو اشک بار نہ ہوئی ہو، سارا ماحول ہی اداس ہو گیا۔ یہ روح فرسا خبر نہ ملنے کی وجہ سے تاخیر سے ایصال ثواب قرآن خوانی ہوئی۔

ان کی یادوں کے چراغ ہمارے دل میں لمحہ بہ لمحہ جل رہے تھے اور یہ کلمے بار بار جاری ہوتے تھے کہ حضرت تو ابھی ماہ محرم الحرام میں چراغ نگر گھاٹ کوپر ممبئی پروگرام کے لیے تشریف لائے تھے اچانک کیا ہو گیا تھا، حالاں کہ ظاہری طور پر بیمار بھی نہیں تھے آج ان کی غیر موجودگی ہمیں ایسی محسوس ہو رہی ہے جیسے کہ ہم یتیم اور بے یار و مددگار ہو گئے ہیں۔ اسی حسرت و یاس کے عالم میں آہ و فغاں کے ساتھ بس ایک ہی صدا تھی۔ آہ مفتی صاحب! آہ مفتی صاحب! جب ہم جیسوں کی یہ کیفیت رہی تو ان حضرات کی کیا حالت رہی ہوگی۔ جنھوں نے ہر وقت الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے صحن میں دیکھا ہوگا چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے، جاگتے، پڑھتے، پڑھاتے، لکھتے لکھا

تے دارالافتا میں مسند نشین ہوتے، مجلس و محفل میں گفتگو کرتے، نصیحت و اصلاح کرتے، باغ فردوس میں زمانہ مستقبل کے بارے میں غور و فکر کرتے، ذکر و ظائف میں مشغول ہوتے، انھیں کیسے چین آیا ہوگا؟ حضرت عزیز ملت سربراہ اعلیٰ کا کیا حال ہوا ہوگا، اس کی روداد غم زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔ سچ فرمایا حضرت بیدم وارثی نے۔

کیوں آنکھ ملائی تھی کیوں آگ لگائی تھی　　　اب خود کو چھپا بیٹھے کر کے مجھے دیوانہ

۱۹۹۳ء کے کسی ماہ میں انجمن امجدیہ بھیرہ کے زیر اہتمام "رضا مسجد کا تعمیری اجلاس" منعقد ہوا۔ اسی اجلاس میں ظفر جلال پوری نے نعت پیش کی۔ کافی مجمع تھا، پڑھنے کے بعد اسٹیج پر بیٹھ گئے سامعین کی طرف سے آواز آئی کہ ایک اور، ایک اور، اتنے میں حضرت فقیہ عصر بغیر ناظم اجلاس کے اعلان کیے ہوئے مائک پر تشریف لائے اور یوں فرمایا۔

"یہ کیا تماشہ ہے ایک اور، اور ایک یہ کوئی مشاعرہ نہیں ہے بلکہ یہ دینی اجلاس ہے یہاں پر ادب ضروری ہے اگر سننے کے لیے آئے ہیں تو ادب کے ساتھ بیٹھیے شور نہ مچائیے یہ مشاعرہ نہیں ہو رہا ہے بلکہ جلسہ ہو رہا ہے اور جلسہ جلسے ہی کی طرح سے ہوگا یہ سب حرکتیں و بے ادبیاں مشاعرہ میں ہوتی ہیں۔ دینی اجلاس میں شور شرابہ نہیں ہوتا ہے اگر آئے ہیں تو خاموشی کے ساتھ بیٹھیے اور ادب و احترام کے ساتھ سنیے۔"

جو ایسا مؤدب و مشرع، عالم باعمل، شارح و مناظر، مصنف و مدرس، محسن قوم و ملت متحرک و مقرر، حافظ ملت والجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا سچا خیر خواہ، مسلک اعلیٰ حضرت کا علم بردار، دینی و دنیاوی علوم پر یکساں مہارت، جن کے دنیائے سنیت پر عظیم احسان، اس ذات کو کون اتنی جلدی فراموش کر جائے گا اگر ہم انھیں یاد نہ کریں اور خراج عقیدت پیش نہ کریں تو یہ احسان فراموشی ہوگی۔ ہر قوم کی یہ روایت رہی ہے کہ وہ اپنے محسن کو یاد کرتی ہیں، انھیں محسنوں میں ایک ذات شخصیت حضرت نائب مفتی اعظم ہند و شارح بخاری علیہ الرحمہ کی ہے۔ وہ ہمارے درمیان سے رخصت ہو گئے مگر ان کی تصنیفات و یادگاریں خلوص وللہیت انھیں ہمیشہ زندہ و تابندہ رکھیں گی، جن کی محدثانہ رفعت کی شاہد "نزہۃ القاری شرح

بخاری" ہے اور انھیں اوائل نومبر ۱۹۹۹ء میں خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے فقیہ اعظم ہند کا خطاب ملا تھا۔ راقم سطور ممبئی کی مختلف جگہوں پر تعزیتی اجلاس میں شریک ہوا۔

عرش پر دھومیں مچیں وہ مومن صالح ملا
فرش سے ماتم اٹھا وہ طیب وطاہر گیا

والسلام

غمزدہ۔ شکیل احمد قریشی اعظمی برکاتی شمسی (مقیم حال ممبئی)

برطانیہ میں علمائے اہل سنت کا خراج عقیدت

مکرمی مدیر اعلیٰ!　　　　السلام علیکم

فقیہ عصر، نائب مفتی اعظم ہند شارح بخاری حضرۃ الافاضل علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صدر دارالافتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ، یو، پی انڈیا کے اچانک وصال پر ملال کی خبر وحشت اثر یہاں برطانیہ عظمیٰ میں بذریعۂ فون وصولیاب ہوئی۔ یہ اطلاع ملتے ہی مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی صاحب قبلہ سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ نے مشن کے اراکین وہ دیگر ارباب علم ودانش واحباب اہل سنت پر مشتمل ایک تعزیتی اجلاس طلب فرمایا۔

مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی صاحب قبلہ نے حضرت مفتی صاحب قبلہ کے سانحۂ ارتحال پر اپنے گہرے دکھ اور قلبی صدمے کا اظہار کرتے ہوے فرمایا کہ ان کے وصال سے اہل سنت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ برصغیر ہند وپاک میں اس وقت وہ مرجع فتاویٰ تھے، مسائل کے استنباط کے سلسلے میں وہ اجتہادی شان کے مالک تھے، ان کے اٹھ جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ پورا ہوتا دکھائی نہیں دیتا، انھوں نے بخاری شریف کی شرح مکمل فرما کر ملت اسلامیہ پر جو احسان عظیم فرمایا ہے، وہ کم وبیش نصف صدی فقہ وافتاء کی خدمت کر کے انھوں نے ایک عظیم مثال قائم فرمائی ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے دوران قیام فقہی سیمینارس (Seminars) کی سرپرستی کر کے انھوں نے عہد حاضر

کے مسائل میں شرعی فیصلوں کے ذریعہ سے اہل سنت و جماعت کو ایک اونچا مقام عطا فرمایا ہے۔ علامہ اعظمی نے اس بات پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ ان سے تربیت حاصل کرنے والے مفتیان کرام اس عظیم ادارے کو جاری وساری رکھیں گے۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر بیش قیمت کتابیں تحریر فرمائیں جو اسلامی لیٹریچر میں بیش بہا اضافہ ہے کاش کہ "اصح السیر" مکمل ہو گئی ہوتی تو یقیناً اسلامی تاریخ وسیرت کا ایک عظیم ماخذ بنتی۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ کے وصال پر ملال کی تعزیت صرف ان کے پسماندگان ہی کو نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کو پیش کی جانی چاہیے، اس لیے کہ ان کے وصال سے جملہ علماے کرام خود کو یتیم محسوس کر رہے ہیں"

مبلغ اسلام حضرت علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی صاحب قبلہ بانی سنی رضوی سوسائٹی انٹرنیشنل مقیم حال مانچسٹر انگلینڈ نے فرمایا کہ "حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی، فقیہ النفس تھے۔ اور فقہی جزئیات وحواشی پر ان کی گہری نظر تھی۔ حضور مفتی اعظم ہند اور حضور صدر الشریعہ کے بعد میں نے ان جیسا فاضل ہندو پاک میں نہیں دیکھا۔ جس زمانے میں چاند پر پہنچنے کی واقعیت کے حوالے سے ارباب فکروفن باہم مباحثہ کا شکار تھے، علامہ امجدی نے اسے اپنی وقیع اور جامع تحریر کے آئینے میں ثابت کر دکھایا۔ علامہ خوشتر صدیقی نے فرمایا کہ ان کی وہ تمام علمی وفکری تصانیف جو عقلیات کے عناوین پر مشتمل ہیں گر ان کا انگریزی ترجمہ کر دیا جائے تو امریکہ اور یورپ کی دانشگاہوں میں علوم قرآن وحدیث کے حوالے سے ایک جدید فکر کا اضافہ ہوگا۔

ماہر لسانیت حضرت علامہ پروفیسر شاہد رضا نعیمی صاحب قبلہ سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن یوروپین یونین نے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب قبلہ عصر حاضر میں مسند درس وافتاء پر حافظ ملت کے سچے جانشین تھے۔ انھوں نے اپنی فقہی بصیرت اور خداداد صلاحیتوں سے ملت اسلامیہ کی ہر مشکل مرحلے میں رہنمائی فرمائی ہے۔ نصف صدی تک شعبۂ افتاء سے وابستگی کے دوران باطل تحریکات کے عقائد وعزائم اور مسلکی ومذہبی احتساب میں ان کی قلمی جرأت کو نمایاں حیثیت حاصل رہے گی۔ انھوں نے نازک دور میں اسلامیان ہند کو دین فہمی

کا شعور عطا فرمایا۔ جب کہ اہل سنت کی صف اول کے علماء، مشائخ اور مفتیان کرام اٹھ چکے ہیں، اور آج خود ان کا سانحۂ ارتحال پورے عالم اسلام کے لیے کسی ناقابل تلافی نقصان سے کم نہیں۔ بلا شبہہ انھوں نے اپنے پیچھے باصلاحیت طلباء وتلامذہ کی ایک بہت بڑی جماعت چھوڑی ہے، مجھے یقین ہے کہ یہ حضرات اس علمی خلا کو پر کرنے میں ہر ممکن جدوجہد اور سخت کوشی سے کام لیں گے۔

شہنشاہ ترنم حضرت مولانا قاری محمد اسماعیل مصباحی صاحب ڈائریکٹر اردو اکیڈمی راچڈیل انگلینڈ نے فرمایا کہ۔ "حضرت مفتی امجدی صاحب قبلہ نے اپنی علمی زندگی کا آغاز درس وتدریس سے فرمایا تھا۔ تحریر وتصنیف کے ہر مرحلے میں وہ مسلک اعلیٰ حضرت کے بے باک ترجمان تھے۔ بلکہ یہی ان کا مشن تھا، اور اس مقصد عظیم کے پیش نظر انھوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ بریلی شریف اور پھر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ کے زمانۂ قیام میں ہزاروں طلباء نے ان سے اکتساب فیض کیا اور فتویٰ نویسی کی تربیت وصلاحیت حاصل کی، بعد وصال یہ ان کا صدقۂ جاریہ ہے"۔

بلا شبہہ فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ جیسی نابغۂ روزگار شخصیت صدیوں بعد پیدا ہوتی ہے۔ ان کی فقہی اور حدیثی خدمات کے احسانات سے برصغیر ہندوپاک کے ارباب سنیت کی گردن ہمیشہ جھکی رہے گی۔ ان کی فتاویٰ نویسی کا تسلسل گذشتہ چھ دہائیوں کو محیط کیے ہوئے ہے، انھوں نے ایسے نازک حالات میں اسلامیان ہند کو علوم قرآن وحدیث اور درس وافتاء سے آشنا کروایا جس دور میں اکابر علماء کی صفیں خالی ہو چکی تھیں، انھیں سرزمین ہند میں حدیث مصطفیٰ کا مدون ثانی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ انھوں نے آٹھ ضخیم جلدوں میں "نزھۃ القاری" شارح بخاری لکھ کر فقہ حنفی کے بے شمار حوالوں کو ضائع ہونے سے بچالیا ہے۔ انھوں نے اپنی ضعف عمری اور تدریسی مصروفیات کے باوجود فتاویٰ نویسی کی وقت طلب راہوں میں جس قدر ورق ریزی اور سخت کوشی سے کام لیا ہے، اس کا اندازہ ان کے ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے فتاوے سے لگایا جا سکتا ہے۔ وہ عصر حاضر میں صدر الشریعہ کی شوکت علمی کے پیکر مجسم اور مفتی اعظم کے نائب اعظم تھے، ابھی چند مہینوں پیشتر

"رضا اکیڈمی ممبئی" نے حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ کو چاندی کے وزن کے ساتھ تول کر ان کے علمی کارناموں کو جن عقیدت مندانہ جذبات کے ساتھ سراہا ہے۔ بلا شبہہ یہ ان کا ہی حصہ تھا۔ شوکت علم وفن کی قدر نوازی اور اہتمام شوق کی اس بزم آرائی کے لیے "رضا اکیڈمی ممبئی" کے مخلص اور درد مند اراکین پورے عالم اسلام سے مبارک بادیوں کے مستحق ہیں۔

مذکورہ کانفرنس کے انعقاد کے چند مہینوں بعد گرچہ حضرت ممدوح بظاہر ہم میں موجود نہیں ہیں، مگر یقین جانیے ان کا علمی فیضان قیامت کی صبح تک جاری رہے گا۔ ان کے علم وفن کے فیضان سے سنیت کے بام ودر ہمیشہ روشن وتابناک رہیں گے۔ انھوں نے اپنے پیچھے اپنی گرانقدر علمی تصانیف کے ذخائر، محقق، باشعور، اور فہم وفراست کی جملہ صلاحیتوں سے آراستہ علما وفضلا کی جو عظیم ترین جماعت چھوڑی ہے۔ وہ دعوت الی اللہ و الی الرسول کی جدوجہد کو اقطار عالم کے ہر گوشے میں پہنچاتے رہیں گے۔ وہ جب تک مسند افتاء پر فائز رہے فرائض شریعت کی ادائیگی میں لمحہ بھر کے لیے بھی کسی شخصیت یا خارجی اثرات کے دباؤ سے مرعوب ہوئے بغیر اپنا فیصلہ صادر فرمادیا کرتے تھے۔ اللہ جل شانہ نے انھیں جو داعیانہ منصب عطا فرمایا تھا اس کی حقیقی پاسداری کی راہوں میں تادم اخیر کسی بھی مصلحت کوشی کو درمیان میں حائل ہونے نہیں دیا، اور یہی دراصل ان کے ایوان علم وعمل کا طرۂ امتیاز تھا۔ ان کی جملہ تصنیفات دلائل وبراہین اور فقہی جزئیات سے مزین ہونے کے باوجود حد درجہ سریع الفہم اور متاثر کن ہیں، "ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ" کے ذریعہ ان کی جامع اور دقیع تحریروں سے پوری دنیا ایک عرصے تک استفادہ کرتی رہی، اور افسوس کہ اب اس علمی محرومیت کے احساس سے ہر جانب مایوسیوں کا سامنا ہے۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ تغمد اللہ بغفرانہ واسکنہ بحبوب جنانہ ہمارے عہد کی ایک عبقری شخصیت تھے، علم وفضل، فکروفن، زہدوارتقاء اور تفقہ فی الدین کا کوئی بھی تذکرہ ان کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔

بجھا چراغ، اٹھی بزم، کھل کے روئے دل
وہ چل بسے جنھیں عادت تھی مسکرانے کی

از: محمد فروغ القادری (ایم۔اے) انگلینڈ

ہم سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے

فاضل معظم مدیر محترم علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب زید علمہ وفضلہ

ہدیہ سلام مسنون ادعیہ خلوص مشحون

تازہ شمارہ ماہنامہ اشرفیہ ملا بہت بہت شکریہ اس میں حضرت فقیہ کبیر محدث شہیر علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی برکاتی رضوی علیہ الرحمہ کے انتقال پر ملال کی خبر اندوہ اثر بھی ہے اور شارح بخاری کی یاد میں خصوصی نمبر کی اشاعت کا اعلان بھی فقیر انجمن انوار القادریہ کے پروگرام پر چار پانچ روز کے لیے کراچی گیا تھا حضرت شارح بخاری علیہ الرحمۃ الباری کے وصال پر ملال کی خبر وحشت اثر وہیں کراچی میں ملی شدید صدمہ وملال ہوا ہم عظیم سایہ شفقت اور بہت بڑے محسن ورفیق سے محروم ہو گئے فقیر اپنا طویل مضمون اور تعزیتی تاثرات حضرت علامہ مولانا عبد الحفیظ صاحب سلمہ ربہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کے توسط سے آپ کی خدمت میں بھیج چکا آپ حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ صاحب سے تعزیتی مکتوبات اور مضمون وصول فرمائیں کراچی دار العلوم امجدیہ میں حضرت علامہ مفتی ظفر علی صاحب نعمانی رضوی مصباحی کی زیر سرپرستی اور مولانا علامہ سید شاہ تراب الحق صاحب قادری رضوی کی زیر صدارت تعزیتی جلسہ ہوا جس میں کراچی بھر کے علما کرام اور دار العلوم امجدیہ کراچی کے طلبہ نے کثیر وبھرپور تعداد میں شرکت فرمائی فقیر راقم الحروف محمد حسن علی بریلوی میلسی نے محدث شہیر فقیہ کبیر علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ اور حضرت علامہ غلام علی صاحب اشرفی رضوی قادری اوکاڑوی کی سیرت طیبہ علمی دینی مسلکی خدمات پر بھرپور خطاب کیا فاتحہ خوانی ایصال ثواب پر اختتام ہوا۔ معلوم ہوا ہے کہ دعوت اسلامی کے بانی مولانا محمد الیاس قادری رضوی نے دعوت اسلامی کے مدارس دینیہ وحلقۂ احباب کے ذریعہ ایک لاکھ قرآن عظیم کا ثواب حضرت مولانا علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ کی نذر کیا۔ بزم انوار رضا اہل سنت میلسی کے زیر اہتمام عرس قادری رضوی کے موقعہ پر حضرت شارح بخاری کی یاد میں شاندار جلسہ تعزیت وایصال ثواب کیا گیا۔

فقیر ان شاء اللہ حضرت شارح بخاری قدس سرہ پر مسلسل قسط وار لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ مگر

ایک اہم ضروری گذارش ہے کہ آپ حضرت علامہ مفتی امجد صاحب قدس سرہ کی یاد میں جو خصوصی نمبر شائع فرمارہے ہیں مہربانی فرما کر ایک دو ماہ موخر کریں اور ہندوستان بھر کے اکابر علماو مشائخ کے مضامین حاصل کریں اور فقیر بھی پاکستان کے مشہور ممتاز علما کے مضامین حاضر کرے گا امید ہے فقیر کی اس تجویز سے اتفاق فرمائیں گے۔ اور خصوصی نمبر ایک دو ماہ کے لیے موخر فرمائیں گے پوسٹر عرس قادری رضوی اور ایک کتاب ارسال خدمت ہے ملنے پر اطلاع دیں۔ جواب جلد۔

والسلام والدعا

فقیر محمد حسن علی الرضوی البریلوی میلسی پاکستان

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

محب گرامی حضرت علامہ مولانا مبارک حسین صاحب مدیر ماہنامہ اشرفیہ

السلام علیکم

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

فقیہ اعظم ہند کے وصال پر ملال کی خبر وحشت ناک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شہزادہ حضرت مولانا حمید الحق صاحب نے سنائی کافی دیر تک سماعت پر دھوکہ کا گمان ہوتا رہا آخر کار یقین کرنا ہی پڑا فوراً دارالعلوم قادریہ غریب نواز کے جملہ اساتذۂ کرام وطلبہ کو اکٹھا کیا اور قرآن خوانی شروع کرادی، لیڈی اسمتھ کی مساجد میں دعا کا اہتمام کیا گیا ملک میں لوگوں کے فون کے ذریعہ وصال پر ملال کی اطلاع دی نیز قرآن خوانی ودعا کی درخواست کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تشریف لے جانا اہل سنت وجماعت کے لیے بالخصوص مادر علمی کے لیے ایسا خلا ہے جس کا پر ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ میں اس سنہرے زمانے میں مادر علمی کی آغوش میں تھا جب حضور فقیہ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ کی مسند افتا کو شرف بخشا تھا حضرت کی تشریف آوری کی خبر جاں فزا نونہالان اشرفیہ کے درمیان خوشبو کی طرح پھیل گئی، طلبہ میں چہ چے ہونے لگے کہ نائب مفتی اعظم ہند تشریف لانے والے ہیں میں نے اپنے دل میں ایک ان دیکھی بارعب اور پر جلال مفتی اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے نائب کی تصویر بنا رکھی تھی لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ

جب مادر علمی میں تشریف لاے اور مجھے شرف دید حاصل ہوا تو بے ساختہ میری زبان سے یہی نکلا کہ پھل دار درخت کی شاخیں جھکی ہوئی ہیں، حضرت تواضع وانکساری، اخلاص ومروت، سادگی ومہمان نوازی کا پیکر جمیل تھے، مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ سے عشق تو حضرت کے ہر ہر انداز سے عیاں تھا، آہ...... مادر علمی اپنے ایک عظیم محسن سے محروم ہوگئی، خواص وعوام میں اہل سنت کے ایک بے لوث خادم دین اور قائد سے محروم ہو گئے۔ ع

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

فقط۔ خیر اندیش وشریک غم

سید محمد علیم الدین اصدق مصباحی اعظمی

دار العلوم قادریہ غریب نواز، لیڈی اسمتھ، ساؤتھ افریقہ

آہ! وہ مرد مجاہد وہ فقیہ بے مثال

مکرم ومحترم!　　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کا معلوم ہو کر دل کو بہت زیادہ صدمہ ہوا۔ ماہنامہ اشرفیہ میں ایک عرصہ دراز سے ان کے فتوے اس عاجز کی نظر سے گزرے ہیں، فقیہ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق تھے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

افسوس کہ سخت علالت کی وجہ سے عرس جہلم میں شرکت سے معذور ہوں ورنہ ضرور شریک ہوتا البتہ دو قطعے فی البدیہ ہو گئے ہیں جو جناب والا سے پیش خدمت ہیں۔

(۱)　آہ وہ مرد مجاہد وہ فقیہ بے مثال

جس کی رگ رگ میں رواں تھا ہر گھڑی عشق رسول

اہل حق کے واسطے وہ تھا نسیم خوش گوار

نجدیان دہر کو جس نے چٹادی خاک دھول

(۲)　کی عطا مرکز نے برکاتی امانت لاجواب

اور "فقیہ اعظم ہندوستاں" پایا خطاب

آپ کی شرح بخاری نزہۃ القاری وہ ہے
رہتی دنیا تک زمانہ ان سے ہوگا فیض یاب
اولیا اللہ سے ان کی محبت کے طفیل
اہل سنت پر کرم ہے اولیا کا بے حساب
مسلکِ حق چاہتا ہے خدمت دیں کے عوض
مل کے اہل دیں کریں سب ان کو ایصال ثواب

مولائے کریم شب و روز ان کے مرقد منور پر رحمتوں کی بارش فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ناچیز (الحاج) محمد علی خان اشرفی بدایوں
(عرف شاہین اشرف)

مصر میں جلسۂ تعزیت

مکرمی مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب!

۲۶ رمئی بروز جمعہ المبارک مدینۃ البعوث الاسلامیہ الازہر الشریف میں جمیعۃ الطلبہ الباحثین کے زیر اہتمام فقیہ اعظم ہند شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے وصال پر ملال کے سلسلہ میں ایک جلسۂ تعزیت کا انعقاد کیا گیا جس میں برصغیر ہند و پاک کے علاوہ دیگر چودہ ممالک کے طلبہ نے بھی شرکت کی۔

اولاً حاضرین نے قرآن خوانی کی، حضرت شارح بخاری کی روح پاک کو ایصال ثواب کیا۔ بعد ازاں مولانا دین محمد قادری نے بارگاہ رسالت مآب میں ہدیہ نعت پیش کیا۔ مولانا نعمان احمد اعظمی نے حضرت شارح بخاری کے انتقال پر اپنے شدید رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اس کو پوری سنیت کا نقصان قرار دیا۔ جمیعۃ کے سکریٹری مولانا منظر الاسلام نے حضرت شارح بخاری کی حیات کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ کی روشن خدمات اور جہاد بالقلم کے نمایاں کارناموں سے حاضرین کو واقف کرایا۔ نیز انھوں نے تجویز پیش کی کہ ہندوستان سے حضرت کے تفصیلی حالات منگوا کر یہاں کے عربی اخبارات ورسائل کو مضامین دیے جائیں تا کہ مصر کے علماء و دانشوران بھی حضرت کی خدمات سے

آگاہ ہو سکیں۔ صدر انجمن مولانا جلال رضا فاضل جامعہ نظامیہ حیدرآباد نے اس شعر سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔

وما كان قيس هلك هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدم

انھوں نے کہا کہ مجھے حضرت سے شرف ملاقات حاصل نہیں تھا لیکن میں نے ان کی تصانیف کا مطالعہ ضرور کیا ہے اور اسی وقت سے میرے دل میں حضرت کے غیر معمولی علم وفضل کا ایک عجیب تاثر قائم ہے انھوں نے مزید کہا کہ ابھی کچھ عرصہ قبل اپنی ایک میٹنگ میں ہم نے حضرت شارح بخاری کے جشن پر خوشی و مسرت کا اظہار کیا تھا مگر کیا معلوم تھا کہ چند دن بعد ہی ہم ان کے وصال پر جلسہ تعزیت منعقد کریں گے افسوس کہ آج ہمارے درمیان حضرت شارح بخاری نہیں رہے لیکن ان کی قلمی خدمات ان کو ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آخر میں سرپرست جمیعۃ مولانا عاصم قادری نے تعزیتی کلمات کے ساتھ اپنے رنج وغم کا اظہار کیا انھوں نے کہا کہ یوں تو بخاری شریف کی اردو میں کئی شروحات تھیں لیکن وہ عشق رسول کے جذبہ و تعظیم انبیاء واولیا کے احساس سے خالی تھیں ان شروحات۔ کو پڑھ کر عوام گمراہ ہو رہی تھی وقت کی اس اہم ضرورت کے پیش نظر حضرت شارح بخاری نے اردو میں شرح بخاری لکھنے کا بیڑہ اٹھایا اور آج ہمارے پاس ۹ رجلدوں میں اردو کی صحیح ترین شرح بخاری موجود ہے اردو بولنے اور سمجھنے والے ہر مسلمان کو مفتی محمد شریف الحق صاحب کا احسان مند ہونا چاہیے۔

از: تاج محمد قادری ازہری

اے فقیہ اعظم! آپ کی عظمتوں کو سلام

مکرمی مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور

کیا خبر تھی موت کا یہ حادثہ ہو جائے گا　　یعنی آغوش زمیں میں آسماں سو جائے گا

۱۱ر مئی ۲۰۰۰ء کی صبح کو کاشانہ سلامی سنبھل سے چل کر تقریباً ۱۰ ربجے دہلی حلقہ جامعہ

مسجد اردو مارکیٹ پہنچا تو سب سے پہلے محب محترم مولانا انوار احمد امجدی سے ملاقات ہوئی سلام دعا کے بعد مولانا موصوف نے بلا تاخیر فرمایا۔ "مفتی صاحب تو رخصت ہو گئے" میں سفر کی تکان کی وجہ سے نہ معلوم کس موڈ میں تھا کسی خاص توجہ کے ساتھ ان کا یہ جملہ نہ سن سکا اور معاً عرض کیا۔ "کیا کہا آپ نے"۔ تو انھوں نے شاید میری عدم توجہی پر رحم کھاتے ہوئے ایک لمحہ سوچے بغیر ہی دل دہلا دینے والی یہ جاں کاہ خبر سنائی کہ "بھئی حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی کا آج انتقال ہو گیا اور کل بعد نماز جمعہ ان کی تدفین ہے"۔ اتنا سننا تھا کہ بے اختیار دل سے ایک درد بھری "آہ" نکلی اور سینے کی جانب سے ایک نہ تھمنے والا سیلاب اشک فرقت اٹھا اور نہ معلوم کیوں آنکھوں ہی آنکھوں میں ختم کر رہ گیا میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے مولانا موصوف کا سراپا دیکھتا رہ گیا جو خود بھی غم واندوہ کی تصویر بنے کھڑے تھے۔ کچھ دیر کے لیے تو میں بالکل گم سم سا ہو کر رہ گیا۔ ذہن کے سارے تار و پود بکھر کر رہ گئے۔ کلیجہ پھٹ گیا دماغ کا شیرازہ بکھر گیا سچ تو یہ ہے کہ ابھی ٹھیک سے کھڑا بھی نہ ہو پایا تھا کہ یکا یک جسم کی ساری توانائی سلب ہونے لگی شدت احساس سے کھڑا نہ رہ سکا تو زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ وقت کے لمحوں کی رفتار کے ساتھ ساتھ احساس شعور کی شہ رگ میں اور کساؤ پیدا ہونے لگا۔ جذبات کی سطح پر ایک ہنگامہ تھا جو بار بار مچل رہا تھا۔ ایک مقناطیسی طاقت تھی جو مجھے لمحہ بہ لمحہ تبدیل کرتی چلی جا رہی تھی گویا تصورات کا ایک نشتر تھا جو کلیجے کو پار کرتا چلا جا رہا تھا۔ کچھ دیر تک بہت کچھ سوچتا رہا۔ قوت حافظہ سب کچھ بھلا کر صرف ایک تصور میں ڈوب کر رہ گئی، بلکہ پورا وجود ہی ذہن کے محدود دائرے میں سمٹ کر رہ گیا۔ اب میری نظر تصور کے سامنے صرف اور صرف ایک ہی نقشہ تھا۔ حسن وکشش کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایک نحیف الجثہ مرد فقیہ کا بارعب چہرہ میری نگاہوں میں گھوم رہا تھا۔ نور برساتی ہوئی سفید داڑھی پر رحمت کے جلوے نظر آ رہے تھے۔ چمکتی ہوئی جبین نیاز پر ہمت واستقلال' اور صبر و رضا کا سورج اگتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ حقیقت شناس آنکھوں کا عجز و نیاز کی دولتیں لٹاتا ہوا منظر سامنے تھا۔ ایک ایسا سراپا جس پر خالق کائنات کی بے شمار مخلوق رشک کرے۔ گورا رنگ میانہ قد (مائل بہ لمبائی) چھریرا بدن، کشادہ بدن، پتلے ہونٹ، صاف شفاف چمکتے دانت، عمدہ اور نفیس چشمہ، لباس

میں وہ سادگی جس سے عالمانہ وقار پھوٹ پھوٹ کر برسے، ٹخنوں سے اونچے مغلیہ پانجامے پر گھٹنوں سے نیچا کرتا عام حالات میں اس پر درمیانہ قسم کی صدری اور خاص مواقع پر جبہ اور عمامہ شریف زیب سر زینت تصور بن رہا تھا کاندھے پر رومال اور ہاتھ میں سنبھلی عصا عالمانہ وقار کو اور دو چند کرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ نشست کا ایک مخصوص انداز، انداز گفتگو میں علمی جاہ وجلال کے ساتھ ساتھ تفکر آمیز نرمی، لبوں پر تبسم کی شفقانہ کرنیں، تصورات کی ایک مستقل کائنات تھی جس میں داخل ہو کر نکلنا شاید میں بھول گیا تھا۔ پھر نکلتا بھی کیوں؟

ان کا خیال ان کا تصور لیے ہوئے
بیٹھا ہوں کائنات کی دولت لیے ہوئے

اے فقیہ اعظم ہند! آپ کی بے مثال استقامت کو سلام، آپ کی اعلیٰ ہمتی کو سلام، آپ کی بلند اخلاقی کو سلام، آپ کی وسعت ظرفی کو سلام، آپ کی حق گوئی کو سلام، آپ کی شان استغنا کو سلام، آپ کی علمی عظمتوں کو سلام، آپ کی فقہی جلالتوں کو سلام، آپ کی فکری رفعتوں کو سلام، آپ کی بے پایاں قوت ارادی کو سلام، آپ کی تواضع وخاکساری کو سلام، آپ کی خردنوازی کو سلام، آپ کی ہر ہر ادا کو سلام، سلام، سلام۔

از: زاہد علی سنبھلی
استاذ ومفتی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

پھول وہ گلشن کا ٹوٹا جس سے ویرانی ہوئی

محب مکرم حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب　　　　السلام علیکم

لینز ساؤتھ افریقہ۔ ۱۱ر مئی بروز جمعرات صبح صادق کے وقت فون کی گھنٹی بجی، بیدار ہو کر گھڑی پر نگاہ ڈالی تو ٹھیک ۴ر بجے کا وقت تھا۔ دل دھڑکنے لگا اس وقت کس کا فون ہو سکتا ہے۔ فون کا ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف جامعہ قادریہ پونہ کے طالب علم عزیزم حافظ شمیم الدین سلمہ کا انڈیا سے فون تھا (اور اس وقت انڈیا میں صبح کے ساڑھے سات بج رہے تھے) اور وہ پوچھ رہے تھے، ''حضرت آپ کو خبر ملی؟'' میرے نفی کے جواب میں انھوں نے حضرت شارح بخاری فقیہ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی روح فرسا خبر سنا ہی دی جس کے تصور سے کلیجہ

پاش پاش ہوتا ہے۔ یہ خبر نہ تھی رنج وغم کی ایک بجلی تھی جو میرے دل وجگر کے ٹکڑے کر گئی۔

پھول وہ گلشن کا ٹوٹا جس سے ویرانی ہوئی

یہ خبر سن کر اپنی کم نصیبی پر رونا آ گیا کہ ان کے ظاہری فیوض وبرکات سے ہمیشہ کے لیے ہم محروم ہو گئے، میرے لیے حضرت شارح بخاری کیا تھے، اور ان کی کیا کیا عنایتیں اور نوازشیں میرے اوپر تھیں۔ اور میرے ہر تحریکی اقدام پر ان کے حکم ومشورے کی کیا قدر وقیمت تھی۔ اس کا اب اندازہ ہوا۔ حضرت کی حیات ظاہری میں اپنی عقیدت ومحبت اور تعلق کا اندازہ ہی نہ تھا۔ لیکن۔ اب احساس ہوتا ہے کہ میں نے کیا کھویا، اور کس کا سایۂ رحمت میرے سر سے دست قدرت نے اٹھا لیا۔ جشن شارح بخاری کے موقع پر حضرت سے فون پر گفتگو ہوئی تھی کیا خبر تھی یہ آخری گفتگو ہے۔ مسرت وانبساط کے اس یادگار موقع پر سعادت حاضری سے محرومی کا افسوس کیا تھا اور تکمیل شرح بخاری اور جشن شرح بخاری کی مبارک باد پیش کی تھی اور عرض کیا تھا کہ جلد ہی حاضر خدمت ہو کر تفصیلی مبارک باد پیش کروں گا لیکن ۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ذاتی طور پر حضرت سے ہر اہل عقیدت کو جس درجہ تعلق تھا اسی درجہ ہر ایک کے قلب نے اس الم ناک سانحہ کا اثر محسوس کیا ہوگا سعادت مند اولاد، محبت کرنے والے شاگرد، اساتذۂ الجامعۃ الاشرفیہ، عقیدت مند افراد، مریدان با مراد اور اہل قرابت پر غم کا جو پہاڑ ٹوٹا ہوگا ہر ایک کے قلبی صدمات، روحانی احساسات، غم انگیز جذبات کو اپنے غم کے آئینے میں بھی دیکھ سکتا ہوں اور یہ دور افتادہ فقیر اگرچہ ہزاروں میل کے فاصلے پر ہے مگر حضرت کے جنازے کے سارے مناظر چشم تصور میں سامنے لگ رہے تھے۔ اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ۔

جنازہ ہو کے آگے ساتھیوں سے اپنے کہتا ہے
چلے آؤ میرے پیچھے تمہارا رہنما ہوں میں

زمانۂ طالب علمی میں حضرت کے زیر سایہ رہ کر ناچیز نے حضرت کو بہت قریب سے دیکھا ہے، ان کے سینے میں مسلک اعلیٰ حضرت کی محبت سے لبریز وہ حساس اور دردمند دل تھا جو ہمیشہ دھڑکتا رہتا تھا۔ اہل سنت وجماعت کی خدمات سے جتنی محبت اور تڑپ میں نے

حضرت کی ذات مبارکہ میں دیکھی، اتنی دنیا گھوما لیکن وہ چیز ڈھونڈے نہیں ملتی۔ حافظ ملت کے لگائے ہوئے چمن الجامعۃ الاشرفیہ اور حافظ ملت سے حضور شارح بخاری کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا کئی بار حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر ان کو عجیب انداز حضوری کے ساتھ باریاب زیارت ہوتے میں نے دیکھا ہے۔ اور یہی محبت تھی کہ الجامعۃ الاشرفیہ میں تشریف آوری کے بعد وہ الجامعۃ الاشرفیہ ہی کے ہوکر رہ گئے۔ اور جب اس دار فانی سے جانے کا وقت آیا تو "جیسے جس کے لیے جاں اس پہ دیدی" کے مصداق الجامعۃ الاشرفیہ ہی میں نقد جاں نذر جاں آفریں کردی۔ افسوس کہ دنیائے سنیت کا وہ آفتاب ہمیشہ کے لیے ہم سے روپوش ہوگیا جس کا نعم البدل ہمیں اب نہ مل سکے گا۔

ایسے بھی ہیں کچھ لوگ کہ اٹھ جائیں چمن سے
تم ڈھونڈنے نکلوگے مگر پا نہ سکو گے

حضرت کے وصال کی خبر ملتے ہی ساؤتھ افریقہ کے تمام سنی علماو آرگنائزیشن کو ناچیز نے بذریعہ فون اطلاع کی۔ ساؤتھ افریقہ اور ہند و پاک کے جس عالم نے سنا دل تھام کے رہ گیا۔ جمعرات کا پورا دن اسی غم انگیز مصروفیت میں گزرا۔ اپنے مدرسہ جامعہ رضویہ لینز میں ناچیز نے نہایت تزک واحتشام سے قرآن خوانی وایصال ثواب کا اہتمام کیا، دوسرے روز جمعہ تھا۔ جمعہ کی تقریر میں ناچیز کا عنوان تقریر حضور شارح بخاری کی ذات گرامی اور ان کی خدمات تھیں، بعد نماز جمعہ ایصال ثواب کی محفل جامعہ رضویہ کی مسجد میں منعقد ہوئی۔ پھر رات کو بعد نماز عشا ذکر اللہ کے بعد ایصال ثواب کیا گیا۔

اس ملک ساؤتھ افریقہ میں جوہانس برگ سے کیپ ٹاؤن تک ڈربن سے لیڈی اسمتھ تک، پریٹوریا سے لینز تک متعدد مقامات پر ایصال ثواب کی محفلیں سجائی گئیں، خصوصیت سے جامعہ رضویہ لینز، رضا اکیڈمی ڈربن، دارالعلوم پریٹوریا، دارالعلوم قادریہ غریب نواز لیڈی اسمتھ، مدرسہ ومسجد حضرت سلطان جوہانس برگ، مدرسہ ہدایت الاسلام لینز میں حضرت شارح بخاری کے ایصال ثواب کی محفل منعقد کی گئی۔

از: نوشاد عالم مصباحی، ساؤتھ افریقہ

حضرت مولانا غلام ربانی فائق اعظمی

میں تو وارفتگیِ شوق میں منزل پہنچا
کارواں چھوٹ گیا مجھ سے کہاں، یاد نہیں (فائق)

گھوسی کی سرزمین ابھی فقیہ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی الم ناک جدائی پر ماتم کناں تھی کہ علامہ غلام ربانی فائق اعظمی کی جاں کاہ رحلت سے سر شام غموں کا اندھیرا چھا گیا، کسی عالم ربانی کی موت کوئی معمولی حادثہ نہیں۔ "موت العالم موت العالم" علمائے کرام علوم نبوت کے وارث ہوتے ہیں ان کی الم ناک جدائی سے اگر نظام عالم متاثر ہو جائے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے ہاں اگر قلوب بیگانۂ علم و معرفت ہیں تو ان کا ذکر ہی کیا۔

عالم کی موت کہتے ہیں عالم کی موت ہے
اپنے کیے پہ موت پشیماں ہے آج بھی

علامہ فائق القادری علیہ الرحمہ برسوں سے دار العلوم محبوب سبحانی کرلا ممبئی میں شیخ الحدیث تھے۔ ۱۱ راگست ۲۰۰۰ء کی شب میں دل کا دورہ پڑا مگر لڑکھڑا کے سنبھل گئے، سلسلۂ علاج جاری رہا، حیات مستعار کے ایام پورے ہو چکے تھے۔ قضا و قدر کے فیصلے کے سامنے نہ دوا نے کوئی کام کیا اور نہ دعا اثر انداز ہوئی۔ یہ مرض مرض الموت ثابت ہوا۔ ۲۸ راگست ۲۰۰۰ء ۸ ربج کر ۴۰ رمنٹ پر اس جہان فانی کو الوداع کہہ گئے۔ اس اندوہ ناک خبر سے ہر طرف غم انگیز لہر دوڑ گئی۔ ان کا دانش کدہ ماتم کدہ بن گیا۔ بروز پیر بعد نماز ظہر عروس البلاد ممبئی میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ موسلا دھار بارش کے باوجود ہزاروں فرزندان توحید اپنے عظیم پیشوا کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ دوسرے دن جنازہ بذریعہ طیارہ ان کے آبائی وطن گھوسی لایا گیا اور بہ شب نو بجے گھوسی میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اعزہ و اقارب اور اہل گھوسی کے علاوہ بڑی تعداد میں قرب و جوار کے علمائے کرام، طالبان علوم نبویہ اور قادری منزل کے شیدائیوں نے شرکت

فرمائی اور بہ صد حسرت وغم انھیں سپرد خاک کیا گیا۔ آہ وہ بلند ہمت "مرد مومن" بے چون وچرا موت کے آغوش میں سو گیا جو زندگی میں کبھی موت سے نہیں گھبرایا۔ یہ انھیں کا شعر ہے ؎

مرد مومن ہوں بھلا موت سے ڈر جاؤں گا
نور بن کر دل ظلمت میں اتر جاؤں گا

گھڑپ دیوجی بڑی مسجد ممبئی کی بلڈنگ میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے "دفتر برائے رابطہ عامہ" کا افتتاح تھا۔ مبارک پور سے علما ومشائخ کے ساتھ میں بھی ممبئی پہنچا تھا۔ شاہراہ عام پر عظیم الشان جشن کا اجلاس عام ہوا، جامعہ کی آواز پر ممبئی کے علما ومشائخ کی اکثریت جلوہ گر تھی، لگتا تھا زمین پر علم ودانش کی کہکشاں اتر آئی ہے، اسی اجلاس میں مولانا امجد علی مصباحی اور مولانا قمر الحسن مصباحی (حال مقیم امریکہ) نے دار العلوم محبوب سبحانی آنے کی دعوت دی، دار العلوم پہنچنے کا یہ میرا پہلا اتفاق تھا میرے ساتھ مولانا محمد نعیم الدین عزیزی بھی تھے اکثر اساتذہ شناسا تھے، مسجد کے وسیع ہال میں چند درس گاہیں لگی ہوئی تھیں، ٹھیک محراب ومنبر کے درمیان ایک نمایاں درس گاہ تھی تینوں طرف طلبہ بڑی بڑی کتابیں لیے بیٹھے تھے غالباً بخاری شریف رہی ہوگی اور ایک سفید ریش بزرگ مکمل انہماک، بھرپور طمانیت اور علمی جولانیت کے ساتھ درس دینے میں مصروف تھے۔ طلبہ کے چہروں کی بشاشت بتا رہی تھی کہ پڑھا نہیں رہے تھے پلا رہے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ دار العلوم کے شیخ الحدیث علامہ غلام ربانی فائق القادری اعظمی مصباحی ہیں۔

متوسط قد وقامت، دوھان پان سا بدن، نکھرا ہوا رنگ، ستواں چہرہ، پیشانی پر نور کا ترکا تبسم ریز پتلے لب، پرنور آنکھیں، دھیمی خوئی، کم گوئی عادت، سادگی وسنجیدگی کے پیکر، عالمانہ جلالت پر عبادت وپرہیزگاری کے آثار نمایاں۔ یہ تھا ان سے پہلی ملاقات کا تاثر جو آج تک دل ودماغ میں تازہ ہے۔ پھر ان سے بار بار ملاقات کے مواقع ملے مگر وہ شاعرانہ فکر ومزاج کے باوجود کم آمیز واقع ہوئے تھے اس لیے نہ میں ان سے بے تکلف ہو سکا اور نہ کبھی کسی موضوع پر ان سے تفصیلی گفتگو کر سکا۔ جب بھی ملاقات ہوتی خیر خیریت کے رسمی جملوں پر بات تمام ہو جاتی اور سچ بات یہ ہے کہ میں انھیں ایک صوفی منش باکمال مدرس ہی سمجھتا تھا اس لیے ان سے کسی ادبی، شعری اور تحریکی عنوان پر گفتگو کرنے کا داعیہ ہی پیدا نہیں ہوا۔ یہ راز تو نبیرۂ صدر الشریعہ مولانا فیضان المصطفیٰ قادری

مصباحی کی عنایت سے بعد از مرگ کھلا کہ وہ عالم ربانی محض درس گاہی قیل وقال کا شہسوار اور فقہ وحدیث کا شناور نہ تھا بلکہ شعروادب کی دنیا کا بھی باکمال فن کار تھا ان کے مجموعہ کلام کی ڈائری کی زیارت سے آنکھیں فرط مسرت سے پرنور ہو گئیں اور دل ودماغ ورطہ حیرت میں ڈوب گئے۔ میرا خیال ہے کہ وہ نعت وغزل کا جتنا عظیم شاعر تھا اتنا ہی گم نام تھا ان کی غزل گوئی کے سوزوساز پر عالمانہ جلالت اور زاہدانہ پارسائی کے اتنے دبیز پردے پڑے رہے کہ ان کا شاعرانہ فن کبھی آشکارا نہ ہوسکا۔

اس گم نامی میں ان کے بے نیازانہ مزاج اور شہرت طلبی سے اجتناب کا بھی بڑا دخل ہے۔ اگر ان کا کوئی فرزند وتلمیذ ان کے نعت وغزل کے مجموعے جدید طرز پر مرتب کر کے شائع کردے تو گلستان شعروسخن میں بوے مشک بار کا ایک تازہ جھونکا آئے گا جس کی عطر بیز خوشبوؤں سے ارباب علم ودانش کی مشام جاں برسوں معطر رہے گی۔ اور خود علامہ مرحوم عالمانہ فضل وکمال کے ساتھ ایک عظیم شاعر کی حیثیت سے ہمیشہ یاد کیے جاتے رہیں گے۔

امروہہ ضلع مرادآباد کی ایک انتہائی قدیم تاریخی آبادی ہے۔ اس سرزمین سے ایک سے ایک اہل کمال اٹھے اور علم وعمل اور فکروفن کی بلندیوں پر پہنچ کر شہرۂ آفاق ہو گئے۔ مولانا غلام ربانی کا آبائی وطن گھوسی ضلع مئو تھا مگر ان کی پیدائش یکم جولائی ۱۹۳۶ء میں امروہہ میں ہوئی، دراصل ان دنوں ان کے والد گرامی تلمیذ صدر الشریعہ شیخ العلما حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ مدرسہ حنفیہ امروہہ میں استاذ تھے اور وہیں پر اپنے اہل وعیال کے ساتھ بودوباش اختیار کیے ہوے تھے اس لیے مولانا غلام ربانی پہلے مرادآبادی ہیں اور پھر اعظمی۔ علم کی آغوش میں پرورش پائی، درس گاہی ماحول میں شعور کی آنکھیں کھولیں، خاندان کا موروثی ماحول بھی دین ودانش کی برکتوں سے سرشار تھا۔ اس طرح دینی فکروشعور ان کی گھٹی میں شامل تھا جس کے سرور سے وہ زندگی بھر مسرور رہے۔

ابتدائی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کی، درس نظامی کی اکثر کتابیں اپنے والد ماجد شیخ العلما حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ سے پڑھیں۔ حصول علم کے لیے ملک کی جن درس گاہوں میں مقیم رہے ان میں احسن المدارس کان پور، دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف، مدرسہ برکاتیہ مارہرہ شریف، اور دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد ہیں۔ آپ ۱۳ر شوال ۱۳۶۶ھ میں بعمر ۱۲ر سال دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے تھے لیکن ۱۹ر ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ میں کسی

وجہ سے دارالعلوم چھوڑ گئے، پھر مذکورہ درس گاہوں میں حصول علم کے بعد ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ میں بعمر ۱۸ سال دوسری بار دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے۔

حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی اور دیگر اساتذہ علوم وفنون سے خوب خوب اکتساب فیض کیا اور اسی درس گاہ میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد ۱۰ شعبان ۱۳۷۵ھ میں تاج فضیلت سے سرفراز کیے گئے۔ حضرت حافظ ملت ان پر حد درجہ شفقت فرماتے ۔انہیں بھی اپنے آقائے نعمت اور مشفق استاذ گرامی سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ ۱۳۹۶ھ ر ۱۹۷۶ء میں جب حضور حافظ ملت کا وصال ہوا تو آپ نے ۱۸ بند پر مشتمل بہ زبان فارسی ایک دردانگیز منقبت نظم فرمائی تھی اس منقبت میں زبان وبیان کی شگفتگی اور برجستگی کے ساتھ جس کمال فن کے ساتھ حافظ ملت کے علوم ومعارف، فضائل وکمالات اور افکار وخدمات کے موجزن سمندر کو کوزے میں سمویا ہے یہ انہیں کے فکر وقلم کا حصہ ہے۔ چند بند ذیل میں پڑھیے ۔

بلبل رنگیں نوا تو غنچہ اندر چمن	پئے تبلیغ نثار اندر جہاں مشک ختن
یک صدائے روح فرسا اندر آمد گوش من	الوداع شد یک محدث صدر بزم علم وفن
یک نگار گلستاں شرع بودی خوش نظر	تو کہ از باغ طریقت بودہ یک شاخ تر
تو کہ بودی گلستاں امجدی را دیدہ ور	تو کہ بودی رونق گلزار امجد سربہ سر
تو کہ کردی اہل سنت را مکمل آرزو	خواب ملت را ہمیں تعبیر دیدم ہو بہو
شہر علم وفن دریں جا کردہ آباد تو	شہرت آفاق یابد در جہان رنگ وبو
دعوتم از فضل خود مقبول کن اے کردگار	از طفیل رحمت عالم رسول ذی وقار
بارش غفران ورحمت بر مزار او ببار	خطہ ویراں کہ کردہ علم وفن را یک دیار
ما نمی بینم اکنوں راحت دل را سبیل	مرضی مولیٰ ہمیں شد در مشیت کہ دخیل

خستہ دل فائق نہ بیند ما سوا صبر جمیل
صبر بخشد مومناں ریش را رب جلیل

حضرت مولانا غلام ربانی علیہ الرحمہ نے فراغت کے بعد سے زندگی کی آخری سانس تک ایک متبحر اور بافیض استاذ کی حیثیت سے تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور مختلف اوقات میں ہندوستان کی درج ذیل درس گاہوں میں تعلیم وتربیت کی نمایاں خدمات انجام دیں۔

(۱) مدرسہ بحرالعلوم بہیڑی ضلع بریلی شریف (۲) مدرسہ اظہارالعلوم برہان پور (۳) مدرسہ فیض العلوم جمشید پور بہار (۴) مدرسہ اسلامیہ تاڑیزی آندھرا پردیش (۵) دارالعلوم معین الاسلام تھام بھڑوچ گجرات (۶) دارالعلوم اہل سنت غوثیہ ہبلی کرناٹک (۷) مدرسہ نورالاسلام منڈا ضلع بستی یوپی (۸) دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی (۹) مدرسہ حنفیہ غوثیہ بنارس (بحیثیت صدر مدرس) (۱۰) دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا ممبئی (بحیثیت شیخ الحدیث)

ان مدارس پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے۔ اور ملک کے بیشتر علاقوں میں دین و دانش کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

آپ ایک سنجیدہ خطیب اور مصلح واعظ کی حیثیت سے بھی دعوت و تبلیغ کی خدمت انجام دیتے تھے۔ تدریس کے لیے ملک کے جس حصے میں پہنچے تو آپ کا فیضان علم صرف درس گاہ تک محدود نہ رہا بلکہ علاقے بھر میں اصلاح فکر و عمل کی گراں قدر خدمات انجام دیتے رہے۔ عام جلسوں اور کانفرنسوں میں بھی مدعو کیے جاتے تھے گزشتہ برس یکم دسمبر ۱۹۹۹ء میں ہبلی کرناٹک میں منعقد آل انڈیا امام احمد رضا کانفرنس میں بھی ان کی زیارت ہوئی تھی غالباً وہ میری ان سے آخری ملاقات تھی۔ ان کا فیضان علم ملک بھر میں برسا جہاں پہنچے ان کے نور علم سے تاریکیاں کافور ہوتی گئیں۔

جہاں بھی جائے گا یہ روشنی لٹائے گا
کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

حضرت صدرالشریعہ بدرالطریقہ علامہ شاہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ والرضوان سے آپ کو شرف بیعت حاصل تھا۔ صدرالشریعہ آپ سے حد درجہ محبت فرماتے تھے۔ صدرالشریعہ کی دختر نیک اختر آپ کے عقد میں تھیں جو بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں۔ تقویٰ شعار فاضلہ ان دنوں "کلیۃ البنات الامجدیہ" میں صدر المعلمات ہیں درس نظامی کی اعلیٰ کتابیں پڑھاتی ہیں۔ دامت برکاتہن العالیہ۔ مرحوم کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں جا کر حضرت صدرالشریعہ کے سلسلۂ نسب میں مل جاتا ہے۔ خلافت و اجازت شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا بریلوی اور مارہرہ مطہرہ کے احسن العلماء حضرت سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں برکاتی قدس سرہ سے حاصل تھیں۔ ۱۳۹۸ھ میں والد ماجد حضرت شیخ العلماء کے وصال کے بعد جانشین

کی حیثیت سے آپ کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ دوبار حج وزیارت کی دولت سے بھی شرف یاب ہوئے، پہلا حج ۱۹۹۳ء میں کیا اور دوسرا ۱۹۹۸ء میں دوسرے سفر میں عراق وغیرہ کے مقامات مقدسہ کی زیارتیں بھی فرمائیں۔ آپ نے سفر نامہ حج وزیارت بھی قلم بند فرمایا ہے، جو ابھی غیر مطبوع ہے۔ پس ماندگان میں زوجہ محترمہ، دو فرزند اور چار صاحب زادیاں ہیں۔

ترجمہ کرنا ایک مستقل فن اور وقت طلب کام ہے ایک قالب کا قلب نکال کر دوسرے قالب میں ڈالنا ہوتا ہے دو زبانوں پر بیک وقت یکساں دسترس کی ضرورت ہوتی ہے ہر زبان کا اپنا ایک اسلوب ہوتا ہے اپنے استعارات اور محاورے ہوتے ہیں ایک زبان کے محاورے کے لیے دوسری زبان کے محاورے کو تلاش کرنے یا محاورے کی روح متاثر ہوئے بغیر دوسری زبان میں ترجمانی کرنے کے لیے زبان وبیان پر مکمل دسترس درکار ہوتی ہے۔ مولانا غلام ربانی صاحب ایک کامیاب مترجم تھے انھوں نے عربی اور فارسی کی متعدد کتابوں کے ترجمے کیے ہیں۔ جن کی فہرست حسب ذیل ہے:

(۱) الادب المفرد (۲) لوائح جامی (۳) مجانی الادب (۴) مثنوی مولانا روم

شاعر کی حیثیت سے آپ نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی فرمائی ہے۔ حمد نعت، منقبت، نظم، غزل، قطعات ان کے کلام کی متعدد ڈائریاں ہیں ان کی ابتدائی دور کی ایک ڈائری اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ اس میں چند نعتیں ہیں اکثر حصہ غزلیات پر مشتمل ہے۔ وہ ترقی پسند شاعر نہیں تھے اور نہ ان کی شاعری ترقی پسند تحریک سے متاثر نظر آتی ہے۔ ان کی غزلوں میں میرؔ اور غالبؔ کی غزلوں کا انعکاس بھرپور نظر آتا ہے۔ جب درد دل میں ڈوب کر بربط عشق پر جلوہ جاناں کا ذکر چھیڑتے ہیں تو کائنات کی دل کش رنگینیاں ان کے گرد دست بستہ کھڑی نظر آتی ہیں۔ ان کی غزلوں کے یہ چند اشعار دیکھیے ؎

گیسو بر ہم یوں لہرائے	ابر بہاراں جیسے چھائے
ٹھنڈے ٹھنڈے زلف کے سائے	قافلہ غم کا سو نہ جائے
صحن چمن میں برق کی زد پر	ہم نے نشیمن کتنے بنائے
ٹھنڈی ہوائیں بھیگا موسم	ایسے میں پھر یاد نہ آئے
حسن تبسم کی کرتوں سے	چاند لجائے اور شرمائے

ہم نے پائی درد کی لذت　　　　در سے ترے محروم نہ آئے
غم کی کہانی اپنی فائق
کون سنے اور کون سنائے

غزل کے وسیع کینوس میں ان کے عشق کی خودداریوں کا تیور ملاحظہ کیجیے ۔

عشق کی خودداریوں سے ہم بہت مجبور ہیں
ورنہ یوں تو آپ سے دامن کشا کوئی نہیں

مٹا کر مجھے خوش نہ ہوائے ستم گر　　　　بہت یاد آئیں گی میری وفائیں
غم گساروں سے مرے کوئی بھی احساں نہ ہوا　　　　ہائے وہ اشک جو منت کش داماں نہ ہوا
آپ کی ذات گرامی پہ نہ حرف آجائے　　　　ایک دیوانہ کبھی چاک گریباں نہ ہوا

ان کی نعتیہ شاعری میں عشق رسول کی فراوانی کے ساتھ صالح فکر و اعتقاد کی ترجمانی اتنی موثر اور واضح ہے کہ ان کی نعتوں کے سادہ سے سادہ اشعار بھی قارئین کے دلوں پر دستک دیے بغیر نہیں رہتے ۔ اور دعویٰ ودلیل سے خالی نظر نہیں آتا ۔ ان کا یہ شعر دیکھیے ۔

آزادیٔ محشر کی سند ڈھونڈنے والو
یہ دیکھو مرے ہاتھ میں دامانِ نبی ہے

کتنی سلاست وبرجستگی ہے ، سرور کائنات کے اختیارات وکمالات کے موج زن سمندر کو چھوٹی بحر کے کوزے میں کتنی شاعرانہ سلیقہ مندی سے اتارا گیا ہے ۔ اس کی ایک جھلک ذیل کی نعت میں دیکھیے ۔

فرشِ گیتی عرشِ اعظم　　　　اف رے نبوت کی پہنائی
علم لدنی علم نبی کا　　　　غیب کی ہر اک بات بتائی
پھٹ گیا سینہ چاند کا فائق
ان کی انگلی جب لہرائی

دعا ہے مولیٰ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔ بجاہ سید المرسلین ۔

(ماہ نامہ اشرفیہ نومبر ۲۰۰۰ء)

آہ! مفتی سخاوت علی بستوی بھی نہ رہے

الجامعۃ الاشرفیہ کے قدیم فارغ التحصیل حضور حافظ ملت کے عزیز ترین شاگرد عالم باعمل حضرت علامہ سخاوت علی مصباحی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت مرحوم عارضہ قلب میں مبتلا تھے، سلسلہ علاج جاری تھا، اچانک مرض نے شدت اختیار کر لی اور ۹ر ستمبر ۲۰۰۰ء کو اس دار فانی کو الوداع کہا، نماز جنازہ دوسرے دن رات میں ساڑھے گیارہ بجے حضرت مفتی رفیق احمد مصباحی مرادآبادی صاحب کی اقتدا میں ادا کی گئی۔ اور بصد حسرت وغم سپرد خاک کیا گیا۔

نماز جنازہ میں کثیر تعداد میں عوام، علمائے کرام اور مدارس اسلامیہ کے طلبہ نے شرکت کی جس میں مولانا توکل حسین مصباحی، مولانا سید اولاد رسول مصباحی، مفتی عبد الرحیم اور عارف نسیم خان وزیر خوراک (مہاراشٹر) وغیرہ کے اسما قابل ذکر ہیں۔

مرحوم انتہائی نیک سیرت بلند اخلاق اور باصلاحیت عالم دین تھے، برسوں تک تدریسی خدمات انجام دیں، قلم کار بھی تھے، آپ کی ایک کتاب "حیاۃ الموتیٰ" کے نام سے مقبول انام ہے۔ دوران تدریس رسائل وجرائد کے لیے مضامین بھی لکھتے رہتے تھے، ادھر برسوں سے ممبئی میں تجارت سے وابستہ تھے۔ آپ کی اولاد میں مولانا وسیم احمد مصباحی اشرفیہ کے فاضل ہیں جو ساؤتھ افریقہ میں تدریس وتبلیغ کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حضرت مفتی سخاوت علی علیہ الرحمہ تجارت کی مصروفیات کے باوجود پچاس ساٹھ کی تعداد میں ہر ماہ "ماہ نامہ اشرفیہ" منگاتے تھے اور علاقے بھر میں تقسیم کراتے تھے۔ یہ ان کی اشرفیہ نوازی اور خدمت دین کا بے لوث عمل تھا۔ راقم سطور سے بارہا ملاقات ہوئی، ملاقات کے وقت ماہ نامہ اشرفیہ کے لیے کوئی نہ کوئی مشورہ ضرور دیتے تھے۔

حضرت کے انتقال کی خبر جیسے ہی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں پہنچی تو یہاں غم و اندوہ کی لہر دوڑ گئی۔ فوراً قرآن خوانی اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔ اور تعزیتی نشست منعقد ہوئی جس میں مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ مولیٰ تعالیٰ حضرت کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ (آمین) (ماہ نامہ اشرفیہ نومبر ۲۰۰۰ء)

وہ حادثات جو میری نظر سے گزرے ہیں

۵؍نومبر ۲۰۰۰ء کو ٹھیک سات بجے شام مبارک پور کے بھرے بازار میں بیک وقت مختلف مقامات پر بم پھٹے۔ وحشت ناک آوازیں گونجیں، بھگدڑ مچی، اور پھر ہر طرف ہاؤ ہو کا سناٹا چھا گیا۔ کچھ دیر بعد خبر ملی گیارہ جانیں تلف ہو گئیں۔ یہ شیعہ دیوبندی اختلافات کا بھیانک نتیجہ تھا۔ اس فساد میں اہل سنت وجماعت قطعاً شریک نہیں تھے لیکن ان میں تین افراد اہل سنت وجماعت کے بھی شہید ہو گئے، خدا جانے وہ قاتلوں کا نشانہ بنے یا بم کی زد میں آگئے۔ مرحومین کے نام اس طرح ہیں: (۱) محمد عبد المطلب علی نگر، (۲) محمد آفتاب عالم پرانی بستی، (۳) اور فرید الدین لال چوک۔ ان تینوں کے حادثہ جانکاہ سے پوری جماعت غم زدہ ہے۔ مگر اکثریت کے باوجود صبر وشکر پر قانع ہے اور انشاء اللہ رہے گی، ہم بارگاہ ایزدی میں دعا کناں ہیں مولیٰ تعالیٰ ان تینوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر وشکر کی توفیق خیر عطا فرمائے، آمین۔ مسلکی اختلافات کے نتیجے میں مبارک پور میں جو قیامت خیز حالات پیدا ہو گئے ہیں۔ ان حالات کا ملک بھر میں چرچا ہے۔ اور ہر طرف درد وغم کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ مسلکی اختلافات کے نتیجے میں قتل وغارت گری کی سرحدوں سے گزر جانا بدترین طرز فکر وعمل ہے۔ اس انسانیت سوز روش پر سنجیدہ طبقوں میں بڑی تھو تھو ہو رہی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اس میں غیروں کا ہاتھ ہے تو اس میں سوال یہ ہے کہ کسی کو غیروں کے ہاتھ کا کھلونا بننے کی کیا ضرورت ہے۔ ادھر ایک ہی برس کے اندر کئی بار حالات بگڑے۔ جانیں گئیں اور پورے مبارک پور کی معیشت تباہ ہوئی، اگر باہم تعاون ومشاورت کے ذریعہ اس وحشت گردی کے سلسلہ کو نہ روکا گیا تو مستقبل کے سماجی ومعاشی حالات بہت برے ہوں گے۔ اور مبارک پور کے آگے بڑھتے ہوئے قدم برسوں پیچھے چلے جائیں گے۔

قریب پندرہ روز تک مسلسل شب و روز کرفیو جاری رہا اور اب ایک ماہ سے بھی زائد کا عرصہ گزر رہا ہے مگر رات کا کرفیو باقی ہے۔ ان حالات میں ہمیں اس وضاحت کی ضرورت نہیں کہ نومبر/دسمبر ۲۰۰۰ء کے شمارے آپ تک کیوں تاخیر سے پہنچے۔ بفضلہ تعالیٰ جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ وطلبہ ہر طرح محفوظ و مامون رہے اور سالانہ امتحان سے فراغت کے بعد تمام بیرونی حضرات بصحت وسلامتی اپنے اپنے وطن پہنچ گئے۔ ادارہ حسب روایت ۹ رشوال المکرم کو کھل جائے گا ہاں یہ بات ضرور پیش نظر ہے کہ مسلسل کرفیو کی وجہ سے اہل مبارک پور کی معیشت متاثر ہوئی ہے اس کے اثرات اس ماہ مبارک کی وصولیابی پر بھی پڑیں گے۔ اس لیے ہم اپنے جامعہ کے بیرونی معاونین سے مخلصانہ گزارش کریں گے۔ کہ جامعہ کے تحفظ و بقا اور تعمیر و ترقی کے لیے ہر ممکن تعاون فرمائیں۔ اور اہل خیر حضرات کو بھی بہ طور خاص متوجہ فرمائیں۔

(ماہ نامہ اشرفیہ، دسمبر ۲۰۰۰ء)

مولانا محمد حنیف قادری بھی نہ رہے

ہم لوگ مبارک پور میں کرفیو کی مہربانی سے تقریباً نظر بند تھے اور اخبار کی تلاش میں ہاتھ پیر مار رہے تھے ۹ رنومبر ۲۰۰۰ء کا سہارا اردو ہاتھ لگا الٹتے پلٹتے جب نظر اس خبر پر پڑی ''مولانا حنیف قادری سپرد خاک'' تو بیک لخت ایک سکتہ سا طاری ہو گیا اور بے ساختہ زبان پر کلمات استرجاع جاری ہو گئے۔

حضرت مولانا محمد حنیف قادری مصباحی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے قابل فخر فرزندوں میں تھے۔ انھوں نے ٹیچر ایسوسی ایشن مدارس عربیہ اتر پردیش کے صدر اور روح رواں کی حیثیت سے جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں انھیں مدارس عربیہ کی تاریخ میں بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا، اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ وہ مدارس عربیہ کے حوالے سے ہندوستانی قوانین کی رگ رگ سے واقف تھے۔ کہنے کو تو وہ صرف مولانا تھے مگر گفتگو کے وقت بڑے بڑے آفیسروں کے چھکے چھڑا دیتے تھے۔ مدارس عربیہ کے تعلق سے ان کے سامنے اگر کوئی مسئلہ چھڑ جاتا تو اس کے ایک ایک پہلو پر بے تکان بحث کرتے چلے جاتے، لگتا کہ آج اس رخ پر خاص تیاری کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ خود میں نے انھیں جب بھی دیکھا تو دو چار علما کے درمیان وقف گفتگو پایا۔ کبھی مدارس کے الحاق وغیرہ کے تعلق سے لوگوں کے سوالات کے جواب دے رہے ہیں، کبھی مدارس پر حکومت کی بدنیتی سے نقاب کشائی کر رہے ہیں، کبھی مدارس کی صلاح وفلاح کے لیے مشورے دیے جا رہے ہیں، علامہ مرحوم ہماری جماعت کے نڈر، بلند ہمت اور پر عزم قائد تھے جو غیروں کی محفل میں بھی اپنی شناخت برقرار رکھتے بلکہ سب پر چھائے رہتے، بار بار دیکھا گیا کہ غیروں کی محفل میں اپنے گوناگوں اوصاف کی وجہ سے اس طرح حاوی ہوتے کہ وہ محفل انھیں کی محفل نظر آتی۔

بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، وسیع النظری، بلند خیالی، خوش خلقی، عبادت گزاری

اور پرہیز گاری ان کی خوبیوں کے نمایاں کردار تھے، وہ صرف تعمیری فکر و مزاج ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ عملی دنیا میں بھی کام کی مشین نظر آتے تھے، وہ بجلیوں کی زد پر آشیانوں پر آشیانہ بنانے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ ان کی رحلت سے مدارس اہل سنت میں عظیم خلا محسوس کیا جارہا ہے۔ آپ ۱۹۸۳ء سے دارالعلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا ضلع بستی میں تدریسی اور انتظامی خدمات انجام دے رہے تھے۔ آپ کے دم قدم سے اس ادارہ کی تعمیر و ترقی اور شہرت و ناموری میں خوب اضافہ ہوا۔ اور ۸/نومبر ۲۰۰۰ء کو آپ کے سفر آخرت کی آخری رسوم بھی اسی ادارہ کے وسیع صحن میں ادا کی گئیں، تین بج کر ۳۰/منٹ پر نماز ادا کی گئی۔ اخباری نمائندوں کے اندازوں کے مطابق بارہ ہزار افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی، ان میں خاصی تعداد علمائے کرام اور طالبان علوم نبویہ کی بھی تھی، دارالعلوم تنویر الاسلام کے شیخ الحدیث پیر طریقت حضرت علامہ شاہ صوفی نظام الدین قادری برکاتی مصباحی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور دارالعلوم ہی کے ایک گوشے میں مرحوم کو سپرد خاک کیا گیا۔ مولیٰ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور جماعت اہل سنت کو غیب سے ان کا بدل عطا فرمائے آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔

حضرت مولانا محمد حنیف قادری علیہ الرحمہ ضلع بستی کی شہرۂ آفاق آبادی براؤں شریف میں جولائی ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مکتب فیض الرسول براؤں شریف اور مدرسہ عزیز العلوم نانپارہ میں حاصل کی، اس کے بعد شیخ المشائخ شاہ محمد یار علی علیہ الرحمہ کے حکم پر ۱۹۵۰ء میں دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے۔ والد ماجد کے وصال کی وجہ سے درمیان میں دو سال مدرسہ انجمن معین الاسلام پرانی بستی میں گزارے اور پھر ۱۹۵۵ء میں حضرت حافظ ملت شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ کے سایہ کرم میں پہنچ گئے۔ اور پورے ذوق و شوق کے ساتھ حصول علم اور کسب کمال میں مصروف ہو گئے۔ دوران تعلیم حضرت حافظ ملت اور دیگر اساتذۂ اشرفیہ کی نوازشات کا مرکز توجہ بنے رہے۔ دارالعلوم اشرفیہ میں "انجمن اہل سنت و اشرفی دارالمطالعہ" کے نام سے طلبہ کی عظیم لائبریری ہے۔ اس میں عربی، فارسی اور اردو میں مختلف علوم و فنون کی ہزاروں کتابیں ہیں اور بہت سے علمی نوادرات اور قلمی مخطوطے بھی ہیں۔ اس کا سارا نظم و نسق اساتذہ کی نگرانی میں طلبہ کے ہاتھوں میں رہتا ہے۔ معتمد طلبہ کو لائبریری کی ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں

۔حضرت مولانا محمد حنیف قادری حضرت حافظ ملت کے حکم سے اپنے عہد طالب علمی میں ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۰ء تک اس دارالمطالعہ کے لائبریرین بھی رہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرحوم اپنے عہد طالب علمی ہی سے انتظامی صلاحیتوں کے حامل تھے اور تجربات ومشاہدات نے انھیں ٹیچر ایسوسی ایشن مدارس عربیہ اتر پردیش کے منصب صدارت تک پہنچادیا۔

۱۹۶۰ء میں آپ نے دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور سے دستار فضیلت اور سند فراغ حاصل کی،مولانا قادری صاحب نے مکمل آٹھ برس تک حضور حافظ ملت کے زیر سایہ تعلیم وتربیت حاصل کی اور فیضان کرم اور نوازش پیہم کا یہ سلسلہ حضور حافظ ملت کی زندگی کے آخری لمحات تک باقی رہا۔بقول ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی"حافظ ملت آپ کی اصابت رائے کے بہت مداح تھے یہی وجہ ہے کہ جب حافظ ملت کوالجامعۃ الاشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ کے عہدے پر مامور کیا گیا تو آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ الجامعۃ اشرفیہ کا دستور مرتب فرمایا اور اسے رجسٹریشن کرایا۔قادری صاحب دستور اساسی کی ترتیب وتدوین اور رجسٹریشن کرانے کے سلسلہ میں حافظ ملت کے مشاورتی بورڈ کے ایک فرد تھے۔"(تذکرہ علمائے بستی،ص:۱۰۱)

حضرت مولانا محمد حنیف قادری علیہ الرحمہ نے فراغت کے بعد دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف میں تدریسی خدمات کا آغاز کیا اور برسوں تک دارالعلوم میں تدریسی اور تعمیری خدمات انجام دیں،دارالعلوم فیض الرسول کی تعمیر وترقی میں جو نمایاں اور بلند پایہ کردار ادا کیا ہے وہ تاریخ دارالعلوم میں ہمیشہ یادرکھا جائے گا۔

(ماہنامہ اشرفیہ،دسمبر ۲۰۰۰ء)

تحریک اشرفیہ کا ایک اور مخلص خلد آشیاں ہو گیا

بڑے دکھ کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ بروز شنبہ بعد نماز مغرب ۲ رذیقعدہ ۱۴۲۱ھ ۲۷ رجنوری ۲۰۰۱ء کو خادم دین وملت الحاج عبدالحکیم عزیزی بناری انتقال فرما گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اس خاکدان گیتی میں ہر روز کتنے نفوس پیدا ہوتے ہیں اور کتنے لوگ یہ دنیا چھوڑ جاتے ہیں، یہ سلسلۂ آمدرفت حضرت آدم علیہ السلام سے اب تک جاری ہے اور صبح قیامت تک جاری رہے گا۔ ہر صبح نئی زندگی کا مژدہ سناتی ہے اور ہر شام موت کا پیغام دیتی ہے۔ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ "کل نفس ذائقة الموت." جب وقت اجل آتا ہے تو ایک لمحے کا بھی چھٹکارا نہیں ملتا "اذا جاء اجلهم لا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون." حضرت یعقوب علیہ السلام کے حوالے سے یہ روایت ملتی ہے کہ ایک بار انھوں نے ملک الموت سے ارشاد فرمایا کہ جب میرا وقت اجل قریب آجائے اور تم میری روح قبض کرنے کا ارادہ کرو تو مجھے قبل از وقت خبر دینا۔ ملک الموت نے کہا ٹھیک ہے میں آپ کے پاس دو یا تین قاصد بھیجوں گا۔ جب ان کی موت کا وقت قریب آگیا تو ان کے پاس موت کا فرشتہ آیا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا! آپ ملاقات کے لیے آئے ہیں یا میری روح قبض کرنے کے لیے۔؟ "جواب ملا آپ کی روح قبض کرنے کے لیے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا آپ نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارے پاس دو یا تین قاصد بھیجوں گا۔ ملک الموت نے کہا۔ میں اپنے قاصد بھیج چکا ہوں۔ پہلا قاصد آپ کے سیاہ بالوں کا سفید ہونا تھا۔ دوسرا قاصد آپ کے طاقتور بدن کا کمزور ہونا تھا اور تیسرا قاصد آپ کے سرونما سید ھے جسم کا جھک جانا تھا۔ (ارشاد العباد للاستعداد لیوم المعاد، ص: ۸)

ہمارے حاجی صاحب مرحوم کے پاس بھی تینوں قاصد یکے بعد دیگرے آچکے تھے عمر بھی ۷۰ ربرس کے لگ بھگ تھی۔ لیکن بلند قامت کسیلے بدن میں ہمیشہ جوانوں کی طرح

متحرک وفعال رہتے تھے۔ ہاں گزشتہ چند ماہ کے مسلسل امراض نے ان کی ساری تاب وتوانائی ختم کردی تھی مگر پھر بھی پرعزم اور بلند حوصلہ نظر آتے تھے۔

بلاشبہہ موت کا ایک دن مقرر ہے گردشِ لیل ونہار اور بدلتے احوال چیخ چیخ کر متنبہ کرتے رہتے ہیں، لیکن جسے دیکھو آخرت سے بے پرواہ ہوکر اپنی دنیا ہی سجانے میں لگا ہے، گویا کہ اسے کبھی مرنا ہی نہیں ہے۔ ہر دن کتنے جنازے نگاہوں کے سامنے اٹھتے ہیں، مرنے والوں کے نام ونشان مٹ جاتے ہیں، اولاد صالح ہے تو گاہے بگاہے ایصال ثواب کردیا جاتا ہے ورنہ عام روایات کے مطابق رو دھو کر بھلا دیا جاتا ہے۔ مگر کچھ لوگ اپنی نکوکاری اور جاں گسل دینی اور تبلیغی خدمات کی یادیں چھوڑ جاتے ہیں وہ بارگاہِ الٰہی میں بھی اجرِ حسن اور جزائے خیر کے مستحق ہوتے ہیں اور اس جہانِ فانی میں بھی ان کے ذکر خیر کے سلسلے باقی رہتے ہیں۔ الحاج عبد الحکیم عزیزی مرحوم بھی دین وملت کے زندہ دل اور سچے خادم تھے۔ وہ کوئی عالم وفاضل نہ تھے لیکن علمائے کرام سے بے لوث محبت فرماتے تھے، اور علمائے کرام بھی انھیں دل سے چاہتے تھے، ان کا سب سے نمایاں اور بے مثال وصف حضور حافظ ملت اور ان کی ہمہ گیر تحریک سے والہانہ لگاؤ تھا جو عشقِ جنوں خیز کی حدوں میں داخل ہو گیا تھا۔ وہ صرف اپنے مرشدِ گرامی حضور حافظ ملت ہی سے محبت نہیں کرتے تھے بلکہ ان سے نسبت رکھنے والے اہلِ خاندان، اعزہ واقارب اور تلامذہ ومریدین سے بھی بڑے چاؤ سے ملتے تھے اور ان کی ملاقات وخدمت کو اپنی سعادت مندی سمجھتے تھے۔ وہ اپنے پیر کی ہر چیز سے بے لوث وبے غرض محبت کرتے تھے۔

یادش بخیر ان سے میری پہلی ملاقات ۱۹؍اکتوبر ۱۹۸۹ء میں بھوجپور ضلع مرادآباد میں ہوئی تھی، وہ اس طرح ٹوٹ کر ملے تھے گویا کہ برسوں کی ملاقات تھی، پھر اس دن سے زندگی کی آخری سانس تک ان کی نوازش ومحبت کا سلسلہ برابر تازہ دم رہا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ اس دوران ان کی کسی تقریب میں شریک نہیں رہا ہوں ہر سال بڑے اہتمام سے گیارہویں شریف کا اہتمام فرماتے، اکثر علمائے بنارس کو مدعو کرتے۔ مبارک پور سے حضور عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ اور یہ خادم بلاناغہ شریک ہوتے، حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ بھی ہر سال تشریف لے جاتے تھے۔ گاہے گاہے دیگر علمائے اشرفیہ کو بھی مدعو کرتے تھے۔

کسی شخص کے اخلاص عمل اور بے لوث محبت کا صحیح اندازہ کرنا ہو تو چند روز اس کے ساتھ قیام کرلیا جائے یا کبھی ہم سفر ہو لیا جائے۔ راقم متعدد بار سفر و حضر میں حاجی صاحب کے ساتھ رہا، میں نے ہر موڑ پر انھیں سراپا اخلاص اور بے کراں محبت کا پیکر پایا۔ ایک بار ہانگل شریف کرناٹک میں حضرت پیر سید مقبول شاہ کشمیری کے عرس کے موقع پر ہم سفر رہنے کا اتفاق ہوا، مجھے اراکین عرس نے حاجی صاحب مرحوم ہی کے توسط سے خصوصی خطیب کی حیثیت سے مدعو کیا تھا قریب ایک ہفتہ تک سفر و حضر میں ساتھ رہا، ہانگل شریف میں محب اشرفیہ عالی جناب ابوالحسن مکاندار کے دولت کدے پر قیام تھا، دونوں میں بڑے گہرے مراسم تھے، جامعہ اشرفیہ اور ماہنامہ اشرفیہ کی شیدائیت وفدائیت دونوں میں قدر مشترک تھی، اسی محبت کو نبھانے کے لیے مرحوم برسوں تک اپنے عزیز دوست ابوالحسن مکاندار کے پاس عرس مقبولی میں شرکت کے بہانے جاتے رہے۔ جناب ابوالحسن مکاندار بھی کرناٹک کی سرزمین پر دوسرے حاجی عبدالحکیم عزیزی ہیں اللہ تعالیٰ انھیں تادیر سلامت رکھے۔

ایک بار رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری دامت برکاتہم العالیہ کے حکم پر سلطان الہند خواجہ غریب نواز کانفرنس جمشید پور بہار میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، اس وقت بھی حاجی صاحب مرحوم شریک سفر تھے، جمشید پور کے عزیزی برادران انھیں ہاتھوں ہاتھ لیے پھرتے گویا کہ وہ ان کے پیر کی کوئی انمول نشانی ہوں، حاجی صاحب اپنی عزیزی نسبت پر زندگی بھر نازاں و فرحاں رہے اور وہ اپنے اس تصور میں حق بجانب تھے۔

ہمارے حاجی صاحب نے بہت سی دینی خدمات انجام دیں مگر ان کا سب سے اہم کارنامہ ماہ نامہ اشرفیہ کی توسیع اشاعت تھا۔ آج سے قریب پچیس برس پہلے جب ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کا اجرا ہوا تو اپنے پیر کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے اس کی دس کا پیاں بنارس لے گئے تھے۔ پھر وہ دن ہے اور آج کا دن ہے انھوں نے کبھی پیچھے مڑ کر دیکھا ہی نہیں، درمیان میں بہت سے مدوجزر آئے، حالات کا رخ بدلا مگر اس مرد مجاہد کی نظر ہمیشہ کے لیے اپنے مرشد گرامی کے مشن پر رہی وہ کپڑے کے تاجر تھے۔ دال منڈی بنارس کے مرکزی مقام پر ان کی دوکان تھی مگر کپڑے کا کام ان کے صاحبزادگان سنبھالتے تھے اور ان کی حد تک ان کی دوکان بیچ اشرفیہ کا دفتر بنی رہتی تھی، شاید ہی ان کی دوکان کا کوئی دیرینہ مسلم خریدار ہو جسے انھوں نے ماہنامہ اشرفیہ

کا ممبر نہ بنالیا ہو بلکہ سچائی تو یہ ہے کہ ممبر بنانے کے لیے وہ ہمیشہ مناسب موقع کی تلاش میں رہتے اور کوئی غنیمت موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، ان دنوں ان کے یہاں لگ بھگ ساڑھے پانچ سو کی تعداد میں ماہنامہ اشرفیہ جاتا تھا جسے وہ اپنے احباب و متعلقین کے تعاون سے بنارس بھر کے ممبروں میں تقسیم کراتے تھے یہ ان کا وہ عظیم کارنامہ ہے جسے تاریخ اشرفیہ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، کسی تحریک کے تعاون کے لیے زبانی جمع خرچ آسان ہے۔ دولت مند آدمی کے لیے یک بارگی زیادہ رقم پیش کر دینا بھی آسان ہے لیکن اس محنت و لگن اور ولولہ و ترنگ کے ساتھ مسلسل پچیس برس تک تگ و دو اور بے لوث خدمت کرنا معمولی دل گردے کا کام نہیں۔

وہ بجائے خود بڑے ملنسار، خوش اخلاق اور نیک سیرت تھے، فرزندان اشرفیہ اور عزیزی برادران سے ان کے تعلقات و روابط کا خاص دائرہ تھا بلکہ ملک بھر میں شیدائیان حافظ ملت کے درمیان متعارف اور مثالی نمونہ تھے، ہم لوگ جب کسی کو ماہنامہ کی توسیع اشاعت کے لیے متوجہ کرتے تو بطور مثال بنارس والے حاجی صاحب کو پیش کرتے۔ ہم لوگ اپنے ماحول میں انہیں بنارس والے حاجی صاحب کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اتنا کہنے سے تمام اساتذہ اشرفیہ اور اہل مبارک پور سمجھ لیتے تھے کہ مراد کون ہیں۔ ساڑھے پانچ سو رسائل کی رقم وصول کرنا اور وہ بھی ایک دن نہیں بلکہ سال کے بارہ مہینے اور مہینے کے تیسوں دن کسی کی ممبری جنوری میں ختم ہو رہی ہے اور کسی کی اگست میں کوئی آج دے رہا ہے اور کسی نے کل دینے کے لیے بلایا ہے۔ اس کام کی مشکلات کا اندازہ عام لوگوں کو نہیں ہو سکتا مگر کام کرنے والے اس کی پیچیدگیوں سے واقف ہوں گے، مگر کیا مجال کبھی حساب و کتاب میں ژولیدگی پیدا ہو جائے، ہر چیز آئینے کی طرح بے داغ بلکہ بعض اوقات تو دفتر اشرفیہ کے حساب کی اصلاح کرتے اور کارکنندگان پر مخلصانہ انداز میں بگڑ بھی جاتے۔ جب وہ اپنے آنے کی اطلاع دفتر میں دیتے تو میں مولانا محبوب عزیزی وغیرہ ماہنامہ اشرفیہ کے اسٹاف سے کہہ دیتا، ہوشیار ہو جایئے! شکایتوں کا دفتر لے کر حاجی صاحب آنے والے ہیں۔ مگر پورا اسٹاف ان کی ایک ایک بات کو خندہ پیشانی سے سنتا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ چند ماہ سے خاصے کمزور ہو گئے تھے مولانا محبوب صاحب کو بنارس بلا کر وصولیابی کی کافی رقم بھی سونپی تھی۔ انہوں نے اپنی بلند اخلاقی اور پیہم جد و جہد سے بہت سے شریک کار بھی پیدا کر

لیے تھے جو رسائل کی تقسیم میں ان کی کافی مدد کرتے۔ حاجی ابرار عزیزی صاحب ان کے برسوں سے مدد و معاون تھے، ان کے معاونین نے ان کے کاموں کی جانشینی کے لیے پیش قدمی کی ہے ہمیں یقین ہے کہ بنارس کی سرزمین پر ماہنامہ اشرفیہ کی تقسیم و توسیع کا سلسلہ حسب سابق روز افزوں رہے گا۔ مگر الحاج عبدالحکیم عزیزی مرحوم کی یادیں ہمیشہ تازہ رہیں گی۔

انتقال کی خبر پاکر ۲۸ر جنوری ۲۰۰۱ء کی صبح میں ایک قافلہ مبارکپور سے بنارس پہنچا اس قافلے میں علامہ محمد احمد مصباحی صدرالمدرسین جامعہ اشرفیہ، صوفی نظام الدین صاحب صدر انتظامیہ، مفتی بدر عالم مصباحی، نبیرہ حافظ ملت مولانا نعیم الدین عزیزی، مولانا زاہد علی سلامی، مولانا اعجاز احمد مصباحی اور یہ راقم سطور تھا، حضرت عزیز ملت قبلہ ۲۵ر جنوری کو کراچی کے لیے روانہ ہو چکے تھے اور ۵ر فروری کو مبارک پور واپس آئے، اس لیے جنازے میں ان کی شرکت نہ ہو سکی، نماز ظہر کے بعد قریب تین بجے نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جنازہ میں بنارس اور قرب و جوار کے کافی لوگوں نے شرکت کی، بنارس کے اکثر مدارس اہل سنت کے اساتذہ و ذمہ داران تھے۔ علمائے کرام کی بڑی تعداد تھی، نہ سب سے ملاقات ہو سکی نہ سب کے نام یاد رہے۔ ان میں مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب، مولانا رجب علی بلرام پوری اور مولانا ذکی اللہ بناری وغیرہ بھی تھے۔ نماز جنازہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب نے پڑھائی۔ اور بہ صد حسرت و غم انہیں بیری کلاں قبرستان بنارس میں سپرد خاک کیا گیا۔

دعا ہے مولیٰ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اہل و عیال کو صبر و شکر کی توفیق بخشے آمین۔

(ماہنامہ اشرفیہ، فروری ۲۰۰۱ء)

فن تجوید وقراءت کا آخری دانائے راز

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۴ر اگست ۲۰۰۱ء بروز سہ شنبہ بوقت ایک بج کر چالیس منٹ پر استاذ القرا حضرت مولانا قاری ومقری احمد ضیا ازہری علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. فن تجوید وقراءت کی ترویج واشاعت میں ان کا اور ان کے باپ دادا کا بڑا تاریخی کردار رہا ہے۔ مرحوم اس فن میں اپنے مورثان اعلیٰ کے حقیقی جانشین اور آخری دانائے راز تھے، وہ صرف پدرم سلطان بود کے ہی اعزازی منصب پر فائز نہیں تھے بلکہ خود اس فن کے درخشاں آفتاب اور ماہ تاباں تھے۔ انھوں نے اس علمی میدان میں اپنی آبائی وراثتوں کا تحفظ بھی کیا اور ان میں چار چاند بھی لگائے۔ آہ! فن تجوید وقرأت کی وہ شمع فروزاں گل ہوگئی جس کی ضیاپاشیوں سے مدارس اسلامیہ میں چراغاں تھا۔ اب اس نامور خاندان میں اس فن کا کوئی وارث نہ رہا۔

داغ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی　　　اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

زندگی کے دن پورے ہوجاتے ہیں تو اسی قسم کے اسباب بھی بن جاتے ہیں ورنہ ان کا کاروان حیات ابھی بھرپور توانائی اور ولولہ انگیزی کے ساتھ رواں دواں تھا، کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ علم وفن کا یہ مہر درخشاں اتنی جلد روپوش ہوجائے گا۔ محب گرامی قدر قاری صابر علی صاحب نے لکھنؤ سے ان کے رحلت کی افسوس ناک خبر دی تو اساتذہ اشرفیہ سکتے میں رہ گئے۔ بعد نماز مغرب عزیز المساجد میں قرآن خوانی اور دعا خوانی کا اہتمام کیا گیا، ایصال ثواب کے بعد رقت انگیز ماحول میں دعائے مغفرت کی گئی۔

فن تجوید وقرأت:- اس عہد میں فن تجوید وقراءت کے ماہرین کا قحط الرجال ہے۔ مدارس اسلامیہ کی کثرت کے باوجود فن کار قراء خال خال نظر آتے ہیں۔ حالاں کہ اسلام میں اس فن کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن عظیم کا صحیح پڑھنا اس فن پر موقوف ہے۔ لیکن آج

کل مدارس میں اس فن کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ گئی ہے، ارباب حل وعقد اس کی تعلیم وترغیب پہ کما حقہ توجہ نہیں دیتے جس کی وجہ سے درس نظامی کے طلبہ بھی اس کی تحصیل کو شغل زائد ہی تصور کرتے ہیں۔ حالاں کہ اس فن کی اہمیت کا تقاضہ ہے کہ درس نظامی کے دیگر فنون کی طرح کم از کم روایت حفص اور صحت ادائیگی کو لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل نصاب رکھا جائے۔ مدارس میں اس فن سے عام بے اعتنائی کا نتیجہ ہے کہ آج بڑے بڑے علما مخارج، صفات اور اوقاف کی رعایت کے مطابق پڑھنے سے عاجز نظر آتے ہیں۔ استاذ القرا حضرت قاری احمد ضیا ازہری علیہ الرحمہ اپنے ایک مضمون میں اس فن کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان اللہ یحب ان یقرأ القرآن کما انزل۔" بلاشبہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن اس طرح پڑھا جائے جس طرح نازل کیا گیا، اور قاریان قرآن کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "افضلکم من تعلم القرآن وعلمہ۔ تم میں وہ لوگ بہتر ہیں جنھوں نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔ قرآن عظیم لا محدود فضائل اور اکمل الکمالات کا جامع ہے۔ جہاں جمیع احکامات قرآنیہ پر عمل لازم ہے۔ انہیں احکامات میں سے "ورتل القرآن ترتیلا" بھی وارد ہے قرآن ترتیل کے ساتھ پڑھو۔ رب تعالیٰ نے قرآن کی تلاوت کے لیے ترتیل کو شرط قرار دیا ہے۔ یوں تو ترتیل عام فہم لفظ ہے، لیکن علمی اصطلاحات کے اعتبار سے ترتیل کے ضمن میں مستقل کئی علوم کے شرائط منسلک ہیں یعنی ترتیل کے دو اجزا تجوید الحروف، معرفۃ الوقوف، انہیں دونوں اجزا سے علم تجوید، علم وقف، علم رسم خط قرآن اور علم قراءت کی جانکاری ہوتی ہے۔ کیوں کہ قرآن کا ترتیل سے پڑھنا انہیں علوم اربعہ کے جاننے پر موقوف ہے۔''

حضرت استاذ القراء اپنی تصنیف جامع القرأت میں فن قرأت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''علم قراءت کی مستقلاً دو حیثیت ہیں ایک قرأت سبعہ دوسرے قرأت عشرہ لیکن چوں کہ کبھی روایت پر بھی قراءت کا اطلاق ہوتا ہے اس

وجہ سے تحصیل قراءت کے تین درجے ہیں۔ چناں چہ قاری کی تکمیل انھیں درجات کے مطابق ہوتی ہے۔ پہلا درجہ قراءت حفص، دوسرا درجہ قراءت سبعہ، تیسرا درجہ قراءت عشرہ۔ اور تلاوت کے لیے کسی نہ کسی روایت کی پابندی ضروری ہے ورنہ کلام اللہ موافق نزول کے نہ پڑھا جا سکے گا۔ نیز اگر کلام اللہ پڑھنے والا کسی ایک روایت کی بھی پابندی نہیں کرتا ہے تو قراء کے نزدیک اس کی قراءت معتبر نہ ہوگی۔ (ملخصاً جامع القرآت ص ۳ تا ۷)

خاک ہند میں تجوید و قراءت کی ترویج و اشاعت: غیر منقسم ہندوستان کے آخری دور میں فن تجوید و قرأت کی ترویج و اشاعت میں حضرت استاذ المجودین قاری عبدالرحمن الہ آبادی اور ان کے تلامذہ نے کلیدی اور تاریخی کردار ادا کیا۔ استاذ القراء حضرت مولانا قاری عبدالرحمن پانی پتی اور ان کے قابل افتخار تلامذہ نے بھی وقیع خدمات انجام دیں۔ قاری احمد ضیا ازہری رقم طراز ہیں:

> ''ہندوستان میں اس فن کا آغاز اہتماماً چودہویں صدی ہجری میں شیخ الشیوخ علامہ قاری عبدالرحمن مکی سے ہوا۔ یوں تو آپ سے قبل بھی پانی پت، حیدر آباد وغیرہ میں کچھ لوگ مشق کراتے تھے، لیکن اس فن کو نہایت ہی دشوار اور لاممکن الحصول سمجھتے تھے اور یوں کہتے تھے تجوید و قرا.ت بہت ہی عمیق فن ہے اس فن کو بیسوں سال میں بھی حاصل نہیں کر سکتے، اسی بنا پر ذہنی اور علمی میلان اس فن کی طرف نہ تھا''۔

قاری عبدالرحمن کے والد گرامی حاجی بشیر صاحب ۱۸۵۷ء کے رستاخیز حالات سے متاثر ہو کر اپنے اہل و عیال کے ساتھ مکہ مکرمہ ہجرت فرما گئے تھے۔ حاجی بشیر صاحب کے چار بیٹے تھے قاری عبداللہ صاحب، قاری نور محمد صاحب، قاری حبیب الرحمن صاحب اور قاری عبدالرحمن صاحب چاروں نے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں فن تجوید و قراءت کی تکمیل کی، حضرت قاری عبداللہ صاحب مدرسہ صولتیہ کے اولین فارغین میں سے تھے اور بعد فراغت مدرسہ صولتیہ میں ہی تدریسی خدمات پر مامور ہو گئے۔ حضرت قاری عبدالرحمن صاحب نے فن تجوید و قراءت میں زیادہ تر استفادہ اپنے برادر مکرم قاری عبداللہ صاحب سے کیا، قاری عبد

الرحمن صاحب کے پاس قراءت کی نادر سند بھی تھی جو انہیں حضرت مولانا محمد غازی (م ۱۳۰۴ھ) نے عطا فرمائی تھی اس سند کی خصوصیت یہ تھی کہ مولانا قاری محمد غازی اور نبی کریم ﷺ کے درمیان گیارہ واسطے تھے۔ دراصل اس سند میں ایک طویل العمر صحابی جن تھے۔

۱۳۳۹ھ میں حضرت قاری عبداللہ علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد قاری عبدالرحمن صاحب جب حج وزیارت کے لیے تشریف لے گئے تو دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اسی مبارک سرزمین پر قیام کرنا چاہیے، خواب میں حضور ﷺ نے ہندوستان جانے اور خدمت قراءت انجام دینے کا حکم دیا۔ آپ اشارہ مصطفی ﷺ پا کر ہندوستان تشریف لائے اور عرصہ دراز تک مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد اپنے تلمیذ رشید مولانا قاری محبوب علی صاحب کے اصرار پر مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ تشریف لائے اور طالبان علوم نبویہ کو تجوید وقراءت کے ابلتے ہوئے چشمے سے سیراب کرتے رہے یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ برصغیر میں فن تجوید وقراءت کی جو بہاریں نظر آرہی ہیں یہ قاری عبدالرحمن اور ان کے یگانہ روزگار تلامذہ کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔

آپ نے اس فن میں گراں قدر تصانیف بھی تحریر فرمائیں، فن رسم خط قرآنی میں بہ زبان عربی "الفضل الدرر المعروف به الدرر العقيلة في شرح متن العقيلة" بڑی اہم تصنیف ہے اور دوسری مشہور ترین کتاب ''فوائد مکیہ'' ہے جو مدارس اسلامیہ میں آج بھی داخل نصاب ہے اور اپنے موضوع پر آج بھی بے مثال ہے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے چند اہم نام حسب ذیل ہیں۔ حضرت استاذ القراء قاری ضیاء الدین صاحب، قاری عبدالوحید الہ آبادی، قاری عبداللہ مرادآبادی، قاری محبوب علی، قاری عبدالمالک علی گڑھی، قاری حفیظ الرحمن پرتاپ گڑھی۔ قاری عبدالرحمن وغیرہم۔ ۵۰ برس تک تجوید وقراءت کی خدمت انجام دی اور ستر سال سے زائد عمر میں ۶ رجمادی الاولی ۱۳۴۱ھ میں بہ وقت عشا وصال فرمایا آپ کا مرقد انور وزیر باغ لکھنؤ کے قبرستان میں ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

قاری احمد ضیا ازہری کے آباے کرام کی نمایاں خدمات : حضرت مولانا قاری احمد ضیا ازہری علیہ الرحمہ کے جد امجد مرجع المجودین حضرت مولانا قاری ضیاء الدین علیہ الرحمہ قاری عبدالرحمن صاحب کے تلمیذ رشید تھے، قاری ضیاء الدین صاحب نے اس میدان میں بڑی وقیع اور گرانقدر خدمات انجام دیں، آپ نے اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں درج ذیل

اداروں میں علم وفن کے دریا بہائے اور متلاشیان علم کو خوب خوب سیراب کیا۔(۱) مدرسہ عربیہ جامع مسجد امروہہ (۲) تجوید الفرقان سہارن پور (۳) مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ (۴) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (۵) مدرسہ سبحانیہ الہ آباد، آپ کی تصانیف میں خلاصۃ البیان (عربی) اور ضیاء القرأت (اردو) شہرہ آفاق ہیں ضیاء القرأت برصغیر کے تمام مکاتب فکر کے شعبہ ہائے قراءت میں داخل نصاب ہے۔آپ کا تدریسی فیضان بھی خوب پھلا پھولا۔اور فن تجوید وقراءت کے فروغ وارتقا میں آپ کے تلامذہ نے گرانقدر کارنامے انجام دیئے۔

حضرت قاری ضیاء الدین صاحب کے تلامذہ میں ان کے لخت جگر اور تلمیذ حضرت قاری محب الدین علیہ الرحمہ نیر تاباں کی حیثیت رکھتے تھے۔آپ نے پوری زندگی علم قراءت کی ترویج واشاعت میں صرف فرمادی ان کا علمی فیضان ہندستان کی درسگاہوں میں جاری ہے حضرت مولانا قاری احمد ضیا ازہری انہیں کے فرزند ارجمند اور ان کے علم وفضل کے حقیقی وارث تھے۔قاری ازہری صاحب اپنے والد بزرگ وار کی علمی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مخدوم القراء قاری محب الدین علیہ الرحمہ الولد سر لابیہ کے حقیقی مصداق تھے،آپ عرصہ دراز تک مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں شیخ التجوید والقرأت رہے،آپ خالصۃ لوجہ اللہ قرآن کی خدمت میں مصروف رہے اور اس فن کے پیاسوں کی پیاس بجھاتے رہے۔آپ نے چند کتابیں تصنیف فرمائیں،جس میں کاشف الابهام، ضياء الارشادفي تحقيق الضاد، تنوير المرات، جامع الوقف، معرفته الوقوف، تحفة المبتدى ، معرفته الر سوم اور ضياء البرهان فى الجواب على خط القرآن وغیرہ اہم ہیں۔مذکورہ کتب میں بیشتر داخل نصاب ہیں۔"

حضرت قاری عبدالرحمن کے بعد حضرت قاری احمد ضیاء ازہری علیہ الرحمہ کے آبائے کرام نے فن تجوید وقراءت کے علمی میدان میں انتہائی وقیع اور گرانقدر خدمات انجام دیں۔ہندستان کی شاید ہی کوئی درسگاہ ہو جہاں شعبہ قراءت میں ان کی تدریسی اور تصنیفی فیضان کے ضیاباریاں نہ ہوں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ہو کہ بریلی شریف، ندوہ ہو کہ دارالعلوم دیوبند، مرکز الثقافۃ السنیۃ کیرلا ہو کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ہر جگہ اسی خاندان کے چشمہ شیریں

کی نہریں جاری ہیں۔ ہزار مسلکی تعصبات کے باوجود فن تجوید وقراءت میں اس خاندان کی علمی بالادستی قائم رہی اور ہر مکتب فکر کے اہل طلب ان کی شاگردی پر فخر کرتے رہے۔ مگر افسوس اب اس خاندان میں کوئی ان کا علمی جانشین نہ رہا۔ اگر چہ تلامذہ کی کثیر تعداد کے ذریعہ ان کا علمی فیضان آج بھی ابر باراں کی طرح برس رہا ہے۔ قاری محبّ الدین صاحب ۱۰ ارشوال المکرم ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء کو دہلی میں جاں بحق ہوئے اور دہلی میں ہی مدفون ہوئے۔

قاری احمد ضیا ازہری کی حیات وخدمات پر ایک نظر: راقم السطور

جب جامعہ فاروقیہ عزیز العلوم بھوجپور ضلع مراد آباد میں درس نظامی کے ساتھ قراءت حفص پڑھ رہا تھا تو استاذ گرامی قاری علی حسین صاحب دام ظلہ العالی قاری احمد ضیا ازہری کے تبحر علمی کا تذکرہ فرماتے تھے۔ ہماری جماعت گیارہ افراد پر مشتمل تھی جن میں دو حافظ نہیں تھے باقی ہم نو طالب علم حافظ قرآن تھے اسی لیے تجوید ومشق پر خوب محنت کرتے اور استاذ گرامی بھی بڑے شوق وولولہ سے پڑھاتے، ہماری جماعت پر انہیں ناز تھا اور اس دور کے ساتھیوں میں اکثر افراد بفضلہ تعالیٰ مختلف مدارس میں تجوید وقراءت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ پھر جب میں دار العلوم اشرفیہ میں آیا تو سالانہ امتحان کے موقع پر قاری احمد ضیا ازہری علیہ الرحمہ کی زیارت ہوئی تو دل فرط مسرت سے جھوم اٹھا، گورا رنگ، گول چہرہ، کشادہ پیشانی، میانہ قد، سفید لباس، ہاتھ میں تولیہ ،لبوں پہ پان کی سرخی ہمہ دم تروتازہ اور خوش وخرم، نہ علمی ہمہمہ، نہ خاندانی طمطنہ اور نہ ریاکارانہ مصنوعی اتار چڑھاؤ، ہر چھوٹے بڑے کے سامنے انتہائی متواضع اور منکسر المزاج نظر آتے۔ ہاں اکل وشرب میں شاہانہ مزاج رکھتے تھے۔ جب اشرفیہ تشریف لائے تو دودھ، بالائی انڈے، مکھن حسب خواہش پیش کیے جاتے اور ایسا صرف دوسروں کے دسترخوان پر نہیں بلکہ گھر پر اپنے ذاتی دسترخوان کا بھی یہ عالم رہتا تھا مبارک پوری گاجر کا حلوہ بہت مشہور ہے اگر چہ وہ ذیابطیس کے مریض تھے اور میٹھے سے پرہیز بھی کرتے تھے لیکن مبارک پور آنے کے بعد گاجر کا حلوہ ضرور تناول فرماتے اور حلوہ کھا کر تلخی سے بلاشکر کی چائے طلب فرماتے۔

ع　　رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔

حضرت قاری ازہری میاں علیہ الرحمہ الجامعۃ الاشرفیہ سے خصوصی لگاؤ رکھتے تھے برسوں سے سالانہ امتحان لینے آرہے تھے اور یہاں کے شعبہ قراءت سے کافی حد تک مطمئن تھے

،ان کے والد گرامی حضرت قاری محب الدین علیہ الرحمہ اور بانی جامعہ حضرت حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی کے درمیان بڑے گہرے روابط تھے۔ اگر قاری صاحب کو معلوم ہو جاتا کہ حضرت حافظ ملت لکھنؤ ٹرین سے گزرنے والے ہیں تو اسٹیشن پر ملاقات کے لیے تشریف لے آتے، حضرت حافظ ملت بھی ان کے فکروفن کے حد درجہ مداح تھے، اپنے چھوٹے بیٹے قاری غلام عبدالقادر جیلانی مدظلہ العالی کو تجوید وقراءت کی تعلیم کے لیے ان کے سپرد کیا تھا۔

حضرت مولانا قاری احمد ضیا ازہری کی پیدائش ۱۹۳۴ء میں یوپی کے مشہور شہر الہ آباد میں ہوئی ،شعور کی آنکھیں کھولیں تو گھر میں تجوید وقراءت کی نور افشانیاں ملاحظہ فرمائیں ،مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں اپنے جد امجد علامہ قاری ضیاء الدین اور والد بزرگ وار علامہ قاری محب الدین رحمہ اللہ تعالیٰ سے حفظ قرآن ،تجوید وقراءت اور دیگر علوم فنون کی تکمیل فرمائی ،اور ۱۹۶۰ء میں سند فراغت حاصل کی ،مدرسہ سبحانیہ الہ آباد سے فراغت کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے عالم اسلام کی شہرہ آفاق یونیورسٹی جامع ازہر مصر تشریف لے گئے اور ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۵ء تک عربی زبان وادب میں کمال حاصل کر کے اپنے وطن واپس ہوئے اور اپنی خاندانی روایات کا احترام کرتے ہوئے فن تجوید وقراءت کے علمی میدان کو اختیار کیا اور اپنے والد گرامی کے زیر سایہ مدرسہ تجوید الفرقان لکھنؤ میں تدریسی خدمت کا آغاز کیا۔

حضرت علامہ قاری احمد ضیا ازہری اپنے ایک مضمون میں فروغ دین ودانش اور تجوید وقراءت کی ترویج وشاعت کے لیے اپنے قلبی جذبات سپرد قلم کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''شیخنا المکرم والمحترم کے وصال کے بعد راقم (احمد ضیا ازہری) بھی اپنے آبائے کرام واجداد عظام کی سنتوں پر عمل پیرا رہا اور الحمد للہ آج بھی اس پر گامزن ہے اور مولیٰ تعالیٰ کی بارگاہ سے یہی امید لگائے بیٹھا ہے کہ دم میں جب تک دم ہے خدمتِ قرآن سے مشرف ہوتا رہے۔ یہ بتانے کی قطعی ضرورت نہیں کہ اس راہ میں کن مصائب وآلام سے دوچار ہونا پڑا اور کتنی مشقتوں کے بعد کامیابی کی منزل ملی بس اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ''

حضرت قاری احمد ضیا ازہری صاحب نے اپنی زندگی میں ملک کی مختلف درس گاہوں میں

تدریسی خدمات انجام دیں، محلہ پاٹا نالہ شہر لکھنؤ میں "مرکزی دار القراءت" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ کافی عرصہ تک اسی ادارہ میں طالبان علوم نبویہ کو سیراب کیا۔ اس کے بعد دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا بستی، دار العلوم وارثیہ لکھنؤ، دار العلوم اشرفیہ کچھوچھہ شریف، اور جامعۃ القرا لکھنؤ میں گراں قدر تدریسی خدمات انجام دیں اور بفضلہٖ تعالیٰ خوب خوب علمی فیضان عام ہوا۔ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد لکھنؤ بھی آپ کی زیر سرپرستی قائم ہوا، اور روز افزوں ترقی پزیر ہے۔

قاری صاحب کے تلامذہ کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ چند مشاہیر کے نام حسب ذیل ہیں:

قاری یوسف عزیزی بانی جامعۃ القراء لکھنؤ، قاری شاہ روم، قاری ابوالحسن شیخ التجوید جامعہ اشرفیہ مبارک پور، قاری عتیق شیخ التجوید مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، قاری صبغۃ اللہ شیخ التجوید مدرسہ تجوید الفرقان لکھنؤ، قاری غلام غوث الوریٰ، قاری شعیب رائے پوری، قاری اسلم ربانی دیناج پوری وغیرہم۔

آپ نے روایت حفص اور قراءت سبعہ پر کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، پہلی کتاب جامعۃ القراءت ہے اس میں قراءت سبعہ کے اصول اختلافات کا ذکر سہل ترین انداز میں کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اردو زبان میں ہونے کی وجہ سے شاطبیہ اور التیسیر سے قبل طلبہ کے لیے انتہائی مفید ہے۔ جامع القراءت کے حوالے سے استاذ القرا حضرت علامہ قاری محب الدین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"میں نے جامع القراءت کو من اولہ الیٰ اخرہ دیکھا، بزبان اردو ایسی کتاب کی سخت ضرورت تھی جس میں غیر عربی داں قراءت سبعہ کے مسائل سے بآسانی واقف ہوسکیں، کیوں کہ در اصل قاری ہونا علم قرأت حاصل کرنے پر موقوف ہے تا وقتیکہ علم تجوید، علم وقف علم رسم القرآن کے ساتھ علم قراءت نہ جانے، کوئی مکمل قاری نہیں ہوسکتا ہے۔ الحمد للہ اس کمی کو نور چشمی قاری احمد ضیا ازہری سلمہ نے بہ حسن وخوبی پورا کردیا۔" (تقریظ بر جامع القراءت)

بیش تر درس گاہوں میں یہ کتاب داخل نصاب ہے حضرت استاذ القرا قاری احمد جمال قادری مصباحی نے اس پر گراں قدر حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے

کہ اس کتاب کو قبول عام حاصل ہو چکا ہے۔

آپ کی دوسری تصنیف "ضیاء الترتیل" ہے اس کتاب کو بھی ارباب فن نے اپنی تقاریظ سے سرفراز فرمایا ہے۔ حضرت قاری محب الدین علیہ الرحمہ نے بھی گراں قدر تاثرات سپرد قلم فرمائے ہیں، حضرت مولانا قاری حکیم خواجہ شمس الدین لکھنوی ضیاء الترتیل پر اپنے تاثرات میں رقم طراز ہیں:

> ''ماشاء اللہ اس کتاب کی سخت ضرورت تھی حضرت قاری صاحب نے اس ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ حضرت قاری صاحب ابھی شباب کی منزل سے گزر رہے ہیں، لیکن وسعتِ علم و نظر و استحضار مسائل میں اساتذہ کہن سال تک پہنچ گئے ہیں''۔

آپ کی تیسری اور اہم کتاب "التعرف باجراء القرآن علی سبعة احرف" ہے جو ابھی زیر طبع ہے۔

حضرت قاری احمد ضیا صاحب نے فن تجوید و قراءت کے فروغ و ارتقا میں جو آفاقی خدمات انجام دیں ہیں انھیں خدمت قرآن کی تاریخ میں زریں حروف سے لکھا جائے گا اور اسلامی درس گاہوں میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اور انشاء اللہ خدمت قرآن کے صلے میں عند اللہ بھی ان کا مقام بہت بلند ہوگا۔

۱۵/ اگست ۲۰۰۱ء کو ان کی نماز جنازہ لکھنؤ کے وسیع گراؤنڈ میں ادا کی گئی، نماز جنازہ میں ہزاروں کی تعداد میں علما قرا اور عوام نے شرکت کی اور بہ صد حسرت و غم اسیہ مئو راجاجی، پورم قبرستان لکھنؤ میں سپرد خاک کیا گیا۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی پس ماندگان میں اہلیہ، برادران اور دیگر اعزہ ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کی جانب سے مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا زاہد علی سلامی نے نماز جنازہ میں شرکت فرمائی تھی ان دونوں اساتذہ اشرفیہ نے حضرت قاری صاحب کے تعلق سے بہت ساری معلومات فراہم کیں، مولیٰ تعالیٰ حضرت علامہ قاری احمد ضیا ازہری علیہ الرحمہ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے، آمین۔ بجاہ سید المرسلین.

(ماہ نامہ اشرفیہ۔ اکتوبر ۲۰۰۱ء)

فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی

فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ کی رحلت سے ہند و پاک کے سنی حلقوں میں ایک عظیم خلا سا محسوس کیا گیا۔ وہ اپنی دینی اور فقہی تصانیف کی وجہ سے ملک و بیرون ملک کے اردوداں طبقے میں بڑے قریب سے پہچانے جاتے تھے۔ ان کی فقہی بصیرت سے ایک عالم برسوں سے اکتساب نور کر رہا تھا۔ ان کی فقہی بصیرت سے جہاں در جہاں اجالا تھا۔ فقہ حنفی میں ان کا اسم گرامی حرف معتبر تھا۔ یہ چیز برسوں کی علمی ریاضت، وسعت مطالعہ، ژرف نگاہی اور کمال احتیاط سے حاصل ہوتی ہے اور جب ہو جاتی ہے تو اس قد آور شخصیت کو زمانہ گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھتا ہے اور ان کے فیصلوں پر سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور اس کی کہی باتیں اور اس کی لکھی تحریریں بلا چوں چرا دلوں کے آئینوں میں اترتی چلی جاتی ہیں۔ ہمارے مفتی صاحب کی تقویٰ شعار شخصیت اور مستند فکر کل بھی قابل اعتماد تھی، آج بھی قابل اعتماد ہے اور کل بھی قابل اعتماد رہے گی۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کی باتیں "ارشادات امجدی" کا مجموعہ بنیں، ان کے خطوط، مکتوبات امجدی کا مرقع بنیں، ان کی تقریریں "خطبات امجدی" کا دبستاں بنیں ان کی اردو کتابوں کے ہندی، گجراتی، اور انگریزی ایڈیشن چھپیں اور ان کی پاکیزہ زندگی کے درخشاں نقوش نئی نسلوں کے لیے نمونہ عمل بنیں۔ اور یہ ہوگا ضرور ہوگا۔ مفتی صاحب کی آغوش تربیت میں جس اولاد نے تربیت پائی ہے وہ بلند حوصلہ ہے اور کچھ کر گزرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ حضرت فقیہ ملت نے اپنی طرح اپنی اولاد کے دل و دماغ میں بھی عزم و حوصلہ کا یہ بے کراں جذبہ اتار دیا تھا ؎

چشم حسرت سے کسی محل کی تعمیر نہ دیکھ　　　دست محنت سے بنا تو بھی کوئی قصر عظیم

ہم نے شہزادۂ فقیہ ملت مولانا انوار احمد امجدی سے گوشۂ فقیہ ملت نکالنے اور اپنے قلم سے لکھنے کا وعدہ کر لیا تھا اس وعدہ میں ان کے حکم سے زیادہ میری خواہش کا دخل تھا۔ لیکن وصال

کے چند روز کے بعد ملک بھر سے تعزیتی تحریریں، قلمی تاثرات، مضامین اور تعزیتی نشستوں کی رپورٹیں اتنی زیادہ تعداد میں موصول ہوئیں کہ میں آزمائش میں پڑ گیا کہ کسے شامل اشاعت کیا جائے اور کسے ترک کر دیا جائے ایک صورت یہ ہو سکتی تھی کہ وقیع تحریروں کا انتخاب کرلیا جائے مگر یہ صورت حال قطعاً مفقود تھی تقریباً تمام ہی تحریریں یکساں اور سب کا ماخذ" حالات مصنف بقلم خود"،" مشمولہ" خطبات محرم" اور" فقہی پہیلیاں" وغیرہ تھا اکثر لوگوں نے" میں کہ جگہ" وہ" ہوں" کہ جگہ" تھے" اور" ہے" کہ جگہ" تھا" کر دیا تھا باقی سب من وعن خیریت تھا۔ بہر کیف کافی کاٹ چھانٹ کر کچھ تحریروں کا انتخاب کیا تعزیتی رپورٹوں میں سے صرف مجلس تعزیت کا مقام لے لیا گیا اور اکثر تاثرات سے چند چند سطروں کے اقتباسات لے لیے گئے اور باقی قلم کاروں کی بے طلب نوازشات پر شکریہ ادا کیا جارہا ہے اور ایسا صرف صفحات کی تنگی کی وجہ سے کیا گیا۔ اس بار مولانا ادریس بستوی رکن مجلس مشاورت کے گراں قدر مضمون کو اداریہ بنادیا ان کا مضمون موصول نہیں ہوتا تو مجھے بھی اسی موضوع پر لکھنا پڑتا یہ وقت کا تقاضا تھا حضرت فقیہ ملت پر لکھنا مجھ پر قرض ہے جو ان شاء اللہ جلد ہی کسی مناسب موقع پر پورا پورا ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔ اب پیش خدمت ہیں ملک بھر سے آنے والے غم انگیز تاثرات کے اقتباسات:

ان کی رحلت بڑا خسارہ ہے

حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ کے انتقال پر ملال پر گہرے غم کا احساس ہوا۔

حضرت مفتی صاحب اہل سنت کے ایک ذمہ دار بلند پایہ اور قابل اتباع شخصیت تھے۔ ان کی رحلت اہل سنت کا ایک بہت بڑا خسارہ ہے۔ ان کے ذریعے اسلام وسنیت نے بہت فروغ پایا۔

از: محمد تسلیم رضا نوری . درگاہ اعلیٰ حضرت ،بریلی شریف

آپ کی ذات گرامی مرجع الفتاویٰ تھی

حضرت فقیہ ملت علیہ الرحمہ کی ذات گرامی مرجع الفتاویٰ تھی۔ موصوف کے فتاوے پر ملک وبیرون ملک میں عوام وخواص کا اعتماد تھا آپ کی تصانیف بھی معتمد تھیں۔ پھر ماضی قریب میں آپ نے مرکز تربیت افتا کے لیے دار التخصص فی الفقہ الحنفی کا قیام فرما کر ایک ناقابل فراموش دینی

ضرورت کی تکمیل کے لیے سعی بلیغ فرمائی۔ آپ کی یہ دینی خدمات آپ کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔

از : شفیق احمد شریفی ،خادم دار العلوم افضل المدارس الہ آباد۔

دینی خدمات زریں حروف میں لکھنے کے قابل ہیں

فقیہ ملت علیہ الرحمہ کے سانحۂ ارتحال نے نہ صرف شہزادگان واعزہ واقارب کو مضطرب ومستغرق الم کیا ہے بلکہ پوری ملت اسلامیہ آج اپنے مقتدیٰ ورہبر شریعت وطریقت کے وصال پر اشک بار ہے۔ حضرت کی دینی وملی خدمات زریں حروف میں لکھنے کے لائق ہیں۔ آپ کی پوری زندگی ۱۹۵۴ء سے لے کر ۲۰۰۱ء تک فروغ مسلک حقہ واشاعت دین متین میں گزری۔ آپ کی فقہی تحقیقات وفقہی جزئیات اور کلیات پر عمیق نظر نے آپ کو معاصرین میں ایک ممتاز مقام عطا فرمایا ہے: فتاویٰ فیض الرسول ودیگر اہم تصنیفات آپ کی علمی کاوشوں کے تابندہ نمونے ہیں۔ جن سے علما وطلبہ ہمیشہ فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

از : مفتی اشفاق نعیمی واساتذہ دار العلوم اسحاقیہ جودھپور۔

ان کی خدمات کو دنیا یاد رکھے گی

حضرت فقیہ ملت علیہ الرحمہ کی دینی خدمات کو دنیا ہمیشہ یاد رکھے گی تصنیفات کی مقبولیت عند اللہ مقبولیت کی دلیل ہے۔

حضرت مفتی صاحب سے میرے عجیب مراسم تھے اب بہت کم لوگ ملیں گے جو اس باغ وبہار طبیعت کے ہوں۔

از :بہاء المصطفیٰ قادری ،بریلی شریف۔

کسے خبر تھی یہ آخری ملاقات ہے

حضرت کی خرد نوازی سے میں بہت متاثر تھا۔ جب ملاقات کے لیے جاتا تو میری کاوشوں کو بہت سراہتے اور دینی کاموں پر برانگیختہ کرتے، جامع الاحادیث کی تقریظ لکھ کر ارسال فرمائی تو اس میں بھی ان چیزوں کا ظہور پایا۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ تقریظ جس دن ہم کمپیوٹر پر سیٹ کر کے نکال رہے تھے اسی دن رات کو حضرت کا وصال ہو گیا۔ لہذا اب وہاں نوٹ لگا کر وضاحت کر دی گئی ہے۔

حضرت سے آخری ملاقات بریلی شریف میں ہوئی اور کافی تفصیلی ملاقات رہی۔ عصر سے عشا کے قریب تک مختلف موضوعات پر گفتگو فرماتے رہے۔ مغرب کی نماز آپ ہی کی اقتدا میں پڑھی۔ کسے خبر تھی کہ یہ آخری ملاقات ہے۔

از :محمد حنیف خادم الطلبہ جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف ۔

آپ کی کتابیں باقی رہیں گی اور باقی رکھیں گی

مفتی جلال الدین صاحب علیہ الرحمہ بلاشبہ ایک علمی شخصیت ،بالغ نظر فقیہ، سچے خدا ترس خدا رسیدہ ،روح مسائل سے آشنا عالم باعمل تھے۔ زندگی کی آخری سانس تک اپنی تحریروں اور کتابوں کے ذریعہ مذہب اہل سنت وجماعت کے فروغ وارتقا میں مصروف رہے بلاخوف لومۃ لائم حق گوئی وحق نویسی آپ کا وصف خاص تھا ہمارے مابین تو آپ نہ رہے مگر آپ کے کارنامے آپ کی کتابیں ہمیشہ باقی رہیں گی اور باقی رکھیں گی۔

از :شمس الدین خاں مصباحی ،دارالعلوم غوث اعظم ناسک.

علم وفقہ کی ایک دنیا یتیم ہو گئی

معلوم ہوا کہ حضرت اقدس فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی اپنے خالق ومالک سے جاملے انا للہ وانا الیہ راجعون ابھی جب کہ امت مسلمہ کو اپنے اکابرین فقہا کی رہبری ورہنمائی کی اشد ضرورت تھی مشیت ایزدی کے تحت حضرت قبلہ مفتی صاحب کا سایۂ فیض ونورامت کے سروں سے اٹھ گیا۔ ملت اسلامیہ کا کتنا بڑا نقصان ہوا ہے اس حادثہ سے اس کا اندازہ انھیں کو زیب دیتا ہے جو علم فقہ کی اہمیت وضرورت کے قدرداں و رازداں ہیں۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے سایۂ عاطفت کے اٹھ جانے سے علم وفقہ کی ایک دنیا یتیم ہوگئی۔ کارساز حقیقی ہی اس نقصان کی تلافی فرمانے والا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت مفتی صاحب قبلہ نہ صرف یہ کہ ایک بڑے عالم اہل سنت تھے بلکہ فقہ وافتا کی آبیاری کا جو نظام محکم قائم فرمایا اس سے حضرت کا مقام ہم عصروں میں بہت بلند وبالا ہو جاتا ہے۔

از :ڈاکٹر بیت اللہ قادری کرناٹک .

وہ اسلاف کی زندہ یادگار تھے

وہ اہل سنت و جماعت کے ایسے مستند عالم دین فقیہ عصر تھے کہ جن کے دم سے وقار سنیت تھا وہ کیا گئے ان کے جانے سے بزم افتا کی بہاریں روٹھ گئیں، تحقیق وتدقیق کی محفلیں سونی ہو گئیں، وعظ وخطابت کی انجمنیں سوگوار ہو گئیں جس نے مذہب وملت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت میں بے پناہ جد جہد کی اور دم واپسی تک خدمات انجام دیں کہ تاریخ اسلام کبھی فرموش نہیں کر سکتی وہ اسلاف کی زندہ یادگار تھے۔

از: محمد محمود قادری غفرلہ

مہتمم مدرسہ عزیز العلوم وسجادہ نشین آستانہ مفتی اعظم نانپارہ۔

اب ایسی ہستیاں ہمیں کہاں ملیں گی

آج ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کہ ہم یتیم اور بے یارو مددگار ہو گئے۔ حضرت تقویٰ شعار زندگی شریعت مطہرہ کی سخت پابندی، اوقات کی قدر، اصلاحی وتبلیغی خدمات، عوام وخواص کے لیے مفید تصنیفات اور بے پناہ فتاوے ساری چیزیں ذہن وفکر میں گردش کرتی رہی ہیں۔ افسوس اب ایسی ہستیاں ہمیں کہاں ملیں گی۔ ملت اسلامیہ کی عظیم شخصیت استاذ نا المکرم آقا وداتا ملجا وماویٰ سے آج ہم محروم ہو گئے۔

از: محمد عالم نوری مصباحی، دار العلوم غوث اعظم مسکی ڈیہہ ہزاری باغ جھار کھنڈ۔

عالمانہ شان وتقویٰ سے مالامال تھے

فقیہ ملت دنیائے سنیت کے ایسے محسن ورہنما تھے جو اپنی علمی خدمات کے حوالہ سے یگانہ اور منفرد ان کی دینی مساعی جمیلہ، تصانیف کثیرہ خصوصاً فتاویٰ فیض الرسول اور مرکزی تربیت افتا بارگاہ الٰہی میں پذیرائی کا خطبہ پڑھتے رہیں گے۔ اس وقت جب کہ اہل سنت کو بہت سے مسائل کا سامنا اور بد مذہب باطل فرقوں سے مقابلہ ہے۔ فقیہ ملت کا اچانک دنیا سے رخصت ہو جانا بہت بڑی کمی اور خلا کا باعث ہے۔ حضرت فقیہ ملت عالمانہ شان وتقویٰ جلالت علمی سے مالامال ہونے کے ساتھ شریعت وطریقت پر عمل کرنے کرانے میں اہم با کمال تھے۔

از: محمد یونس رضوی سکریٹری وجملہ اراکین ومدرسین دار العلوم اہل سنت شاہی مسجد ناسک۔

ان کی ذات ہم اہل سنت میں عظیم تھی

حضرت مفتی صاحب کے انتقال پر ملال کی خبر معلوم ہو کر بے حد رنج وافسوس ہوا۔ جو کہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ کی ذات ہم اہل سنت کے درمیان بہت عظیم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے ان کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔

از: سید محمد اختر چشتی مصباحی بھپھوند شریف۔

ان کے جانے سے سنی مشن کو دھچکا لگا

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے جانے سے سنی مشن کو کافی دھچکا لگا ہے مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے لومۃ لائم کی پرواہ کیے بغیر احقاق حق وابطال باطل کا جو فریضہ انجام دیا وہ انمٹ نقوش ہیں جو رہتی دنیا تک چمکتے مہکتے رہیں گے۔

کافی دنوں سے میری علالت کا سلسلہ چل رہا ہے حضرت کے وصال کی خبر سن کر حاضری ضروری تھی مگر صحت کی نا قابل بیان خرابی نے شریک نہ ہونے دیا۔ خدا کرے ان کے صاحبزادگان ان کے نقشِ پا اور خدمتِ علم کے سچے وارث ہوں۔

از:- محبوب مینا شاہ، سربراہ مدرسہ امیر العلوم مینائیہ گونڈہ۔

ان کی فقہی بصیرت لائق اعتماد تھی

فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین صاحب امجدی رحمۃ اللہ علیہ جماعت اہل سنت کے ایک متدین، متقی وپرہیز گار، علوم اسلامیہ میں درک ومہارت رکھنے والے، اعلیٰ درجہ کے ایک عالم دین تھے۔ جن کی فقہی بصیرت لائق اعتماد واستناد تھی۔ مشرقی یوپی کی مشہور درس گاہ "دارالعلوم فیض الرسول" میں تقریباً چالیس سال تک درس وتدریس وفتاویٰ نویسی کے فرائض حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ وہاں سے ریٹائرڈ وسبکدوش ہونے کے بعد اپنی آبادی میں مرکز افتا کی بنیاد رکھی۔ اور اس کی ترقی وفروغ میں اپنی تمام توانائی صرف کر ڈالی اس کے علاوہ ان کو تصنیف وتالیف کا شغف اتنا زیادہ تھا کہ بیشتر زندگی کے لمحات اسی نیک کام میں گزار دیے اور انھوں نے کبھی بھی اپنا وقت ضائع نہیں کیا۔ وہ ایک ایک منٹ کی قدر وقیمت سے آشنا تھے۔

(قاری) جلال الدین قادری، ناظم اعلیٰ الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد۔

لاؤں کہاں سے کوئی کہ تجھ سا کہوں جسے

افتا کے میدان میں مفتی جلال الدین احمد امجدی ایک بڑا روشن و معتبر نام تھا۔ دینی تصنیفات و تالیفات کے محاذ پر آپ اہل سنت کے لیے ایک گنج ہائے گراں مایہ تھے۔ اپنے اصول و زبان کا ایسا پابند ان کے زمانے میں ان کا مثل نہیں دیکھا۔ بات کی تو پتھر کی لکیر، وعدہ کرلیا تو پھر آندھی، طوفان، موسلا دھار بارش اور سیلاب بھی اس کا راستہ نہ روک سکے۔ بات کا ایسا دھنی جو کہا کر دکھایا، وعدہ کیا تو وفا کیا۔ زبان کا پختہ، ارادوں کا دھنی، عزم کا پہاڑ، فتوے کی زبان بڑی مدلل و مبرہن فتاویٰ رضویہ شریف اہم ترین ماخذ متعلقہ موضوع کی عبارتیں جیسے نوک زبان۔

تقریر کی زبان عام فہم کہ ایک دیہاتی بھی سمجھ لے تحریر کی زبان اتنی سادہ کہ معمولی اردو خواں بھی کسی الجھن کا شکار نہ ہو ایک کامیاب مدرس، ایک کامیاب خطیب، ایک کامیاب مصنف، ایک باوقار مفتی ہی نہیں بلکہ فقیہ ملت! درس گاہ کی جان، فقہ کی زبان اور فیض الرسول کی شان تھے۔ اصول کی پابندی اور کامل احتیاط ان کے وجود کا ایک حصہ جوانی سے بوڑھاپے کی دہلیز تک کی طویل مدت ملازمت میں ایک دن کا بھی ناغہ نہیں، ع لاؤں کہاں سے کوئی کہ تجھ سا کہوں جسے

از: وارث جمال قادری ،ممبئی۔

زندہ جاوید ہے اللہ والوں کا سکوت

آہ! آج ہمارا وہ صدر الصدور ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ جسے دنیا فقیہ ملت جیسے عظیم لقب سے یاد کرتی تھی۔ وہ فقیہ ملت جن کی درس گاہ تشنگان علم معرفت کے لیے آب حیات سے کم نہیں تھی۔ وہ فقیہ ملت جو رشدی بہار کی رنگینی، امجدی بہار کی رعنائی اور برکاتی بہار کی زیبائی سے مشرف تھے۔ وہ فقیہ ملت جن کی آغوش تربیت نے ایک جہانِ علم و فن کو علم و فقہ کی خوشبو سے مہکا دیا۔ وہ فقیہ ملت جو ایمانی جرأت اور بلند ہمتی کا کوہ ہمالہ تھے۔ وہ فقیہ ملت جو عزم و استقلال کا جبل شامخ تھے۔ وہ فقیہ ملت جو تقویٰ میں حضور مفتی اعظم کا مظہر اتم تھے۔ وہ فقیہ ملت جو فقہ میں حضور صدر الشریعہ کے نمونۂ کامل تھے۔ وہ فقیہ ملت جو اپنے آپ میں اسلاف کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔

آہ! پوری دنیائے سنیت اپنے اس عظیم رہبر کے کھو جانے سے سوگوار ہو گئی ہے۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے۔

زندۂ جاوید ہے اللہ والوں کا سکوت
امت مرحوم سو سکتی ہے مر سکتی نہیں

از:- محمد شاهد علی مصباحی۔

خادم التدریس جامعه مرکز الثقافته السنیه ،کالی کٹ ،کیرله۔

بزم سنیت کہاں سے لائے گی تیرا بدل

مسلک احمد رضا کا مخلص نقیب، ''فقیہ امام اعظم'' کا حقیقی ترجمان، ''احقاق حق'' و ''ابطال باطل'' کا بے باک مبلغ، ''حق گوئی و بے باکی'' کا بے داغ آئینہ، اپنوں کے لیے ''شبنم'' غیروں کے لیے ''شعلہ'' صفت شخصیت'' زاہد شب زندہ دار'' ہے۔

مذکورہ بالا اوصاف سے مزین شخصیت جن کو دنیائے سنیت فقیہ ملت حضرت علامہ الحاج مفتی محمد جلال الدین امجدی (علیہ الرحمۃ والرضوان) کے نام سے جانتی ہے۔ جو اپنے تصنیف وتالیف کے آئینہ میں زندہ وجاوید رہے گا۔

از: محمد صدیق نوری جامعه اهل سنت اشاعت الاسلام بڑهنی بازار ایس نگر۔

آپ کیا گئے چرخ فقاهت کا درخشنده ستاره ٹوٹ گیا۔

آپ کے اشہب قلم سے نکلے ہوئے متعدد گوہر آبدار قلمی شاہکار، آپ کی دینی وعلمی خدمات پر زندہ وجاوید شاہد عدل ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے بیرون ملک سے آئے ہوئے کثیر علمی دینی، مذہبی اور معاشرتی سوالوں کے جوابات (فتاوے) نہایت ہی محققانہ انداز میں قلم بند فرمائے۔ آپ علمائے اہل سنت وجماعت کے صف اول کے ممتاز ترین عالم، جامع صفات شخصیت تھے۔ انھیں خوبیوں نے آپ کو روزمرہ کے نئے نئے مسائل کا حل طلب کرنے والی کمیٹی کو موسوم بہ ''مجلس شرعی'' الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے فیصل بورڈ کا رکن بنا دیا۔

از:-محمد خالد کمال ضیائی ،دیناج پوری

آه! کوه علم وعمل فقیه ملت نه رهے

فقیہ ملت قاضی شریعت بقیۃ السلف حضرت علامہ الحاج الشاہ مفتی جلال الدین احمد امجدی عصر حاضر کے علمائے اہل سنت وجماعت میں ممتاز تھے۔ وہ بیک وقت مسند

تدریس وافتا کے صدر نشیں فقہ واصول کے متبحر، راہ طریقت کے مرشد کامل، دو درجن کتابوں کے مصنف ومولف، اور دینی حمیت وملی غیرت کے پیکر جمیل، مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے سچے عاشق ہونے کے ساتھ اخلاق حمیدہ کے بہترین نمونہ عمل بھی تھے۔

آہ! آج عموماً پوری دنیائے سنیت خصوصاً مرکز تربیت افتا دار العلوم امجدیہ ارشد العلوم اوجھا گنج یتیم ہوگیا۔ اپنے عظیم مربی وبانی سے محروم ہوگیا۔

از: محمد عبدالقادر رضوی ناگوری، مرکز تربیت افتا اوجھا گنج۔

وہ آفتاب شریعت وطریقت تھے

آنکھیں نمناک ہیں دل مضطرب ہے کہ ایوان علم وفن کا عظیم وجلیل ستون آفتاب شریعت وطریقت غروب ہوگیا۔ مولیٰ تعالیٰ حضرت کو مقام اعلیٰ عطا فرمائے اور ہم سب کو صبر عطا کرے۔

از: محی الدین احمد ہشام جعفری، مدرسہ حنفیہ جونپور۔

جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے

حضور فقیہ ملت مفتی جلال الدین صاحب امجدی اس دار فنا سے دار بقا کی طرف کوچ فرما گئے۔ اراکین جماعت کو حضرت کی رحلت پر بہت رنج وغم ہوا۔ حضرت کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے۔ حضور فقیہ ملت نے دین وسنیت کی جو خدمت کی ہے اسے ملت اسلامیہ کبھی فراموش نہ کرے گی۔

از: سنی تبلیغی جماعت باسنی، اللہ بخش اشرفی۔

فقیہ ملت علم بردار سنیت تھے

یہ جاں کاہ خبر دل پر بجلی بن کر گری اور کلیجہ منہ کو آگیا کہ علم بردار سنیت حضور فقیہ ملت علیہ الرحمۃ کی مایہ ناز ہستی ہمیں داغ مفارقت دے کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملی۔ یہ ایک ایسا صدمۂ دل فگار ہے جو صرف دار العلوم امجدیہ ہی کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیائے سنیت کا ایک عظیم اور ناقابل تلافی نقصان ہے۔ جس کا پورا ہونا مستقبل قریب میں مشکل ہی نظر آتا ہے۔

شریک غم: خورشید جہاں آرا، بستی۔

(ماہنامہ اشرفیہ، نومبر ۲۰۰۱ء)

اپنے علاقے میں پر رعب اور بلند حوصلہ مرد آہن تھے

حافظ عبدالحکیم عزیزی

۲۲ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ/۶ مارچ ۲۰۰۲ء کو بعد نماز مغرب ۶ بج کر ۲۵ منٹ پر الحاج حافظ عبدالحکیم عزیزی بانی وصدر دارالعلوم عزیزیہ مظہر العلوم نچلول بازار مہراج گنج اپنے مالک حقیقی سے جا ملے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

۷ مارچ کو ۳ بج کر ۳۰ منٹ پر نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں مقامی وبیرونی ہزاروں لوگوں نے بچشم نم شرکت کی، علماء ومشائخ کا بھی خاصا ہجوم تھا، نماز جنازہ عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے پڑھائی۔ مرحوم کو انھیں کے لگائے ہوئے علمی چمن "رضا جامع مسجد" کی بغل میں سپرد خاک کیا گیا۔ مرحوم طویل علالت کے بعد ہماری دنیا سے چل بسے لیکن ہزاروں دلوں میں اپنی یادوں کے تابندہ نقوش اور اپنی جہد مسلسل کے ناقابل شکست آثار چھوڑ گئے۔ جو کاروان عزیمت واستقامت کے لیے ہمیشہ مشعل راہ بنے رہیں گے۔

حافظ صاحب اپنی بعض خوبیوں میں منفرد المثال تھے، وہ سند یافتہ عالم نہیں تھے لیکن اپنے تجربات، مشاہدات اور گراں قدر معلومات کی وجہ سے اس منصب پر فائز تھے کہ اہل علم ودانش چاند تاروں کی طرح ان کے گرد نظر آتے تھے، وہ پر رعب، پر عزم، بلند حوصلہ اور اخلاص پیشہ مرد آہن تھے، منتظمانہ اور قائدانہ صلاحیتیں ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، ہر سال بلا ناغہ شرکت فرماتے تھے، درمیان میں بھی آنا جانا لگا رہتا تھا، انھیں حافظ ملت اور ان کی تحریک اشرفیہ سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ کیا مجال کہ ان کے زیر اہتمام چھوٹی بڑی کسی تقریب یا اجلاس کا انعقاد ہو اور اس میں حضرت عزیز ملت کی شرکت نہ ہو، راقم سطور سے بھی برسوں سے مراسم تھے ملاقات کے وقت تمام راز ہائے سربستہ کھول دیتے تھے، اشرفیہ کا معمولی سا مخالف بھی ان کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا، جو اہل خیر حضرات ان سے قریب ہوتے، انھیں اشرفیہ کی جانب بھی متوجہ فرماتے، اسی طرح حضرت

عزیز ملت کو بھی ان کے مدرسہ کے لیے اہل خیر کو متوجہ کرتے دیکھا گیا۔ ان کی زندگی کا بس ایک ہی شوق تھا، مدرسہ و مسجد کی تعمیر و ترقی اور قوم مسلم کی صلاح و فلاح کا جذبہ فراواں، یہی ان کا حاصل دنیا تھا اور یہی ان کا حاصل آخرت اور یہی ذریعہ نجات بھی بنے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت حافظ عبد الحکیم عزیزی مرحوم روپن پور ضلع مئو میں ۱۷؍جنوری ۱۹۴۸ء میں پیدا ہوئے، ان کے والدین کریمین حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کے مرید و معتقد تھے، پورے گھر پر فیضان حافظ ملت کا سایہ تھا، عزیزی فیضان کے گھنے سائے میں حافظ عبد الحکیم عزیزی نے شعور کی آنکھیں کھولیں تھیں۔

نچلول بازار مہراج گنج کا علاقہ علمی اور مذہبی اعتبار سے انتہائی پس ماندہ تھا وہاں کے باشندے کہنے کو تو مسلمان تھے لیکن اسلامی تہذیب و روایات اور عبادات و معاملات کے اسلامی طور طریقوں سے کوسوں دور تھے۔ اس بنجر زمین میں علم و عمل کی کھیتی اگانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس حد تک جہالت و نادانی تھی کہ جب کسی مسلمان کا انتقال ہو جاتا تو اہل بستی باجے گاجے کے ساتھ "ہرے رام ہرے کرشنا" کہتے ہوئے قبرستان لے جاتے تھے، اگر تلاش کرنے پر کوئی نماز جنازہ پڑھانے والا مل جاتا تو ٹھیک ورنہ نماز جنازہ کے بغیر ہی مردے کو دفن کر دیتے تھے۔ قبر پر بطور نشانی ایک لکڑی نصب کر دیتے جو اس بات کی علامت ہوتی کہ مدفون میت کی ابھی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی ہے۔ اس علاقے میں دعوت و تبلیغ کی مہم سر کرنا کسی پہاڑ توڑنے سے کم نہیں تھا۔ حضور حافظ ملت کی جوہر شناس نگاہوں نے اس علاقے کی صلاح و فلاح اور علم و دانش کے لالہ زار کی کاشت کے لیے جس مضبوط عزم و ارادے والے نوجوان کا انتخاب کیا ،اس کا نام حافظ عبد الحکیم تھا۔ حافظ ملت کے حکم پر ۱۹۶۶ء میں حافظ صاحب نچلول تشریف لے گئے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ حافظ صاحب نے تن تنہا وہ کام انجام دیا جو ایک جماعت کا کام تھا۔ اور نہ صرف دینی اور علمی سطح پر بلکہ سماجی اور سیاسی سطح پر بھی اپنی بالا دستی تسلیم کرائی اور کیا ہندو، اور کیا مسلمان، سب میں ہر دل عزیز رہے۔ سیاسی اور سماجی سطح پر بھی ان کا قد بلند تھا، غیر مسلم لوگ اپنے معاملات کے تصفیہ کے لیے آپ کی بارگاہ میں حاضری دیتے اور جو فیصلہ فرماتے سب کے لیے قابل قبول ہوتا، علاقے کے سیاسی لیڈران پر بھی ان کی دھاک جمی تھی، سچی بات یہ ہے کہ اس علاقے میں دین کا کام کرنے کے لیے انھیں جیسے دبنگ مبلغ کی ضرورت تھی۔

آپ نے اس علاقے میں وسیع خطہ زمین پر ''دارالعلوم عزیزیہ مظہر العلوم'' قائم کیا جو اپنی وسیع اور بلند پایہ خدمات کی وجہ سے دور دور تک پہچانا جاتا ہے اس کا نظام تعلیم وتربیت جامعہ اشرفیہ کی روش پر جاری ہے، یہ ادارہ صرف عام روایتی انداز کا مدرسہ نہیں بلکہ اس کے وسیع منصوبے اور گرانقدر کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اس دارالعلوم سے متعلق دو اہم دیگر ادارے بھی ہیں جنھیں اس ادارے کے شعبوں کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ ''عزیزیہ مسلم کالج'' عصری تعلیم کے لیے اور طالبات کے لیے ''جامعۃ الرشیدیہ'' یہ دونوں ادارے بھی حافظ صاحب کے قائم کردہ ہیں اور انہیں کے زیر اہتمام بلندیوں کا سفر طے کر رہے تھے۔ واضح رہے کہ ''جامعۃ الرشیدیہ'' حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ کی والدہ محترمہ مرحومہ کے اسم گرامی کی طرف منسوب ہے۔

راقم کا مرحوم سے مسلسل رابطہ تھا اس وقت میرے پیش نظر ان کے قلم کا تحریر کردہ آخری گرامی نامہ ہے جو بستر علالت سے لرزتی انگلیوں سے بڑے کرب کے عالم میں لکھا گیا ہے۔ وہ راقم سے مخاطب ہو کر لکھتے ہیں:

''خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ ہمارے مدرسہ کے ایک مدرس کا مضمون حاضر خدمت ہے، اسے قریبی اشاعت میں شامل کر لیں، ہمیں بھی دعاؤں میں یاد رکھیں، ہمیں بھی غنیمت سمجھیں، ہم بھی اس کفرستانی علاقے میں آپ ہی حضرات کا کام کر رہے ہیں۔ فقط والسلام، عبدالحکیم عزیزی''۔

عمر لگ بھگ ۵۵ برس رہی ہوگی ابھی وہ بہت کچھ کرنا چاہتے تھے مگر مسلسل اور شدید علالت نے انھیں بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ مگر اس کے باوجود ان کے منصوبوں اور بلند عزائم میں کسی قسم کی سرد مہری نہیں تھی۔ انھوں نے چیتے کا جگر اور شاہین کا تجسس پایا تھا۔ اس لیے مخالف ترین حالات وافراد بھی ان کے زیر نگیں ہو جاتے تھے۔

دعا ہے مولیٰ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے اور ان کا چمنستان علم اسی طرح پھلتا پھولتا رہے۔ آمین۔ اور ان کے پس ماندگان و وارثین کو صبر وشکر کے ساتھ ان کے نقش قدم پر چلنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ اشرفیہ، اپریل ۲۰۰۲ء)

خانوادۂ اشرفیہ بسکھاری کے چشم و چراغ

مولانا سید موصوف اشرف اشرفی جیلانی

یہ الم ناک خبر سناتے ہوئے بھی آنکھیں نم ناک ہیں کہ ۲۸ر فروری ۲۰۰۲ء شب جمعرات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے جلیل القدر فاضل اور خانوادہ اشرفیہ بسکھاری شریف کے چشم و چراغ حضرت مولانا سید موصوف اشرف اشرفی جیلانی مصباحی علیہ الرحمہ کا وصال پر ملال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم اپنے اسلاف کی روایات و برکات کے سچے امین، بلند پایہ علمی اور انتظامی صلاحیتوں کے حامل، بلند اخلاق اور دور اندیش عالم دین تھے۔ دار العلوم محبوب یزدانی کے صدر مدرس، مقبول خطیب اور سنجیدہ قلم کار تھے، تصنیف و مطالعہ ان کی زندگی کا محبوب مشغلہ تھا، حضرت محبوب یزدانی سلطان سید اشرف جہاں گیر سمنانی قدس سرہ اور سلسلۂ اشرفیہ کے احوال و آثار پر ان کی گہری نظر تھی، اشرفی و رضوی اختلافات سے ہمیشہ کنارہ کش رہے، بہت سے اہل خانقاہ کو دیکھا گیا ہے کہ فراغت کے بعد اپنے محسن اساتذہ کا ذکر کرنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں کہ کہیں ان کی ملکوتی شخصیت پر کسی انسان کی برتری ثابت نہ ہو جائے، مگر آپ حق گو اور حق شناس تھے، احسان فراموش نہیں تھے، وہ اپنے اساتذہ بالخصوص حضور حافظ ملت شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ سے بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ ان کی محفل میں جب ذکر حافظ ملت چھڑ جاتا تھا تو وہ ان کی اوصاف و کمالات اور ان کی اخلاق اور علمی نوازشات کا تذکرہ سناتے ہی چلے جاتے تھے، کتنی ہی بار ہم نے ان کی آنکھوں میں ذکر حافظ ملت کے دوران اشک ہائے محبت چھلکتے دیکھے ہیں۔

۳۱ر جنوری ۱۹۳۹ء میں قصبہ بسکھاری ضلع فیض آباد میں آپ کی پیدائش ہوئی جب کہ عربی اسناد کے اعتبار سے آپ کی تاریخ پیدائش ۲۲ر ۱۹۴۰ء ہے، آپ کا نسبی سلسلہ

سلسلہ حضرت سید شاہ یحییٰ اشرف سجادہ نشین رحمۃ اللہ علیہ کی شاخ سے ہے، آپ کا شجرہ نسب سولہ واسطوں سے سید السالکین محبوب یزدانی حضرت سلطان سید اشرف جہاں گیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ سے مل جاتا ہے۔ ابتدائی تعلیم بسکھاری کے مکتب میں ہوئی عربی وفارسی کی ابتدائی تعلیم شرح جامی تک قصبہ جلال پور کے ایک مدرسہ میں ہوئی۔ آپ کی تصنیف ''حیات غوث العالم'' کے ابتدائی صفحات میں احوال مصنف کے ذیل میں ہے۔

> اس کے بعد آپ نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے اہل سنت وجماعت کی عظیم دینی درس گاہ ''دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ'' کا قصد کیا جو اپنے آغوش میں علوم وفنون کا سرچشمہ اور تحقیق وتدقیق کا بحر ناپیدا کنار لیے ہوئے تشنگان علوم کو سیراب کر رہا تھا۔ آپ بھی اس بحر کی شناوری اور غواصی میں مشغول ہو گئے۔ دارالعلوم اشرفیہ کے روز وشب، علمی ماحول ،اور عباقرۃ الزماں اساتذۂ کرام کی صحبت نے آپ کے علمی شعور کو پختگی اور تحقیق وتدقیق ،طلب وجستجو اور مطالعہ کتب کا اعلیٰ ذوق پیدا کر دیا۔ اشرفیہ کے قیام کے دوران ہی آپ نے الہ آباد بورڈ سے عالم فاضل وغیرہ کے امتحانات پاس کر کے اسناد حاصل کیں۔

(حیات غوث العالم ص ۳۴ تا ۳۵ مطبوعہ بسکھاری)

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے زیر سایہ تعلیم وتربیت کی منزلیں طے کیں، اور ایک ذرہ آفتاب بن گیا، حضور حافظ ملت کے فیوض وبرکات اور نوازشات بے پایاں کے وہ ہر دور میں معترف رہے۔ آپ نے حضور حافظ ملت سے بخاری شریف ،ترمذی شریف اور نور الانوار وغیرہ کتب کا درس لیا تھا۔ آپ کے دیگر اساتذہ میں حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف علیہ الرحمہ، حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی، حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ اعظمی علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا سید حامد اشرف اشرفی علیہ الرحمہ کے اسمائے گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء میں آپ نے عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے فاضل کا امتحان پاس کیا

اور ۱۳۷۸ھ/۱۹۶۰ء میں آپ نے دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ سے سند فراغت حاصل کی اور دستارفضیلت سے نوازے گئے ،اپنے والدگرامی حضرت سید شاہ محمد فاضل اشرف رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل کیا ،اور خاندانی تبرکات سے فیض یاب ہوئے ،حضرت موصوف بجائے خود نیک سیرت اور بہت سے اوراد و وظائف کے عامل اور عبادات ومعاملات میں پابند شرع تھے ۔ذوق تقویٰ شعاری نے انہیں زندگی کے ہر موڑ پر اصول پسند بنادیا تھا۔

۱۹۶۰ء میں جامعہ عربیہ جہانگیر گنج فیض آباد میں بحیثیت صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ پانچ برس تک اس مدرسہ میں پوری ذمہ داری کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۹۶۵ء میں مدرسہ ضیاء العلوم پرانا گورکھپور میں بحیثیت صدر مدرس تشریف لے گئے ،اور ۱۹۷۲ء تک اس مدرسہ کو گوناگوں تعلیمی اور تعمیری ترقیوں سے ہمکنار کیا ،اس کے بعد حضرت پیر طریقت مولانا کمیل اشرف صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے حکم پر دارالعلوم محبوب یزدانی کا اہتمام سنبھال لیا۔ پھر زندگی کی آخری سانس تک اسی کو بلندیوں کی طرف لے جانے کی تگ ودو میں لگے رہے۔ ۱۹۸۵ء میں زیارت حرمین طیبین سے سرفراز ہوئے۔

دارالعلوم محبوب یزدانی کے بانی وسربراہ حضرت مولانا سید شاہ کمیل اشرف اشرفی مصباحی آپ کے تعارف میں رقم طراز ہیں:

> ’’برادر عزیز حضرت مولانا سید موصوف اشرف صاحب خانوادۂ اشرفیہ کے باصلاحیت اور لائق احترام عالم دین ہیں، درس نظامیہ وعالیہ کی تکمیل کے بعد آج تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری ہے، علم وادب کے طالب علموں نے ہزاروں کی تعداد میں آپ سے اکتساب فیض کیا، دارالعلوم بنایا، اور اس کے بعد اہل خاندان کے پیہم اصرار پر گورکھپور سے بسکھاری آکر ’’دارالعلوم محبوب یزدانی‘‘ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور خالص مذہبی اور دینی خدمات کی بنیاد پر پورے جذبۂ خلوص کے ساتھ دارالعلوم کی مصروفیات میں لگے ہوئے ہیں‘‘۔

آپ ایک اچھے مدرس ہونے کے ساتھ مضمون نگاری کا ذوق بھی رکھتے تھے،

مختلف موضوعات پر متعدد مضامین سپرد قلم کیے جنھیں قارئین نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا، ۱۹؍اپریل ۱۹۹۲ء کے ایک حادثہ نے آپ کی شخصیت وفکر کو ایک نیا موڑ دیا۔ ’’آپ ممبئی سے گھر آرہے تھے کہ راستے میں آکسیجن کی کمی کی وجہ سے طبیعت سخت علیل ہوگئی اور موت وزیست کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ لیکن رب کریم کے فضل سے صحت یاب ہوگئے۔ اس خطرناک اور سنسنی خیز حادثہ کے بعد بڑی شدت سے آپ نے یہ محسوس کیا۔

’’میں نے اپنی ترپن سالہ زندگی صرف درس وتدریس اور خطابت تقریر میں گزار دی، اب تک کوئی ایسا مستحکم و مستقل تصنیفی کام نہیں کیا، جسے دنیا کے سامنے ہمارا کوئی علمی کارنامہ آسکے اور اس کے بدولت خادمین دین کے ان نفوس قدسیہ کی فہرست میں میرا بھی نام آسکے جنھوں نے دین حنیف کی نشر واشاعت کے لیے توانائیاں اور تصنیفی سرگرمیاں وقف کردیں‘‘۔

آپ نے زندگی کی ڈھلان پر عالم ترنگ میں عمر رفتہ کو آواز دی اور کچھ کر گزرنے کے حوصلے کے ساتھ قرطاس وقلم لے کر بیٹھ گئے آپ نے باقی ماندہ عمر کے ہر لمحہ کو نعمت الٰہی تصور کیا اور نوک قلم سے لمحے لمحے کو عمر جاوداں دیتے گئے۔ اس طرح آپ کی متعدد تصانیف منظر عام پر آگئیں۔ صاف وستھرے لب ولہجہ میں بڑا پر مغز دینی اور سوانحی سرمایہ چھوڑا ہے، ان کتابوں کے اوراق میں آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ وہ اپنی ہر تصنیف برائے تبصرہ مجھے عنایت فرماتے تھے۔ ان کی مشہور کتاب ’’عورتوں کی نماز‘‘ پر تبصرہ قلم بند کیا تھا جو ماہنامہ اشرفیہ جون ۱۹۹۶ء میں شائع بھی ہوا تھا، حضرت مولانا موصوف علیہ الرحمہ کی قلمی سوغات یہ ہیں۔

(۱) عورتوں کی نماز (۲) حیات غوث العالم محبوب یزدانی سلطان سید اشرف سمنانی (۳) مجذوب کامل (۴) خطبات ہند دو جلدیں (۵) حاجی سید عبدالرزاق نورالعین رحمۃ اللہ علیہ۔ تاریخ خانوادہ اشرفیہ زیر ترتیب تھی اس کا علم نہ ہوسکا کہ وہ مکمل ہوئی کہ نہیں۔

خدائے تعالیٰ فردوس بریں میں ان کا ٹھکانہ بنائے۔ آمین۔

(ماہنامہ اشرفیہ اپریل ۲۰۰۲ء)

رئیس القلم علامہ ارشد القادری

جب کسی انقلاب آفریں میر کارواں کی نبضِ حیات ڈوب جاتی ہے تو پوری ملت برسوں اضطرابی کیفیت میں مبتلا رہتی ہے، قدم قدم پر ان کی یادیں بچھڑے ہوئے محبوب کی طرح تڑپاتی ہیں اور یہ لکھتے ہوئے انگلیاں کانپنے لگتی ہیں کہ اب ان کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھالیا گیا۔ مگر اس سچائی کو لکھنے سے کب تک گریز کیا جائے گا کہ جماعت اہلسنت کی انتہائی متحرک، بلند قامت، خوش فکر اور حساس شخصیت رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری ۲۹ر اپریل ۲۰۰۲ء میں خلد آشیاں ہو گئے۔ خدائے قدیر وغفار ان کی قبر انور پر رحمت وغفران کی موسلا دھار بارش برسائے۔ آمین

خاک ہند بڑی مردم خیز ہے بڑے بڑے مردان کار اس سرزمین سے اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے انفس وآفاق پر چھا گئے امام احمد رضا قدس سرہ نے سواد اعظم اہلسنت و جماعت کے عقائد ومعمولات کی حفاظت کے لیے اپنے نوک قلم سے نا قابل شکست قلعہ تعمیر کیا تھا آج وہ عرب وعجم کے گوشے گوشے میں مسلک اہلسنت بریلویت کے نام سے متعارف ومشتہر ہو گیا ہے جبکہ ہم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے شیدائی اسے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کے خوبصورت جملے سے تعبیر کرتے ہیں، اس وقت برصغیر میں

مسلک اعلیٰ حضرت کی سب سے عظیم اور شہرۂ آفاق درسگاہ "الجامعۃ الاشرفیہ" مبارک پور میں ہے۔ حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہم اپنے ادارہ سے دعوت و تبلیغ اور زبان و قلم کی صلاحیتوں سے لیس ایسے دستے تیار کریں جو عالم اسلام کی محسوس دنیا کے گوشے گوشے میں مسلک اہل سنت و جماعت مسلک اعلیٰ حضرت کے ایسے چراغ روشن کردیں جو منبر ومحراب سے لیکر اذہان وقلوب کے نہاں خانوں تک عشق رسول کی قندیلیں جگمگادیں۔ ۱۹۳۴ء میں حضرت حافظ ملت نے سرزمین مبارک پور سے اپنی اس شخصیت ساز تحریک کا آغاز کیا تھا۔ یہ تحریک بحر کرم کی موج بن کر اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے شرق و غرب اور عرب وعجم کے درجنوں ملکوں میں پھیل گئی۔ حافظ ملت کی شخصیت ساز تحریک نے دعوت وتبلیغ کے جو اولین دستے تیار کئے ان میں ایک پرعزم مرد آہن سپاہی کا اسم گرامی رئیس القلم علامہ ارشد القادری ہے علامہ موصوف کا نام تاریخ اشرفیہ ہی میں آب زر سے نہیں لکھا جائے گا بلکہ بیسویں صدی کی تاریخ اہلسنت میں بھی ہمیشہ قابل صد افتخار رہے گا۔ خدائے تعالیٰ نے انہیں علم ودانش، فکروفن، زبان وقلم، ادارہ سازی اور ملی دردمندی جیسی بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ فرد واحد میں اتنے ہمہ گیر، فلک پیما اور دل آویز کمالات بہت کم جمع ہوتے ہیں اور کبھی جب جمع ہو جاتے ہیں تو لغت میں اس کی تعبیر کے لیے "آفاقی شخصیت" "یگانہ روزگار" اور "مجمع الکمالات" جیسے جملوں سے نیچے الفاظ ہی نہیں ملتے۔ شاید ایسے ہی نازک موڑ پر کسی دیدہ ور نے کہا تھا۔

زر بکف، گل پیرہن، رنگیں قبا، آتش بجام
ایک قطرہ سو طرح سے سرخ رو ہو کر اٹھا

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری کی ہمہ جہت اور آفاقی شخصیت کوہ ہمالہ کی طرح مستحکم و بلند اور بحر ہند کی طرح وسیع و موجزن تھی، وہ اپنے پر شکوہ کمالات اور گوناگوں اوصاف میں اتنے ممتاز اور منفرد المثال تھے کہ ارض اسلام کے کسی بھی خطے میں دین و دانش کی خدمت کے لیے کھڑے ہو جاتے جہان سنیت کے ہر گوشے سے ان کا پر کشش وجود تاج محل کی طرح صاف دکھائی دیتا تھا، سچی بات تو یہ ہے کہ ان کے تعارف کے لیے انہیں کا سحر نگار قلم چاہئے، انہیں کا دل آویز پیرایۂ بیان چاہئے، انہیں کی لطافت فکر چاہئے، انہیں کا سوز و ساز چاہئے، انہیں کا دل و دماغ چاہئے، مگر آہ۔

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

یادش بخیر:

کوئی بیس برس پہلے کی بات ہوگی مدرسہ اجمل العلوم سنبھل کے زیر اہتمام دو روزہ کانفرنس محلہ دیپا سرائے کے وسیع گراؤنڈ (کلو آڑتی کی کھانچی) میں ہو رہی تھی، غازی ملت حضرت مولانا ہاشمی میاں کرسی خطابت پر گرج رہے تھے، اچانک بڑے گیٹ سے انتظامیہ کے جلو میں کسی بڑی شخصیت کے آنے کی آہٹ محسوس ہوئی، چند باہوش دیوانوں نے بڑھ کر ایسے فلک شگاف نعرے لگائے کہ پورا مجمع عالم بے خودی میں استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا، جب قافلہ شوق اپنے معزز مہمان کو لے اسٹیج سے

قریب ہوا تو نعروں کے یہ الفاظ صاف طور پر پردۂ سماعت سے ٹکرائے، شہنشاہ قلم زندہ باد، قائد ملت زندہ باد، مناظر اہلسنت زندہ باد، مبلغ ایشاء ویورپ زندہ باد، غازی ملت جو خاموش تماشائی بنے کرسی خطابت پر سامعین کی وارفتگی شوق کا منظر دیکھ رہے تھے حضرت رئیس القلم کو اسٹیج پر جلوہ بار ہوتے دیکھا تو صرف اتنا کہہ کر خاموش ہوگئے۔ ''ماشاء اللہ کتنا کیف بار منظر ہے اپنے قائدوں کو دیکھ کر آنکھیں روشن اور دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔'' حضرت علامہ صاحب جب رونق اسٹیج ہوئے تو کیف ونور کا منظر دوبالا ہوگیا، یہ ان کی زیارت کا پہلا اتفاق تھا وہ بھی عہد لاشعوری میں۔

پھر جوں جوں شعوری دور آگے بڑھتا رہا ان کی تحریروں کے مطالعہ کا شوق بڑھتا رہا، اور یہ سب کچھ کسی ترغیب وتحریص کے بغیر تھا، ابتدا ان کے چھوٹے چھوٹے رسالے بڑے چاؤ سے خریدتا اور بار بار پڑھتا اور ہر بار ایک نیا لطف اٹھاتا ان رسالوں میں ''دل کی آشنائی، زبیدہ خاتون، چودھویں رات کی دوشیزہ، امین جواری، بلخ کی شہزادی، نقش کربلا، سوداگر کی بیٹی، عشق کی سرفرازی، رسالت محمدی کا عقلی ثبوت وغیرہ تھے۔ واضح رہے کہ پہلے لالہ زار کے مضامین علحدہ علحدہ کتابی شکل میں شائع ہوتے تھے جن کے مجموعے بعد میں مختلف ناموں سے شائع ہوئے'' پاکستان میں حضرت قاری رضاء المصطفےٰ صاحب نے کراچی سے ''زلف وزنجیر کی کہانیاں'' کے نام سے بزبان حکایت مضامین کا مجموعہ شائع کیا اور ہندوستان میں پہلے کلکتہ سے ''عشق وعرفان کی کہانیاں'' کے نام سے شائع ہوتے رہے اور وہی اب مزید اضافوں کے ساتھ ''لالہ زار'' کے نام سے شائع ہو رہے ہیں۔ جبکہ اس قسم کے بہت سے مضامین

ابھی رسائل و جرائد میں بکھرے ہوئے ہیں، اے کاش کوئی قلم کار ان کا مجموعہ بھی مرتب کر دیتا۔

انہیں ایام کی بات ہے کہ سنبھل میں ''زلزلہ'' پر عامر عثمانی صاحب کے تبصرے کا بڑا چرچا تھا، مقامی علما عام مجلسوں اور چھوٹی چھوٹی میلاد کی محفلوں تک میں تبصرے کے اقتباسات دہراتے تھے، اور بڑے چٹخارے لے لے کر دیوبندیوں کو مخاطب کرتے تھے، اور بطور خاص اس اقتباس پر تو زور بیان کی مکمل توانائی صرف کر دیتے تھے۔ فاضل دیوبند جناب عامر عثمانی مدیر تجلی نے دیوبندی مذہب میں فکر و عمل کے تضادات پر سر پیٹتے ہوئے انتہائی لاچارگی کے عالم میں لکھا ہے۔''

> ''ہمارے نزدیک جان چھڑانے کی ایک ہی راہ ہے یہ کہ یا تو تقویۃ الایمان اور فتاوی رشیدیہ، فتاوی امدادیہ اور بہشتی زیور اور حفظ الایمان جیسی کتابوں کو چوراہے پر رکھ کر آگ دیدی جائے اور صاف اعلان کر دیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن و سنت کے خلاف ہیں اور ہم دیوبندیوں کے صحیح عقائد ارواح ثلاثہ اور سوانح قاسمی اور اشرف السوانح جیسی کتابوں سے معلوم کرنے چاہئیں۔ یا پھر ان مؤخر الذکر کتابوں کے بارے میں اعلان فرمایا جائے کہ قصے کہانیوں کی کتابیں ہیں جو رطب و یابس سے بھری ہوئی ہیں اور ہمارے صحیح عقائد وہی ہیں جو اول الذکر کتابوں میں مندرج ہیں۔''　　(ڈاک نمبر تجلی دیوبند مئی ۱۹۵۷ء)

اس اقتباس کے بعد جب علمائے اہل سنت بار بار پوچھتے تھے جواب دو! دونوں میں کس کو اختیار کرتے ہو۔ مگر دیو بندیوں کی طرف سے ایک چپ ہزار چپ۔ ع

اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی

بات آگئی ہے ''زلزلہ'' کی تو سنتے چلئے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ایک طالب علم نے اپنی عینی شہادت پر مشتمل یہ روداد سنائی کہ ایک روز ہم لوگ فلاں مدرس کے یہاں درس لے رہے تھے دوران سبق گفتگو چل پڑی زلزلہ کی استاذ درس نے کہا بریلویوں کے لیٹریچر میں سب سے زیادہ نقصان ارشد القادری کے زلزلہ نے پہنچایا یہ کتاب ہماری جماعت کے مسلمہ عقائد کے خلاف زہر قاتل ہے سچ پوچھو تو عامر عثمانی کا تبصرہ بجا ہے زلزلہ کے نقلی و عقلی استدلالات کا جواب ممکن ہی نہیں ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ اس پر طلبہ نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا ہمارے استاذ مولانا عارف سنبھلی صاحب نے تو اس کا جواب تحریر فرمایا ہے اس پر استاذ موصوف نے فرمایا بھائیو حق لگتی کہنا چاہیے کبھی موقع ملے تو دونوں کا مطالعہ کرنا عارف صاحب نے جواب کیا دیا ہے منہ چڑھایا ہے۔

کوئی تین برس پہلے کی بات ہوگی غیر مقلدین کا آرگن ''ترجمان اہل حدیث دہلی'' نظر سے گزرا اس میں ایک سلسلہ وار مضمون دیو بندیوں کے رد میں چل رہا تھا وہ اس کی ستائیسویں قسط تھی یہ قلمی پیکار غازی پور کے کسی دیو بندی سے تھا، میں نے اس قسط کو بطور خاص پڑھا اور جب مضمون کے آخری پیراگراف پر پہنچا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی غیر مقلد عالم نے اپنے مد مقابل دیو بندی عالم کو نشانہ ' غضب بناتے ہوئے لکھا تھا'' میری جانب سے تمہاری اصلاح کے لیے یہ آخری قسط ہے اگر آپ

لوگ اپنی نازیبا حرکتوں سے اب بھی باز نہ آئے تو دیوبندیت کا مصنوعی قلعہ مسمار کرنے کے لیے ہم اپنے ترکش کا آخری تیر استعمال کریں گے۔ یعنی آئندہ ماہ سے بریلوی مکتب فکر کی لکھی ہوئی شہرہ آفاق کتاب "زلزلہ" قسط وار شروع کی جائے گی۔ وارننگ بالکل دربار شاہی کا تیور لیے ہوئے تھی یعنی اگر اب بھی باز نہ رہے تو تختہ دار پر چڑھا دیے جاؤ گے۔ یعنی اس کے نزدیک دیوبندیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لیے سب سے کامیاب نشانہ یہی تھا کہ "زلزلہ" کو قسطوار شائع کر دیا جائے۔ اَلْفَضْلُ مَاشَہِدَتْ بِہٖ الاَعْدَاء۔

ان دونوں واقعات کے بعد میں دیر تک سوچتا رہا یا اللہ حق کی سرفرازی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے مگر اس دور میں اس سے زیادہ اس کی واضح مثال اور کہاں ملے گی، حق قبول کرنا تو مقدر کی بات ہے مگر حریفوں کے خیموں میں بھی کم از کم اتنا تو اعتراف ہے کہ قافلہ حق وصداقت کے روبرو کھڑے ہونے کی ابھی ان کی صفوں میں جرأت نہیں ہے۔

ایک یادگار ملاقات:

ایک بار المجمع المصباحی مبارک پور کے اشاعتی پروگرام کے تحت دہلی جانا ہوا برادر مکرم مفتی ایاز احمد مصباحی رفیق سفر تھے، خیال کل جامع مسجد دہلی میں معلوم ہوا حضرت علامہ ارشد القادری صاحب درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے پہلو میں ایک مسجد کے حجرے میں مقیم ہیں ان دنوں جامعہ حضرت نظام الدین اولیا کا قیام نہیں ہوا تھا، شاعر اسلام حضرت بیکل اتساہی ممبر پارلیامنٹ سے ملاقات کا پروگرام پہلے سے ہی

سے ملے تھا۔ موقع ملا تو خیال ہوا اسی سفر میں حضرت علامہ صاحب سے بھی شرف نیاز حاصل کر لیا جائے، ہم لوگ جب ان کی مسجد میں داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ علامہ صاحب جیسی بین الاقوامی شہرت یافتہ شخصیت ایک چھوٹے سے حجرے میں قیام پزیر ہے، بڑے ادب سے ہم لوگ حجرے میں داخل ہوئے دیکھا تو حضرت ایک چٹائی پر بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے ہیں سامنے چند کتابیں ہیں۔ پہلو میں ایک کتابوں کی الماری ہے ایک گوشے میں معمولی سا بستر رکھا ہوا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ان کی اقامت گاہ میں پوری کائنات بس اتنی ہی تھی، ہمارے پہنچنے پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اشرفیہ کے بزرگوں کی خیرت دریافت کی اشرفیہ کا حال معلوم کیا اور ایک مرتبان سے کچھ بادام اور کاجو نکالے اور اپنے دست مبارک سے ہمیں عطا فرمائے، فرمانے لگے ملی ذمہ داریوں سے کچھ سکون کے لمحات میسر آئے ہیں تو مصباح القرآن حصہ دوم، سوم کی ترتیب کا کام لے کر بیٹھا ہوں پھر دیر تک ''مصباح القرآن'' کی ضرورت، طلبہ کے فکری ارتقا کی مناسبت سے آیات قرآنی کے انتخاب اور عقیدہ وعمل کی اصلاح کے پیش نظر اس کے دور رس نتائج پر اظہار خیال فرماتے رہے۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ مصباح القرآن نئی نسلوں میں مطالعہ قرآن کی اسپرٹ پیدا کرنے کے لیے انتہائی مؤثر اور کامیاب کوشش ہے، اگر مدارس اور عصری درسگاہوں کے نصاب میں اسے داخل کر دیا جائے تو نونہالان ملت بدعقیدگی کی وبا سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائیں گے، اہلسنت کے متوارث عقائد و معمولات کے استدلال کے لیے ان کے دل و دماغ میں قرآنی آیات کا اتنا ذخیرہ جمع ہو جائے گا کہ

بدعقیدگی اور نام نہاد روشن خیالی کا بڑے سے بڑا طوفان بھی ان کے قدموں کو متزلزل نہیں کرسکتا۔

ہم علامہ صاحب کی سحر بیانی میں ڈوبے ہوئے تھے کہ اچانک ایک ادھیڑ عمر کا دراز ریش اور لمبی زلفوں والا شخص داخل ہوا ہاتھ میں کھانے کا ٹفن تھا، اور کسی اجازت وتکلف کا اہتمام کئے بغیر دستر خوان لگادیا اور خود کمرے سے باہر چلا گیا ہم لوگ سراپا حیرت بنے اس زاہد خشک کا یہ انداز دیکھتے ہی رہ گئے، حضرت نے بڑے پیار سے ارشاد فرمایا آپ لوگ بھی شریک طعام ہوجائیں ہم نے بارک اللہ کہتے ہوئے معذرت کرلی حضرت نے معمولی سا کھانا تناول فرمایا اور فارغ ہوکر پھر اپنی نشست گاہ پر بیٹھ گئے، اتنے میں وہ قلندر پھر داخل ہوا اور بچا ہوا کھانا دیکھ کر بڑے تلخ لہجے میں کہنے لگا آپ نے کھایا کیا؟ یہ بھی بچ گیا یہ بھی چھوڑ دیا اب کیا ہوگا اس کا حضرت مسکراتے ہوئے اس کی باتوں کا لطف لیتے رہے، اس کھردرے لب ولہجہ کا انہوں نے کوئی غلط اثر قبول نہیں کیا۔ مگر ہمیں یہ انداز بڑا ناگوار خاطر ہوا۔ بار بار دماغ میں یہ بات گردش کرنے لگی کہ واہ رے نیرنگئی مزاج۔! جو مرد مجاہد رزم گاہ حق و باطل میں شیر کی طرح دہاڑتا ہے اپنوں کی محفل میں ریشم کی طرح نرم ہے۔ سچ ہی کہا ہے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

جب وہ شخص برتن اٹھا کرلے گیا تو میں نے اسی لمحے دریافت کیا حضرت یہ کون

صاحب تھے بڑے کھردرے لب ولہجے میں گفتگو کر رہے تھے، اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا۔ "بس اس کی یہی ادا تو مجھے پسند ہے یہ بنگالی موذن ہے یہ اس کا فطری انداز ہے عام طور پر اس علاقے میں تبلیغیوں کی آمدورفت رہتی ہے جب کوئی تبلیغی مسجد میں داخل ہوتا ہے تو یہ اپنے اسی تلخ لہجے میں چیتے کی طرح جھپٹتا ہے اگر اس کا وجود مسعود نہ ہوتا تو تبلیغی جماعت والے اس مسجد پر کب کا شب خون مار چکے ہوتے۔ حضرت کا استدلال سن کر زندگی میں بالکل پہلی بار کسی ترش رو شخص نے میرے دل میں جگہ بنائی اور عین اسی وقت قدرت کا یہ فلسفہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ گلوں کی پاسبانی کے لیے خاروں کا وجود کیوں ضروری ہے۔

ہم نے چبھتے ہوئے خاروں کو بھی عزت بخشی
آپ سے گل بھی مہکتے ہوئے نہیں دیکھے جاتے

نوازشات کی بارش:

کشور عشق کے تاجدار امام احمد رضا قدس سرہ کے عرس کے موقع پر تحریک رضائے مصطفےٰ کے زیر اہتمام بریلی شریف کے ایک وسیع ہال میں امام احمد رضا کانفرنس ہو رہی تھی، پورا ہال چوٹی کے علما اور دانشوروں سے بھرا ہوا تھا منصب صدارت پر جانشین مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ حضرت علامہ شاہ اختر رضا خاں ازہری جلوہ افروز تھے، راقم امام احمد رضا کے فلسفہ عشق رسول کے موضوع پر تقریر کر رہا تھا اچانک ہال میں دو معزز مہمانوں کا ورود ہوا۔ آگے آگے رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ تھے اور ان کے پیچھے مرکزی وزیر جناب سی، ایم ابراہیم تھے، میں نے چند لمحوں کے لیے

تقریر موقوف کردی مگر ڈائس پر کھڑا رہا۔ حضرت علامہ صاحب اپنی نشست گاہ پر پہنچنے سے پہلے میرے قریب تشریف لائے اور ارشاد فرمانے لگے ''ماشاء اللہ آپ بھی بڑی اچھی تقریر کرنے لگے ہیں اللہ کرے زور بیاں اور زیادہ، میں نے باہر آواز سنی تو لگا مولانا قمر الزماں اعظمی تقریر کر رہے ہیں۔'' میں نے ان بزرگوں کی موجودگی میں وقت ضائع کئے بغیر تھوڑی ہی دیر کے بعد اپنی بات ختم کردی۔

چند ماہ کے بعد مبارک پور حضرت کا فون آیا اور ارشاد فرمانے لگے جمشید پور کی ایک تنظیم سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ والرضوان کے ۷۸۶ ویں عرس مقدس کی مناسبت سے عظیم الشان کانفرنس منعقد کر رہی ہے، انتظامیہ مولانا عبید اللہ خاں اعظمی کو مدعو کرنا چاہتی تھی مگر میں نے آپ کا نام پیش کردیا ہے آپ کو تشریف لانا ہے حضرت سلطان الہند پر خطاب کرنا ہے پوری تیاری کے ساتھ آئیں یہ حکم میرے لیے سرمایہ افتخار تھا، طے شدہ تاریخ پر حاضر ہوا۔

یہ اپنی نوعیت کی عظیم الشان کانفرنس تھی، دن میں حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ العزیز کی حیات وخدمات پر سمینار تھا، جس میں آزاد ہند کلکتہ کے ایڈیٹر اور دیگر مقامی اور بیرونی قلم کاروں اور دانشوروں نے حصہ لیا راقم نے بھی اپنے مقالے کی تلخیص پیش کی اور بعد نماز عشا اجلاس عام ہوا جس میں حضرت محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری اور حضرت بیکل اتساہی نے بھی شرکت فرمائی، میری تقریر کے بعد حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا اور حد درجہ مسرت وشادمانی کا اظہار فرمایا۔

حضرت سے بارہا ملاقاتیں ہوئیں متعدد سیمناروں اور کانفرنسوں میں ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، راقم نے ان کی محفلوں اور تحریروں سے بے پناہ فیض اٹھایا اور بہت سے اہم مواقع پر ان کے مشوروں اور رہنمائیوں سے استفادہ کیا۔ ایک بار اشرفیہ میں ہم نے عرض کیا حضرت آپ نے یہ اسلوب تحریر کہاں سے حاصل کیا فرمانے لگے، میں نے چار قلم کاروں کی تحریریں بالاستیعاب پڑھیں اس میں میرا ذوق بھی شامل تھا اس طرح ملا جلا ایک اسلوب بن گیا اور لکھنے پڑھنے کے حوالے سے اور بھی بہت سے قیمتی مشورے دیئے جنکی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

میرے نام ایک اہم مکتوب:

راقم سطور نے ادارہ تحقیقات حافظ ملت کے زیر اہتمام مسلسل تین سال ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۱ء تک حافظ ملت علیہ الرحمہ کی شخصیت وخدمات پر سیمنار کرائے تھے، جن میں ملک کے نامور قلم کاروں نے شرکت کی اسی موقع پر میں نے علامہ ارشد القادری صاحب کو بھی حافظ ملت پر مضمون لکھنے کی دعوت دی تھی، علامہ صاحب پہلے سیمنار میں تو شریک نہ ہو سکے۔ لیکن دوسرے سیمنار میں بعنوان " حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ۔ مبارک پور میں احیائے دین کی ایک عظیم تحریک کا تاریخی جائزہ" ایک انتہائی معلوماتی اور فکر انگیز مقالہ ارسال فرمایا تھا یہ مقالہ سیمنار میں جامعہ کے ایک طالب علم نے پڑھ کر سنایا اور پھر ماہنامہ اشرفیہ کے " انوار حافظ ملت نمبر" میں شائع ہوا۔ مقالہ کے ساتھ علامہ صاحب نے راقم سطور کے نام ایک گرامی نامہ بھی ارسال فرمایا تھا۔ وہ یادگار مکتوب ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

عزیزی المکرم حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب زید مجد کم

معتمد ادارہ تحقیقات حافظ ملت الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔

وعلیکم السلام رحمۃ اللہ و برکاتہ

مزاج گرامی۔

ادارہ تحقیقات حافظ ملت کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سیمنار کی خبر سے بیکراں مسرت حاصل ہوئی، اپنے محسن کو یاد رکھنا اسلام ہی کا نہیں انسانیت کا بھی تقاضہ ہے تعمیری کردار کے ساتھ حافظ ملت کی تقوی شعار زندگی عصر حاضر کے نوجوانوں کے لیے بہترین مشعل راہ ہے۔ متوازن فکر اور صحیح اقدام حافظ ملت کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتا۔ ہم آپ حضرات سے اس اہم ترین ادارے کے قیام پر دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

بھاگلپور، سہسرام، اور سیتامڑھی کے ہولناک اور لرزہ خیز فسادات کے بعد ادارہ شرعیہ پٹنہ کی طرف سے ان علاقوں میں قیام امن اور راحت رسانی کی جو مہم شروع کی گئی ہے اس میں ذہنی اور عملی طور پر اتنا سخت مصروف تھا کہ پل مارنے کی بھی مہلت نہیں تھی اسی عذر کی وجہ سے نہ سیمنار میں میری شرکت ہوسکی اور نہ اس مبارک تقریب میں پیش کرنے کے لیے میں کوئی مقالہ ہی تیار کرسکا۔

اب جبکہ لگاتار تین مہینے کی جدوجہد کے بعد حالات کچھ پرسکون ہوئے ہیں اور ذہنی طور پر میں قلم اٹھانے کے قابل ہوا ہوں تو

بہت عجلت میں آپ کے دیئے ہوئے عنوان پر ایک مقالہ میں نے
تیار کیا ہے جسے ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ آپ حضرات کی نظر میں
یہ اشاعت کے قابل ہو تو اسے مجموعۂ مقالات میں شامل کر لیں تاکہ
حضور حافظ ملت کے مداحوں کی صف نعال میں مجھے بھی کہیں کھڑے
ہونے کی جگہ مل جائے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوں گے۔

والسلام خیر الختام

دعا گو ارشد القادری۔ پٹنہ

ولادت وخاندانی پس منظر:

مشرقی یوپی کے ضلع بلیا میں سید پورہ نام کی ایک چھوٹی سی آبادی ہے، کہتے ہیں کہ اس گاؤں کا نام پہلے صرف "پورہ" تھا سادات کرام میں سے ایک بزرگ جو عارف باللہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے مرید وخلیفہ تھے اس آبادی میں تشریف لائے اور اسی مقام پر دوائے دل بیچنے لگے، ان کے قدموں کی برکت سے یہ گاؤں پورہ کے بجائے "سید پورہ" کے نام سے مشہور ہو گیا ان بزرگ کا مزار اسی آبادی میں مرجع خلائق ہے۔

۱۹۲۵ء میں اسی گاؤں کے ایک مشہور علمی ودینی خاندان میں آپ پیدا ہوئے، اور علم وعرفان کی گھنی چھاؤں میں شعور کی آنکھیں کھولیں، آپ کے والد گرامی حضرت مولانا شاہ عبد اللطیف اور جد امجد حضرت مولانا عظیم اللہ علیہما الرحمہ شیراز ہند جونپور کی مشہور دینی درسگاہ مدرسہ حنفیہ کے فاضلین میں سے تھے۔ آپ کے والد

بزرگوار عارف باللہ حضرت صوفی عبد العلیم آسی غازیپوری کے مرید اور زلف گرہ گیر کے اسیر تھے اور بارگاہ غوثیت مآب میں تو فنائیت کے درجے تک پہنچے ہوئے تھے۔ بقول علامہ ارشد القادری ''وہ سرکار غوث الوری رضی اللہ تعالی عنہ کے عشق و عقیدت میں اتنے سرشار تھے کہ ہر وقت ان پر ایک کیف و مستی کی کیفیت طاری رہتی تھی جب تک زندہ رہے چاند کی ہر گیارہ تاریخ کو بڑے اہتمام سے سرکار کی فاتحہ کرتے تھے۔'' امام العارفین حضرت مولانا آسی غازیپوری قطب الاقطاب حضرت دیوان رشید جونپوری (مصنف مناظرہ رشیدیہ) کی خانقاہ عالیہ کے سجادہ نشین تھے حضرت مولانا شاہ عبد اللطیف صاحب نے سلسلہ رشیدیہ سے اکتساب فیض کرتے ہوئے اپنے چھوٹے بیٹے کا نام غلام عبد الرشید تجویز کیا۔ یہی نام اشرفیہ کے رجسٹر اور روداد میں بھی درج ہے۔ مگر شہرت دوام قلمی نام ارشد القادری کے حصے میں آئی۔ یعنی شاہ دیوان رشید کی مناسبت سے لفظ ارشد تجویز کیا اور سرکار بغداد کی نسبت سے القادری کا اضافہ کیا اور دونوں بزرگوں کے فیضان سے ''علامہ ارشد القادری'' ہو گئے۔

قطرے سے گہر ہونے تک:

علامہ ارشد القادری صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی اور جد امجد سے حاصل کی اور پھر مسلسل آٹھ برس تک دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں دینی علوم وفنون کی تکمیل فرمائی اور ۱۹۴۴ء میں دار العلوم اشرفیہ کے سالانہ اجلاس میں سند فراغ اور

دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے اگرچہ دیگر اساتذہ علم وفن سے بھی اکتساب فیض کیا لیکن حافظ ملت کا تعلیمی وتربیتی فیضان ان پر ساون کی گھٹا بن کر برسا، وہ دار العلوم اشرفیہ کے قابل فخر فرزند ہونے کی حیثیت سے زندگی بھر حافظ ملت کے معتقد رہے، میں اپنی معلومات کی حد تک پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ علامہ صاحب حافظ ملت کے ارشد تلامذہ میں عزیز ترین تلمیذ تھے، معتمد راویوں کا بیان ہے کہ جب علامہ صاحب حافظ ملت کی درسگاہ میں بخاری شریف کی قرأت کرتے تھے تو حافظ ملت پر فرط مسرت سے وجد وکیف چھا جاتا تھا بلاشبہ آپ درسگاہ اشرفیہ کی کرامت بھی تھے اور حافظ ملت کا فیضان نظر بھی۔ امتنان وتشکر کے بارگراں سے سرخمیدہ قلم کا اعتراف پڑھئے۔ علامہ ارشد القادری رقم طراز ہیں۔

”میرے برادر معظم حضرت مولانا شاہ غلام آسی صاحب نے مجھے مبارک پور کی شہرۂ آفاق درسگاہ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں پہنچا دیا، میرے طالع کی ارجمندی کہیے کہ وہاں مجھے جلالۃ العلم استاذ العلماء حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی آغوش تربیت مل گئی اور ان کے ظل ہمایوں میں ہم نے وہاں آٹھ سال گزارے۔ جب ایک سال کے لیے وہ ناگپور تشریف لے گئے تھے تو وہاں بھی مجھے خدمت میں حاضری کا شرف حاصل تھا۔ میرے پاس فکر وشعور اور علم وفن کی جو بھی پونجی ہے وہ انہیں کے علمی فیضان، روحانی توجہ اور ان کی مستجاب دعاؤں کی برکت ہے ان کی

دلنواز شفقت ورحمت نے میری فکر کو بالیدگی، میری زبان کو گویائی اور میرے قلم کو امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی کے مسلک عشق وعرفان کی ترجمانی کا شرف بخشا اور ان کی فکری تربیت کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ باطل قوتوں سے مجھے لڑنے کا جذبہ عطا ہوا یہ شرف بھی میرے لیے باعث افتخار ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی علمی تحریک کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ان کی حیات کے آخری لمحے تک میں ان کا معتمد اور ایک وفادار خادم کی طرح ان کے قدموں سے لگا رہا۔" (سوغات رضا۔ص ۸۲)

یگانہ روزگار تربیت گاہ :

اب اس حقیقت کو تو پورے عہد نے تسلیم کرلیا ہے کہ ماضی قریب میں حضور حافظ ملت جیسا کوئی شخصیت ساز پیدا نہیں ہوا، ذروں کو آفتاب بنانا اور قطروں کو دریا بنانا آپ کی موثر تربیت اور نگاہ کیمیا اثر کا معمولی سا کرشمہ تھا۔ بلاشبہ حضور حافظ ملت فن شخصیت سازی کے امام تھے، اب جس قطرے پر حافظ ملت کی نظر خاص پڑی ہوگی وہ ہیرا کتنا بیش قیمت ہوگا۔ اسی لیے تو حضور حافظ ملت نے ایک موقع پر جلسہ عام میں ارشاد فرمایا تھا۔ "اگر عبد العزیز کو اللہ تعالیٰ اتنی دولت عطا فرما دیتا تو میں اپنے ارشد کو سونے سے تول دیتا" یہ صحیح ہے کہ حضرت علامہ ارشد القادری صاحب کو حافظ ملت سونے سے وزن نہیں کر سکے لیکن حضور حافظ ملت کی زبان فیض ترجمان سے نکلا ہوا یہ

جملہ سونے چاندی سے کہیں زیادہ قیمتی ہے جو تذکار رئیس القلم میں بطور افتخار ہمیشہ دہرایا جاتا رہے گا۔ حضرت علامہ ارشد القادری اپنے استاذ کی یگانہ روزگار تربیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حافظ ملت کی زندگی کا سب سے نمایاں جوہر اپنے تلامذہ کی پرسوز تربیت اور ان کی شخصیتوں کی تعمیر ہے۔ اپنے اس وصف خاص میں وہ اتنے منفرد ہیں کہ دور دور تک کوئی ان کا شریک وسہیم نظر نہیں آتا، شخصیت سازی کے فن میں کوئی مستقل کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری لیکن اپنی معلومات و تجربات کی حد تک کہہ سکتا ہوں وہ اس فن کے امام تھے۔''

شخصیت سازی کتنا مشکل فن ہے اور ایک فلک پیما مربی کے اندر کن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔ علامہ صاحب اپنے استاذ کی زندگی پر اس رخ سے روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''تاج محل کی تعمیر آسان ہے لیکن شخصیتوں کی تعمیر کا کام بہت مشکل ہے حافظ ملت کو اس کام سے عشق کی حد تک تعلق تھا، سفر میں حضر میں حلقۂ درس میں مجلس خاص میں جلسۂ عام میں کہیں وہ ایک لمحے کے لیے اپنے فریضۂ عشق سے غافل نہیں رہتے تھے، تاریخ میں مصلحین واساتذہ کی زندگیوں کے جو بے شمار واقعات محفوظ ہیں ان میں شخصیت سازی سے متعلق بکھرے ہوئے جزئیات کا اگر آپ گہرا

مطالعہ کریں تو آپ میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ شخصیت سازی کے لیے کسی معلم و مصلح میں ان پانچ اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔(۱) شفقت (۲) ذہانت (۳) تدبر (۴) علم (۵) تقویٰ۔ اور حقائق وواقعات شاہد ہیں کہ یہ پانچوں اوصاف حافظ ملت کی زندگی میں ابھرے ہوئے نقوش کی طرح نمایاں ہیں۔

(اشرفیہ حافظ ملت نمبر)

حضرت علامہ ارشد القادری اپنے آقائے نعمت حضور حافظ ملت کی بارگاہ عالی جاہ میں فکر و قلم کا خراج پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

رئیس یاد ہیں لاکھوں حکایتیں لیکن
کوئی سنے تو سناؤں کوئی کہے تو کہوں

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان اپنے ذاتی فضائل و کمالات، اپنے جذبۂ ایثار واخلاص، اپنے زہد و تقوی، اپنے علمی تجربہ، اپنی عملی حکمت و فراست، اپنے مقام تقرب و عرفان، اپنے اخلاقی محاسن و مکارم کے اعتبار سے جس مقام بلند پر فائز تھے، اس کا اعتراف دوست تو دوست دشمن کو بھی ہے۔ لیکن جس خصوص میں انہوں نے اپنے عصری نہیں بلکہ اپنے ماضی کے بھی ہزاروں علما کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا ہے وہ ہے ان کی شخصیت سازی اور نسل انسانی کے احیاء کا مشن اور وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ اس کا تسلسل موت کا

فرشتہ بھی نہیں توڑ سکا۔ علم و آگہی اور شخصیت سازی کا جو چشمہ فیض ان کی حیات ظاہری میں جاری تھا وہ آج بھی جامعہ کے احاطے میں ابل رہا ہے۔ (انوار حافظ ملت نمبر اشرفیہ ۱۹۹۲ء)

آنکھوں میں اک نمی سی ہے ماضی کی یادگار:

جن دنوں علامہ ارشد القادری مبارک پور میں حصول کمال کے لیے کوہ پیمائی کر رہے تھے، حافظ ملت افراد سازی کے ساتھ دار العلوم کی تعمیر و ترقی کے لیے بھی شب و روز کوشاں تھے، حافظ ملت کے اخلاص عمل اور پر سوز قیادت نے اہل مبارک پور کو اخلاص و وفا کا پیکر بنا دیا تھا، انہوں نے اپنی خستہ حالی کے دنوں میں بھی ایثار و قربانی کے جو حیرت انگیز مظاہرے کئے تھے کم از کم ہندوستان بھر میں ان کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ۱۳۷۱ھ میں حضرت علامہ صاحب نے ان کی داستان ایثار بنام "مشرقی یوپی میں شوکت اسلامی کا ایک تاریخی مرقع" سپرد قلم فرمائی تھی۔ علامہ ارشد القادری صاحب اپنے عہد طالب علمی کا آنکھوں دیکھا منظر اپنے خاص پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔

"ہندوستان میں مسلمانان اہلسنت کی مرکزی درسگاہ "مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم" جو اہل مبارک پور کی علم پرور زندگی کا ایک بے نظیر شاہکار ہے، اشرفی روڈ پر اس کی عالیشان عمارت دیکھ کر بہتوں کو شاہی محل کا دھوکہ ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس وقت ایشیا بھر میں طرز قدیم کے

ساتھ علوم اسلامی کی ٹھوس تعلیم صرف یہیں دی جاتی ہے، اہل علم میں یہاں کا بلند معیار تعلیم ضرب المثل ہے، یہاں کے مستند علماء ہندو پاک پر آسمان کی طرح چھائے ہوئے ہیں۔

اپنے عہد طالب علمی کے دو بیتے ہوئے دن میں کبھی نہیں بھول سکتا، جس زمانہ میں اس کی آخری منزل کے لیے ہنگامی چندہ ہو رہا تھا عصر سے لیکر مغرب تک چندہ کے اجتماع میں تمام طلبہ کی حاضری ضروری تھی۔ بالکل ایسی ہی جیسی درسگاہ میں درس کے وقت مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ چار بجے چھٹی کے بعد ہم تمام طلبہ دار العلوم کے بڑے ہال میں جمع ہو جاتے تھے۔ صدر دروازہ سے نکل کر روانہ ہونے کا دلکش نظارہ نگاہوں میں اب تک پھر رہا ہے۔

جان مبارک پور جلالۃ العلم حضرت استاذ علامہ عبد العزیز صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ (علیہ الرحمہ) اور دیگر اساتذۂ کرام کے پیچھے پیچھے طلبہ کی ایک بہت لمبی قطار ہوتی تھی۔ جس راستے سے ہم لوگ گزرتے تھے لوگ ہماری بشاش ہیئتوں کا تماشا دیکھتے تھے۔ درویشوں کی صف میں کھڑے ہو کر ہم کتنے مغرور نظر آتے تھے کاش وہ شگفتہ زمانہ کسی طرح پلٹ آتا۔ ع

اے عہد گزشتہ کی سہانی راتو
اب تم سے ملاقات نہیں ہو سکتی

جن طلبہ میں شعروشاعری سے کچھ لگاؤ تھا وہ چندے میں پڑھنے کے لیے ہر روز تازہ تازہ نظمیں لکھا کرتے تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ زماں مبارک پوری کا ایک آتش بار قصیدہ اس وقت اس قدر مقبول ہوا کہ مبارک پور کے بچے بچے کی زبان پر تھا چندہ میں جس وقت وہ پڑھا جاتا تھا لوگوں میں وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، بہت سے گھروں پر خاص طور سے اس قصیدے کی فرمائش کی جاتی تھی۔ بہت دن گزر گئے، لیکن اس کے مطلع کا بند نہیں بھولتا۔

ہم اپنا مال و زر نذر تمنا کر کے چھوڑیں گے
تمام اغیار کو محو تماشا کر کے چھوڑیں گے
جہاں میں حسن عالمگیر برپا کر کے چھوڑیں گے
ہم اپنے مدرسہ کو رشک لیلیٰ کر کے چھوڑیں گے

ایک مبارک پوری خاتون کا جذبۂ ایثار:

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے اسی دور کے چندے کے تعلق سے مبارک پور کی ایک وفا شعار بیوہ خاتون کا رقت خیز واقعہ بھی بیان فرمایا ہے اگر عجلت نہ ہو تو چند لمحے ٹھہر کر اسے بھی پڑھتے چلیے۔

"تقریباً رات کے گیارہ بجے تھے ایک بیوہ عورت کے گھر کے سامنے چندے کا جلوس گزر رہا تھا لوگ اس کے دروازے پر ٹھہرے بغیر آگے بڑھ گئے، وہ جانے کس جذبہ میں اتنی رات تک دروازہ کھولے بیٹھی ہوئی تھی، جب اس نے دیکھا تو لاٹھی ٹیکتے ہوئے گھر سے باہر نکلی اور بھرائی آواز میں پکارا۔

"کیا مدرسہ بیوہ عورتوں کا نہیں ہے"؟

کوئی مجھ سے پوچھے تو بخدا نہیں بتا سکتا کہ اس کے اس جملے میں اور نشتر میں کیا فرق ہے، دلوں پر ایک ایسی چوٹ لگی کہ عمر بھر یاد رہے گی بالآخر جلوس کو واپس لوٹنا پڑا۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ اس کے دروازہ پر ایک انڈا اور تھوڑے سے جو کا چندہ ملا تھا۔ غالباً اس دن یہی اس کے گھر کی کل کائنات تھی۔

لوگوں کی رائے ہوئی کہ انڈے کو یہیں نیلام کیا جائے چنانچہ ایک پر ایک بولیاں شروع ہوئیں اخیر میں ایک صاحب کو پچھتر روپیہ پر انڈا دے دیا گیا، انہوں نے وہ انڈا لے کر مدرسہ پر نذر کر دیا۔

پھر دوبارہ اس کا نیلام شروع ہوا اسی طرح تین بار نیلام ہو ہو کر مدرسہ پر نذر ہوتا رہا اخیر میں سب نے اپنی رقوم اس بیوہ عورت کے نام درج کرا دی۔" (ایک تاریخی مرقع)

عملی زندگی کا پہلا قدم:

۱۹۴۴ء میں الجامعۃ الاشرفیہ سے فراغت کے بعد آپ ناگپور بحیثیت مدرس تشریف لے گئے اور ۱۹۵۲ء تک آپ نے مدرسہ اسلامیہ شمس العلوم میں گرانقدر تدریسی خدمات انجام دیں، فقیہ ملت مفتی محمد جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ نے آپ سے اسی دور میں درس نظامیہ کی تکمیل فرمائی تھی، بقول فقیہ ملت ''بعد مغرب اپنے دس ساتھیوں کے ہمراہ تقریباً ۱۲ ربجے رات تک حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ سے مدرسہ اسلامیہ شمس العلوم بکرا منڈی مومن پورہ میں درس نظامیہ کی تعلیم حاصل کرتے ۲۴ رشعبان ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹ رمئی ۱۹۵۲ء کو اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ نے دس ساتھیوں کے ہمراہ مجھے بھی سند فراغت عطا فرمائی''۔ علامہ ارشد القادری صاحب اپنی تدریسی خدمات کو دو لفظوں میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''ناگپور میں مدرسہ شمس العلوم اور جمشید پور میں مدرسہ فیض العلوم سے میری تدریسی خدمات کے نتیجے میں تقریباً ڈیڑھ ہزار علماء پیدا ہوئے جو ملک و بیرون ملک میں دین کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔'' (سوغات رضا ص ۹۲)

ناگپور سے جمشید پور تک:

آج سے ٹھیک نصف صدی پیشتر ۱۹۵۲ء کی بات ہے حضور حافظ ملت نے اپنے

ارادت مندوں کے اصرار پر جمشید پور کا دورہ فرمایا، حافظ ملت نے اس خوبصورت شہر میں اہلسنت کے چراغ کی لو مدھم ہوتے دیکھی تو بڑا قلق ہوا۔ بدعقیدگی کی بڑھتی ہوئی یلغار نے اس رخ پر سوچنے پر مجبور کر دیا کہ یہاں کسی دردمند، حاضر دماغ، اخلاص پیشہ مرد آہن مبلغ کی بروقت شدید ضرورت ہے جو اپنی حکمت عملی، دور اندیشی اور جہد مسلسل سے ملت کے دھارے کا رخ موڑ دے۔

جمشید پور کی دینی تاریخ کا وہ لمحہ کتنا انقلاب آفریں تھا کہ ایک مسیحا نفس مرد درویش بارگاہ ایزدی میں استغاثہ گزار رہا تھا اور عالم بے خودی میں لبوں پر ایک ہی مدعا بار بار آ رہا تھا: "اے اللہ غیب سے کسی مخلص، جفاکش عالم دین کا انتظام فرما دے جو جمشید پور میں دین و دانش کے ویران صحرا کو لالہ زار بنا دے" جیسے ہی آنسوؤں کا سیلاب تھما مؤذن کی صدائے دل نواز نے سارے ماحول کا سکوت توڑ دیا۔ اور حافظ ملت اس یقین کے ساتھ مصلے سے اٹھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری مراد پوری ہو گئی۔

نماز فجر سے فراغت کے بعد جب ارادت کیشوں نے دریافت کیا "حضور جمشید پور کے لیے آپ نے کسی عالم دین کا انتظام فرمایا" تو حضور حافظ ملت نے سر اٹھائے بغیر اعتماد و یقین کی بلند چوٹی سے ارشاد فرمایا "جی ہاں" ناگپور میں میرے ایک شاگرد تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں بڑی خوبیوں کے مالک ہیں اگر وہ آ گئے تو مجھے یقین ہے کہ پورا جمشید پور دین وسنیت کا گہوارہ بن جائے گا، میں انہیں آج ہی خط لکھوں گا۔ اگر ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی تو سمجھ لینا بارگاہ ایزدی میں

تمہاری دعائیں مستجاب ہوگئی ہیں۔

حضرت علامہ ارشد القادری کو گرامی نامہ موصول ہوا، برسوں کی شناسا تحریر دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ یہ مبارک مکتوب جلالۃ العلم حضور حافظ ملت کا ہے، مکتوب گرامی کی عبارت میں اگرچہ حاکمانہ تیور نہیں تھا، لیکن ایک حساس تلمیذ کو اپنے استاذ کی دلی مراد تک پہنچنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں ہوئی، مدعائے نگارش کچھ اس طرح تھا، اے میرے معتمد تلمیذ مبارک ہو! کارساز عالم نے تمہیں ایک بڑی جانگسل دینی خدمت کے لیے منتخب فرمالیا ہے، خط پاتے ہی مدرسہ سے سبک دوشی کی اخلاقی ذمہ داریوں سے فارغ ہو جاؤ اور اولین فرصت میں بہار کے عروس البلاد جمشید پور چلے جاؤ، وہاں تم جیسے پر عزم جواں سال مبلغ کی شدید ضرورت ہے، لیکن آنے سے پہلے مدرسہ شمس العلوم ناگپور کے تدریسی اور تربیتی نظام کو سنبھالنے کے لیے اپنی جگہ کوئی مناسب انتظام ضرور کر دینا۔ اس لیے کہ چراغ سے چراغ جلانا کار خیر ہے لیکن ایک چراغ بجھا کر دوسرا چراغ روشن کرنا ایک داعی اسلام کے لیے دانش مندانہ اقدام نہیں۔ علامہ ارشد القادری صاحب ایک زیرک اور حساس عالم دین تھے، وہ مسلسل آٹھ برس تک حافظ ملت کی خدمت میں رہ کر ان کے فکر و عمل کی ایک ایک ادا سے واقف ہو چکے تھے، اب ایک وفا شعار تلمیذ کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ آنے والی صبح تک جمشید پور جانے کے لیے رخت سفر باندھ لیں اور آج ہی شب مدرسہ کی ذمہ داریوں سے اصولی طور پر عہدہ برآ ہو جائیں۔

حضرت علامہ ارشد القادری نے ذمہ داران ادارہ کو بلا کر جمشید پور کی مذہبی

صورت حال پر روشنی ڈالی اور اپنی سبک دوشی کا ذکر کرنے سے پہلے حضور حافظ ملت کا مکتوب گرامی اراکین ادارہ کے سامنے رکھ دیا، خط پڑھنے کے بعد انتظامیہ نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ حضرت علامہ صاحب ہم سے کیا فرمانا چاہتے ہیں اس سے قبل کہ علامہ صاحب اپنا استعفا پیش کریں انتظامیہ کے ذمہ داروں نے بڑے دردناک اور حیرت بھرے انداز میں عرض کیا، حضور! ہم آپ کے لیے ہر قربانی پیش کر سکتے ہیں مگر خود آپ ہی کو کسی کے حوالے کر دیں یہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔ گھنٹوں کی قیل وقال کے بعد فیصلہ کن لب ولہجہ میں علامہ صاحب نے ارشاد فرمایا۔ میں اپنے استاذ گرامی کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی چلنے کو تیار نہیں ہوں، یہ مکتوب ہمارے اس استاذ ومربی کا حکم نامہ ہے جن کے احسانات کے بارگراں سے یہ حیات مستعار کیا میری قبر کی مٹی بھی بوجھل رہے گی، انتظامیہ نے علامہ صاحب کے اس ناقابل شکست عزم کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیے۔ اور ناظم ادارہ نے چار وناچار بھرائی آواز میں اس مچلتی ہوئی آرزو کے ساتھ اجازت دیدی کہ اگر حالات زندگی کے کسی موڑ پر بھی اجازت دیدیں تو ہماری آنکھیں آپ کے لیے ہمیشہ فرش راہ رہیں گی اور ہمارے دلوں کے دروازے آپ کے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔

حافظ ملت کے مکتوب میں نہ کسی مسجد و مدرسہ کا ذکر تھا اور نہ کسی انتظامیہ اور مشاہرہ کا مکتوب کا حاصل صرف اتنا تھا کہ آپ کو جمشید پور میں دین وسنیت کی خدمت کرنا ہے۔

حضرت علامہ ارشد القادری ایک غریب الدیار مسافر کی طرح جمشید پور کے

حدود میں داخل ہوئے تو سورج مغرب کے آنچل میں غروب ہونے کی کوشش کر رہا تھا، ایک اجنبی مسافر کی شام غریباں کتنی دردناک ہوتی ہے اس احساس کو ہم الفاظ کا جامہ تو نہیں پہنا سکتے مگر اتنا ضرور جانتے ہیں کہ ایسے عالم میں دور کی شناسائی بھی بہت بڑا سہارا ہوتی ہے۔ جمشید پور میں علامہ صاحب کے ایک شناسا عالم دین امامت و خطابت کا فریضہ انجام دے رہے تھے، کسی طرح ان کی مسجد تک پہنچے، اور ایک تھکے ہارے مسافر کی طرح صحن مسجد میں اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ جب امام صاحب نماز عشاء کے لیے تشریف لائیں گے تو ملاقات ہو جائے گی اگر پہچان لیا تو کم از کم شب بھر کا ٹھکانا تو مل جائے گا۔ آنے والی صبح کا خدا حافظ ہے۔

ملاقات ہوئی تو امام صاحب بڑے تپاک سے ملے ان کے خوش آمدید کہتے ہوئے تبسم ریز لبوں نے راستے بھر کی کلفتوں کا غم غلط کر دیا۔ رسمی گفتگو کے بعد جب امام صاحب نے جمشید پور تشریف لانے کا مقصد دریافت کیا تو علامہ صاحب صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے استاذ گرامی حافظ ملت نے دین وسنیت کی خدمت کے لیے بھیجا ہے۔ جب امام صاحب نے تفصیل طلب نگاہوں سے مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو جوابا ارشاد فرمایا ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ میں ابھی تک خود نہیں جانتا کہ مجھے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز کہاں سے کرنا ہے۔ آج شب بارگاہ غوثیت مآب میں استغاثہ پیش کروں گا ہو سکتا ہے آنے والی صبح کا سویرا میرے قافلہ شوق کے لیے کوئی سمت منزل متعین کر سکے۔

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نماز فجر کے بعد امام صاحب کو ساتھ

لے کر مسجد سے نکل گئے اور دن بھر مسلم محلوں کا جائزہ لیتے رہے، پیدل چلتے چلتے جب تھک گئے تو سورج غروب ہونے سے کچھ پہلے اپنے ٹھکانے پر واپس لوٹ گئے، دن بھر کی جدوجہد کے بعد جب کوئی کامیابی نہیں مل سکی تو دیر گئے رات تک اپنے مولی سے مسجد کے ایک گوشے میں فریاد کرتے رہے۔ اور دوسرے دن پھر جمشید پور کے گلی کوچوں میں پھیری لگانے والوں کی طرح نکل گئے۔ خدا جانے اس درویش تمام مرد قلندر کو کس کی تلاش تھی اس کی وضاحت تو شاید وہ خود بھی نہیں کر سکتے تھے۔

محلہ دھتکیڈیہ کے ایک گلیارے سے گزرتے ہوئے اچانک بڑھتے ہوئے قدم ٹھہر گئے، اور حیرت و مسرت میں ڈوب کر بڑے غور سے ایک دروازے کی جلی تحریر کو پڑھنے لگے، پژمردہ چہرہ گلاب کی طرح کھلنے لگا، خشک لبوں پر یکلخت تازگی کی لہر دوڑنے لگی۔ پیشانی پر نور مسرت کی کرن دیکھ کر ہم سفر نے پہلی ہی نظر میں یہ سمجھ لیا کہ اجنبی مسافر دور روز سے جس منزل کی تلاش میں سرگرداں تھا شاید وہ منزل اس کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ دروازہ پر کندہ تحریر کی عبارت صرف اتنی تھی۔ "یا سلطان الہند غریب نواز المدد" خدا جانے حضرت سلطان الہند کے نام میں وہ کونسا یقین بول رہا تھا کہ علامہ صاحب نے کسی پس و پیش کے بغیر اس انداز سے گھر کے دروازہ پر دستک دی گویا کہ صاحب خانہ برسوں کا شناسا ہو۔ ہم سفر کی وضاحت طلب نگاہوں کا جواب دیتے ہوئے علامہ صاحب نے فرمایا "عقیدہ و عمل کی یگانگت خون کے رشتوں سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے، خون کے رشتے تو نظریاتی دیواروں کے کھڑے ہونے سے ٹوٹ

جاتے ہیں لیکن دربار خواجہ سے مدنی تاجدار کی دہلیز تک ہم عقیدت کیشوں کی فکری ہم آہنگی کا رشتہ اتنا مستحکم ہے کہ یہ حوادث روزگار کیا۔ موت کا فرشتہ بھی نہیں توڑ سکتا۔

ابھی علامہ صاحب اپنی بات مکمل بھی نہیں کر پائے تھے کہ اتنے میں دروازے کے پٹ کھلے اور ایک نوجوان کے سلام کی آواز نے دونوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا، نوجوان نے آنے کا مقصد دریافت کرتے ہوئے بڑے ادب سے عرض کیا حضرت آپ کو کس سے ملنا ہے۔ علامہ صاحب نے کسی تمہید کے بغیر ارشاد فرمایا۔ اس گھر کے ذمہ دار کون ہیں نوجوان نے اپنے والد گرامی کا نام بتاتے ہوئے کہا وہ اس وقت گھر پر نہیں ڈیوٹی پر تشریف لے گئے ہیں۔ وہ شام کو ذرا دیر سے تشریف لاتے ہیں صبح نو بجے تک ان سے ملاقات ضرور ہو جائے گی۔ علامہ صاحب نے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر ارشاد فرمایا آپ اپنے والد جناب ضمیر الدین صابری صاحب سے ہمارا سلام کہدیں ہم انشاءاللہ کل صبح حاضر ہو کر ان سے ضرور ملاقات کریں گے۔

صبح نو بجے سے پہلے ہی علامہ صاحب جناب ضمیر الدین صابری صاحب کے دروازے پر کھڑے تھے اور دستک دے کر ان کے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے، جناب ضمیر الدین صابری صاحب پہلی ہی ملاقات میں بڑے چاؤ سے ملے رسمی گفتگو کے بعد تشریف آوری کا مدعا دریافت کیا۔ حضرت علامہ صاحب نے اپنے مخصوص مسحور کن لہجے میں مختصر تمہید کے بعد ارشاد فرمایا "ہم آپ کے محلے میں ایک دینی مدرسہ چلانا چاہتے ہیں آپ کے دروازے پر "یا غریب نواز" کی ایمان افروز تحریر دیکھ دل کو اطمینان کل ہی حاصل ہو گیا تھا کہ جمشید پور میں

سرکار سلطان الہند کے دعوتی اور تبلیغی مشن کو آگے بڑھانے کے لیے آپ کی حیثیت ایک مسیحا صفت مرد مومن کی ثابت ہوگی۔اس گفتگو کے بعد صابری صاحب کے دل و دماغ پورے طور پر علامہ صاحب کے ہم نوا ہو چکے تھے۔ لیکن انہوں نے تنگئی حالات کی عذر خواہی کرتے ہوئے عرض کیا۔حضرت دینی مدرسے کی تو بلاشبہ سخت ضرورت ہے مگر ہمارے لیے افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہمارے محلے کے معاشی حالات اس وقت انتہائی متاثر ہیں۔ہم مل ملا کر بھی شاید آپ کی معقول خدمت نہ کرسکیں ابھی صابری صاحب اپنی بات مکمل بھی نہیں کر پائے تھے کہ علامہ صاحب نے ان کی عذر خواہی پر حوصلہ مندانہ انداز میں ارشاد فرمایا" صابری صاحب میں خدمت کرانے کی نہیں خدمت کرنے کی بات کر رہا ہوں انشاء اللہ مدرسہ کو رسول ﷺ کی برکت سے دینی اور علمی فروغ بھی ہوگا اور محلہ کی معاشی حالت بھی سنور جائے گی۔اور بطور استشہاد حضور حافظ ملت اور اہل مبارک پور کی پوری داستان ایثار و وفا سنا ڈالی۔

اتنی دیر میں محلہ کے کچھ دوسرے لوگ بھی پہنچ چکے تھے، علامہ صاحب کی سحر انگیز گفتگو کے بعد صابری صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بڑی سنجیدگی سے عرض کیا تو پھر ہمیں کیا کرنا ہوگا۔علامہ صاحب نے قیام مدرسہ کا آسان حل نکالتے ہوئے ارشاد فرمایا، آپ کے دروازے پر جو یہ برآمدہ خالی پڑا ہوا ہے اس میں درسگاہ لگانے کی اجازت دیدیں۔اللہ تعالیٰ کوئی مناسب سبیل پیدا فرمادے گا تو مدرسہ اپنی جگہ میں منتقل ہو جائے گا۔صابری صاحب نے عرض کیا یہ گھر آپ کا ہے اس کار خیر میں مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔اتنا سننا تھا کہ فرط مسرت سے علامہ صاحب کی پیشانی چمک

اٹھی۔ اور ایک لمحے کا انتظار کیے بغیر اپنے رومال سے برآمدہ کو صاف کرنے لگے۔
صابری صاحب نے بڑھ کر ہاتھ پکڑ لیا اور بڑے لجاجت بھرے انداز میں عرض کیا
آپ ہمیں شرمندہ نہ کریں ہم ابھی اس کو صاف کرائے دیتے ہیں۔ اور پھر صبح ہی سے
قاعدہ بغدادی کے چند بچوں کو لیکر درسگاہ کا آغاز کر دیا۔

دینی تعلیم کے فروغ کے لیے ایک انوکھا قدم:

جمشید پور میں علامہ صاحب کی تحریک پر جن بچوں نے سب سے پہلے مکتب میں
داخلہ لیا تھا ان میں جناب شرف الدین صاحب بھی تھے، انہوں نے علامہ صاحب
کے ایک انوکھے اور انتہائی دانشمندانہ اقدام سے باخبر کرتے ہوئے بیان کیا۔ کہ ایک
روز ہمارے استاذ گرامی حضرت علامہ ارشد القادری صاحب محلہ دھتکیڈیہ میں عیدگاہ
سے قریب کبیریہ مڈل اسکول تشریف لے گئے اور ہیڈ ماسٹر صاحب سے ارشاد فرمایا
آپ کے کچھ طلبہ کو چائے کے ناشتہ پر بلانا چاہتا ہوں ہیڈ ماسٹر صاحب کی رضامندی
کے بعد آپ نے وقت و مقام کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا آپ ہمارے
یہاں بھیجنے کے لیے ان طلبہ کا انتخاب فرمائیں جو ذہین اور پڑھنے میں محنتی ہوں۔

طے شدہ وقت پر جب طلبہ چائے پارٹی میں پہنچے تو آپ نے ناشتے کے
دوران مڈل اسکول کے طلبہ کے سامنے تعلیم کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور طلبہ سے کہا اگر
آپ کو تقریر کرنا سکھایا جائے تو کیا آپ لوگ اس کے لیے وقت دے سکتے ہیں۔
طلبہ کو یہ رائے بہت پسند آئی اور ہر روز خارجی اوقات میں تقریر سیکھنے کے لیے بڑے
ذوق وشوق سے آنے لگے۔ آپ نے علم واخلاق کے مختلف موضوعات پر چھوٹی

چھوٹی تقریریں بچوں کو یاد کرادیں، جب علامہ صاحب کو یہ اطمینان ہوگیا کہ یہ طلبہ اب کسی اجلاس عام میں تقریر کر سکتے ہیں۔ تو آپ نے محلہ کے ایک کھلے مقام پر ''جشن تعلیمی'' کا اعلان فرمادیا۔ اور بڑے اہتمام سے طلبہ کے والدین محلہ کے ذ۔ اران کو خصوصی دعوت دی اور عمومی اعلان کے ذریعہ مسلمانان جمشید پور کو بھی مدعو کیا۔

اہل محلہ کے لیے یہ بالکل انوکھا پروگرام تھا، لوگ بڑے ولولہ و ترنگ کے ساتھ جلسہ میں شریک ہوئے، آپ نے جلسہ کا آغاز قرآن عظیم کی تلاوت سے فرمایا، اور اجلاس کے انعقاد پر مختصر روشنی ڈالنے کے بعد کبیر یہ مڈل اسکول کے طلبہ کی تقریروں کا سلسلہ شروع کرا۔ یا، غیر متوقع طور پر اپنے ہی بچوں سے اسلامیات و اخلاقیات کے موضوع پر تقریریں سن کر اہل محلہ ششدر رہ گئے، راوی کا بیان ہے کہ جب طلبہ پورے اعتماد کے ساتھ ہاتھ ہلا ہلا کر تقریریں کر رہے تھے تو سامعین ورطہ حیرت میں ڈوب کر ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے، اور والدین کی مسرتوں کا عالم تو دیدنی تھا انہیں خود اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ عالم واقعہ ہے یا کوئی خوبصورت خواب دیکھ رہے ہیں۔ بچوں کی تقریروں کا دل آویز سلسلہ ختم ہوا تو پورا مجمع کسی خارجی ترغیب کے بغیر علامہ صاحب کی تقریر سننے کے لیے سراپا اشتیاق تھا۔

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے اب طائرانہ نگاہ سے اجلاس کا پر شوق اور پر مسرت منظر دیکھا تو آنکھوں میں خوشیوں کے آنسو چھلک پڑے بالکل اسی طرح جیسے کسی ضرورت مند مزدور کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے ہی اس کی اجرت ادا کر دی گئی

ہو۔اب علامہ صاحب کو قلبی اطمینان ہوگیا کہ دلوں کی زمین پوری طرح نم ہو چکی ہے اب علم کے لالہ زار اگانے کے لیے صرف دانہ ڈالنے کی ضرورت ہے آپ نے خطبۂ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا۔

آج قوم مسلم اپنی علمی پسماندگی کی وجہ سے سیاسی اور معاشی طور پر کتنی پیچھے چلی گئی ہے یہ مجھے بتانے کی ضرورت نہیں، کبھی اس ملک میں ہماری شوکت اقتدار کا پرچم لہراتا تھا، مگر گردش لیل ونہار نے ہمیں پستی کی اس منزل تک پہنچادیا ہے کہ ایوان اقتدار کے سایہ میں کھڑا ہونا بھی میسر نہیں۔اس میں ہماری دین بیزاری اور علمی تہی دامنی کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔اے لوگو! مایوس ہونے کی ضرورت نہیں اگر صبح کا بھٹکا شام کو گھر پہنچ جائے تو اسے بھٹکا ہوا نہیں کہتے۔

حضرات! کبھی موقع ملا تو بتاؤں گا کہ سات سمندر پار سے جو تن کے گورے اور من کے کالے ہمارے ملک میں داخل ہوئے تھے تو پہلے انہوں نے ہمارا اقتدار پامال کیا تھا۔اور جب ملک چھوڑ کر گئے تو اسلام اور پیغمبر اسلام کے غداروں کے کئی گروہ بھی ہمارے درمیان چھوڑ کر گئے تھے جو فرشتہ صفت داعیان اسلام کے لبادوں میں ہمارے ایمانی اثاثوں پر شب خون مار رہے ہیں۔علامہ صاحب نے پھر اپنے موضوع پر پلٹتے ہوئے ارشاد فرمایا ہندوستانی اقتدار آج بھی سلطان الہند کے دربار شاہی سے تقسیم ہوتا ہے۔بس ضرورت اس چیز کی ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس لائق بنالیں۔

اس تمہیدی اور ضروری گفتگو کے بعد علامہ صاحب نے اپنے مدعائے بیان پر

آتے ہوئے فرمایا۔

ہماری دلی خواہش ہے کہ آپ کے محلے میں ایک ایسا مدرسہ کھولا جائے جس میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی بھرپور نظم ہو آپ کے خصوصی تعاون سے اس منصوبے میں اگر کامیابی مل گئی تو ہمارا پورا معاشرہ دینی و دنیوی برکتوں میں نہا جائے گا۔ اور ہماری نئی نسلوں کے قدم آسمانوں کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے نظر آئیں گے، سنجیدہ گفتگو نے غیر اختیاری طور پر جذبات کا رخ اختیار کر لیا اور پورے مجمع پر وجدانی لہر دوڑ گئی، اور ہر طرف سے ایک شور الرحیل اٹھا مدرسہ قائم ہوگا۔ مدرسہ ضرور قائم ہوگا۔ علامہ صاحب نے سنجیدہ رخ اختیار کرتے ہوئے فرمایا۔

حضرات! جذباتی نعروں سے کسی قوم کا مقدر نہیں بدلتا سردست آپ کو صرف ایک کام کرنا ہے۔ کل صبح اپنے اپنے بچوں کو ہمارے مکتب میں داخل کرائیں۔ چشم دید شاہدین کا بیان ہے کہ مائیں جس طرح عید کے دن اپنے بچوں کو جلدی جلدی عیدگاہ جانے کے لیے تیار کرتی ہیں۔ صبح کو پورے محلے میں بالکل وہی منظر تھا، جب علامہ صاحب برآمدہ میں داخلہ کا رجسٹر لیکر بیٹھے تو دو پہر تک نو داخل طلبہ کا نام ہی درج کرتے رہے، اور آخر میں جب صرف پہلے ہی دن کے نو داخل طلبہ کی فہرست شمار کی گئی تو ان کی تعداد ۳۶۰ تھی۔

اب علامہ صاحب کو ایک دوسری فکر دامن گیر ہوئی کہ ان طلبہ کو کہاں بیٹھایا جائے، راوی کا بیان ہے کہ برآمدہ کے اندر، برآمدہ سے متصل، شاہراہ کے کنارے

اور کھلے مقام پر ایک درخت کے سائے میں جہاں جہاں مناسب جگہ نظر آئی سب جگہ درسگاہیں لگادیں، حضرت علامہ سید رکن الدین اصدق صاحب کے بقول" وہ ایام علامہ صاحب کبھی نہیں بھولے جب درخت کے سایہ میں طلبہ بیٹھتے تھے اور خود ایک ہاتھ میں چھاتا لیکر چلچلاتی دھوپ میں بچوں کو درس دیتے تھے۔"

چار سال تک سڑکوں کے کنارے، دیواروں کے سائے میں کھلے آسمان کے نیچے ایک گشتی درسگاہ کی طرح تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ اسی درمیان میں علامہ کی انتھک کوششوں سے ٹاٹا اسٹیل کمپنی فیض العلوم کی عمارت کے لیے زمین الاٹ کرنے پر تیار ہوگئی۔ چنانچہ فروری ۱۹۵۷ء میں مشاہیر علماء ومشائخ کے مقدس ہاتھوں سے فیض العلوم کی عالیشان عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اب اس پر شوکت اور فلک بوس عمارت کو لوگ دور دور سے دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔

سیوان سے پٹنہ تک:

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی فلک پیما شخصیت جہد وعمل سے عبارت تھی ان کا کاروان حیات زندگی بھر بلندیوں کی جانب رواں دواں رہا وہ کسی ایک مقام پر ٹھہر کر پیچھے مڑکر دیکھنا جانتے ہی نہیں تھے۔ نہ وہ کسی راہ سے خاموشی سے گزرتے تھے اور نہ کسی مقام پر سکون سے بیٹھتے تھے، کہتے ہیں کہ ان کی راہ کے پتھر بھی بولتے تھے کہ ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے وہ جس ویرانے میں بیٹھ جاتے تھے عشق وعرفان کا لالہ زار بنا دیتے تھے۔ ان کی فعال زندگی کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ انہوں نے ملک کے اہم مقامات پر دینی وملی مسائل پر کل ہند پیمانے کی تاریخ ساز کانفرنسیں بھی منعقد کیں،

جن لوگوں نے ان کے زیر اہتمام ہونے والی کانفرنسوں میں شرکت کی ہے۔ ان کے حسن انتظام، ان کے تدبر، ان کے عزم بلند اور ان کی دینی وملی دردمندی کے چشم دید گواہ ہیں۔ بہار صوبائی سنی کانفرنس سیوان، کل ہند سنی اوقاف کانفرنس دہلی، کل ہند مسلم پرسنل لا کانفرنس سیوان، کل ہند سنی کانفرنس رام لیلا میدان نئی دہلی، سنی کانفرنس پٹنہ، اب ذیل میں ہم صرف سنی کانفرنس پٹنہ کی روداد نقل کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ بہار صوبائی سنی کانفرنس سیوان کے موقع پر ۱۲ر مئی ۱۹۶۸ء میں ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ اس کے بعد اس ادارہ کی توسیع وترقی کے لیے سنی کانفرنس پٹنہ کا انعقاد کیا۔

ادارہ شرعیہ بہار کے دستور کی ترتیب، ریاستی کابینہ کی تشکیل اور دار القضا، مدرسہ شرعیہ، بیت المال کے افتتاح اور اغراض ومقاصد سے عام مسلمانوں کو روشناس کرانے کے لیے ممبئی میں طے پایا تھا کہ تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ۲۰ر۲۱ر شعبان المعظم ۸۸ھ مطابق ۱۲ر۱۳ر نومبر ۱۹۶۸ء کو پٹنہ میں مشاہیر اہلسنت کا ایک اجتماع طلب کیا جائے۔ اس تجویز کے بعد علامہ ارشد القادری پٹنہ پہنچے، ''انجمن اسلامیہ ہال، پٹنہ میں دوروزہ اجلاس عام کے سارے انتظامات مکمل کیے اور ادارہ شرعیہ بہار کا مرکزی دفتر نہایت مستعدی کے ساتھ صوبے کے تمام اضلاع سے رابطہ قائم کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اب ہم زیادہ دیر تک درمیان میں حائل نہیں رہنا چاہتے لیجیے پیش خدمت ہے دوروزہ اجلاس پٹنہ کی کارگزاریوں پر مشتمل روداد، اجلاس کے بانی علامہ ارشد القادری کے قلم سے۔

عنوان ہے ''سیوان سے پٹنہ تک''

کتنی ارجمند و فرخندہ فال تھی وہ شام بھی جس کی زلفوں کے سائے میں بیٹھ کر ہم نے سیوان کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا تھا۔ گویا ہم ''چراغ رخ زیبا'' لے کر اپنی متاع گم گشتہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے، اور اب اپنی آبلہ پائی کا کوئی شکوہ نہیں ہے کہ ہم نے منزل مقصود کو پالیا۔

سیوان کانفرنس کی یہ برکت ہم کبھی فراموش نہیں کریں گے کہ وہ ہمیں نقطۂ انجماد سے زندگی کی حرارت کی طرف اچانک واپس لے آئی اور اس نے حیرت انگیز طریقے پر ہمیں یاس و جمود کی تاریکی سے نکال کر مسرت و امید کے اجالے میں لاکھڑا کیا۔

فکر و اعتقاد کی یک جہتی اور وحدت خیال کی برتری کا وہ نظارہ بھی کتنا دلکش اور روح پرور تھا جب کہ گنبد خضریٰ کے پرچم کے نیچے تین لاکھ فرزندان اسلام زمین کے طول و عرض سے سمٹ آئے تھے۔

انسانوں کے اس لہراتے ہوئے سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر ہمارا یہ اندازہ غلط نہیں تھا کہ حالات کے رحم و کرم پر جینے کے بجائے اب میدان عمل کی طرف بڑھنے کا وقت آگیا ہے۔

غالباً اسی فرخ فال اجتماع کی برکت تھی سیوان کے بعد سے ہمارے سفر کا تسلسل ٹوٹنے نہیں پایا۔ ہرنئی صبح کا آفتاب تازہ امنگوں

کے ساتھ ہم پر طلوع ہوا جبکہ ہر شام کا سورج ہمارے عزم وخیال کی ایک نئی دنیا کو سلام کرتا ہوا ہم سے اوجھل ہو گیا۔

مبارک باد ہماری ہمت مردانہ کو کہ ہم نامساعد حالات میں بھی چلتے رہے یہاں تک کہ سیوان سے چل کر ہم بہار کی راجدھانی میں پہنچے اور بجلیوں کی زد پر ایک آشیانے کی بناڈال دی۔

معاذ اللہ! فقر وعشق کے دیوانوں کا جبروت ودبدبہ بھی کتنا لرزہ خیز ہوتا ہے؟ ادھر خبر اڑی کہ سیوان کی طرف عشاق کے قافلے جادہ پیما ہیں اور ادھر سگان دنیا میں ایک شور قیامت برپا ہو گیا۔ جیسے قافلے نہیں چل رہے ہوں مہتاب کی کرن پھوٹ رہی ہو۔

جن طوفانوں اور فتنہ سامانیوں کی یلغار سے ہمیں سیوان میں گزرنا پڑا تھا بالکل اسی طرح کے حالات ہمیں پٹنہ میں بھی پیش آئے تھے۔ ۱۲/۱۳ رنومبر کے لیے ادارۂ شرعیہ بہار کے دوروزہ اجلاس کا اعلان ہوتے ہی بازیگران سیاست پر وحشتوں کا دورہ شروع ہو گیا۔ شر اور زر کے غلاموں نے اجلاس کو ناکام بنانے کے لیے رذالت و شیطنت اور دروغ و افتراء کے ایسے ایسے طوفان اٹھائے کہ آسمان سے نکالے ہوئے شیطان کو بھی پسینہ آ گیا۔

لیکن قربان جائیے! اس رحمت یزدانی کے جو ہر نازک گھڑی میں اپنے محبوب کے بے سروسامان گداؤں کی حمایت فرماتی ہے وہ

بادلوں کے اوٹ سے اتر آئی اور اس نے عظیم آباد کی سرزمین پر چھپنے
محبوب کے دیوانوں کا بھرم دکھلیا۔" (جام نور کلکتہ دسمبر ۱۹۶۸ء)

دو روزہ اجلاس کی کارروائی:

خدا کا شکر ہے کہ ہزار تخریبی کارروائیوں کے باوجود ادارۂ شرعیہ بہار کا دو روزہ اجلاس اپنی ظاہری اور معنوی شوکتوں کے ساتھ حیرت انگیز طور پر کامیاب ہوا۔

اجلاس میں شرکت کے لیے بہار کے انیس اضلاع سے تقریباً پندرہ سو ڈیلی گیٹ آئے تھے، علماء و مشائخ کی تعداد اس سے متجاوز تھی۔ عام حاضرین کا شمار بیس اور پچیس ہزار کے درمیان تھا۔ انجمن اسلامیہ ہال کے اندر باہر اور اشوک تاج پتھ پر ۹ بجے شب سے لیکر ڈھائی بجے رات تک سامعین کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ مین روڈ پر دور دور تک شرفاء و حکام کی کاروں کی ایک لمبی قطار کھڑی تھی۔

رات کے سناٹے میں ایمان افروز اور حوصلہ انگیز تقریروں کا ایسا سماں بندھا تھا کہ جو جہاں کھڑا تھا وہیں محویت شوق کے عالم میں کھڑا رہا۔ لوگوں پر کیف و خمار کا عالم دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہر شخص عشق و عرفان کی بارش میں شرابور ہو گیا ہو۔

تاثرات کا ایک عجیب رد عمل ملاحظہ فرمائیے کہ آخری اجلاس کی صبح کو سارا پٹنہ ان شاطران وقت پر نفریں و ملامت کر رہا تھا جو اپنے آقاؤں کا حق نمک ادا کرنے کے لیے عام مسلمانوں کو اجلاس کی شرکت سے روک رہے تھے۔

تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت سرکار مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم القدسیہ کی شرکت نے اجلاس میں چار چاند لگا دیے۔ ان کے چہرۂ پر نور کی شعاعوں سے ساری

بزم بقعۂ نور معلوم ہو رہی تھی۔ جس وقت وہ پروانوں کے ہجوم میں تشریف لائے ہر طرف جلووں کی بہار آ گئی۔ وہ مشاہیر علمائے اہل سنت جن کی کیف بار تقریروں سے دلوں کی سرزمین مسخر ہوئی اور اپنے مفتوحہ علاقوں میں جنہوں نے عشق رسالت کے فیضان کا علم نصب کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

سید العلماء حضرت اقدس علامہ شاہ سید آل مصطفےٰ صاحب صدر آل انڈیا سنی جمیعۃ العلماء ممبئی، استاذ العلما حافظ ملت حضرت علامہ شاہ حافظ عبد العزیز صاحب قبلہ شیخ الحدیث اشرفیہ مبارک پور، سلطان المناظرین حضرت علامہ شاہ رفاقت حسین صاحب مفتی اعظم کانپور، مجاہد ملت حضرت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب رئیس اعظم اڑیسہ، امام الاذکیا حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب جونپوری، حسان الہند حضرت مولانا ابو الوفا فصیحی غازیپوری، مجاہد دوراں حضرت مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھوچھوی، خطیب مشرق حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی، بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب اعظمی، شاعر نعت حضرت راز الہ آبادی اور عندلیب گلشن رسالت حضرت قمر سلیمانی۔

ان حضرات کے علاوہ بہار کے بہت سارے مشاہیر نے اپنی شرکت سے اجلاس کو رونق بخشی، جن میں سے شیخ بہار حضرت مولانا سید شاہ فدا حسین صاحب قبلہ سرکار پٹنہ، حضرت سجادہ نشین صاحب درگاہ میتن گھاٹ۔ محسن ملت حضرت مولانا الحاج انیس عالم صاحب مفتی نیپال دیوان، حضرت مولانا شاہ سراج الہدیٰ صاحب شہر گیا، حضرت مولانا سید الزماں صاحب حمدوی، حضرت مولانا عبد الحمید صاحب بستہ دوانگی،

مولانا محمد میاں کامل، مولانا محمد احمد صاحب شاہدی، مولانا ابو شمیم صاحب برنپور، مولانا کاظم علی صاحب بستوی، مولانا ساجد اللہ صاحب بھاگلپور، مولانا شاہجہاں صاحب بھاگلپور، مولانا جید القادری صاحب مظفر پوری، مولانا ظفر الحسین صاحب پوکھریروی اور جناب مقبول عالم خاں صاحب ایڈوکیٹ سہسرام کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دارالقضا کا قیام:

ہندستان میں کئی لاکھ مسلم خواتین ہیں جن کی ازدواجی زندگی آفات کے نشانے پر ہے جن کے شوہر نہ حق زوجیت ادا کرتے ہیں نہ نان نفقہ کی کفالت کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں طلاق دیکر آزاد کردیتے ہیں کہ وہ اپنی آسائش وعزت نفس کا کوئی راستہ اپنے طور پر نکال سکیں۔ اپنی گلوخلاصی کے لیے وہ غیر مسلم حکام کی طرف بھی رجوع نہیں کرسکتیں کہ اسلام اپنے مذہبی امور میں کسی غیر مسلم کو مداخلت کا حق نہیں دیتا۔

ایسی عورتوں کی قرار واقعی مشکلات کے حل کے لیے چند ماہ ہوئے ادارۂ شرعیہ بہار نے اہل سنت کے مشاہیر علما سے ایک استفتا کیا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) آج کے حالات میں کیا ازروئے شرع مسلمانوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے معاشرتی اور ازدواجی معاملات کا فیصلہ کرنے کے لیے قاضی منتخب کریں۔

(۲) کیا مسلمانوں کے منتخب کردہ قاضی کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ مظلوم عورتوں کے مقدمات کی سماعت کرکے اپنی صوابدید کے مطابق فسخ نکاح کا حکم لگا سکے۔

چنانچہ ضرورت و مصلحت کے تحت فقہی عبارتوں کی روشنی میں حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب جون پوری، حضرت مولانا الحاج مفتی عبد الرشید خاں صاحب شیخ الجامعہ ناگپور، نائب مفتی اعظم حضرت مولانا شریف الحق صاحب امجدی، حضرت مولانا مفتی بدر الدین صاحب براؤں شریف اور حضرت مولانا عبید الرحمٰن صاحب استاذ جامعہ فیض العلوم جمشید پور نے نہایت مدلل طور پر یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ عامہ مسلمین کو قطعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے ازدواجی معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے کسی صحیح العقیدہ سنی عالم دین کو اپنا قاضی منتخب کرلیں۔ حسب ضرورت و مصلحت اس قاضی کو شرعاً بشرط معہودہ فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔

پٹنہ کے اجتماع میں ان موصول شدہ فتوؤں پر غور وخوض کرنے کے لیے سیدی حضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم کی سرپرستی میں اکابر علما کی ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد حضور مفتی اعظم ہند نے موصول شدہ فتویٰ کی توثیق فرمادی۔ اس کے بعد حضرت سید العلماء مولانا سید شاہ آل مصطفےٰ صاحب قبلہ برکاتی، حضرت استاذ العلماء، حافظ عبد العزیز صاحب شیخ الحدیث اشرفیہ مبارک پور، سلطان المتکلمین حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب مفتی اعظم کانپور، مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ نے فتوؤں کی تائید میں اپنے اپنے دستخط ثبت فرمادیے۔ اور ادارۂ شرعیہ بہار کے مرکزی دفتر میں باضابطہ دار القضاء کا قیام عمل میں آگیا۔

تحریکیں، ادارے اور مسجدیں:

برصغیر میں علامہ ارشد القادری جیسی فعال اور فلک پیما شخصیت نظر نہیں آتی جس نے تن تنہا خاندانی اثر و رسوخ اور پدرم سلطان بود کے خوبصورت نعرے کے بغیر درجنوں ادارے، تحریکیں اور مسجدیں تعمیر کی ہوں، ادارہ بنانا اور چلانا کتنا مشکل اور جانگسل کام ہے اس کا اندازہ شاید عام لوگوں کو نہ ہو لیکن جو لوگ ادارے چلاتے ہیں ان سے پوچھئے کہ صرف ایک ہی ادارے کے منصوبے کو زمین پر اتارنے اور اسے متحرک رکھنے کے لیے کتنی دماغ سوزی، جگر کاوی اور جدوجہد کی ضرورت پڑتی ہے۔ پھر ادارہ سازی اور اس کے پھلنے پھولنے کے لیے زرخیز زمینوں اور بنجر زمینوں کا بھی بڑا فرق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر علمائے اہلسنت کو بمبئی اور بریلی شریف میں ادارے بنانا اور چلانا کوئی مشکل نہیں لیکن اس کی بنسبت دہلی اور سہانپور جیسی زمینوں میں اداروں اور تحریکوں کی بنا ڈالنا اور انہیں زندہ و متحرک رکھنا انتہائی مشکل کام ہے۔ علامہ صاحب کی شخصیت اس رخ سے بھی بڑی بلند ہمت، پرعزم تھی انہوں نے ایک طرف تو درجنوں ادارے اور تحریکیں قائم کیں اور وہ بھی بالکل بے آب و گیاہ زمینوں میں۔ جن مقامات سے علمائے اہلسنت باد صبا کی طرح گزر جاتے تھے آپ نے ان مقامات پر سنیت کے پرشکوہ اور ناقابل شکست قلعے تعمیر کیے جن کی بلند فصیلوں اور پر شوکت میناروں پر ''مسلک اعلیٰ حضرت زندہ باد'' کا فلک بوس پرچم مخالفتوں کے طوفانوں میں بھی لہرا رہا ہے، اور دین و دانش کے ان پرنور چراغوں سے نئے چراغ جلانے کی روایت بھی آگے بڑھ رہی ہے۔ اب ہم ذیل میں علامہ صاحب کے خاک

ہند میں قائم کردہ چند اداروں کی فہرست رقم کرتے ہیں۔

۱ ۔	مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور	بہار
۲ ۔	دار العلوم ضیاء الاسلام ہوڑہ	بنگال
۳ ۔	دار العلوم مخدومیہ گوہاٹی	آسام
۴ ۔	مدرسہ مدینۃ العلوم میسور روڈ	بہار
۵ ۔	مدرسہ مفتاح العلوم نالہ روڈ	راوڑ کیلا اڑیسہ
۶ ۔	مدرسہ اسلامی مرکز ہند پیڑھی رانی	بہار
۷	دار العلوم گلشن بغداد ہزاری باغ	بہار
۸ ۔	جامعہ غوثیہ رضویہ بیروا ئی گنج	سہارن پور
۹ ۔	مدرسہ مدینۃ الرسول کوڈرمہ	بہار
۱۰ ۔	مدرسہ مظہر حسنات رام گڑھ	بہار
۱۱ ۔	فلاحی مرکز آزاد نگر	بہار
۱۲ ۔	مدرسہ تنویر الاسلام ٹیلکو	بہار
۱۳ ۔	دار العلوم رشیدیہ رضویہ سید پورہ	بلیا یوپی
۱۴ ۔	جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء ذاکر نگر	نئی دہلی
۱۵ ۔	مدرسہ عزیز الاسلام جگسلائی	بہار
۱۶ ۔	فیض العلوم مڈل اسکول جوہر نگر	بہار
۱۷ ۔	فیض العلوم ہائی اسکول دھتکیڈیہ	بہار

۱۸ ۔ مدرسہ عزیزیہ نورانی کودر　　بہار

ان کے علاوہ بے شمار ادارے وہ ہیں جن کی تعمیر و ترقی میں آپ کا جزوی مگر انتہائی اہم کردار رہا ہے۔

آپ نے دینی اور ثقافتی تنظیمیں بھی قائم کیں اور ان سے بڑے حیرت انگیز اور گرانقدر کارنامے انجام دیئے۔ تحریکوں کے نام ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ ادارہ شرعیہ بہار۔ سلطان گنج۔ پٹنہ

۲۔ کل ہند مسلم پرسنل لا کانفرنس۔ سیوان

۳۔ کل ہند مسلم متحدہ محاذ۔ رائپور ایم۔ پی

آپ نے آٹھ مساجد تعمیر کیں ان میں بعض کو زمین خرید کر تعمیر کیا اور بعض وہ ہیں جن کا صرف تعمیری نظم فرمایا مساجد کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ فیض العلوم مکہ مسجد جمشید پور۔ ۲۔ نورانی مسجد ذاکر نگر جمشید پور۔ ۳۔ قادری مسجد ٹیلکو۔ ۴۔ مسجد مفتاح العلوم راوڑ کیلا اڑیسہ۔ ۵۔ مسجد غوثیہ رانچی۔ ۶۔ مسجد اہلسنت کوڈرمہ۔ ۷۔ مدینہ مسجد آزاد نگر۔ ۸۔ مدینہ مسجد موسیٰ بستی۔

تحریک اشرفیہ کے فروغ میں تاریخی کردار:

حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ دار العلوم اشرفیہ کے قابل فخر فرزند ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ تحریک اشرفیہ کے سرگرم معاون اور پر خلوص مشیر رہے، عہد

حافظ ملت ہی سے وہ جامعہ اشرفیہ کی سب سے بااختیار کمیٹی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے، جب بھی کوئی نازک مسئلہ کھڑا ہوتا علامہ صاحب کو یاد کیا جاتا وہ اپنے اخلاص عمل اور بلندیٔ فکر سے مؤثر کردار ادا کرتے، حضرت حافظ ملت اور تحریک اشرفیہ سے ان کی وابستگی عشق کی حد تک تھی، وہ جب بھی اشرفیہ کے صحن میں قدم رکھتے اشرفیہ کی فلاح و بہبود کے لیے کوئی نیا منصوبہ پیش فرماتے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔

جن دنوں حضور حافظ ملت دار العلوم اشرفیہ کو الجامعۃ الاشرفیہ بنانے کے لیے مضطرب تھے ان کے اس منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے بڑے بڑے اہل جبہ و دستار میدان میں اتر پڑے تھے، مخالفت کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی تھی کہ محض ایک دار العلوم کے شیخ الحدیث کے ہاتھوں یہ فلک پیما کارنامہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو ہمیں سر چھپانے کی جگہ کہاں رہ جائے گی اور ہم نے جو اپنے باپ دادا کے نام پر روٹی روزی کا روحانی کاروبار پھیلا رکھا ہے۔ وہ یکسر سرد پڑ جائے گا۔ خیر ان یاران وقت کی دور اندیشی بلاشبہ قابل مبارک باد تھی۔ مگر شاید انہیں حضور حافظ ملت کے بلند حوصلہ تلامذہ کی طاقت کا اندازہ نہیں تھا جو علم و استقامت کا پہاڑ بن کر ملک کے ہر گوشے میں کھڑے تھے اور فکر و فن کی بجلیاں بن کر دین و دانش کے ہر شعبے میں متحرک تھے۔ حافظ ملت کی خوددار تحریک کا ہمیشہ یہ مزاج رہا۔

یہ مہر تاباں سے کوئی کہہ دے وہ اپنی کرنوں کو چن کے رکھ لے
میں اپنے صحرا کے ذرے ذرے کو خود چمکنا سکھا رہا ہوں

حضور حافظ ملت نے اپنے منصوبے کے اعلان سے قبل ہی ۳۳ ر ایکڑ زمین کا وسیع رقبہ حاصل کر لیا تھا اور جب وہ اس تحریک کو لیکر اٹھے تو اشرفیہ کی مجلس اعلیٰ اور اس کے شبہ نشیں سد سکندری بن کر کھڑے ہو گئے۔ اور مبارک پور میں الجامعۃ الاشرفیہ کے قیام کی ہر جد و جہد ناکام بنانے کے درپے ہو گئے۔ یہی وہ موقع تھا کہ حضور حافظ ملت نے صبر و استقامت کی مثال قائم کر دی تھی اور اپنے تلامذہ کے درمیان اعلان کر دیا کہ" ہر مخالفت کا جواب کام ہے۔" اگر میرے کسی روحانی فرزند نے تحریک اشرفیہ کے مخالفین کو جواب دینے کی کوشش کی تو سخت نوٹس لیا جائے گا۔ اس نازک موڑ پر علامہ ارشد القادری ایک دور اندیش، بیدار مغز اور فعال سپاہی کی حیثیت سے سایہ کی طرح حافظ ملت کے ساتھ لگے ہوئے تھے، اگر چہ حافظ ملت کے دیگر وفا شعار تلامذہ کا کردار بھی ناقابل فراموش ہے پھر کیا ہوا۔ اس عہد کی مختصر روداد علامہ ارشد القادری کے قلم سے پڑھئے۔

" جب حافظ ملت کو یقین ہو گیا کہ مبارک پور کی سرزمین پر وہ اپنے فکری منصوبے کو عملی شکل نہیں دے سکتے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ ملک کے کسی بھی خطے میں اس کام کا آغاز کیا جائے، حافظ ملت کے عزیمت و استقامت کی سیل رواں کے سامنے مشکلات کی کوئی دیوار کھڑی نہیں رہ سکی۔

چنانچہ جگہ کے انتخاب کے سلسلہ میں حضرت موصوف نے مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ کی قیادت میں ایک سہ رکنی وفد کی تشکیل فرمائی جس کے ارکان میں راقم الحروف اور حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اعظمی علیہ الرحمہ شامل تھے،

اتر پردیش کے چند مقامات کی نشاندہی فرماتے ہوئے حضرت نے وفد کو واضح طور پر ہدایت فرمائی کہ کس کس رخ سے ان تمام مقامات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

وفد کو جن مقامات کا سروے کرنا تھا ان میں مغل سرائے، سلیم پور، گورکھپور اور بلرامپور شامل تھے ایک ہفتے کے بعد جب یہ وفد واپس لوٹا اور ان کے سامنے جائزے کی رپورٹ پیش کی تو حضرت نے بلرام پور کو اپنے منصوبے کے آغاز کے لیے پسند فرمایا۔ کیونکہ وہاں کے چند باہمت اور حوصلہ مند افراد نے ابتدائی مرحلے میں سو بیگھے زمین کا رقبہ مجوزہ تعلیمی مرکز کے لیے وقف کرنے کی پیش کش کی تھی۔'' جب اہل مبارک پور کو اس کا علم ہوا تو پورے مبارک پور میں کہرام برپا ہو گیا۔ اور ہنگامی میٹنگ بلائی گئی، جس میں حضرت نے اپنے ارادے سے باخبر کر دیا۔ اس کے بعد کیا ہوا ایک چشم دید شاہد کی حیثیت سے علامہ ارشد القادری لکھتے ہیں۔

''یہ سنتا تھا کہ ہزاروں افراد پر مشتمل سارا مجمع چیخ اٹھا کہ حضرت کو کسی قیمت یہاں سے جانے نہیں دیا جائے گا، ہم ان کے دروازے پر اپنے بال بچوں کے ساتھ دھرنا دیں گے، اور جب تک وہ اپنا ارادہ نہیں بدلیں گے ہم وہاں سے نہیں لوٹیں گے۔ اسی میٹنگ میں یہ بات بھی متفقہ طور پر طے پائی کہ وہ اپنے تعلیمی منصوبے کا آغاز مبارک پور ہی کی سرزمین سے کریں۔ اور کل کرنا چاہیں تو آج ہی کریں، اسی مجلس میں حاضرین کے مطالبے پر دار العلوم کی مجلس انتظامیہ تحلیل کر دی گئی اور دار العلوم کے سربراہ کی حیثیت سے

ادارے کا سارا نظام حضرت کے ہاتھوں منتقل کردینے کی قرارداد متفقہ طور پر منظور کرلی گئی۔" (انوار حافظ ملت نمبر اشرفیہ ۱۹۹۲ء)

۲۱ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ/ ۶ مئی ۱۹۷۲ء کو تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند، سید العلماء حضور سید آل مصطفےٰ مارہروی اور دیگر اکابر اہلسنت کے ہاتھوں الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اور حضور حافظ ملت نے اپنا فلک پیما منصوبہ زمین پر اتار دیا۔ واضح رہے کہ جامعہ کی کل ہند تعمیری کانفرنس میں علامہ ارشد القادری کی خدمات بڑی گرانقدر تھیں جامعہ کی مرکزی درسگاہ کا نقشہ بھی آپ ہی نے تیار کرایا تھا۔ الجامعۃ الاشرفیہ آج اہلسنت و جماعت کے سب سے بڑے علمی قلعے کی حیثیت سے عالمی دنیا میں متعارف ہے اور سنی دنیا میں طالبان علوم نبویہ کی علمی پیاس بجھانے کے لیے آخری چشمہ علم یہی ہے۔

حضرت علامہ ارشد القادری نے جامعہ اشرفیہ کی تعمیر و ترقی کے لیے ۱۹۷۹ء میں ایک منصوبہ بنایا تھا کہ اس وقت جامعہ کے تعمیری منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ایک کروڑ روپیہ کا تخمینہ تھا انہوں نے ایک روپیہ ماہانہ کے حساب سے سال بھر کا چندہ بارہ روپیہ طلب کیا تھا ان کا اندازہ تھا کہ اگر سال بھر میں ایک لاکھ رکن بھی ملک بھر میں دستیاب ہو گئے تو اس طرح نو سال میں الجامعۃ الاشرفیہ کا منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ مگر یہ منصوبہ اپنے نتیجے کے اعتبار سے جتنا خوش کن اور معاونین کے لیے جتنا آسان تھا اس رخ سے بڑا مشکل بھی تھا کہ ایک لاکھ افراد سے رابطہ کیسے کیا جائے، بس اسی کوہ کنی کے لیے حضرت علامہ ارشد القادری نے انجمن ابنائے قدیم کے صدر کی

حیثیت سے فرزندان اشرفیہ کے نام ایک ولولہ انگیز مکتوب" تحریر فرمایا، عنوان تھا
"اخلاص و وفا کی آزمائش کا سنگین مرحلہ" اس مکتوب میں حضور حافظ ملت کی تحریک
اشرفیہ پر جس اخلاص و دردمندی کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے فرزندان اشرفیہ کی
غیرت تلمیذی کو للکارا ہے۔ تاریخ اشرفیہ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس تاریخی مکتوب
کے چند اقتباسات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

فرزندان اشرفیہ کے نام ایک ولولہ انگیز مکتوب :

موسم گل کوئی آیا نہ کہیں پھول کھلے
جب بھی خالی ہوئی دنیا ترے دیوانوں سے

اخی فی العلم و الدین زید احترامکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

مزاج مبارک!

آپ کو یہ معلوم کرکے انتہائی مسرت ہوگی کہ معمار علم وحکمت حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی مقدس امانت یعنی "مجوزہ عربی یونیورسٹی" جس کے غم میں وہ ساری زندگی بےچین رہے اور جس کی تکمیل کی دردناک حسرت لحد تک ان کے ساتھ گئی، اس کی تعمیر کے لیے ملک گیر پیمانے پر جلد ہی ایک تحریک شروع کی جا رہی ہے۔

برادر گرامی! قوم کی بہبود اور ملت کی فلاح کے کام دنیا میں ہزاروں ہیں لیکن آنے والی نسلوں میں دین کو منتقل کرنے کا کام دین کا سب سے بڑا کام ہے۔ جسے بھی قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ اس حقیقت سے انکار

نہیں کر سکتا کہ قائد کے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ خاتم پیغمبراں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد علما کو جانشینی کا منصب عطا ہوا تا کہ کسی دور میں بھی یہ دنیا امت کے قائدین سے خالی نہ رہی۔ اور یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ قائد خود بخود نہیں پیدا ہوتا بلکہ قطرۂ ابر نیساں کی طرح وہ علم وحکمت کے کسی صدف میں پرورش پاتا ہے اور تربیت کے بے شمار مراحل سے گزرنے کے بعد ہی وہ قیادت وسروری کے تاج کا گوہر بنتا ہے۔

حافظ ملت کے ذہن میں اسی طرح کی ایک عظیم تربیت گاہ تھی جہاں وہ مستقل کے مذہبی قائدین، اور رجال علم وحکمت کا ایک مضبوط دستہ تیار کرنا چاہتے تھے تاکہ آنے والی نسلوں میں دینی زندگی کا تسلسل جاری رہ سکے۔ ان کے تصور میں عربی یونیورسٹی کے نام سے علم ودانش کا ایک نہایت خوبصورت شہر تھا جو کتاب وسنت کی بے شمار قندیلوں سے جگمگا رہا تھا، چمن چمن حکمت وعرفان اور عشق ویقین کے رنگا رنگ پھول مہک رہے تھے، ساری فضا معطر تھی سارا ماحول منور تھا۔ کاش حافظ ملت کو زندگی کی کچھ اور مہلت مل گئی ہوتی تو حقیقت ومعنی کا وہ باغ ارم جو ابھی بزم خیال میں تھا ہم اسے جہان آب وگل میں بھی دیکھ لیتے۔

بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ حافظ ملت کے ذہن میں عربی یونیورسٹی کے قیام کی تحریک کیونکر پیدا ہوئی جن دنوں وہ اپنے اندر ایک آفاقی سطح کے تعلیمی مرکز کے قیام کی بے چینی محسوس کر رہے تھے، میں ان کے ذہنی واردات سے بہت قریب تھا۔

سالہا سال کے گہرے مطالعہ کے بعد انہیں شدت سے اس حقیقت کا احساس

ہوا کہ ہم اہل سنت جو ماضی سے منتقل ہو کر حال میں آئے ہیں اب آہستہ آہستہ غیر شعوری طور پر سمٹتے جا رہے ہیں، اور ہمارے مدارس کی پیداوار حریفوں کے مقابلے میں اتنی گھٹ گئی ہے کہ اگر وسیع پیمانے پر اضافے کی کوشش نہیں کی گئی تو چند ہی سال میں طاقت کا توازن بدل جائے گا چنانچہ اپنے مطالعہ کے پس منظر میں جس خطرے کا اندیشہ انہیں لاحق ہوا تھا۔ آج وہ محسوس شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

ایک طرف اہل سنت کے وہ مقدس اکابر جو ماضی سے ہمیں ورثے میں ملے تھے ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے ہیں۔ اور جو باقی بچ گئے ہیں وہ بھی پابہ رکاب ہیں۔ اور دوسرے ہمارے مدارس کی سالانہ پیداوار مجموعی طور پر بھی اتنی نہیں ہے، کہ ہندوستان جیسے وسیع ملک میں مذہبی اور جماعتی ضروریات کے لیے کافی ہو۔ چنانچہ آدمیوں کی قلت کے نتیجے میں آج ہماری مسجدوں، درسگاہوں، اور دینی زندگی کے بے شمار مراکز کو جو سنگین خطرات لاحق ہو گئے ہیں وہ باخبر حضرات سے مخفی نہیں ہیں۔

مدارس کی پیداوار کا یہ جائزہ تعداد اور مقدار کے لحاظ سے ہے لیکن علمی استعداد، تدریسی قابلیت، فنی رسوخ، فکری بصیرت اور قائدانہ صلاحیتوں کے اعتبار سے اگر آج کی پیداوار کا دیانتداری کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو دردناک قسم کی مایوسی کا قلق برداشت کرنا ہوگا۔

آج کل ہمارے یہاں بڑی تیزی سے نئے نئے مدارس کھل رہے ہیں اور تماشا یہ ہے کہ ہر مدرسہ اپنے وجود کے پس منظر میں ''عظیم درسگاہ'' ہی کا تخیل لیے ہوئے منظر عام پر آ رہا ہے۔ وسائل کے بل پر مدرسہ کی شاندار سے شاندار عمارت بن سکتی ہے

بہتر سے بہتر دفتری نظام قائم کئے جاسکتے ہیں اور عمدہ سے عمدہ تشہیر و تعارف کے طریقے ایجاد ہو سکتے ہیں لیکن بنیادی سوال یہ ہے کہ وہ "رجال علم وفن" اور وہ ماہر اساتذہ کہاں سے لائے جائیں گے جن کے بغیر کسی بھی معیاری درسگاہ کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ یہ تو ہوسکتا ہے اور ہو رہا ہے کہ چند وہ مشاہیر اساتذہ جو اس وقت ہماری درسگاہوں کی آبرو اور سلف کے علمی ذخائر کے صحیح وارث ہیں، انہیں زیادہ سے زیادہ اجرت دے کر کوئی متمول درسگاہ حاصل کر لے، اور اپنا کام چلائے لیکن یہ سلسلہ بھی زیادہ دنوں تک جاری نہیں رہ سکتا کیونکہ نئے کاریگروں کی پیداوار بند ہو جانے کے بعد ایک نہ ایک دن کاریگروں کے فقدان سے یہ چلتا ہوا پورا کارخانہ بند ہو سکتا ہے۔

یہ ہیں ہماری زندگی کے وہ بنیادی اور حقیقی مسائل جن پر ہمیں انتہائی سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ غور کرنا ہے۔ اگر ہم نے وقت کی آواز سمجھنے میں غلطی کی اور اپنی درسگاہوں کے مستقبل کو خطرے کی زد سے نہیں نکالا تو آنے والی نسلوں میں ہماری جماعتی زندگی کا تسلسل باقی نہیں رہ سکے گا اور ہم صرف ماضی کی ایک پارینہ تاریخ بن کر رہ جائیں گے۔

ابھی تک غنیمت ہے کہ ہماری محفلوں میں علم و حکمت، فکر و فن اور بصیرت و نظر کے کچھ چراغ روشن ہیں۔ لو سے لو ملا کر نئے چراغ جلائے جاسکتے ہیں۔ ورنہ خدانخواستہ یہ بھی گل ہو گئے تو ہمارے تاریک مستقبل کا بس خدا ہی حافظ ہے۔

اتنی تفصیل کے بعد اب دلوں کو اس حقیقت کے آگے جھک جانا چاہئے کہ عربی

یونیورسٹی کی تحریک کے پیچھے حافظ ملت نے ایک عظیم مستقبل کا سنگ بنیاد رکھا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بات حقیقت سے زیادہ قریب ہو جائے گی کہ متاع زندگی کو نہیں بلکہ خود زندگی کو انہوں نے اپنی فلک پیما فکر کا نشانہ بنایا ہے۔

کاش انہیں خدا کی طرف سے دو چار سال کی مہلت اور مل گئی ہوتی تو مجوزہ عربی یونیورسٹی کا مفہوم اور اس کی افادیت سمجھانے کے لیے ہمیں یہ تحریر لکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ میلوں میں پھیلا ہوا عرفان وحکمت اور علم ونور کا ایک مقدس شہر خود اپنی زبان حال سے اپنی کہانی سناتا۔''

علمائے دیوبند سے مناظروں کی سرگزشت:

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری اپنی حیرت انگیز گونا گوں خوبیوں کے ساتھ عظیم خطیب اور بلند پایہ مناظر بھی تھے، انھیں اہل سنت کے جلیل القدر فاتح مناظر کی حیثیت سے ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہچانا جاتا تھا، انھیں اگر اپنے عہد کا ''مناظر اعظم ہند'' کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ وہ اگر مناظر کی حیثیت سے کسی شہر میں قدم رکھ دیتے تھے تو بساط دیوبند میں صف ماتم بچھ جاتی تھی۔ ''پیشاب نکل جانا'' ایک محاورے کے طور پر برتا جاتا ہے لیکن جھریا کے مناظرے میں یہ دہشت ناک منظر ہزاروں مسلمانوں نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا جب علامہ ارشد القادری کے مقابلے میں اپنی عبرتناک ہزیمت کی تاب نہ لاکر دیوبندی مناظر مولوی طاہر گیاوی کا پائجامہ میں پیشاب نکل گیا تھا۔ جھریا کے مناظرے کی بحثیں مسلمانوں کو یاد ہوں یا نہ ہوں مگر یہ مضحکہ خیز واقعہ آج تک

زبان زد عوام وخواص ہے۔

ایک کامیاب مناظر کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ زبان و بیان پر قدرت رکھتا ہو بلکہ اس کے لیے بنیادی طور پر ضروری ہے، معقولات ومنقولات پر تبحر ہو، اسلامی اور عربی علوم وفنون پر عبور ہو، ذہین اور حاضر دماغ ہو، وسیع المطالعہ اور قوی الحافظہ ہو، تاریخ اور احوال زمانہ سے باخبر ہو، اپنے علما کی تصانیف پر نظر ہو، اپنے بنیادی عقائد اور ان کے دلائل از بر ہوں، متحمل المزاج اور بلند حوصلہ ہو، حریف کے عقائد اور ان کے نقائص سے آگاہ ہو، حریف کی شاطرانہ چالوں پر عقابی نظر رکھتا ہو، موضوع مناظرہ کی تمام بحثوں کا استحضار ہو، تحقیقی اور الزامی جواب پر قادر ہو، حملہ اور دفاع کی بروقت صلاحیت رکھتا ہو۔

حضرت علامہ ارشد القادری کی زندگی میں یہ تمام اوصاف وکمالات فلک کے ستاروں کی طرح جگمگاتے ہوئے نظر آتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے عہد میں کاروان اہلسنت کی انتہائی کامیاب اور پرشوکت وکالت فرمائی اور مناظرے کے ہر محاذ پر اہلسنت کی حقانیت اور فتح یابی کے پرچم لہرائے، اور مناظرے کے ہر میدان سے اپنی بلند اقبال پیشانی پر فتح مبین کا سہرا سجا کر واپس لوٹے۔

حضرت علامہ ارشد القادری فرماتے تھے کہ ”میں نے حضور حافظ ملت کی تصنیف ”العذاب الشدید“ سے فن مناظرہ سیکھا۔“ نیز حافظ ملت کی صحبت وتربیت نے بھی آپ کو اس فن کے رموز واسرار سکھائے۔ اور اس میدان میں مناظر اعظم حضور مجاہد ملت علامہ شاہ حبیب الرحمن علیہ الرحمہ کی صحبت وتربیت سے بھی بڑا فیض

اٹھایا۔ علامہ صاحب ان کی بارگاہ میں بہ چشم تشکر عقیدتوں کا خراج پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ میں نے حضرت مجاہد ملت کی خدمت میں گزارا ہے، سفر و حضر میں ان کی ہم رکابی کا بارہا شرف حاصل ہوا ہے۔

خصوصیت کے ساتھ بارہ مناظروں میں ان کے ساتھ میں نے سفر کی سعادت حاصل کی ہے، جس میں آٹھ مقامات پر میں نے حضور مجاہد ملت کی صدارت میں کامیاب مناظرے کے لئے۔ یہ بالکل امر واقعہ ہے کہ مناظرہ کے اصول و رموز، بحث و استدلال کے ضابطے اور گفتگو کے قواعد و آداب کا جو سرمایہ بھی میرے پاس ہے وہ حضور مجاہد ملت ہی کا عطا کردہ ہے۔" (مجاہد ملت نمبر، پندرہ روزہ نوائے حبیب کلکتہ ۱۹۸٦ء)

اس مختصر تمہید کے بعد آپ کے دل میں ایک خاموش آرزو مچل اٹھی ہوگی اے کاش ان کے مناظروں کی روداد بھی پڑھنے کو مل جاتی تو لیجئے چند مناظروں کی مختصر سرگزشت ہم نقل کرتے ہیں واضح رہے کہ یہ ساری سرگزشت حضرت علامہ صاحب ہی کے بیانات اور تحریروں پر مشتمل ہے۔

پہلا مناظرہ :

یہ مناظرہ مولوی اشرف علی تھانوی کی کتاب "حفظ الایمان" کی کفری عبارتوں پر ہوا اہلسنت کی طرف سے صدر جلسہ حضور مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ قادری علیہ الرحمہ تھے۔ اور مناظر اہلسنت کی حیثیت سے رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ تھے۔ جبکہ دیوبندیوں کی طرف سے صدر جلسہ مولوی اسماعیل سنگی تھے۔ اور مولوی منظور نعمانی کے استاذ مولوی عبد اللطیف نعمانی مناظر تھے۔

مناظرے کے دوسرے دن بحث کے دوران دیوبندی مناظر کو اقرار کرنا پڑا کہ حفظ الایمان کی عبارت میں لفظ ایسا تشبیہ کے لیے ہے اور اس لفظ کے ذریعہ علم پاک رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رذائل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو موجب اہانت وکفر ہے۔ اس اقرار کے نتیجے میں سارے مجمع پر یہ بات واضح ہو گئی کہ مولوی اشرف علی تھانوی اور ان کی حمایت کرنے والے دیوبندی مناظرین اقراری طور پر اہانت رسول کے مرتکب اور خارج از اسلام ہیں۔

یہ اعلان ہونا تھا کہ دیوبندی مناظرین اسٹیج چھوڑ کر بھاگ گئے اور اہلسنت نے فتح مبین زندہ باد کے نعرے لگائے۔

بھوا بازار ضلع چھپرا بہار کا مناظرہ:

یہ مناظرہ قیام وسلام کے موضوع پر تھا، دیوبندیوں کی طرف سے مناظر مولوی

عبدالسلام لکھنوی تھے۔ اور صدر مولوی نور محمد ٹانڈوی بنائے گئے۔ جب کہ اہلسنت کی طرف سے صدارت کے فرائض سلطان المتکلمین حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین صاحب قبلہ کانپوری نے انجام دیئے اور مناظر کی حیثیت سے مناظر اہلسنت رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری مصباحی علیہ الرحمہ کا انتخاب ہوا۔

یہ مناظرہ ایک ہی دن میں اہل سنت کی فتح پر ختم ہو گیا اس مناظرہ کا پس منظر یہ تھا کہ کئی مہینے پیشتر مولوی عبدالسلام لکھنوی بھوا بازار آئے تھے اور انہوں نے اپنی تقریر میں قیام وسلام کی مذمت میں چیخ چیخ کر اعلان کیا تھا کہ ناجائز وحرام ہے۔

جب مناظرہ شروع ہوا تو اس موضوع پر بحث کے آغاز سے پہلے حضرت مناظر اہلسنت نے ان سے سوال کیا کہ قیام وسلام کے بارے میں آپ کا جماعتی عقیدہ کیا ہے۔ آپ اس کو حرام سمجھتے ہیں یا جائز سمجھتے ہیں۔ سوال کے تیور سے انہوں نے سمجھ لیا کہ اگر میں حرام کہتا ہوں تو یہ بحث مجھے مخمصے میں ڈال دے گی۔ اس لیے انہوں نے جواب سے جان چھڑانے کے لیے جواب دینے کے بجائے مناظر اہلسنت سے سوال کر ڈالا کہ آپ بتایئے کہ آپ قیام وسلام کو کیا سمجھتے ہیں تو علامہ ارشد القادری صاحب نے جواب دیا کہ میرے سوال کے بعد آپ کی حیثیت صرف مجیب کی ہے، آپ جواب دے سکتے ہوں تو جواب دیجئے ورنہ صاف صاف کہہ دیجئے کہ میں جواب نہیں دے سکتا، پھر وہ کھڑے ہوئے اور جواب دینے کے بجائے پھر اسی سوال کو دہراتے رہے۔

جب کئی بار ایسا ہوا تو مجمع میں سے بہت سے لوگ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے

چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا کہ آج سے تین مہینے پہلے آپ ہی یہاں آئے تھے اور آپ جلسے میں گلا پھاڑ پھاڑ کر چیختے رہے کہ سلام وقیام حرام ہے سلام وقیام حرام ہے۔ لیکن آج جب شیر آیا ہے تو وہی بات اسی کے سامنے کیوں نہیں دہراتے اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگوں کو سور کھ سمجھ کر آپ نے دھوکہ دیا۔ جب آپ ہمارے مناظر کے سامنے اپنا عقیدہ نہیں بیان کر سکتے تو پھر آپ بحث کیا کریں گے۔ اس جلسہ میں سب لوگ اچھی طرح سمجھ گئے کہ جب آپ قیام وسلام کو بار بار مطالبہ کے باوجود حرام نہیں کہہ سکتے تو اسے حرام ثابت کیا کریں گے۔ عوام کے اس ردعمل کے نتیجے میں دیوبندی جماعت کی بڑی سبکی ہوئی اور اپنے مناظر کو اسٹیج سے اٹھا کر لے گئے۔ کیوں کہ عوام کا شور وشغب اتنا بے قابو ہو گیا کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اس کے بعد اہلسنت نے فتح کا جلوس نکالا اور پورا علاقہ تکبیر ورسالت کے نعروں سے گونجتا رہا۔ اس مناظرہ کے بعد اس علاقے کے کئی اضلاع میں دینی بیداری کی لہر دوڑ گئی، جگہ جگہ اجلاس ہوئے اور سنی مدارس قائم ہوئے۔

امراؤتی کا مناظرہ:

بمقام نیر ضلع امراؤتی (مہاراشٹر) کا یہ مناظرہ رات کے وقت ایک قلعہ کے اندر ہوا تھا۔ وہاں کے ڈی۔ ایس۔ پی صاحب دونوں طرف سے مناظرہ کے خود کنٹرولر تھے۔ پولیس کی طرف سے مناظرہ کے لیے صرف تین گھنٹے کا وقت مقرر ہوا تھا۔ مناظرہ کا موضوع تبلیغی جماعت تھا دیوبندیوں کی طرف سے مولوی ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند مناظر مقرر کیے گئے تھے۔ جبکہ اہلسنت کے مناظر کی حیثیت سے

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے محاذ سنبھالا تھا اپنی افتتاحی تقریر میں حضرت مناظر اہلسنت نے مولوی منظور نعمانی کی مرتب کردہ کتاب ملفوظات مولوی الیاس کے حوالے سے دعویٰ کیا کہ تبلیغی جماعت کے قیام کا مقصد قرآن وحدیث کی تعلیمات کو پھیلانا نہیں ہے بلکہ مولوی اشرف علی کی تعلیمات کو عوام میں پھیلانا ہے۔

اس لیے اہل سنت کے جو علما تھانوی صاحب کی تعلیمات کو قرآن وحدیث کے خلاف سمجھتے ہیں انہیں بجا طور پر حق پہنچتا ہے کہ وہ تبلیغی جماعت کا خود بھی بائیکاٹ کریں۔ اور اپنے عوام کو بھی تبلیغی جماعت سے الگ رہنے کی تلقین کریں۔

مولوی ارشاد صاحب نے اپنی جوابی تقریر میں مناظر اہلسنت کے اس الزام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ مولانا منظور نعمانی کی مرتب کردہ کتاب مولانا الیاس کی اپنی تصنیف کردہ نہیں ہے بلکہ وہ ان کے ملفوظات ہیں اس لیے اس کی عبارت سے ہمارے خلاف کوئی الزام قائم نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت مناظر اہل سنت نے ان کے جواب میں کہا کہ آپ کی اس تقریر سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ملفوظات کے مرتب مولوی منظور نعمانی پر آپ کو اعتماد نہیں اور دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ آپ کی نظر میں تھانوی صاحب کی تعلیمات اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں تبلیغی جماعت کے ذریعہ مسلمانوں میں پھیلایا جا سکے۔ کیوں کہ آپ کی نظر میں ان کی تعلیمات قرآن وحدیث کے موافق ہوتیں اور ان کے ذریعہ امت کو کوئی فائدہ پہنچتا تو آپ شرمندہ ہونے کے بجائے سینہ تان کر کہتے کہ تبلیغی جماعت کے قیام کا مقصد اگر ان کی تعلیمات کو عام کرنا ہے تو اس میں

برائی کیا ہے۔

اب آپ واضح طور پر اس جلسہ کے حاضرین کو مطمئن کیجئے کہ ملفوظات کے مرتب پر آپ کو اعتماد کیوں نہیں ہے اور تھانوی کی تعلیمات میں برائی کیا ہے کہ آپ ان کی اشاعت کو تبلیغی جماعت کا مقصد بنانے سے گریز کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ ان کی تعلیمات کی برائیاں بیان کرنے سے اگر آپ نے گریز کیا تو میں ضرور ان کی گمراہ کن اور کافرانہ تعلیمات کا سارا دفتر کھول کر رکھ دوں گا۔ اور آپ شرم سے پانی پانی ہو جائیں گے۔ حضرت علامہ ارشد القادری کی اس تقریر کے جواب میں ان کے سوالوں کا جواب دینے کے بجائے انہوں نے تھانوی صاحب کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کر دیے۔ جب وہ اپنی بات ختم کر چکے تو حضرت علامہ ارشد القادری نے کہا کہ جب وہ اتنے فضائل و مناقب کے جامع ہیں تو ان کی تعلیمات کی اشاعت کے سوال پر آپ اتنی خفت کیوں محسوس کر رہے ہیں۔ اتنے بڑے بزرگ کی تعلیمات کو ڈنکے کی چوٹ پر پھیلانے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد جب حضرت مناظر اہل سنت نے اپنی مختلف نشستوں میں ان کی گمراہ کن اور کافرانہ تعلیمات کے دفتر کھولے اور ان کے ''رسالہ امداد'' سے ''لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ'' اور اللھم صلی علی سیدنا ونبینا اشرف علی'' پر ان کے تسلی بخش کلمات تحسین کی تشریح کی تو ڈی ایس پی صاحب کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ دونوں طرف کی گفتگو سننے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تبلیغی جماعت سے سنی بریلوی علماء کی علیحدگی مضبوط بنیادوں پر ہے اور انہیں قطعا حق پہنچتا ہے کہ خود بھی تبلیغی جماعت سے علیحدہ رہیں اور اپنے عوام کو بھی علیحدہ رہنے کی تلقین

فرمائیں۔اس کے بعد انہوں نے مناظرے کے اختتام کا اعلان کر دیا جناب ڈی، ایس، پی صاحب نے جاتے جاتے مناظر اہلسنت سے گرم جوشی کے ساتھ کہا کہ آپ نے اپنی جماعت کی وکالت کا حق ادا کر دیا۔مناظرے کے اختتام پر علمائے اہلسنت سے مصافحہ کے لیے عوام ٹوٹ پڑے اور مولوی ارشاد ہارے ہوئے جواری کی طرح اکیلے منہ لٹکائے بیٹھے رہے۔

بولیا مندسور راجستھان کا مناظرہ:

یہ مناظرہ ''حفظ الایمان'' کی کفری عبارت پر تھا۔ دیوبندیوں کے صدر جلسہ نور محمد ٹانڈوی تھے اور مناظر کی حیثیت سے مولوی ارشاد احمد دیوبندی نامزد کیے گئے تھے۔جب کہ اہلسنت کی طرف سے صدارت کے فرائض مجاہد ملت حضرت علامہ محمد حبیب الرحمن صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان نے انجام دیئے اور مناظر کی حیثیت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کا اسم گرامی پیش کیا گیا۔

اس مناظرہ میں وہاں کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بذات خود کئی گھنٹے تک موجود رہے موصوف یوپی کے رہنے والے تھے اور انہیں اردو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی اس لیے دونوں طرف کی گفتگو وہ نہایت دلچسپی کے ساتھ سنتے تھے۔

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے حفظ الایمان کی کفری عبارت پر جو بحث شروع کی تو دیوبندی مناظر پسینہ پسینہ ہو گئے۔اور مناظر اہل سنت کے عائد کردہ الزامات کا کوئی معقول جواب ان کے پاس نہیں تھا۔جب وہ بالکل تنگ آگئے تو انہوں نے کہنا شروع کیا کہ حفظ الایمان کی عبارت بالکل بے غبار ہے

آپ کے اعلیٰ حضرت نے زبردستی اس کے اندر کفر کے معنی پیدا کیے ہیں۔ اگر وہ عبارت بے غبار نہ ہوتی تو حرمین طیبین کے مفتیان کرام نے اسے صحیح کیوں کہا ہوتا۔ جب وہ اپنی بات ختم کر چکے تو علامہ صاحب شیر کی طرح کھڑے ہوئے اور انہیں للکارتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''آپ نے ''حفظ الایمان'' کے بارے میں علمائے حرمین طیبین کا تذکرہ کر کے مجھے مجبور کر دیا کہ میں آپ کی کتاب ''المہند'' کے حوالے سے آپ حضرات کی عیاریوں کا پردہ چاک کر دوں۔ سب سے پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ حضرات کی نظر میں اگر حفظ الایمان کی عبارت بے غبار تھی تو آپ کے اکابر نے علمائے حرمین طیبین کے سامنے حفظ الایمان کی اصل عبارت کیوں پیش نہیں کی۔ اس میں ردو بدل کیوں کر دیا۔ اس وقت میرے ہاتھ میں حفظ الایمان بھی ہے اور المہند بھی ہے۔ حفظ الایمان کی اصل عبارت یہ ہے۔ ''اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو ہر زید و بکر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی ہے''

(حفظ الایمان)

اور جب حفظ الایمان کی یہ عبارت علمائے حرمین طیبین کے سامنے پیش کرنے کی نوبت آئی تو اسے یوں بدل کر پیش کیا گیا۔ ''اگر بعض علوم غیب مراد ہے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی

تخصیص نہ رہی کیوں کہ بعض غیب کا علم اگرچہ تھوڑا سا ہو زید و عمر بلکہ ہر بچہ و دیوانہ بلکہ جملہ حیوانات اور چوپایوں کو بھی حاصل ہے۔" (المھند)

یہ سوچ کر ہر غیرت مند مسلمان کی آنکھوں میں خون اتر آئے گا کہ حفظ الایمان کی اصل عبارت بے غبار تھی تو ہو بہو اسی عبارت کا ترجمہ علمائے حرمین کے سامنے کیوں نہیں پیش کیا گیا۔

آخر علمائے دیوبند کو کس جرم کے احساس نے مجبور کیا کہ حفظ الایمان کی عبارت میں ردوبدل کیا جائے اور تھانوی صاحب کا اصل جملہ (ایسا علم غیب) کاٹ کر یہ جعلی فقرہ بعض غیب کا علم رکھ دیا جائے، جب کہ اس ترمیم کے بعد وہ حفظ الایمان کی اصل عبارت ہی نہیں رہی۔

آپ کے اکابر کو بھی یقین تھا کہ ان کے سامنے اگر حفظ الایمان کی اصل عبارت پیش کر دی گئی تو ہمارا کفر سب پر عیاں ہو جائے گا۔

اپنی بات پوری کرتے ہوئے حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے فرمایا میری تقریر کے بعد مناظرے کا وقت ختم ہو جائے گا اس لیے کل صبح کو آپ پوری تیاری کے ساتھ آیئے گا اور ہمارے اس الزام کا معقول جواب دیجئے گا کہ آپ کے اکابر نے حفظ الایمان کی عبارت میں یہ عیاری کیوں کی؟ احساس جرم کا اس سے بھی بڑا کوئی ثبوت آپ چاہتے ہوں تو کل کی صبح کا انتظار کیجئے دوسرے دن جب علمائے اہلسنت جلسہ گاہ میں پہنچے تو دیوبندی اسٹیج خالی تھا معلوم ہوا کہ مقامی حکومت کے سامنے انہوں

نے نقض امن کا اندیشہ ظاہر کر کے فرار کا راستہ اختیار کر لیا۔

کافی دیر تک انتظار کے بعد جب علمائے دیو بند نہیں آئے تو جلسۂ مناظرہ جلسہ جشن فتح میں تبدیل ہو گیا۔ اور علمائے اہل سنت کی فتح مبین کا شہرہ ہندوستان بھر میں ہو گیا۔

جھریا ضلع دھنباد بہار کا مناظرہ:

اس مناظرہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس سے قبل جتنے بھی مناظرے ہوئے اس میں موضوع مناظرہ صرف یہ ہوتا تھا کہ دیو بندی مناظر اپنے اکابر کا مسلمان ہونا ثابت کرے گا لیکن اس مناظرے میں شرائط طے کرتے وقت دیو بندیوں نے اصرار کیا کہ بریلوی مناظر بھی اپنے اکابر کا مسلمان ہونا ثابت کرے گا۔

اس مناظرے میں اہلسنت کی طرف سے جلسۂ مناظرہ کے صدر مجاہد ملت مولانا شاہ حبیب الرحمن صاحب قبلہ تھے اور مناظر کی حیثیت سے حضور مجاہد ملت نے حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کو نامزد فرمایا۔ اور دیو بندیوں کے اسٹیج کے صدر مولوی ارشاد احمد بنائے گئے تھے جب کہ مناظر کی حیثیت سے مولوی طاہر گیاوی کا نام پیش کیا گیا تھا۔

مناظرے کی ابتدائی تقریر میں مناظر اہلسنت نے حفظ الایمان کی کفری عبارت پیش کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ اس عبارت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم شریف کو رذائل کے علم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس میں حضور ﷺ کی صریح توہین ہے اور بہ الزام اہانت رسول تھانوی صاحب کافرو

مرتد اور خارج اسلام ہیں آپ اگر انہیں مسلمان سمجھتے ہیں تو اس عبارت کا کفر اٹھا کر ان کا مسلمان ہونا ثابت کریں۔

مولوی طاہر گیاوی نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ اس عبارت پر ہمارے اور آپ حضرات کے درمیان بارہا مناظرے ہو چکے ہیں اور ہمارے علما نے دلائل کے ساتھ اس عبارت کا بے غبار ہونا بار بار ثابت کر کے اپنے اکابر کا اسلام واضح کر دیا ہے۔ اس لیے آج آپ کی باری ہے کہ آپ اپنے اکابر کا مسلمان ہونا ثابت کریں اس کے بعد انہوں نے الملفوظ کے حوالے سے کچھ عبارتیں پیش کر کے کہا کہ ان عبارتوں سے کفر ثابت ہوتا ہے اس لیے آپ صاحب ملفوظ کا مسلمان ہونا ثابت کریں۔ مناظر اہلسنت نے اپنی جوابی تقریر میں دیوبندی مناظر کو للکارتے ہوئے فرمایا۔

"سب سے پہلے آپ اپنی یہ حیثیت پہچانیں کہ آپ اپنی جماعت کے نمائندہ اور وکیل ہونے کی حیثیت سے ہمارے مخاطب ہیں اپنی ذاتی حیثیت میں آپ ہمارے قطعاً مخاطب نہیں ہیں اس لیے آپ سب سے پہلے اپنے اکابر کی طرف سے ہمارے خلاف کفر کا فتوی دکھلایئے اگر آپ کے اکابر نے ہمارے خلاف کفر کا فتوی صادر نہیں کیا ہے تو ہم سے یہ مطالبہ کرنا کہ ہم اپنا اسلام ثابت کریں اسے جہالت وحماقت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

اس کے باوجود فتاوی دار العلوم دیو بند اور تھانوی صاحب کی

کتابوں میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ "ہم بریلی والوں کو مسلمان سمجھتے ہیں انہیں کافر نہیں کہتے ان کے پیچھے ہماری نمازیں ہو جاتی ہیں" بحث کے دوران دیوبندی لٹریچر سے اس طرح کی ساری عبارتیں پڑھ کرسنائی گئیں۔

اب رہ گیا الملفوظ کی عبارتوں پر آپ کا اعتراض تو اس کا جواب ہماری طرف سے آپ لوگوں کو بار بار دیا جاچکا ہے۔ اس کے باوجود اگر واقعی آپ حضرات کے نزدیک ان عبارتوں میں کفر ہے تو آپ کو ہم سے لڑنے کے بجائے اپنے اکابر سے لڑنا چاہیے کہ اتنے کفریات کے باوجود وہ ہمیں مسلمان کیوں سمجھتے ہیں ہمارے پیچھے ان کی نمازیں کیوں کر درست ہیں۔"

بار بار مطالبہ کیے جانے پر دیوبندی مناظر نے ایک کتاب نکالی اور کہا کہ یہ مولانا گنگوہی کی کتاب ہے اس میں انہوں نے آپ کے اعلیٰ حضرت کے خلاف کفر کا فتوی صادر کیا ہے انہوں نے وہ فتوی مجمع کے سامنے پڑھ کرسنایا بھی۔ جب حوالے کی عبارت دیکھنے کے لیے ان سے کتاب طلب کی گئی تو انہوں نے کتاب دکھلانے سے انکار کر دیا جو اصول مناظرہ کے بالکل خلاف ہے ان حالات میں اہلسنت کی طرف سے جلسے کے کنٹرولر جناب واجد حسین صاحب رضوی ان کے اسٹیج پر پہنچ گئے اور کتاب دیوبندی مناظر کے ہاتھ سے چھین کر دیکھا کہ کتاب کے اندر الگ سے ایک سفید کاغذ رکھا ہوا ہے اور دیوبندی مناظر اسی کو پڑھ کرسنا رہا ہے۔ واجد حسین رضوی صاحب نے

دیوبندی مناظر کی عیاری مکاری اور چوری کو دونوں فریق کے عوام کے سامنے بھی پیش کردیا اس کے ردعمل میں ہر طرف سے دیوبندی مناظر پر ایسی تھوتھو ہوئی کہ شرم کے مارے سارے دیوبندیوں کے سر جھک گئے کچھ جذباتی قسم کے دیوبندی نوجوان مولوی طاہر گیاوی کو مسجد کے اندر لے گئے۔ اور وہاں اسے اتنا ذلیل کیا کہ مارے دہشت کے اس نے پیشاب کردیا۔

اس کے بعد جلسۂ مناظرہ میں ابتری پھیل گئی اور صلاۃ وسلام پر جلسے کا اختتام ہوا۔ اس شرمناک رسوائی سے دیوبندی مولوی اتنے سراسیمہ تھے کہ صلاۃ وسلام کے لیے وہ بھی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

جلسے کے اختتام پر کنٹرولر حضرات کی طرف سے اعلان ہوا کہ مناظرے کی پہلی نشست آج بارہ بجے دن کو ختم کی جاتی ہے اب دوسری نشست اسی مسجد میں بعد نماز عشاء ہوگی جب بعد نماز عشاء علمائے اہلسنت مسجد میں تشریف لائے تو دیوبندی اسٹیج بالکل خالی تھا جب کئی گھنٹے تک انتظار کے بعد دیوبندی مناظرین نہیں آئے تو علمائے اہل سنت تکبیر ورسالت اور فتح مبین زندہ باد کے نعروں کی گونج میں ایک بہت بڑے جلوس کے ساتھ ایک میدان میں تشریف لائے اور وہاں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے مجمع کو مناظرے کی پوری روداد سنائی گئی جشن فتح کے اس جلسے کو اہلسنت کے جن مشاہیر بزرگوں نے خطاب کیا ان میں صدر جلسۂ مناظرہ حضرت مجاہد ملت مولانا شاہ حبیب الرحمٰن صاحب علامہ مفتی رفاقت حسین صاحب، جانشین مفتی اعظم ہند حضرت علامہ اختر رضا خاں الازہری، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق

امجدی، حضرت خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی، حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی، حضرت مولانا محمد حسین سنبھلی، حضرت مولانا شاہ سراج الہدیٰ گیاوی، حضرت مولانا شاہ عبدالحق چشتی، حضرت مولانا شاہ اسرار الحق صاحب شاہجہانپوری، اور حضرت مولانا شاہ المصطفیٰ امجدی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

کٹک اڑیسہ کا مناظرہ:

اس مناظرہ کی خصوصیت یہ تھی کہ دیوبندیوں کے مناظر تین بار بدلے گئے اس کے باوجود ان کی عبرت ناک شکست ہوئی اس مناظرہ کی مختصر روداد خود مناظر اہلسنت حضرت علامہ ارشد القادری کے سحر نگار قلم سے پڑھئے۔ حضرت علامہ ارشد القادری رقم طراز ہیں۔

"کئی سال ہوئے اڑیسہ کے دار الخلافہ کٹک میں دیوبندی حضرات کے ساتھ ایک تاریخی مناظرہ ہوا تھا، میرا حافظہ غلطی نہیں کر رہا ہے تو یہ واقعہ ۱۳۹۹ھ کا ہے اس مناظرہ کی خصوصیت یہ تھی کہ مرجع المناظرین سند المتکلمین، امام العاشقین حضرت مجاہد ملت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری علیہ الرحمۃ والرضوان سرپرست اور بانی مناظرہ کی حیثیت سے اہل سنت کے اسٹیج پر بہ نفس نفیس تشریف فرما تھے۔ اہل سنت کی طرف سے جلسۂ مناظرہ کے صدر فقیہ النفس، نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی مقرر ہوئے تھے جبکہ مناظر کی حیثیت سے حضور مجاہد ملت نے مجھ فقیر کو نامزد فرمایا تھا۔ اور دوسری طرف دیوبندی فرقہ نے اپنے مناظر کی حیثیت سے مولوی ارشاد احمد فیض آبادی مبلغ دار العلوم دیوبند کو پیش کیا تھا۔

مناظرہ کے دوران دیوبندی مناظر نے اعلیٰ حضرت کے لفظ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ رسول خدا ﷺ کو تو صرف "حضرت" کہا جاتا ہے اور آپ لوگ مولانا احمد رضا خاں صاحب کو "اعلیٰ حضرت" کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں نے اپنے پیشوا کو حضور سے بھی بڑھا دیا ہے۔

میں نے ان کے اس مہمل اعتراض کا ایسا دندان شکن جواب دیا کہ پورے دیوبندی اسٹیج پر سناٹا چھا گیا۔ میں نے کہا کہ تنقیص رسول کے ناپاک جذبے میں آپ حضرات کے قلوب اس درجہ مسخ ہو گئے ہیں کہ اہانت کا کوئی موقعہ بھی آپ لوگ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اس بات کا شکوہ تو اپنی جگہ پر ہے کہ جن کی دسوں انگلیاں اہانت رسول کے خون میں ڈوبی ہوئی ہیں وہ دوسروں کے سفید وشفاف دامن پر سرخ دھبا تلاش کر رہے ہیں۔ فی الحال آپ سے شکایت یہ ہے کہ اس واقعہ سے آپ بھی بے خبر نہیں ہیں کہ سلف سے خلف تک امت کے مشاہیر حضرات کو جن القابات سے بھی موسوم کیا گیا ان کا تقابل ان کے صرف معاصرین کے ساتھ تھا کسی نے بھی امام اعظم کے لفظ سے یہ نہیں سمجھا کہ انہیں امام اعظم حضور اکرم ﷺ یا صحابہ کرام کے مقابلے میں بولا جا رہا ہے۔ لیکن یہ آپ حضرات کے دلوں کے نفاق کی کاریگری ہے کہ بجائے اس کے کہ آپ حضرات سلف کی روایات اور عرف کے مطابق اعلیٰ حضرت کے لفظ کے مفہوم کو ان کے معاصرین تک محدود سمجھتے زبردستی کھینچ تان کر اس لفظ کے اطلاق کا دائرہ عہد رسالت تک وسیع کر دیا تا کہ لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے نہ بھی تنقیص شان کا حامل ہو جب بھی تقابل کی

راہ سے تنقیص کے معنی پیدا کر دیے جائیں۔

اس کے بعد میں نے گرجدار آواز میں دیوبندی مناظر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جب آپ حضرات کے یہاں القابات کے مفہوم کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ عہد رسالت تک کو حاوی ہے تو اب آپ بریلی سے دیوبند آیئے اور اپنی شقاوتوں کی یہ بھیانک تصویر دیکھئے کہ خود آپ کے گھر میں تنقیص شان رسالت کے کیسے کیسے ساز وسامان موجود ہیں۔

دیکھئے! یہ مرثیہ رشید احمد گنگوہی ہے۔ جس کے مرتب آپ کے شیخ الہند مولوی محمود الحسن صاحب ہیں۔ انہوں نے بالکل سرورق پر گنگوہی صاحب کو ان القابات سے ملقب کیا ہے۔

مخدوم الکل، مطاع العالم، یعنی سب کے مخدوم اور سارے عالم کے مطاع و مقتدا۔

اب آپ اپنی ہی منطق کی بنیاد پر یہ الزام قبول کیجئے کہ آپ حضرات گنگوہی صاحب کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سید المرسلین مخدوم العالمین ﷺ تک اور ان کے بعد قیامت تک پیدا ہونے والے سارے بنی نوع انسان کا مخدوم سمجھتے ہیں۔

میں نے کہا کہ مخدوم الکل کا یہ مفہوم آپ کی طرح میں کھینچ تان کر نہیں پیدا کر رہا ہوں بلکہ موجبہ کلیہ کا سور ہونے کی حیثیت سے لفظ کل کے وضعی اور اصطلاحی معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے دائرے سے نسل انسانی کا ایک فرد بھی خارج نہ ہو۔ خوب غور سے سن لیجئے کہ دائرہ اطلاق کی یہ وسعت خود لفظ کے اندر موجود ہے باہر سے یہ معنی نہیں

پہنائے گئے ہیں جب کہ اعلیٰ حضرت کا لفظ اپنے وضعی معنی کے اعتبار سے دائرہ اطلاق کی وسعت کا سرے سے کوئی مفہوم ہی نہیں رکھتا اپنی بدنیتی کے زیر اثر زبردستی آپ لوگوں نے اسے غلط معنی پہنا دیا ہے۔

یوں ہی ''مطاع العالم'' کی ترکیب میں ''عالم'' کا لفظ بھی اپنی وضع ہی کے اعتبار سے زمان و مکان کی ہمہ گیر وسعت کو چاہتا ہے جس میں نہ کسی فرد کا استثنا ہے اور نہ کسی وقت کا جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ آپ حضرات سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر حضور مطاع العالمین ﷺ تک سب کو معاذ اللہ گنگوہی صاحب کا محکوم اور اطاعت گزار سمجھتے ہیں۔

یہاں پہنچ کر میں نے دیوبندی مناظر کو للکارتے ہوئے کہا کہ اعلیٰ حضرت کے لفظ پر آپ کے اعتراض کے جواب میں یہ ساری بحث میں نے صرف اس لیے اٹھائی ہے کہ آپ حضرات کو اپنی کج فہمی اور غلط اندیشی کا اندازہ ہو جائے۔

اب سنبھل جائیے! کہ آپ ہی کا اعتراض آپ پر الٹ رہا ہوں اب اپنی ہی تلوار سے آپ اگر لہولہان ہو جائیں تو میرے اوپر خون ناحق کا کوئی الزام نہیں ہے۔ بریلی کے ایک ''اعلیٰ حضرت'' پر تو آپ لوگوں کے یہاں صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے۔ لیکن خود دیوبند کے بت خانے میں کتنے ''اعلیٰ حضرت'' آپ لوگوں نے تراش کر رکھے ہیں شاید اس کا اندازہ آپ کو نہیں ہے۔ قوت ضبط باقی ہو تو اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے اپنی اکابر پرستی کی یہ عبرت ناک داستان سنئے۔

یہ دیکھئے! میرے ہاتھ میں آپ کے گھر کی مستند کتاب ''تذکرۃ الرشید'' ہے جس

کے مصنف آپ کے عظیم پیشوا مولوی عاشق الٰہی میرٹھی ہیں۔ اس کی جلد دوم کے صرف چار صفحے میں انہوں نے اپنے خانوادے کے مرشد اعظم حاجی امداد اللہ صاحب کو اور ص ۲۴۱ پر دو جگہ خود گنگوہی صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں جو تذکرۃ الرشید جلد اول کے ص ۱۲۰ پر چھپا ہے اپنے پیر و مرشد حاجی صاحب کو دو جگہ اعلیٰ حضرت لکھا ہے۔ اور جلد اول کے ص ۱۳۰۔ ص ۱۳۲ اور ص ۱۳۶ پر آپ کے حکیم الامت جناب تھانوی صاحب نے خاص اپنے قلم سے حاجی صاحب کو تین جگہ ''اعلحضرت'' تحریر فرمایا ہے، اب دوسری کتاب ملاحظہ فرمایئے! تحفۃ القادیان، یہ کتاب بھی دیوبند سے شائع ہوئی ہے اس کے مصنف ہیں مولوی سیف اللہ صاحب مبلغ دار العلوم دیوبند۔ اس کے ص ۹ پر لکھتے ہیں۔

''بحکم سیدی و مولائی قطب ربانی حکیم الامۃ اعلیٰ حضرت قاری طیب صاحب مدیر دار العلوم دیوبند''

میرا وقت ختم ہو رہا تھا اس لیے حوالہ کی کتابیں بند کرتے ہوئے میں نے دیوبندی مناظر کو مخاطب کیا۔ آپ نے اپنے گھر کے ''اعلیٰ حضرتوں'' کو سن لیا۔ اب زحمت نہ ہو تو ان عبارتوں کے حوالے سے ذرا وہی الفاظ پھر دہرا دیجئے کہ۔ رسول خدا ﷺ کو تو صرف حضرت کہا جاتا ہے اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، مولانا گنگوہی، اور مولانا تھانوی اپنے پیر و مرشد کو اعلیٰ حضرت کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے۔

رسول خدا ﷺ کو تو صرف حضرت کہا جاتا ہے اور دار العلوم دیوبند کے لوگ اپنے

مہتمم صاحب کو "اعلیٰ حضرت" کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔

ہم نہ کہتے تھے کہ اے داغ تو زلفوں کو نہ چھیڑ
اب وہ برہم ہے تو ہے تجھ کو قلق یا ہم کو

(سوانح اعلیٰ حضرت ص ۵تا۹)

مناظرانہ ادب میں ایک جدید اسلوب کے موجد:

اردو زبان وادب میں مناظرانہ ادب اور مذہبی تنقید نگاری کی تاریخ بڑی پرانی ہے۔ اسلام اور بنام اسلام دیگر فرقوں کے درمیان ردو مناظرہ کے موضوع برصغیر میں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں، مگر عام طور پر اس موضوع پر آنے والی تحریروں میں زبان وبیان کا ادبی اور اخلاقی معیار غیر متوازن نظر آتا ہے۔ ناموس رسالت پر شب خون مارنے والوں کے خلاف قلم کے غضبناک تیور سے لیکر تلوار اٹھانے تک کی روایت تو ضرور ملتی ہے۔ مگر حیرت اور دکھ اس وقت ہوتا ہے۔ جب حق پرستوں کے خلاف بدمذہبوں کے قلم زہر اگلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اہلسنت وجماعت کے رد میں تنقید نگاروں کے ذخیرہ قلم پر ایک نظر ڈالئے سطر سطر میں بازاری لب ولہجہ سے لیکر دشنام طرازیوں تک کا انتہائی کربناک اور غیر مہذب سلسلہ نظر آئے گا۔

علامہ ارشد القادری برصغیر میں مناظرانہ ادب کے وہ نمائندہ قلم کار ہیں جنہوں نے مذہبی تنقید نگاری میں ایک جدید اسلوب کو ایجاد کیا اور پھر ہر طبقہ فکر میں ان کے طرز بیان کی نقل کی گئی، وہ قلمی کارزار میں بھی دشنام طرازوں کے مقابل انتہائی مہذب اور شائستہ نظر آتے ہیں اور ہزار غم وغصے کے ماحول میں بھی جذبات سے مغلوب نہیں

ہوتے، وہ اس اکھاڑے کے اتنے فنکار استاذ تھے کہ ان کے حریف ان کے ضرب قلم کی تاب نہ لاکر ماہئ بے آب کی طرف تڑپتے رہے مگر ان کے قلم پر جارحیت کا الزام آج تک عائد نہیں کیا جاسکا۔ ان کے دعووں کے پیچھے عقل ونقل کے اتنے مستحکم دلائل ہوتے تھے، کہ اہل باطل کو منہ چڑھانے اور راہ فرار اختیار کرنے کے علاوہ کوئی راستہ ہی نظر نہیں آتا تھا۔

تاجدار مارہرہ حضرت سید شاہ حیدر حسن میاں برکاتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''جام نور'' کے اسلوب تحریر اور طرز استدلال کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ کفر کو تڑپا تڑپا کر قتل کرتا ہے لیکن قلم کی تلوار پر خون کا ایک دھبہ بھی نظر نہیں آتا۔'' (اہلسنت کی آواز ۱۹۹۵ء ص ۵۷)

حضرت علامہ ارشد القادری تعزیرات قلم کے پیش لفظ میں رقم طراز ہیں۔

''تعزیرات قلم کے عنوان سے ایک نئے اسلوب میں مذہبی تنقیدوں کا ہم نے سلسلہ شروع کیا تھا جس کی شائستگی، زبان کی متانت اور قوت استدلال سے اپنے تو اپنے غیر بھی بہت زیادہ متاثر تھے۔''

حضرت علامہ ارشد القادری نے اپنے اسی منفرد پیرایہ بیان میں بدمذہبوں کے رد میں متعدد کتابیں اور درجنوں مضامین سپرد قلم کئے ہیں، ہر تحریر اپنے موضوع پر اتنی مدلل پر مغز اور دل آویز ہے کہ حق جو اور حق پسند قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، ان کے سحر طراز قلم کی اثر انگیزی نے ہزاروں فرزندان توحید کو عین اس وقت کفر کے گڑھے

میں گرنے سے بچالیا جب ان کا ذہنی توازن گمراہیت کی جانب بگڑ چکا تھا، یا بد مذہبیت کے دباؤ نے انہیں حق و ناحق کی دوراہے پر لاکر کھڑا کر دیا تھا۔ علامہ صاحب نے دیوبندیت، غیر مقلدیت، مودودیت، اور قادیانیت کے رد میں جو کتابیں لکھی ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) زلزلہ (۲) زیروزبر (۳) تبلیغی جماعت (۴) جماعت اسلامی (۵) منکرین رسالت کے بے نقاب چہرے (۶) عقیدہ توحید پر عقلی دلائل (۷) جلوہ حق (۸) شریعت (۹) نقش خاتم (۱۰) ایک سفر دہلی سے سہارنپور تک (۱۱) سرکا جسم بے سایہ (۱۲) تعزیرات قلم (۱۳) دعوت انصاف (۱۴) عقیدہ علم غیب پر قرآنی دلائل۔

ہر کتاب اپنے موضوع پر عقل و نقل اور حسن استدلال کا لازوال شاہکار اور فصاحت و بلاغت کا بہتا ہوا آبشار ہے۔ ان کتابوں میں زلزلہ کی حیثیت وہی ہے جو ستاروں میں مہ کامل کی ہوتی ہے، علامہ صاحب نے اپنی نوک قلم سے ایوان دیوبند میں جو زلزلہ برپا کیا تھا صحن دیوبند میں آج تک اس کی گرد اڑ رہی ہے۔ دیوبندی مکتب فکر کے علما و مبلغین ''زلزلہ'' کا نام سن کر بالکل ایسے ہی سہم جاتے ہیں جیسے برسات کی کالی راتوں میں طوفان کی آہٹ پاکر بچے سہم جاتے ہیں۔ اب ذرا چند لمحے ٹھہر کر یہ سرگزشت سنیئے کہ زلزلہ کی اشاعت پر دیوبندی مکتب فکر کے چوٹی کے علما اور اہل قلم اور اہل صحافت پر کیا گزری۔

''بریلوی فتنہ'' کا مصنف اپنی جماعت کے ناخدا مولوی منظور نعمانی کی بارگاہ میں ''زلزلہ'' کے خلاف استغاثہ پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''حال ہی میں ایک صاحب کے ہاتھ میں ''زلزلہ'' نام کی ایک کتاب پر نظر پڑی، اس کی ورق گردانی کی تو معلوم ہوا کہ بریلوی جماعت کی طرف سے یہ کوئی نئی کتاب لکھی گئی ہے، اور اس کا طرز وہ نہیں ہے جواب تک کی کتابوں کا رہا ہے۔ میں نے ان صاحب سے اس کتاب کو ایک دو دن کے لیے طلب کیا اور پڑھا۔''

آگے لکھتا ہے۔

اس کے مصنف کوئی ارشد القادری ہیں اس کتاب کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس میں وہ بدزبانی اور بدتمیزی بالکل نہیں ہے جو عام طور پر بریلویوں میں ہوتی ہے تکفیری جارحیت بھی نہیں مگر بڑی پر فریب ہے۔

میرا اندازہ ہے کہ جو لوگ ان مباحث سے پوری طرح واقف نہیں ہیں وہ اس کے فریب کو بالکل نہیں سمجھ سکتے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ ہمارے دار العلوم دیوبند اور دار العلوم ندوۃ العلما جیسے دینی مدارس کے بہت سے فضلا بھی اس کے نفاق اور فریب کو نہیں سمجھ سکیں گے۔

(بریلوی فتنہ کا نیا روپ ص ۸)

فاران کراچی کے ایڈیٹر جناب ماہر القادری کے تاثرات یہ ہیں۔

مولانا ارشد القادری نے ''زلزلہ'' نام کی کتاب مرتب فرمائی ہے جس میں تصنیف و تالیف اور استدلال کا بڑا سلیقہ پایا جاتا ہے۔ زبان اور اظہار بھی ادیبانہ ہے۔

(فاران فروری ۱۹۷۷ء ص ۳۲)

ماہنامہ تجلی دیوبند کے ایڈیٹر جناب عامر عثمانی اعتراف شکست کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے ہی بزرگوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اس کتاب نے اضافہ کیا اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ دفاع کریں تو کیسے؟ دفاع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامۃ الدہر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کرسکتا، جو اس کتاب کے مشتملات متعدد بزرگان دیوبند پر عائد کرتے ہیں۔ (تجلی ڈاک نمبر)

ماہنامہ جام نور مئی ۱۹۶۷ء سے علامہ ارشد القادری نے ناموس رسالت اور شعار اسلام کے خلاف مختلف حلقوں سے شائع ہونے والی تحریروں پر ایک تنقیدی سلسلہ بنام "تعزیرات قلم" شروع فرمایا تھا ان تنقیدی مضامین کا مجموعہ اسی نام سے شائع ہو چکا ہے۔

"بزم دانش" کے چند نمونے:

جام نور میں "بزم دانش" کے عنوان سے ایک مستقل کالم تھا، اس کے تحت علامہ صاحب ملک کے مختلف گوشوں سے موصول شدہ سوالات کے انتہائی تحقیقی جوابات سپرد قلم فرماتے تھے، قریب چالیس سال پرانا یہ دین و دانش کا معلومات افزا سلسلہ ابھی تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہو سکا۔ آپ کے ادیبانہ قلم سے جب دینی اور فقہی بصیرتوں کے آبشار ابلتے ہیں تو سماں بندھ جاتا ہے اپنے مدعا پر عقل و نقل کے قطار در

قطار اتنے قوی دلائل پیش فرماتے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ شفاف آئینہ کی طرح جگمگانے لگتا ہے اور لب ولہجہ کی حیرت انگیز تفہیم سے متلاشیان حق اپنی جگہ اتنے مستحکم ہو جاتے ہیں کہ ان کے مقابل بڑے سے بڑا معاند ومنکر بھی کھڑے ہونے کی سکت نہیں رکھتا، اگر ذہن آمادۂ مطالعہ ہو چکا ہو تو ذیل میں اس فکر انگیز تحقیقی سلسلہ کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

نماز میں رسول اللہ کا خیال:

از جناب عبد الحق صاحب بنگلور

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب

جام نور کلکتہ

ہم نے سنا ہے کہ دیو بندی فرقے کے امام جناب مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے کہ نماز میں حضور ﷺ کا خیال آنا گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو دیو بندی حضرات کی نماز کیوں کر ہوتی ہوگی جبکہ التحیات پڑھتے وقت حضور کا خیال لازماً آتا ہے۔ از راہ کرم جواب عنایت فرمائیے۔

جواب نامہ:

آپ نے غلط نہیں سنا ہے صراط مستقیم نامی کتاب میں مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنے اس عقیدے کی صراحت کی ہے اور انہوں نے اتنا ہی نہیں لکھا ہے یہ بھی تحریر کیا

ہے کہ چونکہ حضور کا خیال تعظیم کے ساتھ آئے گا اس لیے نماز کی حالت میں غیر خدا کی تعظیم کا تصور کرتے ہی نمازی مشرک ہو جائے گا۔ مدت ہوئی وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔ لیکن اب دیوبندی فرقے کے لوگ نہایت سینہ زوری کے ساتھ اس ناپاک عقیدے کی اشاعت کر رہے ہیں۔

یہ سوال تو کسی دیوبندی سے دریافت کیجئے کہ ان کی نماز کیوں کر درست ہوتی ہے اس لیے کہ نماز کی حالت میں اگر حضور کا خیال آ گیا تو دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو تعظیم کے ساتھ یا توہین کے ساتھ اگر تعظیم کے ساتھ آیا تو مولوی اسماعیل دہلوی کی صراحت کے مطابق وہ مشرک ہو گیا اور اگر توہین کے ساتھ آیا تو قرآن و حدیث کے اصول کے مطابق رسول کی توہین کھلا ہوا کفر ہے۔

غرض کسی حال میں بھی کوئی دیوبندی نمازی سلام پھیرنے تک اپنا ایمان نہیں بچا سکتا اور اگر اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لیے یہ حل نکالا جائے کہ نماز میں حضور کا خیال ہی نہ آنے دیا جائے تو اول تو کسی کے تصور و خیال پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ دوسرے یہ کہ بزرگان اسلام نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ نمازی کو چاہئے کہ نماز میں بالقصد حضور کا خیال لائے۔ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نمازی کو مخاطب کر کے تحریر فرمایا ہے۔

احضر فی قلبک النبی فقل السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ یعنی التحیات پڑھتے وقت پہلے حضور کا تصور کرو اس کے بعد کہو السلام علیک ایھا النبی.

اب اس کے بعد دوسری صورت یہی رہ جاتی ہے کہ نماز میں التحیات ہی پڑھنا چھوڑ دیا جائے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ التحیات پڑھنا واجب ہے اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ایمان کے ساتھ نماز پوری کرنے کے لیے اب سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کا عقیدہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے۔ اور کھلے بندوں اس کے اور اس کے حامیوں کے خلاف نفرت و بیزاری کا اظہار کیا جائے۔ (جام نور فروری ۱۹۶۸ء)

مقام صہبا میں سورج کی واپسی کا واقعہ:

از جناب غلام محمد صاحب اشرفی۔ حیدر آباد

محترم ایڈیٹر صاحب

از راہ کرم مندرجہ ذیل سوالوں کے شافی جوابات مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

(۱) وہ واقعہ جس میں حضور اکرم ﷺ کے حکم سے سورج کا پلٹ کر آنا بتلایا جاتا ہے کہاں تک صداقت رکھتا ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگر سورج پلٹ کر آ بھی گیا تو عصر کا جو وقت فوت ہو چکا تھا وہ واپس نہیں لوٹا بلکہ ایک نئے عصر کا وقت ظہور میں آیا۔ اس لیے حضرت علی کا فوت شدہ عصر فوت ہی رہا۔

(۲) اگر کوئی اس حالت میں مر جائے کہ اس پر غسل واجب یا فرض تھا تو غسل میت کے علاوہ دوسرا غسل بھی دیں یا ایک ہی غسل کافی ہے۔

جواب نامہ:

پہلے سوال کا جواب: یہ واقعہ مقام صہبا میں پیش آیا تھا جس کے ثبوت میں متعدد حدیثیں وارد ہیں، جن میں سے چند حدیثیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

عن اسماء بنت عمیس من طریقین انه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان یوحیٰ الیه وراسه فی حجر علی فلم یصل العصر حتی غربت الشمس فقال رسول الله اصلیت یا علی قال لافقال اللهم انه کان فی طاعتک و طاعة رسولک فاردد علیه الشمس . قالت اسماء فرأیتها غربت ثم رأیتها طلعت بعد ماغربت ووقفت علی الجبال والارض و ذالک بالصهباء.

(ص ۵۹۰ کتاب شرح الشفا جلد اول لملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری)

ترجمہ: واقعہ کی چشم دید راوی حضرت اسماء بنت عمیس بیان کرتی ہیں کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی کیفیت طاری تھی اور آپ عالم استغراق میں حضرت علی کے زانو پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے، اور حضرت علی نے نماز عصر نہیں ادا کی تھی کہ اسی حال میں آفتاب غروب ہو گیا۔ حضور کو جب افاقہ ہوا تو حضرت علی سے دریافت فرمایا کہ تم نے نماز عصر ادا کر لی انہوں نے جواب دیا نہیں۔ اس کے بعد حضور نے ان لفظوں میں دعا فرمائی۔

اے اللہ! حضرت علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے تو ان پر سورج لوٹادے بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سورج ڈوب چکا تھا پھر دیکھا کہ اچانک اس کی شعاعیں زمین اور پہاڑوں پر پھیل گئیں اور یہ واقعہ مقام صہبا میں پیش آیا تھا۔

یہی حدیث حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے ان کی روایت میں کیفیت وحی کی بجائے خواب استراحت کا ذکر ہے، حضرت اسماء سے یہ حدیث دوسرے طریق سے بھی مروی ہے ان دونوں حدیثوں کے بارے میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وھذان حدیثان ثابتان ورواتھما ثقات ۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح وثابت ہیں اور ان کے راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

(۲) عن اسماء بنت عمیس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظھر بالصھباء ثم ارسل علیا فی حاجۃ فرجع و قد صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم العصر فوضع علیہ الصلاۃ وسلام راسہ فی حجر علی فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلیت العصر فقال لا یارسول اللہ فدعا اللہ تعالیٰ فرد علیہ الشمس حتی صلی العصر قالت فرائیت الشمس طلعت بعد ماغابت حین ردت حتی صلی العصر. (رواہ الطبرانی فی معجمہ الکبیر

باسناد حسن، شرح الشفاج ۱ص ۵۹۲)

ترجمہ: واقعہ کی چشم دید راوی حضرت اسماء بنت عمیس بیان کرتی ہیں کہ مقام صہبا میں رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز نماز ادا کی پھر حضرت علی کو کسی ضرورت سے کہیں بھیجا جب وہ پلٹ کر واپس آئے تو حضور عصر کی نماز ادا فرما چکے تھے یہاں تک کہ اپنا سر مبارک حضرت علی کے کے زانو پر رکھ کر لیٹ گئے (جب آنکھ کھلی یا حالت استغراق سے افاقہ ہوا) تو حضرت علی سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے نماز عصر ادا کر لی۔ انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ تب حضور نے دعا فرمائی۔ یہاں تک کہ سورج واپس لوٹ آیا اور حضرت علی نے نماز عصر ادا کی (روایت کی اس حدیث کی امام طبرانی نے اپنے معجمہ کبیر میں اسناد حسن کے ساتھ)

مذکورہ بالا حدیثوں سے اصل واقعہ ثابت ہو گیا اب رہ گئی یہ بات کہ عصر کا جو وقت لوٹ آیا تھا وہ وہی فوت شدہ عصر تھا یا دوسرا عصر! تو اس کے متعلق ذیل کے چند معروضات ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ واقعہ کا ثبوت سلسلہ روایت کی صحت پر مبنی ہوتا ہے نکتہ بعد الوقوع کی دریافت پر نہیں۔ اس لیے بالفرض یہ تفصیل نہ بھی دریافت کی جائے کہ سورج کی واپسی کے بعد فوت شدہ عصر ہی واپس لوٹا تھا یا وہ کوئی دوسرا عصر تھا، جب بھی واقعہ کے واقعہ ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا تا وقتیکہ سلسلہ

روایت ہی کی صحت سے نہ انکار کر دیا جائے اور یہ اپنے اختیار کی چیز نہیں ہے اس کا تعلق نقل سے ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس خیال کو صحیح مان لیا جائے کہ واپس لوٹ آنے والا عصر فوت شدہ عصر نہیں تھا بلکہ کوئی دوسرا عصر تھا تو لازماً وہ سب کے حق میں دوسرا عصر ہوگا صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تخصیص کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے واپس لازم آئے گا کہ سب لوگوں پر دوبارہ عصر بھی فرض ہو اور وقتی نماز کی طرح اسے بھی سب ادا کریں۔

حالانکہ روایات میں کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا کہ وقتی نماز کی طرح اسے بھی فرداً فرداً یا جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ادا کیا ہو۔ پس ایسی صورت میں کیا یہ کہنے کی جسارت کی جاسکتی ہے کہ اس دن اس نئے عصر کو سب نے دیدہ و دانستہ فوت کر دیا۔؟ مجھے یقین ہے کہ کوئی مسلمان یہ کہنے کی جسارت ہرگز نہیں کرے گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ فوت شدہ نماز کی قضا کسی بھی وقت غیر مکروہ میں کی جاسکتی ہے۔ پس حضرت علی کی فوت شدہ نماز کو ادا کی صورت میں ادا کرانا مقصود نہ ہوتا تو اس کے لیے سورج لوٹانے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ اس لیے اس عصر کو اگر فوت شدہ عصر نہ مانا جائے تو معاذ اللہ لازم آئے گا کہ پیغمبر نے سورج کی واپسی کے لیے بلاوجہ دعا فرمائی اور خدا نے بے فائدہ اسے قبول کیا حالانکہ خدا و رسول کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔

بالفاظ دیگر سورج کی واپسی کے بعد بھی اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فوت شدہ عصر فوت ہی رہا تو نظام شمسی میں ایک محیر العقول تصرف کا واقعہ بظاہر عبث معلوم ہوتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ زبان ولغت میں واپسی کسی نئی چیز کے وقوع کو نہیں کہتے بلکہ کسی ایسی چیز کی دوبارہ موجودگی کو کہتے ہیں جو زائل وغائب ہو چکی ہو۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ عصر کا جو وقت فوت ہو چکا تھا وہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں سورج کی واپسی کے ساتھ واپس ہوا۔ کیونکہ وقت کی واپسی اور سورج کی واپسی دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ اور یہ خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ آخر فنا ہو جانے کے بعد جو مخلوق قیامت کے دن دوبارہ اٹھائی جائے گی وہ اپنے پیکر ومعنی کے لحاظ سے بعینہ یہی مخلوق تو ہوگی۔ ورنہ لازم آئے گا کہ جرم کسی نے کیا سزا کوئی بھگت رہا ہے، عمل خیر کی مشقت دوسرے نے اٹھائی اجرت وثواب کا مستحق کوئی اور قرار پایا۔

دوسرے سوال کا جواب :

صورت مسئولہ میں میت ہی کا غسل سب کے لیے کافی ہے۔ الگ سے دوسرے غسل کی قطعاً ضرورت نہیں۔ (درمختار ج ا کتاب الجنائز)

لکھنؤ میں روشن خیال ملحدین کا ایک تعلیمی ادارہ:

از: جناب عزیز الحق صاحب سری نگر۔ کشمیر

جناب ایڈیٹر صاحب جام نور کلکتہ۔

ہمارے یہاں میلاد کی محفلیں کثرت سے ہوتی ہیں۔ حال ہی میں ایک صاحب ندوہ سے پڑھ کر آئے ہیں۔ ایک دن ان سے کہا گیا کہ میلاد کی محفل پڑھ دیجئے تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ دور جاہلیت کی یادگار ہے۔ ہمارے ندوہ میں اس طرح کی غیر شرعی یادگاروں کی حمایت کرنے کا سسٹم نہیں ہے۔

آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا واقعی محفل میلاد دور جاہلیت کی یادگار ہے۔

جواب نامہ:

دور جاہلیت کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد آپ اپنا کلیجہ پیٹ لیجئے گا۔ کہ یہ پڑھے لکھے لوگ آخر اپنی درسگاہوں میں کیا پڑھتے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے کا زمانہ دور جاہلیت کہلاتا ہے۔ جب کہ محفل میلاد شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے بعد کی یادگار ہے۔ اسے دور جاہلیت کی یادگار وہی کہہ سکتا ہے جو بدمست شرابی کی طرح نشے میں مخمور ہے۔ یا پاگل پن کے آزار میں مبتلا ہو عقل و ہوش کی سلامتی کے ساتھ کوئی بھی اس طرح ٹھیٹ غلطی نہیں کر سکتا۔

لکھنؤ کا ندوۃ العلماء اگرچہ روشن خیال ملحدین کا ایک تعلیمی ادارہ ہے جو کفر و اسلام کے درمیان نقطۂ اشتراک تلاش کرنے کے لیے عالم وجود میں آیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ندوہ کی روایات کہن سے نہ صرف محفل میلاد کی حمایت کا پتہ چلتا ہے بلکہ

ندوہ کی عمارت میں محفل میلاد کا التزام بھی ہمیں نظر آتا ہے۔

مولانا شبلی کا ایک مضمون جو اپریل ۱۹۱۲ء کے اخبار ہمدرد دہلی میں شائع ہوا ہے۔ اور جسے مقالات شبلی کی جلد ششم میں بھی جگہ دی گئی ہے ایک نہایت دلچسپ واقعہ پر مشتمل ہے۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب مولانا شبلی سے ندوہ کے ناظم کی چشمک ہوگئی تھی۔ بتدریج اختلاف یہاں تک بڑھا کہ مولانا کی حمایت میں ندوہ کے طلبا نے اسٹرائک کردیا۔ اب اس کے بعد کی سرگزشت خود مولانا کے قلم سے سنیے۔ لکھتے ہیں۔

عین اسی حالت میں مولود شریف کا زمانہ آیا اور طلبا نے جیسا کہ ہمیشہ معمول تھا مولود شریف کرنا چاہا لیکن اس خیال سے کہ مولود شریف میں بیان کروں گا، وہ مولود سے روکے گئے۔ اور تین دن تک یہ مرحلہ رہا۔ آخر لوگوں نے سمجھایا کہ مولود کے روکنے سے شہر میں عام برہمی پھیلے گی مجبوراً چند شرطوں اور قیدوں کے ساتھ منظوری دی گئی۔

(مقالات شبلی ج ۶ ص ۱۳۱)

کیا اتنی واضح ترین صراحت کے بعد بھی یہ کہنا صحیح ہے کہ محفل میلاد دورِ جاہلیت کی یادگار ہے۔ اور ندوہ میں اس طرح کی یادگاروں کی حمایت کا سسٹم نہیں ہے۔ جہاں ندوہ کے بانی مولانا شبلی میلاد خواں کے فرائض انجام دیں، سالانہ محفل میلاد کا انعقاد طلبا کا معمول رہ چکا ہو وہاں اب تبلیغی جماعت کی برکت سے جو ڈرامہ بھی اسٹیج پر جائے کم ہے۔

اردوئے معلّٰی کا شاہکار ادب:

اردو داں طبقے میں اب یہ حقیقت ڈھکی چھپی نہیں کہ علامہ ارشد القادری رئیس القلم تھے، ان کا طرز اسلوب اپنی جماعت ہی میں منفرد المثال نہیں تھا ادبائے عصر میں بھی ان کے قد کا کوئی قلم کار نظر نہیں آتا، ان کی کوئی بھی تحریر اٹھا کر دیکھ لیجیے سطر سطر بولتی ہوئی نظر آتی ہے، انہوں نے بزبان حکایت ''عشق وعرفان'' اور ''زلف وزنجیر'' کی جو کہانیاں سپرد قلم کی ہیں انہیں اردوئے معلیٰ کا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ وہ اگر افسانے لکھتے تو اپنے عہد میں اردو زبان کے سب سے بڑے افسانہ نگار ہوتے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے قلم کی حفاظت فرمائی اور زندگی بھر ناموس رسالت کی دربانی کرتے رہے اور اپنے بزرگوں کے روحانی حسن وجمال اور آفاقی فضل وکمال کی داستانیں رقم کرتے رہے، ان کی واقعات نگاری محض قصہ گوئی نہیں تھی بلکہ ان میں بھی آپ کا داعیانہ کردار اور اصلاح فکر وعمل کا پہلو کسی پردہ نشین مہ جبیں کے جام حسن کی طرح چھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ علامہ ارشد القادری واقعات نگاری کے بنیادی مقصد کی نشاندہی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

> ''جام نور میں ان تاریخی کہانیوں کی اشاعت سے میرے دو مقاصد تھے، پہلا مقصد تو یہ تھا کہ ہاتھوں میں ایمان افروز، روح پرور اور پاکیزہ کہانیوں کا لٹریچر دے کر ان نوجوانوں کا ذہن بدلا جائے جو گندے ناولوں اور شہوت انگیز افسانوں کو پڑھ کر اپنا وقت بھی برباد کرتے اور اپنی قیمتی صلاحیت بھی اور زندگی غلط رخ پر لگ جانے کے بعد مستقبل کی تباہی کا جو بھیانک انجام ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔

اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ جن مسلمانوں کو دینی کتابوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور وہ اپنی بدذوقی کی وجہ سے مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے محروم ہیں۔ انہیں حکایات کی زبان میں دین سے روشناس کرایا جائے۔

خدا کا شکر ہے مجھے اپنے ان دونوں مقاصد میں توقع سے کہیں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی دفتر میں موصول شدہ اطلاعات کے مطابق ہمیں یہ معلوم کر کے غایت درجہ مسرت ہوئی کہ ''جام نور'' کی تاریخی کہانیوں کو پڑھ کر بہت سے نوجوانوں کا مزاج بدل گیا، روحوں میں طہارت و پاکیزگی کی طرف بڑھنے کی جستجو پیدا ہوگئی، یہاں تک کہ عشق و ایمان کے سوز و گداز نے ان میں سے کچھ لوگوں کو اندر سے اتنا بدل دیا کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔''

(لالہ زار ص ۸-۹)

ان کی حکایت نگاری میں فصاحت و بلاغت کا موجزن سمندر اور منظر کشی کی دلکشی دیکھنا ہو تو کہانی ''جلوۂ زیبا'' کا ایک اقتباس پڑھئے۔

''انگریز کمشنر کی ایک نوجوان لڑکی تھی ہزاروں لالہ رخوں اور زہرہ جمالوں کی کہانیاں اس کی ایک ادا میں سمٹ آئی تھیں، سرشار آنکھوں سے شراب کے پیمانے چھلکتے، مہتاب کی طرح درخشاں پیشانی ہر وقت موج نور میں غرقاب رہتی، چلتی تو فتنۂ حشر جگاتی، باتیں کرتی تو پھول جھڑتے، جمال و رعنائی اور حسن و دلکشی کا وہ ایک

اقتدار کی دہلیز پر جھکا اور نہ ان کے قلم نے کبھی رومانی دنیا کے کوچے کی جانب جھانک کر دیکھا۔ وہ زندگی بھر اپنے اعلیٰ حضرت کی اس روش پر گامزن رہے۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

بلاشبہ علامہ ارشد القادری کا قلم ایمانی طہارت سے ہمیشہ مشکبار رہا ان کے سحر طراز قلم کی جولانی اور روانی کے جوہر اس وقت کھلتے تھے جب وہ مدنی تاجدار کی سیرت کا کوئی پہلو رقم کرتے تھے، یا کسی عارف باللہ اور روحانی تاجدار کی پرشوکت دہلیز پر ایک گدائے بے نوا کی حیثیت سے اپنی عقیدتوں کا خراج پیش کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر ان کے قلم سے فصاحت و بلاغت کا ابشار ابلتا تھا اور ان کے نوک قلم سے کسی زہرہ جمال دوشیزہ لبوں کی طرح الفاظ کے بجائے پھول جھڑتے تھے، وہ اپنے مقتدر پیشواؤں کی زندگی کے جس رخ پر روشنی ڈالتے تھے، عشق و عرفان کی دودھیا چاندنی بکھر جاتی تھی، اور سطر سطر عقیدت و نیازمندی کی خوشبوؤں سے مہک اٹھتی تھی۔ اور تحریر کے بین السطور سے آرزوئے شوق کی صدائے دل کانوں میں رس گھول دیتی تھی۔ اب ذیل میں قارئین کی تسکین خاطر کے لیے چند نمونے نقل کرتا ہوں۔

بغداد کا تاجدار:

کونین کا وہ عظیم دستگیر جس کی جلالت شان کا ڈنکا کائنات ہستی کے شش جہات میں بج رہا ہے اور جس کی خداداد شوکتوں کے پرچم پہاڑوں کی چوٹیوں پر لہرا رہے ہیں، اس کے مدح سراؤں اور منقبت خوانوں کی ہزاروں میل لمبی صف

کر لگتا ہے سینہ قرطاس پر نوک قلم سے کہکشاں اتار کر سجادی ہو، پیرایہ بیان کے صوتی آہنگ پر وادی کشمیر کے کسی دل آویز جھرنے کا شبہ ہوتا ہے۔

قلم کا تقدس بہر گام سلامت رہا:

عام طور دیکھا جاتا ہے کہ ارباب شعر و ادب اہل جاہ و حشمت کی مدح سرائی میں قلم کے جوہر دکھاتے ہیں یا پھر رومانٹک تاجروں کے کھنکتے سکون کے گرد رقص کرتے نظر آتے ہیں، کہتے ہیں کہ چھوٹے اور بڑے پردے کے لیے کہانی نگاروں کی منڈی میں صرف قلم کاروں کے سرکش فن ہی کا سودا نہیں ہوتا ہے بلکہ اس تقوی شکن ماحول میں اہل قلم کے ضمیر و وقار کی بھی بولیاں لگتی ہیں۔ اور پھر زبان و قلم کی معمولی صلاحیتوں کے لوگ دولت و میڈیا کا سہارا لیکر راتوں رات شہرت و ناموری کے افق پر پہنچ جاتے ہیں۔ یونیورسٹیوں اور اکیڈمیوں سے جڑے ادیبوں کا بھی یہی حال ہے۔ عام طور پر جنہیں جملوں کی نشست و برخاست کا سلیقہ نہیں وہ صف اول کے قلم کاروں میں شمار ہوتے ہیں اور اگر ان کے اعزازات کی فہرست پر نظر ڈالئے تو لگتا ہے جتنے صفحات لکھے ہیں اسی قدر ایوارڈ پا چکے ہیں، لیکن ان کی قلعی اس وقت کھلتی ہے جب مارکیٹ میں ان کے فن پارے آتے ہیں، کسی بھی کتاب کی چھ سو کا پیا نکالنے میں آدھی عمر گزر جاتی ہے۔

شاید میں اپنے موضوع سے کچھ دور نکل گیا، علامہ ارشد القادری کا قلم اردوئے معلی کی شاہکار زبان لکھتا تھا، وہ ادیبانہ فکر و فن کی نزاکتوں پر کمال دسترس کے ساتھ جمالیاتی احساسات کے بھی اداشناس تھے مگر ان تمام اوصاف کے باوجود ان کا قلم نہ کبھی ایوان

ایسا مجسمہ تھی کہ مغربی تہذیب کے گھرانے میں بھی ہر وقت وہ پردے میں رہتی تھی۔ ایک مالدار باپ کی اکلوتی بیٹی، اس پر مزاج میں نفاست، طبیعت میں لطافت اور ناز ونعمت کی زندگی سارے خاندان کی راج دلاری بن گئی تھی۔ سیرت وخصلت کے اعتبار سے بھی وہ نہایت پاک طینت، نیک سرشت اور شریف الطبع لڑکی تھی۔"

"پاک دامن نوجوان" کا ایک اقتباس پڑھئے۔

"رات ڈھل چکی تھی سارا محل نیند کی خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا اسی عالم میں روم کی سب سے حسین اور زہرہ جمال دوشیزہ عشوہ طراز اداؤں کی مجسم ساحرہ وزیر کی شہزادی اٹھی، زرنگار جوڑے زیب تن کئے، بال سنوارے، نظر کی تیغ پر پانی چڑھایا اور سامان قتل سے پوری طرح آراستہ ہوکر اس کمرے کا رخ کیا جہاں نوجوان قیام پذیر تھا، جوں ہی اندر داخل ہوئی، نوجوان زمین پر پیشانی رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا، پیشانی زمین پر لگی رہی وہ روتا رہا، رات ڈھلتی رہی وہ روتا رہا، چشم التفات کی امید میں بیٹھے بیٹھے سحر ہوگئی۔ اپنے خرام ناز سے قیامت ڈھانے والی شہزادی طرح طرح کے ہتھیاروں سے لیس ہونے کے باوجود سجدے سے ایک نوجوان کی پیشانی نہیں اٹھا سکی۔"

حضرت علامہ صاحب کا قلم الفاظ نہیں موتی رولتا ہے، جملوں کا حسن ترتیب دیکھ

میں کہیں بھی جگہ پا جانا زندگی کا سب سے بڑا اعزاز سمجھتا ہوں۔

سرکار غوث الوریٰ کی عظمت مقام کا کیا پوچھنا؟ کہتے ہیں کہ ابھی فرش گیتی قدموں کی ٹھوکر سے سرفراز بھی نہیں ہوئی تھی کہ ان کے خورشید کمال کا سپیدۂ سحر دلوں کے آفاق پر چمک رہا تھا۔ رحمت ونور کے کتنے ہی آبشاروں نے اس بحر بے کراں سے زندگی کی خیرات مانگی اور وقت کے بڑے بڑے مسند نشینوں نے اپنے امیر کشور کی آمد کے غلغلے بلند کیے سرکار غوث الوریٰ کی کتاب زندگی کا یہی وہ باب ہے جسے پڑھنے کے بعد اقلیم ولایت میں ان کی شہنشاہی کا یقین چمکنے لگتا ہے۔

انبیائے سابقین نے ہزاروں سال پیشتر اگر مطلع رسالت پر ایک آفتاب کے طلوع ہونے کی خبر دی تھی تو یہاں مظہر اتم کی شان یوں جلوہ گر ہوئی کہ ظہور سے سیکڑوں سال قبل روئے زمین کے اولیائے کاملین نے ولایت کے آفاق پر ایک خورشید کے چمکنے کی بشارتیں دیں۔ ان کے مناقب ومحامد کے خطبے پڑھے اور ہراول دستوں کی طرح دلوں کی سرزمین پر ایک شہنشاہ کی جلوہ گری کے لیے ہموار کیا۔

بالآخر وہ سحر بھی طلوع ہوئی جبکہ بغداد کی سرزمین پر جلالت شاہانہ کا تخت بچھا اور فرق اقدس پر غوثیت کبریٰ کا تاج پہن کر جب سریر آرا ہوئے تو عظمت خداداد کی ہیبت سے پہاڑوں، صحراؤں، سمندروں کے دل کانپ گئے۔ بارگاہ سلطانی میں کشور ولایت کے سارے عمائدین کی گردنیں جھک گئیں۔

اس وقت سے لیکر آج تک بغداد کا دیار قدس غوث الوری کی راجدھانی کی حیثیت سے سارے صحت مند دلوں کا مرکز عقیدت ہے۔ گو وہ آج نظر کے سامنے نہیں

ہیں لیکن عشق وایمان کی ہر انجمن میں ان کے جلوؤں کی سحر کا اجالا پھیلا ہوا ہے۔ ان کی نادیدہ چارہ گری، ان کی روحانی دستگیری اور ان کے غیبی تصرفات کے عقیدے پر مشاہدات وتجربات کی اتنی تیز دھوپ پڑ رہی ہے کہ عقل وہوش کی سلامتی کے ساتھ انکار ممکن نہیں ہے۔ (جام نور اگست ۱۹۶۷ء)

پیران کلیر کا فیضان:

بادشاہ دو جہاں، مظہر تجلیاتِ لامکاں، مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواجگانِ چشت میں جس جلالت شان کے مالک ہیں وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ سارے جہاں میں ان کی عظمت وسیادت کا ڈنکا بج رہا ہے، اسلام کی تبلیغ و اشاعت، جلال کبریائی کے ظہور اور کفر والحاد کی قوتوں کے ساتھ تصادم کی ایک عظیم تاریخ فاتح کلیر کی ذات والاصفات سے وابستہ ہے۔

کشور ہند کے چپے چپے پر پیرانِ کلیر کا فیضان آسمان کے بادل کی طرح برستا رہا ہے اور آج بھی برس رہا ہے۔ سلسلۂ صابریہ کی برکتوں سے بے شمار انسان کفر وشرک کی ظلمتوں سے نکل کر اسلام وایمان کے اجالے میں آگئے اور ہزاروں سعادت نصیب، پاک طینت افراد خدارسی کی دولتِ لازوال سے سرفراز ہوئے۔

اور بے شمار قدسیوں کو یہ منصب عطا ہوا کہ دل پر ہاتھ رکھ دیا تو صاحب دل بنا دیا آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں تو روحوں کو عشق وسرمستی کے کیف میں شرابور کر دیا۔ جو سر ان کے قدموں سے مس ہو گئے انہیں کشور ولایت کا تاجدار بنا دیا اور ہاتھ پکڑ لیا تو جلالتِ کبریائی کی دہلیز پر لاکر کھڑا کر دیا۔

صابر پاک کے گہوارۂ قدس سے نور کا چشمہ جاری ہوا وہ آگے چل کر کئی سمتوں میں پھیل گیا۔ اس نور کا جسے بھی امین بنایا گیا اس کی ذات سے سینکڑوں چراغ جلے اور ہر چراغ کی روشنی مختلف ناموں سے موسوم ہوتی چلی گئی۔ اس طرح سلسلۂ صابری کا روحانی فیض کشور ہند کی حدود کو توڑ کر آگے بڑھا اور روئے زمین کے مختلف حصوں میں پھیل گیا۔ اور پھیلتا رہے گا۔ (تقدیم گلزار صابری ص ۱)

کیوں رضا آج گلی سونی ہے:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی بارگاہ میں حاضری کے وقت عاشق پرسوز علامہ ارشد القادری پر کیا گزری یہ عشق انگیز قلبی واردات انہیں کے زہرہ نگار قلم سے پڑھئے۔ علامہ ارشد القادری رقم طراز ہیں۔

نماز فجر کے بعد امام اہل سنت کے آستانے پر جب میری حاضری ہوئی تو جذبۂ دل کے مدوجزر کا عجیب عالم تھا۔ ایک عشق سراپا، ایک پیکر وفا ایک اخلاص مجسم اور ایک بحر علم وفضل کی خواب گاہ ناز نظر کے سامنے تھی۔ فرط عقیدت سے آنکھیں اشکبار ہو گئیں بے ساختہ یہ شعر یاد آ گیا۔

کیوں رضا آج گلی سونی ہے

اٹھ مرے دھوم مچانے والے

نہ جانے کس عالم میں اعلیٰ حضرت نے یہ شعر کہا تھا۔ گھنٹوں سوچتا رہا! یہ اسی عاشق پاکباز کا مرقد ہے جو شہر خموشاں کے ارجمندوں کی حرمت وتوقیر کے لیے زندگی بھر بے چین رہا۔ اس کے نوک قلم سے روشنائی نہیں ٹپکتی تھی عشق وعرفان کا آبشار پھوٹتا

تھا۔اس کی تحریر میں عجیب سحر حلال تھا کہ بریلی کی سرزمین پر بیٹھے بیٹھے اس نے ساری دنیا کو اپنے گرد سمیٹ لیا۔

عالم تحیر میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بے ساختہ زبان دل سے دعا نکلی اور در و دیوار نے آمین کہا۔

احمد رضا! تمہاری تربت پر شام وسحر رحمت ونور کا ساون برسے، تمہارے قلم کی روشنائی نے شہیدوں کے لہو کی طرح چمنستان اسلام کو لالہ زار بنا دیا۔ تم نے آندھیوں کی زد پر عشق کا چراغ جلایا اور خون کے ایک ایک قطرہ سے محبت کا خراج وصول کیا۔
دنیائے اسلام کے محسن! تم نے حق وباطل کے درمیان اتنی واضح لکیر نہ کھینچ دی ہوتی تو آج امنڈتے ہوئے ان سیاہ فتنوں کے ہجوم میں امت مسلمہ کا کیا حال ہوتا۔
کیا معلوم کہ ہم سرگشتگان بادۂ غفلت عقل غلط اندیش کی رہنمائی میں کہاں بھٹکتے ہوتے۔

اے اہل سنت کے امام! خدائے غافر وقدیر تمہاری خواب گاہ کو رحمتوں کے پھولوں سے بھردے۔ تمہارا یہ احسان ہم کبھی نہیں بھول سکتے کہ تم نے نہایت نازک وقت میں ایمان کے ساتھ ہماری روحوں کا سررشتہ ٹوٹنے سے بچالیا۔
ویسے کہنے کے لیے ساری دنیا رسول مجتبیٰ کے پروانوں سے بھری ہوئی تھی لیکن نجد کے گستاخوں کے منہ میں لگام دینے کی لیے تمہارے سوا کون کھڑا ہوا۔ کس نے اپنی ہستی کی ساری صلاحیتوں کو حمایت حق کے مورچے پر لگا کر اسلام کی فصیل کو کفر والحاد کے طوفان سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔ مزارات کے وارث اور خانقاہوں۔ کے

سجادہ نشین کہاں نہیں تھے لیکن کسے ہمت ہوئی کہ ابلیس کے امنڈتے ہوئے لشکر کو شکست فاش دینے کے لیے خون کا آخری قطرہ تک نثار کر دے۔

ہر محفل کا چراغ بننا اور ہر طبقے میں نیک نام کہلانا کون نہیں پسند کرتا لیکن پیارے! یہ تمہارا ہی جگر تھا کہ حق کی خوشنودی کے آگے تم نے نہ کسی کے روٹھنے کی پرواہ کی نہ کسی کے طعن و تشنیع سے آزردہ ہوئے ایک اپنے محبوب کو راضی کر کے تم سارے جہاں سے مستغنی ہو گئے۔

اہل حق کی دنیا آج بھی اعتراف کرتی ہے کہ تم نے غیرت عشق کی یہ بجلی نہ سلگائی ہوتی تو اس عہد نفاق آشوب میں یقین و عرفان کا یہ نکھرا ہوا سونا کسے میسر آتا۔

پس اے امیر کشور اخلاص! دشمنان حق نے اپنے مذہبی غیض میں سلگ سلگ کر تجھے جتنے طعنے دیے ہیں۔ کونین کا پروردگار ان ساری دل آزاریوں کا تجھے بے پایاں اجر عطا کرے۔'' (جام نور، اکتوبر/نومبر ۱۹۶۸ء)

حافظ ملت کے عشق کی فتح مبین:

لو تبسم بھی شریک ناز ہوا
آج کچھ اور بڑھا دی گئی قیمت اپنی

کل تک لوگ اس عقیدے کا مذاق اڑاتے تھے کہ کونین کا دار السلطنت گنبد خضرا کی چھاؤں میں ہے لیکن اب جب کہ دلوں کا یہ عقیدہ پیکر محسوس بنکر سامنے آگیا ہے تو کس کی شامت آئی ہے کہ آنکھوں کا مشاہدہ جھٹلائے۔ ویسے جھٹلانے کے لیے تو آنکھوں میں دھول جھونک کر بھی جھٹلایا جا سکتا ہے۔ لیکن اپنی ہی نظر کو جھٹلانا آسان

نہیں ہے۔

اس داستان حیرت فزا کی تفصیل یہ ہے کہ سرگروہ اتقیا امیر لشکر عاشقاں، حضرت استاذ العلماء شیخ الحدیث اشرفیہ مبارک پور ایک عرصۂ دراز سے دیار حبیب کی زیارت کے لیے بیتاب تھے لیکن ساتھ ہی دل کا یہ بھی اصرار تھا کہ پروانہ راہداری بغیر فوٹو کے حاصل ہو جائے۔

نیاز مندوں نے ہزار التجا کی کہ بین الاقوامی قانون سے کسی فرد خاص کا استثنا ناممکن کی حد تک دشوار ہے اول تو سلف ہی سے چلا آرہا ہے کہ اہل سنت کے اکابر کا دنیا کی کسی بھی حکومت سے کوئی نیاز مندانہ رشتہ نہیں ہے۔ بالفرض حکومت ہند نے بغیر فوٹو کے جانے کی اجازت بھی دیدی تو سعودی عرب پر ہم کیونکر اثر انداز ہو سکیں گے۔ جب کہ وہاں کی حکومت عقیدۃً ہمیں اپنا حریف بھی سمجھتی ہے۔ لیکن عشق کا حوصلہ جنوں خیز ملاحظہ فرمایئے کہ راہ کی ان ساری رکاوٹوں کے باوجود "دل دیوانہ" اپنی ضد پہ قائم رہا۔ بہر حال کچھ دنوں کے بعد اس مرحلے کی سلسلہ جنبانی کے لیے ایک انجانے یقین کی روشنی میں قدم عالم اسباب کی طرف اٹھے۔

حسان الہند حضرت بیکل اتساہی جن کی دل آویز و سحر طراز شخصیت کا اثر فقیر کی کٹیا سے لے کر صدر مملکت کے ایوان تک یکساں طور پر ہر جگہ چھایا ہوا ہے۔ انہوں نے اس خدمت کا بیڑا اٹھایا۔

کوششوں کا سلسلہ آنجہانی پنڈت نہرو سے شروع ہو کر شری لال بہادر شاستری تک پہنچا، یہاں تک کہ شریمتی اندرا گاندھی کے عہد وزارت میں ہندوستان کے محکمۂ

خارجہ نے اس سوال پر سعودی عرب سے رابطہ قائم کیا، مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے درخواست کی فائل سعودی گورنمنٹ کے سربراہ سلطان امیر فیصل کے سامنے پیش کی گئی۔ انہوں نے اپنے خصوصی دستخط سے جواب ارسال کیا کہ ہمای حکومت شیخ الحدیث کو بغیر فوٹو کے حج وزیارت کے لیے حجاز میں داخل ہونے کی اجازت دیتی ہے۔ یہ اجازت نامہ بالکل پہلا اور آخری ہے۔ سعودی عرب کا جواب موصول ہونے کے بعد حکومت ہند نے بھی اجازت دیدی اور مغل لائن نے سیٹ ریزرو کرلیا۔ کارروائی کے آخری مرحلے میں پہنچتے ہی سارے ملک میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔

مغل لائن کی دی ہوئی تاریخ پر جب حضرت استاذ العلماء تیار ہو کر ممبئی پہنچے تو اچانک یہ خبر معلوم ہوئی کہ سعودی حکومت کا قونصل (Council) مقیم ممبئی بغیر فوٹو کے ویزا دینے کی لیے تیار نہیں ہے۔ دلوں پر بجلی گر پڑی، ارمانوں کا خون ہو کے رہ گیا، داستان کا یہی وہ حصہ ہے جسے ہم ''عشق کی فتح مبین'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

گہرائی میں اترنے کے بعد معلوم ہوا کہ دیوبندی حلقوں کے تمام ذی اثر حضرات نے متحدہ طور پر سعودی حکومت کے قونصل سے درخواست کی ہے کہ سعودی گورنمنٹ کے ساتھ ہماری جماعت کی دیرینہ نیاز مندیوں کا حال آپ سے چھپا ہوا نہیں ہے۔

لیکن اس غیر معمولی تعلق کے باوجود ہماری جماعت کے بعض اکابر کو انتہائی جدوجہد کے بعد بھی سفر حج کے لیے فوٹو سے مستثنی نہیں کیا گیا۔ اب یہ اعزاز ایک ''بدعتی مولوی'' کو دیا جا رہا ہے، جو نجدی عقائد کا سب سے بڑا حریف ہے۔ اگر یہ

اعزاز واپس نہ لیا گیا تو ہم کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

قونصل پر دیوبندی ریشہ دوانیوں کا اتنا گہرا اثر پڑا تھا کہ اس نے اپنے تئیں ویزا نہ دینے کا حتمی فیصلہ کرلیا تھا۔ کئی دن تک لطائف الحیل سے ٹالتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ تاریخ آگئی جس دن جہاز کھلنے والا ہے۔ اب فاصلے کا شمار گھنٹوں میں رہ گیا۔ لیکن ابتک ویزا نہیں ملا۔

یہی وہ نازک گھڑی تھی جب کہ اہل ممبئی نے کھلی آنکھوں سے ایک سچے نائب رسول کی روحانی برتری کا تماشا دیکھا، جب دو گھنٹے باقی رہ گئے تو بعض سادہ لوح نیاز مندوں نے مشورہ دیا کہ اب فوٹو کھنچوائے کام بنتا نظر نہیں آتا۔ یہ سن کر فرط جلال سے حضرت کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ کچی نیند جاگنے والے محشر اضطراب کو دوبارہ سلا دینا ممکن نہیں تھا۔ اب مادی تدبیروں کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ دلگداز بے چینیوں کے عالم میں حضرت نے اپنا کمرہ خالی کرا کر اندر سے دروازہ بند کرلیا۔

پلک جھپکتے ہی آہوں کا قافلہ مدینہ پہنچ گیا۔ اب دل دیوانہ فرماں روائے کونین کی چوکھٹ پر تھا۔ عاشق پرسوز نے کیا فریاد کی، سرکار نے برستی ہوئی آنکھوں پر کس طرح رحمت کی آستین رکھی۔ یہ سارا ماجرا صیغۂ راز میں ہے۔ باہر کھڑے رہنے والے ہجوم کو صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ جب کمرے کا دروازہ کھلا تو حضرت بکیل اتساہی ویزا لئے کھڑے تھے۔

وفور جذبات میں وہ صرف اتنا کہہ سکے "نئی دہلی سے سعودی سفیر کا ٹیلیفون آیا کہ شیخ الحدیث کو فوراً ویزا دیا جائے" اور بے تحاشا قدموں پر گر پڑے۔ حضرت نے انہیں

اٹھا کر سینے سے لگایا۔ دوست تو دوست دشمنوں نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کر لیا کہ جن خاک نشینوں کے طرفدار گنبد خضرا کے تاجدار ہیں ان پر فتح پانا مشکل ہے۔

نگاہ یاس مری کام کر گئی آخر
رلا کے اٹھے تھے وہ مسکرا کے بیٹھ گئے

اقلیم اردو پر شہنشاہ قلم کی فرماں روائی کے یہ چند نمونے تھے جنہیں ہم نے بغیر کسی تبصرے کے نقل کر دیا۔ ہمیں یقین ہے کہ ان اقتباسات میں فصاحت و معانی کے چھوٹتے ہوئے آبشاروں سے آپ کے دل و دماغ تازہ ہو چکے ہوں گے اور اسی کے ساتھ آپ کو اس کا بھی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ حضرت علامہ ارشد القادری اپنے بزرگوں کی بارگاہوں کے ادب شناس شیدائی ان کے عشق و عرفان سے سرشار اور ان کی فکر و نظر کے بلند بانگ داعی اور ترجمان تھے۔

بیرونی ممالک میں دعوتی خدمات:

جدھر پہنچا نئی دنیا بسالی
یہ دیوانہ تو دیوانہ نہیں ہے

علامہ ارشد القادری سراپا فکر و علم اور عزم و حوصلہ کی نا قابل شکست چٹان کا نام تھا، خلاق دو عالم نے انہیں زبان و قلم کی اتنی عظیم اور دل آویز صلاحتیں عطا فرمائی تھیں کہ ان کی شخصیت میں مقناطیسی کشش پیدا ہو گئی تھی، ان کے بلند پایہ کارناموں کی وجہ سے ملک اور بیرون ملک میں ان کے لاکھوں اسیر ہیں، انہوں نے یورپ و اشیا اور عرب و امریکہ کے متعدد ممالک کے سفر کئے ہیں اور ایک بار قریب دو سال تک دعوت و تبلیغ

کے لیے برطانیہ میں قیام بھی فرمایا آپ بیرونی ممالک کی درج ذیل کانفرنسوں میں مندوب کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

۱۔ موتمر جمعیات و جماعات	تہران (ایران)
۲۔ موتمر الدعوۃ الاسلامیہ العالمیہ	طرابلس (لیبیا)
۳۔ حجاز کانفرنس	لندن (برطانیہ)
۴۔ امام احمد رضا کانفرنس	کراچی (پاکستان)
۵۔ موتمر مبلغ اعظم مولانا عبد العلیم صدیقی	امسٹرڈم (ہالینڈ)
۶۔ موتمر عالم اسلام	بغداد شریف (عراق)
۷۔ میلاد کانفرنس	کراچی (پاکستان)

آپ نے بیرونی ممالک میں درج ذیل تعلیمی ادارے قائم کیے۔

۱۔ جامعہ مدینۃ الاسلام	ڈین ہاگ۔ ہالینڈ
۲۔ اسلامک مشنری کالج	بریڈفورڈ۔ برطانیہ
۳۔ دار العلوم علیمیہ	سوری نام۔ امریکہ

آپ نے اہلسنت کی مشہور تحریک "دعوت اسلامی" کی کراچی میں بنیاد رکھی اور مولانا الیاس قادری کو اسی تحریک کا امیر منتخب کیا جو آج دنیا کے درجنوں ملکوں میں کام کر رہی ہے۔ اور دوسرا اہم تبلیغی ادارہ بنام "ورلڈ اسلامک مشن" کی بنیاد مکہ معظمہ کے دارارقم میں رکھی اس کا مرکز بریڈفورڈ میں ہے۔ اس کی شاخیں بھی برصغیر اور امریکہ و برطانیہ کے مختلف شہروں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ علامہ ارشد القادری اس تحریک کے پس

منظر اور اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

مجلس نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ ملحدانہ تحریکات اور مادیت پسندانہ طریق زندگی کے نتیجے میں آج امت اپنے رسول سے دور ہٹتی جارہی ہے، اس لیے عالمی سطح پر ایک ایسے ادارہ کا قیام اب ضروری ہوگیا ہے۔ جس کے ذریعہ امت کے افراد کو عشق و یقین اور اطاعت وتقویٰ کی زندگی کی طرف واپس لایا جائے مجلس کے ارکان نے اس عالمی تحریک کو الدعوۃ الاسلامیہ العالمیۃ۔ The world Islamic Mission کے نام سے موسوم کیا اور متعدد سہولتوں کے پیش نظر اس تحریک کا مرکز انگلستان کا مشہور شہر بریڈفورڈ نامزد کیا گیا۔"

اس ادارہ کا قیام ۱۹۷۲ء میں ہوا تھا علامہ صاحب اس تحریک کے طے شدہ اغراض ومقاصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

۱۔ عالمی سطح پر ایک تبلیغی نظام کا قیام۔

۲۔ مسلم معاشرہ میں دینی زندگی کی ترویج۔

۳۔ غیر مسلم اقوام میں اسلام کا موثر تعارف۔

۴۔ مسلمانان عالم کے درمیان رابطہ اخوت اسلامی کا استحکام۔

۵۔ گمراہ کن افکار وتحریکات سے نسل اسلامی کا تحفظ۔

۶۔ اسلامی تبلیغ کی قائدانہ صلاحتیں پیدا کرنے کے لیے ایک تحقیقاتی تربیتی مرکز کا قیام۔

۲۱ر اپریل ۱۹۷۳ء کو اس کی پہلی تنظیمی کانفرنس بریڈفورڈ کے سینٹ جارجیز ہال

میں منعقد ہوئی اس کانفرنس میں جو سہ سالہ لائحۂ عمل منظور کیا گیا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

ا۔ اسلامک مشنری کالج (Islamic Missinri collage) کے نام سے ایک تربیتی ادارہ کا قیام جس میں فارغ التحصیل نوجوان علماء کو انگریزی، جدید عربی اور فرنچ تینوں زبانوں میں سے کسی ایک زبان میں مذہبی قیادت کی تربیت دی جائے گی۔

۲۔ مختلف زبانوں میں اسلام کا تبلیغی لٹریچر تیار کرنے کے لیے ایک دارالتصنیف کا قیام۔

۳۔ اردو عربی اور انگریزی زبانوں میں ایک ماہنامہ کا اجراء جس کا اردو نام دعوت اسلامی، عربی نام الدعوۃ الاسلامیہ اور انگریزی نام وائس اوف اسلام wice of islam تجویز کیا گیا۔

۴۔ دنیا کے مختلف خطوں میں رہنے والے مسلمانوں سے دینی رابطہ قائم کرنے کے لیے رابطہ الاخوۃ الاسلامیہ کے نام سے ایک تنظیمی ادارہ کا قیام۔

اس کانفرنس کی کامیابی کے حوالے سے ہفتہ وار الشرق الجدید لندن لکھتا ہے۔

''اجتماع، افادیت، جوش و خروش کے لحاظ سے برطانیہ کی تاریخ میں یہ بالکل پہلی مذہبی کانفرنس تھی۔''

مسلکی اختلاف کے ردعمل سے حجاج کو محفوظ رکھنے پر غور:

ورلڈ اسلامک مشن نے اپنے طے شدہ خطوط پر دین و دانش کے فروغ اور جماعتی و

ملی مسائل کے حل کے لیے عملی میدانوں میں اتر کر پیش قدمی کی اور ایک عالم نے ان کی کارگزاری اور فائز المرامی کو محسوس کیا، جب تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا ازہری دامت برکاتہم القدسیہ کو نظریاتی اختلاف کی بنیاد پر سعودی حکومت نے ارکان حج کی ادائے گی کے بغیر واپس کرادیا تھا (یہ دل آزار حادثہ بین الاقوامی قانون کی کھلی ہوئی خلاف ورزی تھی) اس موقع پر ورلڈ اسلامک مشن نے خاک ہند سے برطانیہ تک زبردست احتجاجی لہر پیدا کردی تھی جسکے نتیجے میں حکومت سعودیہ کو جھکنا پڑا اور دوسرے سال خصوصی اہتمام کے ساتھ حضرت تاج الشریعہ کو سفر حج کی دعوت دی، ورلڈ اسلامک مشن نے اس طرح کے متعدد کارنامے انجام دیے۔ حج کے موقع پر عام طور پر اہلسنت و جماعت کو ذہنی اذیت دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس لیے مسلکی اختلاف کے ردعمل سے حجاج کو محفوظ رکھنے کے لیے علامہ ارشد القادری نے مہم چلائی اور بتاریخ ۲۳ راپریل ۱۹۸۷ء سعودی سفیر کی دعوت پر ورلڈ اسلامک مشن کا ایک وفد ان کے سفارت خانے میں سفیر موصوف سے ملا۔ وفد کے ارکان میں علامہ ارشد القادری نائب صدر ورلڈ اسلامک مشن، مولانا یٰسین اختر مصباحی جوائنٹ سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن اور پروفیسر سید جمال الدین اسلم مارہروی کے اسما قابل ذکر ہیں۔

سعودی سفیر نے علامہ ارشد القادری نائب صدر ورلڈ اسلامک مشن کو اختلافی مسائل پر باہمی مذاکرہ کی تحریری دعوت دی تھی۔

اس ملاقات میں سفیر موصوف کی توجہ اس نکتے کی طرف مبذول کرائی گئی کہ جن مسائل میں علمائے نجد کے ساتھ ہمارے اختلافات ہیں ان میں سارا عالم اسلام ہمارا ہم

مسلک ہے۔ اس لیے مذاکرہ کی مجلس میں عالم اسلام کے منتخب علماء کو بھی شریک کیا جائے تاکہ باہمی تصفیہ کی راہیں پورے طور پر ہموار ہوسکیں۔ سفیر موصوف نے خوشگوار ماحول میں باتیں کیں اور وفد کو یقین دلایا کہ وہ جلد ہی اس سلسلے میں اپنی رائے سے اسے مطلع کریں گے۔ شاہ فہد کے حالیہ دورۂ برطانیہ کے موقعہ ورلڈ اسلامک مشن کے وفد نے ان سے لندن میں ملاقات کر کے جو عرض داشت پیش کی تھی اور جس کا شاہ فہد نے مثبت جواب دیا تھا اس سے متعلق عربی اخبارات کے تراشے بھی سفیر موصوف کو دکھلائے گئے۔ جسے انہیں متنازع مسائل کے سمجھنے میں بہت آسانی ہوئی۔ ذیل میں وہ تحریر پیش کی جاتی ہے جو حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے سعودی سفیر کو پیش کی۔

''عالی جناب محترم سفیر صاحب

مملکت سعودیہ عربیہ۔ برائے ہند

بعد ما ہو المسنون۔ آپ کا خط مورخہ ۱۶؍اپریل ۸۷ء حوالہ ۲/۲/۱ رہمیں جمشید پور بہار میں موصول ہوا جس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی اس میمورنڈم کے ساتھ منسلک ہے۔

آپ کے مشورے کے مطابق آج ۲۳؍اپریل ۱۹۸۷ء بروز پنجشنبہ آپ سے ہم ملاقات کر رہے ہیں۔ ہمارے اور علمائے نجد کے درمیان نزاعی مسائل پر باہمی مذاکرات کے سلسلے میں آپ کی پیش کش کا ہم صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہوئے مندرجہ ذیل نکات کی طرف آپ کی گرانقدر توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

(۱) محفل میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور توسل بالانبیاء و المرسلین (علیہم السلام) جیسے مسائل میں چوں کہ علمائے نجد کے علاوہ سارا عالم اسلام ہمارا ہم مسلک ہے اس لیے مذاکرات میں عالم اسلام کے منتخب علماء کرام کو بھی شریک کرنا ہوگا تا کہ عالمی سطح پر کتاب وسنت کی روشنی میں سارے اختلافات کا ممکنہ حد تک تصفیہ ہو جائے۔

(۲) ہماری طرف سے مذاکرات کا اہتمام ورلڈ اسلامک مشن کریگا، جیسا کہ حجاز کانفرنس (منعقدہ مئی ۱۹۸۵ء) لندن میں ایک قرارداد کے ذریعہ مشن نے سعودی حکومت کو اس کی پیش کش بھی کی تھی، اور مذاکرہ کے لیے جگہ کا تعین مشن اور سعودی حکومت کے نمائندے باہمی مشورہ سے کریں گے۔

(۳) اختلافی مسائل میں چونکہ سعودی حکومت تشدد سے کام لیتی ہے، اور باہر سے جانے والے حاجیوں کو طرح طرح سے پریشان کرتی ہے۔ اس لیے مذاکرہ سے پہلے سعودی حکومت کو اس بات کی توثیق کرنی ہوگی، کہ مذاکرہ کا جو بھی نتیجہ نکلے گا اسے وہ عملاً قبول کریگی۔　　　　والسلام

ارشد القادری، نائب صدر، ورلڈ اسلامک مشن

ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ کے وفد کا دورۂ تہران:

حکومت ایران کے ذریعہ حضرت علامہ ارشد القادری نائب صدر ورلڈ

اسلامک مشن، مولانا قمرالزماں اعظمی سکریٹری جنرل مولانا شاہد رضا صدر برطانیہ یونٹ، اور مولانا قاری اسماعیل مصباحی کو ۲۸ ردسمبر ۱۹۸۲ء سے تہران میں منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ ملا۔

ورلڈ اسلامک مشن کا یہ وفد ۲۷ ردسمبر کی صبح کو ایران ایر کے ذریعہ تہران پہنچا۔ ایرپورٹ پر وی آئی پیز چیمبر میں تھوڑی دیر قیام کرانے کے بعد ہمیں آزادی ہوٹل میں لایا گیا جہاں حکومت کی طرف سے وفد کے قیام کا انتظام تھا۔ ۲۶ ر منزل کے اس ہوٹل میں اس وفد کے علاوہ دنیا کے چالیس ملکوں کے ۱۳۵ر افراد بھی قیام پذیر تھے۔ ایران میں پاسداران انقلاب کے نام سے کئی لاکھ نوجوانوں کی ایک عسکری تنظیم ہے، جس کے کنٹرول میں اس وقت سارا ملک ہے۔ ایرپورٹ سے لیکر ہوٹل تک اس تنظیم کے سینکڑوں افراد وفد کو اپنے نرغے میں لیے رہے۔ ہوٹل کے اندر بھی پاسداروں کی بہت بڑی تعداد گردو پیش تھی۔ اور ہوٹل کے باہر چاروں طرف عمارتوں کی چھتوں اور سڑکوں پر مسلح پاسدار شب و روز پہرہ دیتے تھے، تہران ایرپورٹ پر اترنے کے وقت سے لیکر واپسی کے لیے جہاز پر سوار ہونے تک، ورلڈ اسلامک مشن کے وفد پر پاسداروں کا سخت پہرہ تھا۔

اس سفر میں دیواروں کے نوشتے، بینروں کے نقوش، تقاریر و مذاکرات، مظاہرہ انگیز نعروں، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور خصوصی ملاقاتوں کے ذریعہ ایران کا جو وفد نے مطالعہ کیا ہے اس کے قابل ذکر نکات ذیل میں پڑھئے۔ واضح رہے کہ حقائق کی ترجمانی میں وفد نے اس کی قطعا پرواہ نہیں کی ہے کہ کون خوش ہوگا اور کسے تکلیف پہونچے گی۔ تنقید اور تحسین کے پیچھے صرف سچائیوں کے اظہار کا جذبہ ہے

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے ایرانی حکومت کے نظم ونسق اور اس کی سیاسی اور مذہبی پالیسیوں کا بڑی تفصیل سے جائزہ لیا ہے رپورٹ کا ایک خاص حصہ اس احساس پر مبنی ہے کہ حکومت ایران نے سنیوں کی ساتھ انصاف سے کام نہیں لیا، علامہ صاحب نے ایرانی سنیوں کے احوال وکوائف بھی سپرد قلم کئے ہم ذیل میں رپورٹ میں سے انہیں حصوں کو نقل کرتے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ورلڈ اسلامک مشن اپنی جماعتی دردمندی اور مذہبی تشخص کے معاملہ میں کتنا حساس ہے۔ علامہ ارشد القادری رقم طراز ہیں۔

ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ بیک وقت ساری دنیا سے لڑائی مول لینا کونسی عقلمندی کی بات ہے۔ نارمل حالات میں نعروں کا مفاد اشتعال انگیزی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ البتہ اندر سے ان نعروں کا مفہوم کچھ اور طے ہو گیا ہو تو ہم نہیں کہہ سکتے۔ لیکن آثار وقرائن سے ہم نے یہ ضرور محسوس کیا کہ اسرائیل کی طرح ایران بھی ایک بہت بڑی شیعہ ریاست کا خواب دیکھ رہا ہے۔ یہ راز اس وقت کھلا جب تہران ریڈیو کا ایک کارپرداز ہم سے انٹرویو لینے کے لیے آیا اور ہم نے نہایت مخلصانہ جذبے میں اسے مشورہ دیا کہ اس وقت ایران عالم اسلام کے اتحاد کا نعرہ بلند کر رہا ہے کیا ہی بہتر ہوتا کہ اسی جذبے میں عراق کے ساتھ بھی مصالحت کی کوئی قابل قبول صورت پیدا کی جاتی۔ بس اتنی سی بات پر وہ بپھر گیا اور کہنے لگا "عراق سے مصالحت کی بات تو الگ رہی ہم تو جب تک مشرق وسطی کے ان سارے عرب ملکوں جو عراق کی مدد کر رہے ہیں ایک ایک کر کے انتقام نہیں لے لینگے چین سے نہیں بیٹھیں گے ہمارے اس خیال کو اس

بات سے بھی تقویت پہونچی کہ ایران کے شیعہ علماء جمہوریہ عراق کے سربراہ صدام حسین کو کافر کہتے ہیں لیکن شام کے حافظ اسد کو "مرد مومن" سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ دونوں کمیونسٹ ہیں۔ پھر تفریق کی وجہ تو اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ حافظ اسد شیعہ ہیں اور صدام حسین سنی ہیں۔

ایران میں سنی مسلمانوں کے مسائل:

"قم" میں چند گھنٹے قیام کے دوران کئی مدرسوں کو دیکھنے کا موقع ملا۔ عمارت کے لحاظ سے جناب آیت اللہ منتظری کا مدرسہ کافی پرشکوہ ہے۔ ایران میں منتظری صاحب، جناب خمینی صاحب کے جانشین سمجھے جاتے ہیں، ان کے مدرسہ میں ایک طالب علم کے ذریعہ جمہوریہ ایران کے دستور کی ایک کاپی مل گئی جو عربی ایڈیشن تھی۔ اس کی بارہویں دفعہ میں اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ ایران کا نظام حکومت فقہ یعنی شیعہ مذہب کے اصولوں پر مبنی ہوگا۔ اس فقرے کے فوراً بعد اس قید کا بھی اضافہ کیا گیا ہے کہ ریاست کی یہ مذہبی حیثیت قطعاً غیر متبدل ہوگی اسے کبھی بھی بدلا نہیں جاسکے گا۔ اسی دفعہ میں اس امر کی بھی صراحت کی گئی ہے کہ دوسرے فقہی مذاہب کے پیروکاروں کو ریاست میں ہر طرح کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے مذاہب کی تعلیم و تبلیغ اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کا پورا پورا حق ہوگا۔

بارہویں دفعہ کی یہ آخری سطر پڑھتے ہوئے ہمیں بار بار یہ کمی محسوس ہوئی کہ "غیر متبدل" کی جو قید فقہ جعفری (شیعہ مذہب) کے ساتھ لگائی گئی تھی وہ دوسرے فقہی مذاہب کے ساتھ بھی کیوں نہیں لگائی گئی۔ کیا اس جانبداری سے اس شبہے کو راہ

نہیں ملتی کہ ایک مختصری ترمیم کے ذریعہ دوسرے مذاہب کے حقوق کبھی بھی ختم کئے جاسکتے ہیں۔

بہرحال اس وقت ہمیں صرف اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ جمہوریہ ایران کے دستور میں جو حقوق وہاں کے سنی مسلمانوں کو دیئے گئے ہیں کیا اس وقت عملاً وہ انہیں حاصل ہیں۔ اس سلسلے میں جو تفصیلات ہم نے مختلف ذرائع سے حاصل کی ہیں وہ نمبر وار ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) تہران جہاں پانچ لاکھ سنی مسلمان آباد ہیں انہیں آج تک اپنی مسجد تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ جبکہ وہاں عیسائیوں کے بارہ گرجے، ہندؤں کے دو مندر، سکھوں کے تین گوردوارے، یہودیوں کے دو عبادت خانے اور مجوسیوں کے دو آتشکدے موجود ہیں لیکن سنی مسلمانوں کی ایک مسجد بھی نہیں ہے۔

(۲) شاہ کے زمانے میں عیدین کی نماز تہران کے سنی مسلمان ایک پارک میں پڑھتے تھے لیکن جب سے مذہبی حکومت قائم ہوئی عید کے دن اس پارک پر مسلح افواج کا پہرہ بٹھا دیا گیا اور انہیں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔

(۳) جمعہ کی نماز کے لیے مذہبی حکومت سنیوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ تہران یونیورسٹی کے میدان میں شیعہ امام کی اقتدا میں جمعہ کی نماز پڑھیں۔ لیکن اس کے باوجود سنی حضرات وہاں نماز نہیں پڑھتے بلکہ پاکستانی سفارتخانہ میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ تہران یونیورسٹی کے میدان میں جمعہ کی نماز ایران کے صدر جمہوریہ پڑھاتے ہیں جو شیعہ فرقہ کے مذہبی رہنما بھی ہیں۔

(۴) ایران کے سنی مسلمان اپنی مذہبی تبلیغ واشاعت اور اپنی اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے نہ کوئی جلسہ کر سکتے ہیں۔ اور نہ اپنی کوئی تنظیم قائم کر سکتے ہیں۔ پچھلے دنوں شورائے مرکزی اہلسنت کے نام سے سنیوں نے ایک تنظیم قائم بھی کی تھی تو اسے مذہبی حکومت نے خلاف قانون قرار دیا۔

(۵) مسلمانان اہلسنت اپنی کتابیں نہ خود چھاپ سکتے ہیں اور نہ باہر سے منگوا سکتے ہیں۔ شاہ کے زمانے میں سنی حضرات پاکستان سے کتابیں منگواتے تھے لیکن مذہبی حکومت کے قیام کے بعد اس پر طرح طرح کی پابندیاں لگا دی گئیں۔

(۶) سرکاری اسکولوں کا نصاب بدلا جا رہا ہے اور نئے نصاب میں شیعہ مذہب کے عناصر شامل کیے جا رہے ہیں تا کہ سنیوں کے بچے غیر شعوری طور پر شیعہ مذہب کے پیرو بن جائیں۔

(۷) زاہدان کے صوبہ میں جہاں ۹۵ فیصد سنی مسلمان ہیں کے سرکاری اسکولوں میں ابھی پانچ سو اساتذہ مقرر کیے گئے ہیں۔ جن میں صرف چھتیس اساتذہ سنی ہیں باقی چار سو چونسٹھ اساتذہ شیعی ہیں۔ ایسا اس لیے کیا جا رہا ہے تا کہ سنی بچوں کو شیعہ مذہب میں آسانی سے تبدیل کیا جا سکے۔

(۸) ایران میں اہلسنت کی تعداد ۵۳ فیصد ہے، شاہ کے سامراجی نظام کے خلاف لڑی جانے والی جنگ آزادی میں شیعوں کے دوش بدوش ہزاروں سنیوں نے بھی جانی و مالی قربانیاں دی ہیں لیکن جمہوری حکومت میں انہیں جو حصہ ملا ہے وہ ان کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے بالکل نہیں کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر ۲۷۰ ممبران

کی پارلیمنٹ میں اہل سنت کی کل تعداد صرف تو ہے جبکہ تناسب آبادی کے اعتبار سے ایک تہائی سے زیادہ کے وہ حقدار تھے۔

(۹) انتظامیہ اور عدلیہ میں اہل سنت کا وجود بالکل صفر کے برابر ہے۔ صوبائی اور ضلعی سطح کا کوئی ذمہ دار عہدہ تو بڑی بات ہے کہ سنی فرقے کا کوئی آدمی تھانیدار بھی نہیں ہے۔ ایران کے تین لاکھ پاسداران انقلاب میں جو حکومت کے ہر شعبے پر حاوی ہیں اہل سنت کا ایک نمائندہ بھی نہیں ہے۔

(۱۰) ایران کے سنی مسلمانوں میں تعلیم یافتہ افراد کا تناسب صرف ۲ فی صد ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ علمی صلاحیتوں کی بنیاد پر کبھی بھی اس قابل نہیں ہو سکیں گے کہ ایک جمہوری حکومت میں وہ اپنا واجبی حصہ پا سکیں۔ اور حکومت کی موجودہ پالیسی کے پیش نظر امید بھی نہیں ہے کہ آئندہ اہل سنت کا تعلیمی تناسب بڑھ سکے گا کیونکہ اپنا مذہبی تشخص برقرار رکھتے ہوئے ان کے لیے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔

(۱۱) ہمارے وفد نے حکومت کے ذمہ دار افراد کو مشورہ دیا کہ آپ حضرات ہندو پاک کے شیعہ حضرات کو تبرا سے روک دیں تو یہ دعوت اتحاد کی طرف بہترین پیشقدمی ہوگی انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم اس پر غور کریں گے۔

اس وقت ایران میں مذہب اہلسنت جس نزع کے عالم میں ہے اگر فوری طور پر اس کی رگوں میں خون فراہم نہیں کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ دس پندرہ سال میں سنی مذہب ایران سے ختم ہو جائے گا۔ اس لیے ہم عالم اسلام کے سارے سنی عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ تہران کے پتے پر خمینی صاحب کو اس مضمون کا ٹیلیگرام دیں کہ ”جمہوریہ ایران“

کے دستور کے مطابق سنی مسلمانوں کے مذہبی اور شہری حقوق بحال کیجئے۔

ملی قیادت اور سیاسی بصیرت:

مسلسل جدوجہد اور شبانہ روز کی محنت و جانفشانی کے بعد جب جمشید پور کی سرزمین پر علامہ ارشد القادری کے قدم جم گئے، اور مدرسہ فیض العلوم کے تعلیمی اور تبلیغی اثرات بہار و بنگال میں محسوس کئے جانے لگے تو علامہ ارشد القادری جماعت اہلسنت کے ایک عظیم قائد اور مخلص رہنما کی حیثیت سے ابھرے، یہ حقیقت نوشتہ دیوار کی طرح ہر خاص و عام پر عیاں ہے کہ علامہ ارشد القادری ایک دردمند، مسیحا نفس اور کاروبار ملت کے وفا پیشہ پاسبان کا نام تھا، وہ مسجد و مدرسہ میں بیٹھ کر بھی جہان سنیت پر عقابی نظر رکھتے تھے، ان کی فعال زندگی کا یہ رخ اتنا وسیع اور تہ دار ہے کہ اس موضوع پر سیکڑوں صفحات روشن کئے جاسکتے ہیں۔ سیاسی قائدوں کی طرح نہ ان کی نظر کرسی اقتدار پر رہتی تھی، اور نہ وہ کسی سیاسی پارٹی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کار پردازان سیاست کی کاسہ لیسی کرتے تھے، ان کی نظر اسلام اور مسلمانوں کے مسائل پر رہتی تھی، ہندوستان بھر میں مسلمانوں کے خلاف کوئی مسئلہ کھڑا ہوتا علامہ صاحب جماعت اہلسنت کی جانب سے ہراول دستے میں سینہ سپر نظر آتے۔

حضرت علامہ ارشد القادری کی فکری و عملی جدوجہد کی کوئی حد متعین نہیں تھی اور نہ ان کی قائدانہ پیش قدمیوں کے سامنے مخالفتوں کی کوئی فصیل رکاوٹ بنتی تھی، بلکہ کشور اہل سنت کا ہر نازک مسئلہ ان کے فکر و عمل کی آماجگاہ نظر آتا تھا، ان کے پہلو میں حساس دل تھا اور دل کی ہر دھڑکن میں جماعتی و ملی دردمندی کا نغمہ بہت دور سے سنا جاسکتا

تھا، میں نے اپنی زندگی میں ملی مسائل پر سر دھننے والا اور عملی جد و جہد میں پیش رفت کرنے والا ان جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔ ابھی تین برس پہلے عرس قاسمی کے موقع پر مارہرہ شریف میں ان سے شرف نیاز حاصل کیا فرمانے لگے۔ ''ماشاء اللہ بڑی خوشی کی بات ہے آج ہماری جماعت کے مشائخ اور کبار اہلسنت جمع ہیں مگر اے کاش یہ چوٹی کے علما کبھی جماعتی مسائل پر غور و فکر کرنے کے لیے جمع ہو جاتے میں نے جب بھی ان اکابر کو آواز دی تو مندوبین میں دس فیصد حضرات بھی شریک اجلاس نہ ہو سکے۔ خدا جانے ہمارے علماء کی بے حسی کا جمود کب ٹوٹے گا۔'' کچھ اس آرزو مندانہ درد و کرب کے ساتھ علامہ صاحب یہ جملے ارشاد فرما رہے تھے کہ ان کا وجود مسلمانوں میں کسی ہلاکت خیز طوفان کی آہٹ محسوس کرتے ہوئے لرز رہا تھا۔

علامہ ارشد القادری کی پوری زندگی دینی اور ملی سرگرمیوں سے عبارت تھی، جماعتی شیرازہ بندی کا مسئلہ ہو، خشک زمینوں پر مدارس کی پیداوار کا مسئلہ ہو، بد مذہبوں سے قلمی پیکار کا مسئلہ ہو، رزم گاہ مناظرہ میں حریف کے سامنے کھڑے ہونے کا مسئلہ ہو، ناموس رسالت کے تحفظ کا مسئلہ ہو، یکساں سول کوڈ کے خلاف ملک گیر احتجاج کا مسئلہ ہو، بابری مسجد کے تحفظ اور اس کی تعمیر نو کا مسئلہ ہو، سنی اوقاف اور خانقاہوں کی پاسبانی کا مسئلہ ہو، زبان و ثقافت کی بقا کا مسئلہ ہو مسلم پرسنل لا کے خلاف فیصلوں کا مسئلہ ہو سیاسی اور سماجی میدانوں میں قومی وقار کا مسئلہ ہو، اسلام اور مسلمانوں کے اثاثے پر ملک کے جس گوشے میں بھی شب خون مارا جاتا وہ ایک بیدار مغز، فعال اور فرض شناس سپاہی کی حیثیت سے جائے واردات پر کھڑے نظر آتے تھے۔

نگہ بلند، سخن دل نواز جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

ڈاکٹر اقبال نے ایک قائد کے لیے جن اوصاف کی نشاندہی کی ہے، وہ تمام اوصاف بدرجہ اتم علامہ صاحب کی مبارک شخصیت میں موجود تھے۔

جماعتی شیرازہ بندی کی ایک مشترکہ جدوجہد:

علامہ ارشد القادری جماعتی انتشار پر زندگی بھر ماہئ بے آب کی طرح تڑپتے رہے، اس حقیقت سے کون حساس مرد مومن بے خبر ہوگا کہ ملی شیرازہ بندی بجائے خود قوم مسلم کے بے شمار مسائل کا حل ہے مگر افسوس بے پناہ جدوجہد کے باوجود یہ خواب آج تک شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا، کتنی ہی بار علمائے اہلسنت اور مشائخ کبار سر جوڑ کر بیٹھے ولولہ انگیز خیالات اور دردناک احساسات کا اظہار فرمایا مگر نتیجہ نشستن، گفتن، برخاستن سے آگے نہ بڑھ سکا اس سلسلہ کی ایک کڑی آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما ممبئی کی تنظیمی کانفرنس بھی ہے۔ جس میں علامہ ارشد القادری کا کردار بھی بڑا اہم تھا۔ اکتوبر، نومبر ۱۹۶۸ء کے ماہنامہ جام نور میں علامہ ارشد القادری نے اس کانفرنس کی روداد سپرد قلم فرمائی ہے۔ یہ رپورٹ اپنے موضوع پر نئی نسلوں کے لیے ایک گرانقدر دعوت فکر و عمل ہے، اس رپورٹ میں کبار علمائے اہلسنت کی تقریروں کے جو اقتباسات کوٹ کئے گئے ہیں اب ان کی ایک تاریخی حیثیت ہے۔ رپورٹ کا متن ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

''اس نعمت کبریٰ کو ہم جماعت کی خوش قسمتی ہی سے تعبیر کریں گے کہ صف اول

کے اکابر کی اب گرانقدر توجہ ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے چھ کروڑ اہلسنت کی تنظیم کی طرف مبذول ہو چکی ہے، ممبئی کی تنظیمی کانفرنس نے نئے حوصلوں کا جو چراغ جلایا ہے خدا کرے طوفانوں کی زد پر بھی جلتا رہے۔

اس مبارک اجتماع میں ملت طاہرہ کے تقریباً سارے عمائدین جلوہ بار تھے چند حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔(۱) تاجدار اہلسنت سرکار مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم (۲) برہان الملت حضرت علامہ الحاج شاہ مفتی برہان الحق صاحب رضوی جبل پوری صدر کل ہند جماعت رضائے مصطفےٰ (۳) سید العلماء حضرت علامہ سید شاہ آل مصطفےٰ صاحب برکاتی قادری (۴) استاذ العلماء حافظ ملت حضرت علامہ الحاج حافظ عبد العزیز صاحب قبلہ اشرفیہ مبارک پور (۵) مجاہد ملت حضرت علامہ الحاج محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ صدر کل ہند تبلیغ سیرت (۶) سلطان المتکلمین حضرت الحاج مفتی رفاقت حسین قبلہ صدر ادارۂ شرعیہ بہار (۷) خطیب مشرق حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی (۸) نقیب قادریت حضرت مولانا الحاج خواجہ نظام الدین بدایونی (۹) محبوب العلماء حضرت مولانا محبوب صاحب اشرفی (۰۱) حضرت مولانا حکیم یونس صاحب نظامی (۱۱) فاضل محترم حضرت مولانا قاری محمد یحیٰی صاحب ناظم اعلیٰ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور (۲۱) جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا حامد اشرف صاحب خطیب زکریا مسجد (۳۱) طوطیٔ حق حضرت مولانا مفتی رجب علی صاحب (۴۱) مجاہد اہل سنت حضرت مولانا الحاج علی محمد صاحب شیر گجرات (۵۱) حضرت محترم مولانا قاری معین الدین دانش خطیب منارہ مسجد (۶۱) حضرت علامہ

عبد الشکور صاحب اعظمی۔

ایک ہفتے کی مجالس شوریٰ میں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما کی تشکیل جدید، دستور پر نظر ثانی اور تنظیمی امور سے متعلق قابل اعتماد وسائل کی نشاندہی یہ سارے اہم مراحل طے ہوگئے۔

تنظیمی ہفتے کی آخری دو راتوں میں قیصر باغ ہال کے اندر کھلے اجلاس منعقد ہوئے۔ جن میں اہل سنت کے عمائدین نے تنظیمی زندگی کے مسائل پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی۔

سید العلما حضرت سید شاہ آل مصطفےٰ صاحب صدر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما کے خطبۂ صدارت کے مندرجہ ذیل اقتباسات خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہیں۔

(۱) حضرات: سنی جمعیۃ العلما کی تنظیمی کانفرنس کی دعوت پر جماعت کے اکثر بالغ نظر و صاحب الرائے حضرات کا اتنی بڑی تعداد میں اکٹھا ہو جانا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ ایثار و قربانی کا ایک ہمہ گیر جذبہ سب کے دلوں کا ایک ایسا قدر مشترک ہے جو وقت کی ایک معمولی سی آہٹ سے بیدار ہوتا ہے۔ خدائے قدیر اس جذبے کو سلامت رکھے اور ہماری تنظیم کو حیات سرمدی عطا فرمائے۔

(۲) حضرات! گیارہ برس کی خدمات میں ہم نے کس حد تک کامیابی حاصل کی اور کہاں تک ناکام رہے؟ اس کا فیصلہ ہمارے ہاتھ نہیں، یہ آپ حضرات کا اپنا حق ہے۔ ہاں ہم یہ ضرور جانتے ہیں

کہ جو ہمارا فریضہ تھا اس کی انجام دہی میں دیدہ و دانستہ ہم نے کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ مسلم پرسنل لا، تعدد ازدواج، اوقاف اور زبان اردو سے متعلق سنی جمعیۃ العلما کا ریکارڈ انتہائی درخشاں و تابناک ہے وقت میں گنجائش نہیں کہ ہم اس کی تفصیلات میں آپ کو لے جائیں، لیکن اتنا بتا دینا ضروری جانتے ہیں کہ جب جب بھی مسائل نے ہمیں پکارا ہے کسی خوف خدشہ لائے بغیر ہم بے تحاشا میدان عمل کی طرف دوڑ پڑے ہیں۔

(۳) دوستو! جماعتیں فقط نعروں کے سہارے زندہ نہیں رہتیں بلکہ نعروں کے پیچھے کچھ بنیادی اور ٹھوس حقائق ہوتے ہیں اگر آپ ایک زندہ قوم کی حیثیت سے جینا چاہتے ہیں تو وہ اسلوب زندگی اختیار کیجئے جو ایک زندہ قوم کی نشانی ہے۔ اسباب و وسائل سے منہ موڑ کر جینے کی آرزو کرنا ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے مترادف ہے۔

حضرت برہان الملت دامت برکاتہم نے تنظیم کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

''اس دور میں عددی اکثریت ہی طاقت کا اصل معیار ہے۔ لیکن یہ بھی وقت کا سب سے بڑا سانحہ ہے۔ ہندوستان میں سب سے بڑی اقلیت ہوتے ہوئے بھی سب سے کمزور طبقے میں شمار کئے جاتے ہیں۔ میں پورے وثوق کے ساتھ یہ اعلان

کر رہا ہوں کہ تنہا اہل سنت ہی اگر منظم ہو جائیں تو ساری مسلم اقلیت کا مسئلہ آن واحد میں حل ہو سکتا ہے۔ بلکہ تنہا اپنے بل پر ہم دستور ساز ایوانوں میں اپنے قابل اعتماد نمائندے بھی بھیج سکتے ہیں۔ اور سن لیا جائے کہ جب تک ایسا نہیں ہوگا۔ حالات کا رخ ہرگز نہیں موڑا جا سکتا۔"

حضرت! حافظ ملت استاذ العلماء شیخ الحدیث اشرفیہ مبارک پور نے تنظیم واتحاد کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"یہ دنیا ایک سرائے فانی ہے۔ یہاں زندگی کی نعمت سے جو بھی سرفراز ہوتا ہے اسے ایک نہ ایک دن موت کا ذائقہ بھی چکھنا ہے۔ لیکن بہت کم لوگ ہیں جنہیں موت کی حقیقت پر غور کرنے کا موقعہ ملا ہو۔ دراصل موت نام ہے۔ جسم وروح کے درمیان رشتۂ اتحاد کے ٹوٹ جانے کا۔ پس جب جسم وروح کا باہمی انتشار فرد کی موت کا سبب بن سکتا ہے تو جماعت کا انتشار خود جماعت کو کیونکر زندہ رہنے دیگا۔ اس لیے جب تک کہ قالب وروح کی طرح ہم آپس میں متحد نہیں ہو جاتے اجتماعی زندگی کے فیضان سے ہم کبھی بہرہ یاب نہیں ہونگے۔

حضرت سلطان المتکلمین مفتی اعظم کانپور نے تحفظ اوقاف اور مساجد کی بازیابی سے متعلق ایک تجویز پر تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''تقسیم ہند کے بعد سے اب تک بیسوں کانفرنسوں اور اجتماعات میں یہ تجویز اتنی بار دہرائی گئی ہی کہ اب اس کے الفاظ تک زبانی یاد ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ ہماری سیکولر اسٹیٹ ہے کہ آج تک اس نے یہ بتانے کی بھی زحمت نہیں گوارا فرمائی کہ جن مساجد اور مقابر کی بازیابی کے لیے ہم ۲۲ سال سے تحریک چلا رہے ہیں حکومت اس کے لیے کیا کر رہی ہے۔ بڑا ماتم اب اس بدنصیبی کا ہے کہ شریفوں کی زبان میں اب کوئی بات ہی سمجھنے کے لیے تیار نہیں اور اپنا حال یہ ہے کہ سوائے اس زبان کے ہم اور کوئی زبان ہی نہیں جانتے۔ سخت حیرانی کا عالم ہے۔ کہ ہم اپنا بنیادی حق کس طرح حاصل کریں۔

ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس ملک میں ہر فرقے کا مذہبی حق محفوظ ہے اور دوسری طرف دن دھاڑے دستور ہند کی ضمانت کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ اور اس کے پاسبانوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ قول و عمل کے تضاد سے ہم اتنے مانوس ہو گئے ہیں کہ رفتہ رفتہ اب یہ بھی ''ہندوستانی'' بنتا جا رہا ہے۔''

مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ نے فرقہ وارانہ فسادات سے متعلق ایک تجویز پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

''علم تمدن میں حکومت کا پہلا کام امن و امان کا قیام بتایا گیا ہے لیکن ہمارے یہاں پہلا کام فساد اور اس کے بعد ریلیف کا روزگار ہے۔ ایک خوددار اور جمہوری حکومت کے لیے اس سے زیادہ شرمناک بات اور کیا ہو سکتی۔ ہے کہ ہم اپنے ہر اجتماع میں فسادات کے انسداد کی تجویز پیش کر کے حکومت سے ایک ایسے فرض کی

ادائے گی کا مطالبہ کرتے ہیں جس کے لیے اس کی تشکیل ہی عمل میں آئی ہے۔

ہم نہیں سمجھتے کہ جو حکومت اپنا بنیادی مقصد تک پورا نہیں کرسکتی وہ کس دلیل سے اپنے آپ کو عوام کا محافظ کہتی ہے۔

یقین کے اس موقف سے ہمیں کوئی نہیں ہٹا سکتا ہے کہ جس دن حکومت نیک نیتی کے ساتھ یہ طے کرلے گی کہ ملک میں فساد نہیں ہونے دیا جائے گا وہی دن فساد کے خاتمے کا ہوگا۔ ہوسکتا ہے ہماری اس رائے سے کسی کو اتفاق نہ ہو لیکن ہماری وزیر اعظم اندرا گاندھی اس سے اختلاف نہیں کرسکیں گی کیونکہ اسی بنیاد پر انہوں نے سابق وزیر داخلہ سے استعفا کا مطالبہ کیا تھا جبکہ انسداد گاؤ کشی کے مسئلے میں نئی دہلی کا تاریخی فساد پھوٹ پڑا تھا۔ اس لیے مجھے ذرہ برابر اس میں شبہ نہیں ہے کہ حکومت خود نہیں چاہتی کہ فساد کا سلسلہ بند ہو۔

کانفرنس میں مختلف مسائل پر اثر انگیز تقریر کرنے والوں میں حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی اور دیگر علماء بھی تھے۔

(ماہنامہ جام نور کلکتہ اکتوبر/نومبر ۱۹۶۸)

ناکامیوں کے اسباب اور امید کی آخری کرن:

ابھی آپ نے جماعتی شیرازہ بندی کے لیے کی جانے والی جد و جہد کا حال پڑھا فکر و عمل کے اتحاد کی شیریں حاصل کرنے کے لیے ہمارے اسلاف

نے کتنی ہی بار کوہ کنی فرمائی، ان وفا شعاروں کے اخلاص عمل میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ مگر ہماری جماعت کا روایتی جمود ٹس سے مس نہیں ہوا، یہی وہ حالات تھے کہ علامہ ارشد القادری نے اس کے اسباب وعلل کا بڑی گہرائی سے جائزہ لیا اور اپنے فکر انگیز اور سحر طراز قلم سے اس کی نشاندہی فرمائی کہ پانی کہاں مر رہا ہے، اور جماعتی بکھراؤ پر آنسو بہاتے ہوئے ایک بار پھر امت مسلمہ کو دعوت دی اور جماعتی انتشار کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے خطرات سے سرشام آگاہ کیا، اور اس مسیحا نفس قائد نے مستقبل کے جن خطرات سے اپنی قوم کو متنبہ کیا تھا انہیں ہم اپنے دور میں سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مگر ابھی وقت ہے بیدار ہو جانے کا۔

اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں
نفس سوختۂ شام و سحر تازہ کریں

اب ذرا دل و دماغ کی مکمل یکسوئی کے ساتھ ذیل کی تحریر پڑھئے اور پوری سنجیدگی سے غور کیجئے حضرت علامہ ارشد القادری جماعتی شیرازہ بندی کے باب میں کی جانے والی کوششوں کی ناکامیوں کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

اہل سنت کے درمیان تنظیمی لامرکزیت اور دستوری قیادت کے فقدان کا ماتم ایک عرصۂ دراز سے کیا جا رہا ہے، یہاں تک کہ یہ مسئلہ ہماری محفلوں کا موضوع سخن ہی بن گیا ہے، جہاں تک جماعتی شیرازہ بندی کے

لیے کوشش کا تعلق ہے، ہمارے اکابر نے متعدد بار اس کے لیے کوشش فرمائی، ملک کے طول و عرض سے جماعت کے ذمہ دار رہنما بھی جمع ہوئے، پر جوش امنگوں کے سائے میں کل ہند سطح کے تنظیمی ڈھانچے بھی تیار کیے گئے، لیکن ساری جد و جہد کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ یکے بعد دیگرے کل ہند سطح کی کئی تنظیمیں ہمارے درمیان وجود میں آگئیں اور تماشہ یہ ہوا کہ کوئی تنظیم بھی اپنے لیٹر پیڈ اپنے سائن بورڈ یا اپنے مخصوص حلقے سے آگے نہ بڑھ سکی۔

اس عجیب و غریب صورت حال کی اگر آپ وجہ دریافت کریں تو میں عرض کروں گا کہ ایک نہیں اس کے متعدد وجوہ ہیں، پہلی وجہ تو یہ ہے کہ مسلمان کہلانے والے دوسرے فرقوں کی طرح ہم حال کی پیداوار نہیں ہیں۔ بلکہ اسلام کی ڈیڑھ ہزار سال متوارث اور مسلسل روایات نے ہمیں آج کے دور میں منتقل کیا ہے، اس لیے اپنے حریفوں کی طرح ہمیں اس امر کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ ہم مسلمانوں کو کسی نئے مذہب فکر سے منسلک کرنے کے لیے تحریک کے طور پر کوئی تبلیغی مشن چلائیں یا افراد کو مربوط رکھنے کے لیے دستوری سطح کے جماعتی نظام کا سہارا لیں بلکہ باہمی ارتباط اور اجتماعی رشتے کے لیے ہم نے عقیدۂ و عمل کی اس وحدت پر ہمیشہ اعتماد کیا جو قدر مشترک کے طور پر کروڑوں افراد کے درمیان اسلاف سے وراثۃً منتقل ہوئی تھی جیسا کہ عہد حاضر سے پیشتر ماضی کے تمام ادوار میں

دستوری سطح کے کسی جماعتی نظام کے بجائے صرف اعتقاد و عمل کی وحدت ہی کروروں مسلمانوں کے درمیان اجتماعی فکر و عمل کی بنیاد و جان تھی، برخلاف ہماری حریف جماعتوں کے جنہوں نے الحاد اور وقت کے بطن سے جنم لیا ہے، چونکہ ماضی میں ان کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ انہیں مذہب سے لیکر لٹریچر تک اور قائد سے لیکر جماعت تک ہر چیز کا انتظام از سر نو خود کرنا پڑا، جب کہ ہمیں اس کی ضرورت کبھی نہیں پیش آئی، کیونکہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ ہمارے اسلاف کا دیا ہوا ہے، اور وہ ہمارے لیے بہت کافی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کروروں افراد پر مشتمل کسی ملک گیر تنظیم کو چلانے کے لیے جن سیاسی وسائل اور وافر سرمایہ کی ضرورت ہے۔ وہ ہمارے یہاں مفقود ہے، سیاسی وسائل کا مرحلہ تو اس لیے مشکل ہے کہ یہ میدان ضمیر، دیانت اور مذہبی احساسات کی قربانی کا متقاضی ہے اور یہ ایک برملا حقیقت ہے کہ ہمارا اجماعی مزاج اس طرح کی ایمان سوز قربانی کا قطعاً متحمل نہیں ہے کیونکہ ہم دین کو قربان کر کے دین کی حرمت کا قطعاً کوئی تصور نہیں رکھتے۔

اب رہ گیا سرمایہ کا سوال تو آج کے دور میں اس کی فراہمی کے دو ہی راستے ہیں، پہلا راستہ تو سیاسی منڈیوں کے ہاتھ خود فروشی کا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ ہمارے یہاں قابل فروخت کوئی جنس ہی نہیں ہے، جن کے تبادلے میں ہم امریکہ کا ڈالر یورپ کا پاؤنڈ اور سعودی عرب کا ریال حاصل کر سکیں۔

اب لے دے کے ہمارے لیے صرف عوامی تعاون کا ایک راستہ ہے جو

اب تک کھلا ہوا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے اب تک ہم اس طرح کی خدمات کے لیے اپنے عوام کا ذہن ہی نہیں بنا سکے۔

تیسری وجہ ہمارے علما کی انتہائی مصروف اور پابہ رکاب زندگی ہے، بالکل نسیم سحری کی طرح سبزہ وگل کو چھوتی ہوئی گزر جانے والی اور جوئبار کی طرح مسلسل رواں دواں، ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک صوبے سے دوسرے صوبے، ایک ملک سے دوسرے ملک، شرق سے غرب، جنوب سے شمال، زندگی بھر کا لگاتار سفر جو جلسہ گاہوں کانفرنسوں اور اسٹیجوں کے گرد گھومتا رہتا ہے، اس جادہ نوردی اور شور الرحیل میں اتنی فرصت کہاں کہ جماعتی زندگی کے مسائل کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیں، اور اگر ہزار جتن کے بعد لوگ بیٹھے اور غور وفکر کے بعد کوئی منصوبہ بھی بنا تو اب اس کی تکمیل کا مرحلہ کون طے کرے، قائدین یا تو سفر میں ہیں یا اسٹیج پر ہیں یا پھر دوسرے سفر کے لیے پر تول رہے ہیں۔

ان حالات میں ہماری تنظیمی لامرکزیت اور جماعتی زبوں حال کے اسباب کا اندازہ لگانا اب کسی کے لیے بھی مشکل نہیں ہے۔ لیکن بہر حال یہ سوال اپنی جگہ پر ہے ان ساری رکاوٹوں اور دشواریوں کے باوجود دستوری سطح کے کسی ملک گیر جماعتی نظام کی تشکیل کا مرحلہ کیا ہمارے لیے قطعاً ناممکن ہے، اور کیا ہندوستان جیسے جمہوری اور سیکولر ملک میں کوئی جماعت بھی بغیر تنظیم کے اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ کسی فعال اور متحرک تنظیم کو چلانے

کے لیے متعدد قسم کے وسائل کی ضرورت ہے اور وہ آج ہمارے پاس موجود نہیں ہیں، لیکن اخلاص وایثار اور نصرت خداوندی کے بھروسے پر اگر ہمارے علما اٹھ کھڑے ہوں تو کیا مشکلات کی یہ زنجیریں ٹوٹ نہیں سکتیں۔

سچ پوچھیے تو اغیار کی بہ نسبت ہمارے لیے جماعتی تنظیم کا کام بہت آسان ہے کیونکہ کروروں اکائیوں میں ہمارے افراد پہلے سے موجود ہیں، صرف انہیں ایک رشتے میں منسلک کرنا ہے، تنظیم نہ ہونے کے باعث ہم اجتماعی زندگی کے مسائل سے فرار کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور اس کے نتیجے میں ہم قوم سے دن بدن دور ہوتے جارہے ہیں، عوام کے ساتھ ہمارا رشتہ صرف اسٹیج تک رہ گیا ہے اور اسٹیج پر بھی ہم دینی رہنما کے بجائے ایک چرب زبان خطیب ایک پیشہ ور واعظ ایک فنکار مقرر کی حیثیت میں زیادہ نمایاں ہوتے جارہے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جو قوم ہمارے اسلاف کے قدموں کے نیچے اپنا دل بچھاتی تھی آج وہ ہمارے ساتھ ایک فنکار کی طرح سلوک کر رہی ہے نہ ہماری اپیلوں کا کوئی بھرم باقی ہے اور نہ ہماری آواز میں کوئی کشش باقی رہ گئی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کا مستقبل:

اس عنوان کے تحت حضرت علامہ ارشد القادری ماہنامہ جام نور کلکتہ نومبر ۱۹۶۷ء کے اداریہ میں فرقہ وارانہ فسادات کے تعلق سے بڑے حیرت انگیز انکشافات فرماتے ہیں، یہ مسائل آج بھی

ہمارے سامنے موجود ہیں بلکہ صورت حال مزید خطرناک رخ اختیار کر چکی ہے۔ یہ تحریر اگرچہ کافی قدیم وطویل ہے لیکن سچ پوچھئے تو اس کی معنویت پہلے سے کہیں زیادہ آج محسوس کی جارہی ہے۔اس طویل اداریہ کے چند اقتباسات ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

اس برصغیر ہند میں مسلمانوں کا مستقبل دن بدن جتنا بھیانک، مشکوک اور مایوس کن ہوتا جارہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ایک ثابت شدہ حقیقت کی طرح اب یہ بات بحث ودلیل کے مرحلے سے بہت آگے نکل چکی ہے کہ مسلمانوں کی ہر شام وسحر کسی بھی اچانک ٹوٹ پڑنے والے خطرے کے نشانے پر ہے۔

جو لوگ اس ملک کا نظام حکومت چلا رہے ہیں یا تو دیدۂ ودانستہ وہ مسلمانوں کے مسائل سے چشم پوشی کرتے ہیں یا پھر تھک ہار کر ظلم وفساد کی طغیانیوں کے آگے انہوں نے سپر ڈال دی ہے، دونوں حالتوں میں سے کوئی حالت بھی ہو، نااہلیت، سنگدلی اور فرض ناشناسی کی انتہائی بدترین مثال ہے۔

موسم سرما، گرما اور برسات کی طرح اس ملک کا ایک اور موسم بھی ہے جسے ہم موسم آلام سے تعبیر کرتے ہیں۔ایک پھوٹ پڑنے والی وبا کی طرح یہ موسم یہاں تقریباً ہر سال آتا ہے۔ اور جب آتا ہے تو اچانک سینکڑوں آبادیاں صحراؤں اور قبرستانوں میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔ ہزاروں مہذب اور تعلیم یافتہ انسان آن کی آن میں درندوں کی سرشت اختیار کر لیتے ہیں۔

دردانگیز چیخوں، لرزہ خیز فریادوں، اور آتش وخون کی طغیانیوں سے فضا اس درجہ بوجھل ہو جاتی ہے کہ شرافت وانسانیت کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ تڑپ تڑپ کر سرد ہو جانے والی لاشوں میں جوان بوڑھے، عورتوں اور معصوم بچوں کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ صرف مسلمان ہونے کا الزام زندگی کے سارے حقوق سے یکلخت محروم کر دینے کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے۔

ویسے بڑے سے بڑے قہر وستم کے لیے بھی سند جواز تلاش کر لی جاتی ہے اگر اس کے پیچھے ہیجان خیز اور اشتعال انگیز جرائم کی دستاویز موجود ہو۔

لیکن واہ رے گردش ایام کی نیرنگی! کہ بھارت کے مسلمان صرف اپنی ناکردہ گناہی کی سزا پا رہے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا قصور یہی ہے کہ آج تک انہوں نے اپنے وطن عزیز کے خلاف دشمن ملکوں کے ساتھ کسی طرح کی سازش نہیں کی۔ اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے بغیر یہ دیکھے ہوئے کہ نشانے پر کون ہے۔ انہوں نے آگ برساتی ہوئی توپوں کے دہانے کھول دیئے۔

انہوں نے ننگے مظالم، اور کھلی ہوئی ناانصافیوں کے خلاف بیس سال کی مدت میں نہ کبھی جلوس نکالا، نہ احتجاجی مظاہرے کئے، نہ لائن کی پٹریاں اکھاڑیں، نہ ٹرینوں اور بسوں کو جلایا، نہ نظام حکومت میں تعطل پیدا کیا، نہ سرکاری املاک اور ارباب وطن کی جائدادوں کو کوئی نقصان پہنچایا۔ ظلم وستم کی آگ میں تپتے رہے لیکن ایک شریف، مہذب اور خیر پسند شہری

کی طرح انہوں نے کبھی قانون کو ہاتھ میں نہیں لیا۔

انصاف پسندوں کی دنیا حیرت کے ساتھ اس خبر کو سنے گی کہ ہمارے خلاف اشتعال پھیلا کر قاتلوں کا ہجوم اکٹھا کرنے کے لیے ستم پیشہ افراد کو جب ہمارا اپنا کوئی جرم نہیں ملتا تو خود اپنے ہی ہاتھوں سے وہ ایسے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں جن سے فضا میں ہیجان برپا ہو اور وہ انہیں ہماری طرف منسوب کر کے اپنے جوانوں کا خون گرم کر سکیں۔

مثال کے طور پر ابھی مہاراشٹر میں جہاں جہاں بھی مورتیوں کے ٹوٹنے اور چوری ہونے کے سلسلے میں اشتعال پھیلا کر آگ اور خون کا ڈرامہ اسٹیج کیا گیا ہے، وہاں جب غیر جانبدارانہ تحقیقات کی گئی تو اس امر کا انکشاف ہوا کہ خود ہندو فرقے کے لوگوں نے ان مورتیوں کو چرایا، توڑا اور ان کا چہرہ مسخ کیا تاکہ مسلمانوں کی طرف اسے منسوب کر کے فضا میں خون ریز اشتعال پھیلایا جا سکے۔ چنانچہ روز نامہ ”آزاد ہند“ کلکتہ نے ۳۱۔ اکتوبر کی اشاعت میں روزنامہ ”انقلاب“ ممبئی کے حوالہ سے یہ خبر شائع کی ہے کہ احمد نگر کے ایک مندر میں مارکنڈے اور شنکر جی کی مورتیوں کو مسخ کرنے کے الزام میں تین ہندوؤں کو گرفتار کیا گیا ہے۔ پونا میں رام لچھمن کی مورتیوں کی صورت بگاڑنے کے الزام میں دو ہندو گرفتار کئے گئے ہیں۔ تعلقہ پنڈھر پور کے کنم نامی ایک گاؤں میں جین مندر سے پدماوتی دیوی کی مورتی کو غائب کرنے والا بھی ایک ہندو ہے۔ یہ سب کے سب

تعزیرات ہند کی مختلف دفعات میں ماخوذ ہیں اور ان پر مقدمہ چل رہا ہے۔

اب بتایا جائے کہ بھارت کے مسلمان کس پتھر سے اپنا سر پھوڑیں۔ وہ کچھ نہ بھی کریں جب بھی ان کا مستقبل محفوظ نہیں ہے۔ وہ جس طرح بھی رہیں بہر حال انہیں عذاب کی بھٹی میں سلگنا ہے۔

کہتے ہیں کہ ہندوستان پر ایک غیر مذہبی دستور کی حکومت ہے جو یہاں کے شہریوں کی جان و مال، عزت و ناموس اور مذہب وملت کے تحفظ کی پوری پوری ذمہ داری قبول کرتی ہے۔ لیکن محکمۂ پولیس جس کے ہاتھ میں براہ راست حکومت کی ایجنسی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ فساد کے موقعہ پر وہ بھی اپنے آپ کو غیر جانبدار نہیں رکھ پاتا۔ پولیس کی سنگینوں کے سایے میں جب غارت گروں کا مسلح ہجوم پوری آزادی کے ساتھ امن و قانون کی دھجیاں بکھیر چکتا ہے تو لاشوں کا انبار جمع کرنے کے لیے فوج طلب کی جاتی ہے۔

اس کے بعد آگ اور خون کی سرزمین پر معزز فرماں رواؤں، وزیروں اور لیڈروں کے قافلے اترتے ہیں، جو ٹھنڈی آہوں، مصنوعی ہمدردیوں اور بھیگی پلکوں کے ساتھ مسلم آبادیوں کے خاکستر کا معائنہ فرماتے ہیں۔ مسجدوں اور مقبروں کے ٹوٹے ہوئے مینارے دیکھتے ہیں۔ کراہتے ہوئے زخمیوں، لٹے ہوئے پناہ گزینوں اور آشفتہ حال یتیموں، بیواؤں اور مقتولوں کے پس ماندگان کے سامنے اس طرح

اپنے تاثرات کا اظہار فرماتے ہیں جیسے واپس لوٹتے ہی وہ قاتلوں سے ایک ایک قطرۂ خون کا انتقام لیں گے اور ان واقعات کے خلاف اتنا سنگین قدم اٹھائیں گے کہ پھر آئندہ اس طرح کے حادثوں کا اعادہ نہ ہو سکے گا۔

لیکن آزادی کے بعد تقریباً سات سو فرقہ وارانہ فسادات میں کہیں بھی اس طرح کی مثال نہیں ملتی کہ حکومت کے سربراہوں پولیس افسروں علاقائی انتظامیہ اور حکام ضلع کے خلاف کوئی بھی سخت اور عبرتناک نوٹس لی ہو۔ اپنے فرائض منصبی سے مجرمانہ چشم پوشی کی تعزیر میں انہیں معزول کردیا ہو یا کم از کم معطل ہی کیا ہو۔ اور بدامنی پھیلانے کے جرم میں قاتلوں اور بلوائیوں کو قرار واقعی سزا دی ہو۔

صرف پند و نصیحت اور بیانات سے اگر جرائم پیشہ راہ راست پر آجاتے تو تعزیرات ہند کے نام سے ایک مجموعۂ قوانین کی ضرورت ہرگز پیش نہ آتی۔ ہمیں کہنے دیا جائے کہ مبہم الفاظ میں فسادات کی مذمت اور مظلومین کے ساتھ زبانی ہمدردی کے علاوہ آج تک مسلمانوں کے جان و مال اور مذہب و ناموس کے تحفظ کے لیے کوئی آئینی قدم نہیں اٹھایا گیا ہے۔ اور یہ اتنی شرمناک اور سنگین فروگزاشت ہے جسے آنے والا مورخ کبھی معاف نہیں کرے گا۔ طاقت کے بل پر اس سے بھی زیادہ لرزہ خیز مظالم ڈھائے جاسکتے ہیں لیکن طاقت کے بل پر تاریخ کا بے لاگ فیصلہ نہیں بدلا جاسکتا۔

انسداد فسادات کے لیے ایک منظم جدوجہد:

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب صرف زبان وقلم ہی کے غازی نہیں تھے بلکہ میدان عمل کے بھی مرد مجاہد تھے۔ خاک ہند کے مظلوم مسلمانوں کی دادرسی کے لیے آپ ہمیشہ مضطرب رہتے تھے، آپ ہی کی جدوجہد سے سیوان کانفرنس میں فرقہ وارانہ فسادات کے انسداد کے لیے بنام "مجلس انسداد فسادات" بارہ ارکان پر مشتمل ایک مجلس کی تشکیل عمل میں آئی تھی جس کے چیرمین سید العلماء حضرت مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ صاحب صدر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما ممبئی منتخب کیے گئے تھے، حضرت موصوف نے ایک گشتی مراسلے کے ذریعہ ۲۱؍۳۱ نومبر کو ہونے والی پٹنہ کانفرنس میں جملۂ ارکان کو طلب کیا اور اسی موقع پر مجلس انسداد فسادات کا جلسہ شوریٰ رکھا۔

فرقہ وارانہ فسادات کے انسداد سے متعلق ہندوستان میں مسلم نام کی ساری جماعتوں کے عمائدین سیاسی مشاہیر اور مسلمانوں کے مسائل سے ہمدردی رکھنے والے ممتاز مدبرین کو مندرجہ ذیل ایک سوالنامہ دفتر سے جاری کیا گیا ہے تاکہ اس مسئلے پر وہ اپنی قیمتی رائے سے مجلس کو باخبر کریں۔ اور موصول شدہ تجاویز کی روشنی میں کوئی عملی قدم اٹھایا جائے۔

یہ سوال نامہ علامہ ارشد القادری کے نام سے جاری کیا گیا سوال نامہ کا متن حسب ذیل ہے۔

"(۱) فرقہ وارانہ فسادات کے لیے اجتماعی محاذوں پر اب تک

جتنی جدو جہد کی گئی ہے۔ ان کی ناکامی کے بعد اب انسداد کے لیے کوئی موثر، واضح، متعین، اور قابل عمل فارمولا آپ کی رائے میں کیا ہے؟

(۲) فرقہ وارانہ فسادات کے انسداد کے لیے اب تک جماعتوں اور حکومت کے نمائندوں کی طرف سے جتنی کاروائیاں عمل میں لائی گئی ہیں ان کی ناکامی کے اسباب آپ کی نظر میں کیا ہیں؟ از راہ کرم فروگزاشتوں کی نشاندہی فرمائیں۔

(۳) فرقہ وارانہ فسادات کے انسداد کے سلسلے میں حکومت کی طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد قانون کے حدود میں رہکر اگر مسلمان اپنے طور پر اپنا تحفظ کرنا چاہیں تو کیا کر سکتے ہیں۔؟ تفصیل سے اس پر روشنی ڈالئے۔

(۴) انسداد فسادات کے سلسلے میں غیر مسلم جماعتوں سے کس طرح کا تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اپنے تجربات کی روشنی میں جماعتوں کی نشاندہی فرمایئے۔ اور طریقہ کار کی وضاحت کیجیے۔

(۵) انسداد فسادات کے سلسلے میں مسلم مدبرین کے تعاون سے اگر مجلس نے کوئی موثر فارمولا تلاش کر لیا تو اسے حکومت سے منوانے کے لیے کیا آپ کسی ایسی تحریک کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں

جس میں مشکلات ومصائب سے گزرنے کا بھی امکان ہو؟

نوٹ: ضرورت محسوس کی گئی تو معلومات عام کے لیے آپ کے جوابات کا مجموعہ کتابی شکل میں شائع کردیا جائے گا۔

اس پتہ پر جواب ارسال کیا جائے۔ ارشد القادری دفتر ادارۂ شرعیہ بہار سبزی باغ پٹنہ۔۴"

پٹنہ کانفرنس کے موقعہ پر ۱۳ر نومبر کو مجلس انسداد فسادات کا جلسہ شوریٰ منعقد ہوا جس میں اکثر ممبران نے شرکت کی۔ ملک کے طول وعرض سے سوال نامے کے جواب میں انسداد فسادات کے سوال پر تقریباً چالیس تجویزیں موصول ہوئی تھیں۔ اجلاس میں ان تجاویز پر کئی گھنٹے بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری رہا۔ اخیر میں مختلف تجویزوں کے منتخب اجزا پر انسداد فسادات کے لیے ایک فارمولا مرتب کیا گیا جس کا متن یہ ہے۔

(الف) چونکہ امن وامان کے قیام کی ذمہ داری براہ راست مقامی ایڈمنسٹریشن پر ہے، اس لیے ریاستی اور مرکزی حکومتیں واضح طور پر ایسا قانون وضع کریں کہ جہاں کہیں بھی فرقہ وارانہ فساد ہو وہاں کے مقامی حکام کو اس جرم کی پاداش میں کہ انہوں نے اپنا فرض نہیں ادا کیا مجرم قرار دیا جائے اور انہیں معطل کر کے فوراً ان کے خلاف تادیبی کارروائی عمل میں لائی جائے۔

(ب) جس تھانے میں مسلمان بہت زیادہ اقلیت میں ہوں وہاں پولیس کے دستے میں ۲۵ فیصد مسلمان ضرور رکھے جائیں۔

(ج) فیکٹری ایریا، سرکاری منطقوں اور کسی پرائیویٹ فرم کی کالونی میں مسلمانوں کو منتشر طور پر آباد کرنے کے بجائے انہیں ایک محفوظ پلاٹ میں رہائش کی جگہ دی جائے تاکہ کسی بھی ہنگامی صورت حال میں اجتماعی طور پر وہ اپنا تحفظ کر سکیں اور حکومت کی انتظامیہ کو بھی ان کی مدد کرنے میں آسانی ہو۔

(د) قیام امن کے سلسلے میں حکومت اور سماجی کارکنوں کے تعاون کے لیے ''محافظ دستہ'' کے نام سے امن پسند نوجوانوں کا ایک والنٹیر کور قائم کیا جائے اور ان کے اندر خدمت وطن وقوم کا جذبہ پیدا کر کے آبادیوں کو ناخوشگوار واقعات سے محفوظ رکھا جائے۔

ہر آبادی کے غیر متعصب اور امن دوست افراد پر مشتمل ایک سوسائٹی قائم کی جائے جو آبادی کے باشندوں کے درمیان خیر سگالی کا جذبہ پیدا کرے اور فضا میں کشیدگی کے اسباب کی روک تھام کرے۔''

اس اجلاس میں یہ بھی طے پایا کہ مذکورہ بالا فارمولے کو حکومتوں سے منوانے کے لیے پرامن جدوجہد کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ انسداد فسادات کے تعلق سے اس طے شدہ قرارداد کو لیکر علامہ ارشد القادری کی قیادت میں ایک وفد نے وزیر اعظم ہند سے ملاقات کی علامہ ارشد القادری صاحب رقم طراز ہیں۔

''ایک قرارداد کے مطابق انسداد فسادات کا فارمولا لیکر ۷ ار نومبر کو ایک وفد دہلی کے لیے روانہ ہو گیا۔ وفد دہلی کے ارکان میں یہ خادم گمنام، حضرت مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھوچھوی اور مسٹر محمد یوسف صاحب ایم پی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

چنانچہ وقت مقرر پر پارلیمنٹ کے چیمبر میں ان سے ملاقات ہوئی اور فرقہ وارانہ فسادات کے مسئلے پر کافی دیر تک ان سے بات چیت ہوئی۔ مجلس انسداد فسادات کا مرتب ہوا فارمولا ان کے سامنے رکھا گیا جس پر ہمدردی کے ساتھ غور کرنے کا انہوں نے وعدہ کیا۔

دوران گفتگو میں ان کی توجہ گرو گرل گوالکر کی حالیہ اشتعال انگیز تقریروں کی طرف بھی مبذول کرائی جس کے متعلق انہوں نے کہا کہ بہت جلد ہم اس کے خلاف نوٹس لینے جارہے ہیں۔ ضمنی طور پر اس بات کا تذکرہ بھی آیا کہ کسی طرح ان لوگوں کے ذریعہ اب سنی اوقاف اور درگاہوں کی پامالی ناقابل برداشت ہوتی جارہی ہے۔

یکساں سول کوڈ کا مسئلہ:

یہ سچ ہے کہ حضرت علامہ ارشد القادری کوئی سیاسی لیڈر نہیں تھے لیکن وہ ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی مسائل سے بے خبر بھی نہیں رہتے تھے۔ داخلی اور خارجی کوئی بھی مسئلہ ہو وہ ایک بیدار مغز اور بلند ہمت قائد کی حیثیت سے مورچے پر ہمیشہ صف اول میں نظر آتے تھے۔ میڈیا سے لیکر احتجاجی مظاہروں تک، کل ہند سطح کی کانفرنسوں سے لیکر حکومت ہند کی ہائی کمان تک وہ اپنی جماعت کی کامیاب قیادت فرماتے تھے۔

۲۳/اپریل ۱۹۹۵ء کو سپریم کورٹ کے آئینی بنچ نے شاہ بانو کیس میں مسلم پرسنل لا کے خلاف جو افسوسناک فیصلہ دیا اور اس کے خلاف جو علمائے اہلسنت نے ملک بھر میں احتجاجی مہم چلائی اس سے ہر ہندوستانی مسلمان واقف ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ

ارشد القادری کی انفرادی اور اجتماعی جدو جہد نا قابل فراموش ہیں۔علامہ صاحب حکومت ہند کے نام اپنے ایک میمورنڈم میں اظہار برہمی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہندوستان کے سارے مذاہب کوآزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے قوانین کی روشنی میں اپنے سماجی اور معاشرتی مسائل حل کریں اور اپنی تہذیب وتمدن کے مطابق زندگی بسر کریں، گورنمنٹ کورٹ اس آزادی کا اب تک احترام کرتی رہی ہے تو پھر مسلم پرسنل لا میں مداخلت کیوں۔؟ جبکہ دستور کے اندر صراحت کے ساتھ اسلامی قوانین کے تحفظ کی ضمانت موجود ہے۔"

میمورنڈم میں اسلامی معاشرت اور فقہی نقطہ نظر پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے بعد آخر اپنے آخری پیراگراف میں لکھتے ہیں۔

نام نہاد ترقی پسند دانشوروں اور سرکاری مسلمانوں کے فریب میں آکر کوئی قدم حکومت کو ہرگز نہیں اٹھانا چاہئے۔جس سے کروڑوں مسلمانوں کے ایمان اور مذہبی افکار ونظریات کو صدمہ پہنچے۔مسلمانوں کے صحیح نمائندے وہی ہیں جنکی وفاداری اسلام کے ساتھ دائمی اور غیر مشروط ہے۔ان کے برخلاف اسلام کے اصول وقوانین میں مطالبہ ترمیم وتنسیخ کرنے والے افراد نہ مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے نمائندے۔حکومت ہند سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہمارے اس انتباہ پر سنجیدگی کے ساتھ غور کر کے حکومت
ہند فوراً ایسے عملی اقدامات کرے جن سے مسلمان مطمئن
ہوسکیں اور انہیں سپریم کورٹ کے تازہ ترین فیصلہ سے جو تکلیف
پہنچی ہے اس کا کچھ مداوا ہو سکے۔ سب سے مناسب اور قابل
عمل صورت یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا کو مشترکہ سول کوڈ سے مستثنیٰ
قرار دیا جائے تاکہ مستقبل کے خطرات سے نجات مل سکے۔

تائیدی دستخط کنندگان میں جانشین حضور مفتی اعظم حضرت علامہ اختر رضا ازہری اور حضرت مولانا یٰسں اختر مصباحی کے اسمائے گرامی بھی درج ہیں۔

۱۹۸۷ء پارلیمنٹ میں جب یکساں سول کوڈ بل لانے کی پیش قدمی ہوئی تو علامہ صاحب نے قبل از وقت اخبارات کو ایک اجتماعی بیان جاری کیا۔ اس بیان میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے قائدین کو بھی ان کی غلطیوں سے آگاہ کیا۔ احتجاجی بیان کا متن ذیل میں نقل کیا جارہا ہے۔

یہ بات اب باوثوق ذرائع سے پایہ ثبوت کو پہونچ گئی ہے کہ
پارلیمنٹ کے اسی سیشن میں یکساں سول کوڈ کا بل زیر بحث آرہا ہے۔
اور چونکہ یہ بل حکمراں پارٹی کی طرف سے پیش ہورہا ہے اس لیے
آسانی سے وہ پاس بھی ہو جائے گا۔ سردست یہ بل اختیاری کہہ کر
لایا جارہا ہے بعد میں لازمی کیا جائے گا۔

اس بل کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہماری مذہبی زندگی کا ڈھانچہ

تہس نہس کر کے ہمارے ملی وجود کا تشخص ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے یہ بل ہماری مذہبی زندگی کے صرف کسی ایک شعبے کو چیلنج نہیں کرے گا بلکہ اس کے پیش نظر اس ملک سے مکمل اسلام کا خاتمہ ہے

نہایت قلق کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ بل نتیجہ ہے پہاڑ کی طرح اس بھیانک غلطی کا جس کا ارتکاب گزشتہ سال مسلم پرسنل لا بورڈ کے قائدین نے دفعہ ۱۲۵ کو اختیاری مان کر کیا تھا۔ اگر دفعہ ۱۲۵ کو انہوں نے حکومت کے دباؤ سے اختیاری طور پر قبول نہ کیا ہوتا تو آج اختیاری یکساں سول کوڈ کی یہ خون آشام تلوار ہمارے سروں پر ہرگز نہیں لٹکتی۔

بہر حال جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب سینہ پیٹنے سے کیا فائدہ! اب تو پوری قوت اور بے خوفی کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی طور پر خطوط، ٹیلیگرام اور تجاویز کے ذریعہ دہلی کے پتے پر وزیر اعظم اور وزیر قانون کو مطلع کرنا ہے کہ یکساں سول کوڈ چونکہ دستور کے تحت دی گئی مذہبی آزادی کو سلب کرتا ہے اس لیے صراحت کے ساتھ اس بل سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کر دیا جائے۔ چاہے وہ لازمی ہو یا اختیاری ہم کسی کو برداشت نہیں کریں گے۔ خدانخواستہ ہماری مرضی کے خلاف یہ بل پاس ہو گیا تو ابھی سے مزاحمت کی ایک طویل جنگ لڑنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے سیوان میں ''مسلم پرسنل لا کانفرنس'' کا انعقاد بھی کیا۔ جس کی دھمک حکومت ہند کے ایوانوں تک محسوس کی گئی اس طرح علامہ ارشد القادری کی قیادت میں علماے اہل سنت کی مشترکہ جدو جہد کے نتیجے میں امت مسلمہ یکساں سول کوڈ کی لعنت سے محفوظ ہوگئی۔

بابری مسجد کا قضیہ:

بابری مسجد کا مسئلہ گذشتہ نصف صدی سے مسلمانوں کے دکھ درد کا باعث بنا ہوا ہے۔ اس دوران اس کی بازیابی اور شہادت کے بعد اس کی تعمیر نو کی مہم برابر چل رہی ہے۔ مگر اب یہ سچائی سر چڑھ کر بول رہی ہے کہ ستم گروں کی طاقت کے سامنے قانون بھی بے بس ہے۔ علامہ ارشد القادری بھی ایک دینی اور سماجی رہنما کی حیثیت سے اس قضیہ کے حل کے لیے جدو جہد کرتے رہے ہیں۔ انہدام بابری مسجد سے قبل کچھ ناعاقبت اندیش سیاسی مفاد پرستوں نے یہ مسئلہ اٹھایا کہ بابری مسجد کو دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے، ۱۹۹۱ء میں جب اس قسم کی آوازیں ابھریں تو علامہ ارشد القادری صاحب نے قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کے ناقابل شکست دلائل سے یہ واضح کیا کہ ''عمارت ہی کا نام مسجد نہیں بلکہ وہ زمین بھی مسجد ہے جسے مسجد کے لیے وقف کر دیا گیا ہو''۔ علامہ صاحب اپنے اس گرانقدر تحقیقی مضمون کی تمہید میں رقم طراز ہیں۔

> ''بابری مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی پیش کش سب سے پہلے ایڈوانی صاحب نے کی تھی، جسے مسلمانوں نے مسترد کر دیا لیکن اب پرنس انجم قدر اور حامد صاحب سابق وائس چانسلر مسلم یونی ورسٹی

علم گڑھ اس مطالبے کی پر زور وکالت کر رہے ہیں۔ اپنی رائے کو اگر ذاتی رائے کی حد تک یہ لوگ محدود رکھتے تو ہم یہ سوچ کر صبر کر لیتے کہ بی جے پی کے خیمے میں چند نقوی اور پہنچ گئے۔ لیکن ناپاک جسارت کی انتہا یہ ہے کہ اپنی ذاتی رائے کو وہ لوگ اس دعوے کے ساتھ پیش کر رہے ہیں جیسے اسلامی شریعت کے مضبوط دلائل اس کی پشت پر ہیں۔"

علامہ صاحب قطار در قطار عقلی و نقلی دلائل و شواہد کی روشنی میں اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے بعد اپنے مضمون کی آخری سطروں میں لکھتے ہیں۔

واضح رہے کہ پچھلے اوراق میں یہ بات دلائل شرعیہ سے ثابت کی جا چکی ہے کہ صرف عمارت کا ڈھانچہ ہی مسجد نہیں ہے بلکہ وہ زمین بھی مسجد ہے جس پر ڈھانچہ کھڑا ہے۔ لہذا جس طرح عمارت کا انہدام ظلم ہے اسی طرح اس کی منتقلی بھی ظلم صریح ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں مسجد کو ویرانی لازم آتی ہے۔ (اشرفیہ مارچ ۱۹۹۱)

شہادت بابری مسجد کی خبر سن کر ہم پر کیا گزری:

بابری مسجد کی شہادت کے وقت حضرت علامہ ارشد القادری صاحب ہالینڈ میں تھے یہ دردناک خبر سن کر ان پر کیا گزری اور وہاں کے مسلمانوں کا کیا رد عمل ہوا اس رپورٹ پر مشتمل علامہ صاحب نے راقم (مبارک حسین مصباحی) کے نام ایک مکتوب ارسال فرمایا طویل مکتوب کے چند حصے ذیل میں پڑھئے۔

محترمی جناب ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور

سلام مسنون

یورپ کے تبلیغی دورے پر ۳۰ رنومبر کی شام کو میں لندن میں پہنچا۔ ۶ ردسمبر کی تاریخ جیسے جیسے قریب آتی جارہی تھی بابری مسجد کے متعلق تشویش بڑھتی جارہی تھی۔ اسی امید وبیم کے عالم مین ۶ ردسمبر کا دن آیا۔ ٹھیک اس وقت جب ہندوستان میں صبح کے دس بج رہے ہوں گے بی بی سی نے یہ وحشتناک خبر سنائی کہ مسجد پر حملہ شروع ہوگیا۔ اتر پردیش اور مرکزی حکومت کی یقین دہانیوں کے نتیجے میں اس خبر کے بعد بھی ہم پر امید تھے کہ کچھ ہی دیر کے بعد یہ خبر ہم ضرور سنیں گے کہ مرکز سے بھیجی ہوئی چالیس ہزار فوج اور اتر پردیش کی پولیس نے حملہ آوروں کو منتشر کردیا۔ لیکن جب ایک ہی خبر بار بار سننے میں آئی کہ حملہ بغیر کسی مزاحمت کے جاری ہے تو دل ڈوبنے لگا۔ آخری خبر سننے کے بعد کہ بابری مسجد زمین دوز کردی گئی، ہماری سانس رک گئی اور ہم ایک سکتے کی کیفیت سے دوچار ہوگئے، یقین نہیں آرہا تھا کہ کیا انہونی بات بھی ہوسکتی ہے؟ مگر ہوگئی۔ چند لاکھ جنونیوں کی سرکشی پر نہ سپریم کورٹ بند باندھ سکا اور نہ مرکزی حکومت آڑے آئی۔ قانون کی بالادستی کا جنازہ اس دھوم سے اٹھا کہ ساری دنیا نے اس کا سوگ منایا۔

شام ہوتے ہوتے برطانیہ کے ۲۵ لاکھ مسلمانوں میں ہر طرف ایک کہرام برپا ہوگیا۔ ۶ ردسمبر کو لندن کے مسلم کمیونٹی سنٹر میں برطانیہ کی مسلم تنظیموں کی طرف سے ایک احتجاجی جلسہ کیا گیا۔ میں بھی اس جلسہ میں شریک ہوا۔ وہاں غم وغصہ میں ڈوبی ہوئی تقریروں سے اندازہ ہوا کہ عالم اسلام کے لیے بابری مسجد

کی شہادت کا زخم کتنا گہرا ہے۔ مختلف پیرایہ بیان میں سب کی زبان پر ایک ہی صدائے کرب تھی کہ اب سوال کسی ایک مسجد کی شہادت کا نہیں۔ بلکہ بے لگام طاقت کی یلغار میں ایک کمزور اقلیت کے مستقبل کا ہے۔ کئی مقررین نے تو یہاں تک کہدیا کہ جس ملک کا قانون اکثریت کے ہاتھ کا کھلونا بن جائے وہاں جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی اب ضمانت کیا ہے؟

پہلو بدل بدل کر جس انداز میں لوگ ہمارے محبوب وطن کی مذمت کر رہے تھے سنا نہیں جا رہا تھا۔ اس وقت بار بار میرے دل میں یہ ہوک اٹھ رہی تھی کہ کاش اس مجلس میں وہ دشمنان وطن بھی موجود ہوتے جنہوں نے طاقت کے نشے میں دنیا کو یہ کہنے کا موقعہ دیا کہ ہندوستان آدمیوں کا نہیں درندوں کا ملک ہے۔ کاش وہ بھی اس ذلت کو محسوس کرتے کہ انہوں نے اپنے ناپاک کرتوت سے باہر کی دنیا میں اپنے ملک کو کتنا ذلیل و خوار کردیا۔ چند تنظیموں کے نمائندوں نے ہندوستانی مسلم سیاسی رہنماؤں کے خلاف مذمت کی تجویز پیش کی کہ اتنی کھلی ہوئی تذلیل کے بعد بھی وہ وزارتوں اور مجالس قانون ساز کی رکنیت سے مستعفی کیوں نہیں ہوئے۔ ساری دنیا ہل گئی اور وہ ابھی تک اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔

میں نے اس تجویز کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ کن حالات سے وہ اس وقت گزر رہے ہیں اس کا حال اللہ ہی جانتا ہے لیکن اتنی بات میں ضرور بتا سکتا ہوں کہ بی جے پی اور وشو ہندو پریشد کے علاوہ وہاں جتنی سیاسی جماعتیں ہیں وہ ہندوستان کے سیکولر کردار کو بچانے کے لیے خود ان فرقہ پرستوں سے لڑ رہی ہیں۔ ان حالات میں ان کا ساتھ چھوڑنا قطعاً سیاسی مصلحت کے خلاف ہوگا۔

اخیر میں تین تجویزیں متفقہ طور پر اس جلسہ میں منظور کی گئیں۔ پہلی تجویز بابری مسجد کی شہادت کے خلاف مذمت کی تجویز تھی۔ دوسری تجویز میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ جن بنیادوں پر بابری مسجد کھڑی تھی انھی بنیادوں پر وہاں نئی بابری مسجد تعمیر کی جائے۔ تیسری تجویز کے ذریعہ ہندوستانی مسلمانوں کے جان ومال، عزت وآبرو اور ان کی عبادت گاہوں کے تحفظ کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

اپنا بیان ختم کرتے ہوئے ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت وہ تاریخ کے جس سنگین مرحلے سے گزر رہے ہیں انہیں پوری پامردی اور صبر واستقامت کے ساتھ حالات کا سامنا کرنا چاہئے ایمان ویقین کی معنوی قوتوں سے کام لینے کا ہی وقت ہے۔ وہ اپنی ٹوٹی ہوئی ہمتوں کو پھر سے جوڑیں اور ایک نئے مستقبل کی تعمیر میں لگ جائیں۔ اس وقت بغداد کانفرنس میں شرکت کے لیے پابہ رکاب ہوں۔

خدا حافظ۔

ارشد القادری

عاشق کا جنازہ تھا۔

۲۹ر اپریل ۲۰۰۲ء کو دہلی سے یہ وحشتناک خبر پہنچی کہ AIIms میں شام ۴ ربجکر ۳۵ منٹ پر حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کا وصال ہوگیا۔ اس قیامت خیز خبر سے اشرفیہ کے درودیوار میں سناٹا چھا گیا جس نے سنا سکتے میں رہ گیا۔ بعد نماز مغرب عزیز المساجد میں دعا خوانی کا اہتمام کیا گیا پھر بعد نماز فجر قرآن خوانی کا سلسلہ دیر تک

جاری رہا اور قل شریف کے بعد ایصال ثواب کیا گیا۔ اب رہ رہ کر مجھے علامہ کے یہ اشعار یاد آنے لگے خدا کرے۔ ان کی یہ آرزو پوری ہوگئی ہو۔ اور بلاشبہ ہوئی ہوگی۔

اے خوشا وقت کہ جب موت کی ہچکی آئے
نور والے ترے جلوؤں کا نظارہ ہو جائے

وقت آجائے ارشد کا جب آخری رنگ لائے میری نسبت قادری
گوشہ دامن پاک ہو ہاتھ میں سامنے تم رہو دم نکلتا رہے

صبح کو جامعہ کے ناظم اعلیٰ الحاج سرفراز احمد صاحب نے انتظامیہ کا یہ فیصلہ سنایا کہ حضرت علامہ ارشد القادری کی حضور حافظ ملت اور ان کی تحریک اشرفیہ سے بڑی گہری وابستگی تھی لہذا جامعہ کے دو نمائندے نماز جنازہ میں ضرور شرکت کریں۔ ان میں ایک اہم نام شیخ الجامعہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب کا تھا اور دوسرا نام میرا شامل کرلیا تھا۔ جبکہ سربراہ جامعہ حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ جو ان دنوں دہلی میں تھے وہ علامہ کے جنازہ کے ساتھ دہلی سے جمشید پور تشریف لے جاچکے ہیں۔

ہم لوگ ۳۰/اپریل کو بعد نماز ظہر جامعہ سے نکل گئے۔ جمشید پور کے دو ٹکٹ کے لیے مغلسرائے جناب سفیر صاحب کو فون کردیا تھا خیر ان کی عنایت سے سفر آسان ہوگیا۔ مغلسرائے اسٹیشن پر ٹرین کچھ دیر سے پہنچی، جیسے ہی ٹرین پر سوار ہونے کے لیے آگے بڑھے حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی صاحب سے ملاقات ہوگئی، ان سے معلوم ہوا کہ دہلی کا پورا قافلہ اسی ٹرین سے جمشید پور جارہا ہے اس قافلہ میں حضرت علامہ صاحب

کے صاحبزادے، پوتے اور دیگر اہل خانہ کے علاوہ جامعہ حضرت نظام الدین کے طلبۂ اور اساتذہ بھی تھے۔ کوئی چالیس نفری قافلہ ہوگا۔ یکے بعد دیگر تمام لوگوں سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔

بہار کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد کوئی اسٹیشن ایسا نہیں پڑا جہاں سے علما اور قادری شیدائیوں کے قافلے ٹرین میں سوار نہ ہوئے ہوں۔ ہم آگے بڑھتے رہے اور کاروان غم بڑھتا رہا۔

۹ ربجے صبح ٹرین جمشید پور پہنچی زائرین کو فیض العلوم تک لیجانے کے لیے پہلے ہی سے گاڑیوں کا اہتمام تھا۔ ابھی وقت کافی تھا ہم لوگ حضرت مولانا قاری فضل حق غازیپوری کے مدرسہ چلے گئے اور وہاں ضروریات سے فارغ ہوکر پھر مدرسہ فیض العلوم پہنچے شہر کے نمایاں مقامات پر جگہ جگہ بینر لگے ہوئے تھے۔ ''ہم رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی رحلت پر اظہار غم کرتے ہیں'' تقریباً اسی مفہوم کے بینر مختلف انجمنوں، مدرسوں کی جانب سے جگہ جگہ آویزاں تھے اور پورے شہر پر غم واندوہ کے بادل چھائے ہوئے تھے اور شہر بھر کے مسلمانوں نے پورے دن اپنا کاروبار بند رکھا۔ تقریباً تمام اخباروں کی جلی سرخیوں میں یہ خبر تھی ریڈیو اور ٹی وی بھی برابر اس افسوسناک خبر کو نشر کررہے تھے۔ جب بعد عصر اہل محبت نے دار العلوم سے اپنے عظیم قائد کا جنازہ اٹھایا تو ایسا لگا کہ کاندھوں پر جنازہ نہیں آسمان اٹھا کر چل رہے ہیں۔ جنازے میں کاندھا دینے والوں کا ہجوم شوق دیکھ کر آنکھوں پر یقین نہیں آرہا

تھا کہ لوگ جمشید پور کی سرزمین پر ہیں یا مطاف میں حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے ٹوٹ رہے ہیں۔ جب جنازہ کا جلوس بہار کے عروس البلاد کی وسیع شاہراہوں سے گزر رہا تھا تو حد نظر انسانوں کا امنڈتا ہوا سیلاب دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وقت کا کوئی تاجدار جا رہا ہے۔ واہ رے قائد ملت زندگی بھر تو اپنی فلک پیما قیادت کا لوہا منوایا ہی مرنے کے بعد بھی اپنی پرشوکت قیادت کا ایک جلوہ دکھا گئے۔ اور پھر بار بار یہ مصرع زبان پر آیا۔ ع

عاشق کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے اٹھا

عیدگاہ میدان میں ۶ ر بجکر ۲۰ منٹ پر حضرت محدث کبیر شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے نماز جنازہ پڑھائی اور ۷ ر بجکر ۲۰ منٹ پر فیض العلوم کے جنوبی حصے میں ایک عاشق رسول کو ہزاروں ہزار کے مجمع نے سپرد خاک کیا۔ خدا ان کی قبر کو جنت الفردوس کا ایک حصہ بنا دے۔ میں انہیں کے اس یقین عشق پر اپنا مضمون ختم کرتا ہوں۔

پہنچ جائے گا ان کا نام لیکر خلد میں ارشدؔ
تہی دامن سہی ناز غلامانہ نہ جائے گا

☆☆☆

آپ نے اب تک جو پڑھا یہ میرا ایک اداریہ تھا جو میں نے "ایک انقلاب آفریں شخصیت" کے عنوان سے سپرد قلم کیا تھا۔ اب ذیل میں پیش خدمت ہیں معروف علمائے اہل سنت کے چند تعزیتی اور تاثراتی مکتوبات۔

....

ان کی مہک سے نسلیں ہمیشہ عطر بیز رہیں گی

گرامی قدر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب　　　　السلام علیکم

کن الفاظ سے اس اندوہناک سانحہ کا ذکر کیا جائے جس سے کلام کی وسعتیں گریزاں ہیں اور کس قلم سے اس غم کو رقم کیا جائے جس سے قلم کا سینہ شق ہو رہا ہے۔ رئیس القلم، نازش تحریر، ترجمان احساسات، مصور جذبات و تخیلات، مخلص و محسن قوم و ملت، پہرہ دار ناموس دین متین، معاون خیر و خوبی، مناظر اہل سنت، مجاہد دور فتن، محبوب و مقبول عالم اسلام، افتخار علمائے اعلام حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ و عاملہ بالغفران و ساح عن زلاتہ، کا حادثۂ ارتحال اپنی نوعیت کا واحد المیہ ہے جس پر پوری دنیائے سنیت غم سے چور ہے۔ یا اسفا! وہ دولت بے بدل جاتی رہی جس کی قیمت یہ دنیا آخری سانس تک بھی نہ چکا سکے گی۔ اس وجود سے محرومی ہو گئی جسے قدر شناس اور اہل انصاف مدت العمر نہ بھلا سکیں گے، چند سال قبل سرزمین دہلی پر اپنی سنی کانفرنس میں خطبۂ افتتاحیہ پڑھنے کے لیے فقیر سے جس محبت و اخلاص کے ساتھ مرحوم نے اصرار فرمایا تھا اس کی یاد آج بھی تازہ ہے۔ مرحوم نہ صرف اہل سنت کے ممتاز عالم دین تھے بلکہ وہ مصلح، مفکر، مدبر، مبصر اور صاحب طرز ادیب بھی تھے، ان کی ایمان افروز تحریرات نے حسن و صحت عقیدت کے جو سدا بہار پھول دلوں کی زمین پر کھلائے ہیں ان کی مہک سے ایمانی نسلیں ہمیشہ عطر بیز رہیں گی۔ دعا ہے حق تعالیٰ موصوف کی خدمات سے اس دنیا میں امت مسلمہ کو بیش از بیش نفع پہنچائے اور مرحوم کو اس دنیا میں اس کا بہترین صلہ فضل مزید کے ساتھ عطا فرما کر نعیم خلد میں آسودۂ رحمت و مغفرت رکھے۔ پسماندگان کو انعام صبر واجر سے نوازے اور ان کے لیے

مرحوم کے نقوش قدم کی تابانیاں سرمایہ رُشد وہدایت بنیں۔ آمین

فقیر نے حضرت ممدوح کی خبر وفات بروز دوشنبہ بعد عصر ملتے ہی ان کی خدمت میں ہدیہ ثواب پیش کیا اور اگلے روز بعد عشا بغرض تعزیت و ایصال ثواب مسجد شیخان باڑہ ہندوراؤ میں جلسہ منعقد کئے جانے کی ہدایت کی۔ بوجہ علالت خود حاضر نہ ہو سکا جلسہ میں حضرات علمائے ملت، متعلقین اور وابستگان اہلسنت نے بصد کرب والم شرکت کی۔ مرحوم کی روح کو خراج عقیدت اور ہدیۂ ثواب کے ساتھ دعائے مغفرت کی گئی اور حاضرین کو موصوف کی علمی خدمات سے استفادہ کی ترغیب دی گئی۔

از: محمد میاں ثمر نقشبندی دہلوی، مفتی اعظم وقاضی اہلسنت دہلی

علامہ ارشد القادری حافظ ملت کی علمی یادگار تھے

فخر صحافت ناشر مذہب اہل سنت علامہ مبارک حسین صاحب ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور۔ السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

مزاج مبارک؟

یہ زمانہ قرب قیامت کا زمانہ ہے۔ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مقدس ہے کہ ''علم اٹھالیا جائے گا علما کے اٹھا لیے جانے سے'' کے مصداق، ابھی ابھی بہت جلد ماضی قریب کے ایام میں کیسے کیسے کاملین علم ودانش، حاملین فضل وکمال دنیا سے اٹھالئے گئے دیکھتے ہی دیکھتے، طوطیٔ ہند حضرت علامہ مفتی رجب علی صاحب نانپاروی، استاذ العلما شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب، فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین صاحب امجدی علیہم الرحمہ جیسے باکمال علما ہم سے رخصت ہوگئے۔ ابھی انہیں حضرات کا غم زمانہ پر چھایا ہوا تھا کہ ایک شور اٹھا ''اب حضرت علامہ ارشد القادری نہ رہے۔''
میں اپنے جد امجد اور خلیفہ حضور سیدنا مخدوم سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ حضرت قطب رائچور قدس سرہ کے پانچ سو ستائیس ویں عرس مقدس کے لیے اپنے وطن رائچور گیا ہوا تھا، مراسم عرس کی ادائے گی جاری تھی ہزاروں معتقدین ومریدین کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری

تھا۔عین ایسی حالت میں یہ اندوہ ناک خبر ملی کہ آج ۲۹ر اپریل ۲۰۰۲ء کو حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ وفات پا گئے۔ پھر کیا تھا بے شمار افراد رنج وغم میں ڈوب گئے۔ ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب علم وفن کے اونچے عظیم مینار ڈھائے جا رہے ہیں۔ حضرت قطب راپچور قدس سرہ کے قل شریف مورخہ ۱۶ر صفر بمطابق ۳۰ر اپریل کی محفل میں ہی علامہ کے درجات کی بلندی اور ان کی دینی خدمات کی قبولیت کے لیے صاحب مزار کے وسیلے سے بارگاہ خداوندی میں دعائیں مانگیں گیں۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ حضرت قطب راپچور قدس سرہ کے وصال کے موقع پر حضرت علامہ کا وصال ہوا اسی محفل میں علامہ کے لیے ایصال ثواب کیا گیا۔ اب میں اپنی مستقل قیام گاہ ناگپور آ گیا ہوں میں نے حضرت علامہ کی حیات وخدمات پر کچھ کام کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اپنے عظیم استاذ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی عظیم علمی یادگار تھے۔ ابتدا ہی سے آپ نے درس وتدریس، تبلیغ واشاعت دین وسنیت میں جو خدمات انجام دیں وہ رہتی دنیا تک قائم رہیں گی۔ مدارس اسلامیہ کا قیام اور عقائد اہل سنت کے تحفظ ودفاع، رد ومناظرہ، تحقیق وتدقیق، تصنیف وتالیف میں آپ کی خدمات مثالی اور تاریخی ہیں۔ ایک عظیم صحافی اور صاحب طرز ادیب، بہترین نقاد اور قلم کار تھے، ادبی دنیا نے آپ کی تحریرات کو شہ پاروں کے طور پر محفوظ کر لیا ہے، زمانے کے ادبا نے آپ کے طرز تحریر کو کوثر وتسنیم سے دھلی زبان مانا ہے، عالمی تبلیغی دوروں کی خود ایک عظیم تاریخ ہے۔ ایشیا سے یورپ وامریکہ اور مشرق وسطی کے ممالک کے کئی مرتبہ اسفار ہوئے۔ ہر سفر تاریخی ہوتا تھا۔ ان اسفار میں سے یورپ کے ایک چرچ کو خرید کر دین وسنیت کی اشاعت کے مرکز بنانے کو اور دورۂ ایران کے موقع پر دنیا کے مطلق العنان، جابر حکمراں جناب خمینی صاحب سے ملاقات وہاں کے سنی حنفی مسلمانوں کے دینی ومسلکی مسائل پر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرنے کو اور ان کے نظام حکومت پر تنقید کو میں نے مرتب کیا ہے۔ انشاءالمولی تعالیٰ موجودہ دور میں یہ تحریر علامہ علیہ الرحمہ کی تاریخی وانقلابی ودینی وملی سرگرمیوں میں یہ ایک روشن باب ثابت ہوگی۔

میرے لیے سب سے بڑی مسرت کی بات یہ ہے کہ جب سے اپنے ہم مسلک علما نے چند فروعی مسائل سے اختلاف کے نام پر مسلک اعلیٰحضرت اور ذات اعلیٰحضرت اور خانوادۂ اعلیٰحضرت پر حملے اور غیر سادات علما کی شانوں میں تحقیر و تذلیل کا سلسلہ شروع کیا، اس موقع پر ''ماہنامہ سنی آواز'' ناگپور نے جو جہاد شروع کیا اس پر حضرت علامہ علیہ الرحمہ نے مجھے خوب چاہا، میرے تنقیدی مضامین اور کتب کو بہت پسند کیا، بلکہ جب کچھ لوگوں نے حضرت علامہ علیہ الرحمہ سے ان موضوعات پر جواب چاہا تو آپ نے از راہ شفقت ان کو میری طرف رجوع کروادیا اور ان لوگوں سے کہا کہ ان پر جوابات سید محمد حسینی اشرفی مصباحی ہی دے گا یہ بھی بڑے فخر سے فرماتے تھی کہ یہ سہرا بھی ایک مصباحی ہی کے سر رہا یہ حضرت علامہ کی حد سے زیادہ مہربانی اور نوازش تھی ورنہ میں کہاں اور کہاں وارث علوم حافظ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ۔

کہاں کہاں، کس کس کا اور کیسے کیسے غم و افسوس کا اظہار کیا جائے۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ ہمیں اپنے خالق حقیقی کی تقدیر اور فیصلہ پر سوائے رضا اور صبر کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ حضرت علامہ کا غم ایسا غم ہے کہ طویل زمانے تک اس کو بھلایا نہیں جائے گا۔ خداوند قدوس حضرت علامہ کو قبر انور میں کروٹ کروٹ چین وسکون عطا فرمائے اور اس رہتی دنیا میں ان کے امثال پیدا فرمائے۔ فقط

ایک غمگسار سید محمد حسینی اشرفی مصباحی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ شمسیہ اشرفیہ رائچور (کرناٹک)

چیف ایڈیٹر ماہنامہ سنی آواز ناگپور

آپ کو نہیں علامہ ارشد القادری کو پڑھ رہا ہوں

کرم فرمائے ما! حضرت علامہ ایڈیٹر صاحب (ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور)

سلام ورحمت

تناسخ اور آواگون کے ہم قائل نہیں لیکن اس سے بھی ہمیں انکار نہیں کہ کبھی کبھی اسلاف کی خوبیاں، اخلاف کے اندر منتقل ہو جاتی ہیں۔ حضرت علامہ ارشد القادری

صاحب کی حیات وخدمات کے تعلق سے آپ کا قلمی شاہکار نظر نواز ہوا۔ ہم پڑھتے رہے اور رات ڈھلتی رہی، کانوں میں جلترنگ کے ساز بجتے رہے، اور ذہن وفکر میں ملہار راگ کی تانیں پورے سرودھن کے ساتھ لہراتی رہیں۔

یقین کیجئے بے خودی میں مجھے یہ محسوس ہوتا رہا کہ میں آپ کو نہیں بلکہ علامہ ارشد القادری کو پڑھ رہا ہوں۔ وہ تو کہئے کہ نسیم سحری کا ایک مست جھونکا مجھے ہوش میں لے آیا۔ اور اب میں جمشید پور کے تصوراتی ماحول میں نہیں بلکہ حقیقی بزم مبارک پور میں تھا۔ ایک چھوٹا سا مضمون بعنوان ''مجدد اعظم'' حاضر خدمت ہے اگر پسند آجائے تو کسی شمارے میں جگہ عنایت فرمائیں۔　　　　فقط والسلام۔

خواجہ مظفر حسین، مدرسہ نور الحق چرہ محمد پور ضلع فیض آباد

جی چاہتا ہے نوک قلم چوم لوں

گرامی وقار فخر صحافت حضرت مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی مدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور　السلام علیکم ورحمہ وبرکاتہ

عوافی مطلوب!　　میں نے تو سمجھا تھا کہ نسیا منسیا ہو گیا ہوں لیکن ایک مدت کے بعد اشرفیہ کے دو شمارے (مئی وجون جولائی مشترکہ شمارہ) کی وصولیابی کے بعد دل کو سکون ملا ابھی آپ کے گوشۂ ذہن میں محفوظ ہوں۔ اس یاد فرمائی پر صمیم قلب سے شکر گزار ہوں۔

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ والرضوان کی زندگی کے حالات و خدمات پر مشترکہ شمارہ کے اجراء پر آپ حضرات قابل صد تحسین اور لائق مبارک باد ہیں اور پھر آپ　کا اداریہ کالبدر فی النجوم یا کالروح فی الجسد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اشرفیہ کے عام شماروں کی مضامین پڑھوں یا نہ پڑھوں مگر آپ کا اداریہ ضرور پڑھتا ہوں۔ مشترکہ شمارہ کا اداریہ سبحان اللہ کیا کہنا کبھی کبھی جی چاہتا تھا کہ اگر ملا جائے تو نوک قلم چوم لوں۔ فجزاک اللہ خیرا۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

والسلام/ دعا گو ودعا جو　محمد عبد الحلیم/ شانتی نگر۔ ناگور

اداریہ مینارۂ نور ثابت ہوگا

تاجدار اقلیم صحافت حضرت مولانا حافظ مبارک حسین صاحب قبلہ مدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور

مزاج ہمایوں! رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ رحمۃ والرضوان کی تجہیز و تکفین کے موقع کی مسرت افزا و یادگار ملاقات کے بعد فقیر متمنی تھا کہ پھر جہلم شریف میں شرف حاصل ہوگا۔ مگر ساری آرزو تشنہ کام ہی رہی۔ لیکن ۱۶ر جولائی کو ایک ضروری کام سے گھر جاتا ہوا اسی اثنا ماہنامہ اشرفیہ کا علامہ ارشد القادری پر خصوصی شمارہ دستیاب ہوا تھا، ایک کاپی ساتھ لے لیا اور اولین فرصت میں اداریہ ہی سے آغاز کیا۔

الحمد للہ دلچسپی ونشاط طبع کے ساتھ ۵۹ صفحے کا پورا اداریہ پڑھ گیا اور ذہن پر ذرہ برابر بار بھی نہ گزرا۔ تحریر کی دلآویزی نے ساری تشنہ کامی دور کردی، پہلے تو حضرت علامہ کی تحریروں کو پڑھتے ہوئے اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی اب آپ کی بے ساختہ تحریر نے اس نتیجہ پر پہونچادیا ہے کہ اب مستقبل کے تاجدار کشور صحافت اور رئیس التحریر آپ ہیں۔ ہاں ہاں صحافت کی خسروی آپ کو سونپی گئی اور شہریار اردوئے معلی آپ بنائے گئے۔ صحافت کا نقطۂ ارتقا یہ ہے کہ پیرایہ بیان میں تسلسل وروانی و دلکشی ہو۔ اور طویل سے طویل مضمون پڑھ جائے اور قاری کا ذہن کسی طرح بوجھل نہ ہو دقیق سے دقیق مضمون فکر سے بآسانی ہم آہنگ ہوجائے اور یہ خوبی آپ کے فکر انگیز قلم میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ دسیوں افراد کو یہ ماہنامہ دیا گیا جس نے بھی پڑھا آپ کے زور بیان اور خوبی تحریر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ "قلم توڑ دیا" کا محاورہ سنا کرتا تھا مگر اس کی نظیر یہاں دیکھنے کو ملی۔ واقعی آپ نے حق ادا کردیا۔ یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ آئندہ ان کی شخصیت پر کام کرنے والے قلمکاروں کے لیے یہ اداریہ مینارۂ نور ثابت ہوگا۔ ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

اخیر میں تہنیت ہے رہبر شریعت پیر طریقت حضور عزیز ملت قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں کہ الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے ان کی نظر انتخاب آپ جیسے ذکی وطباع، متحرک و فعال اور صاحب فکر وفن پر پڑی جس کی بدولت اتنا عظیم شاہکار اداریہ کی شکل میں آیا بلکہ اس

سے پہلے بھی کئی فکری شاہکار منظر عام پر آئے اور آئندہ بھی جلوہ بار ہوتے رہیں گے۔

قال رسول الله ﷺ من لم یشکر الناس لم یشکر الله فلذا ادعو لکم جزاکم الله خیر الجزاء و بارک الله فی علمکم و سعیکم برکۃً واسعۃً و بلغوا عنی السلام و الدعاء فی اہلکم والسلام مع الختام۔

عبد المصطفیٰ عابد نوری قادری خادم مدرسہ فیض العلوم جمشید پور

فکر و فن کی ایک انجمن سونی ہو گئی

ممتاز المفکرین نازش صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی زیدت اقبالکم

ہدیہ سلام مسنون!

جون، جولائی ۲۰۰۲ء کا مشترکہ خصوصی شمارہ "بیادگار رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اپنی مستقل رعنائی وزیبائی سے مرصع ومزین تشریف لایا جو انتہائی خوبصورتی کا حامل اور دیدہ زیب ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا ہی معلومات افزا ہے۔

خصوصی طور پر آپ کا اداریہ "علامہ ارشد القادری ایک انقلاب آفریں شخصیت" علامہ موصوف علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات اور ان کے پاکیزہ خصائل، قابل ذکر عادات و اطوار کا ایک جامع منظر نامہ لیے ہوئے ہے مطالعہ کر کے طبیعت جھوم اٹھی اور دل باغ باغ ہو گیا۔ اداریہ کیا ہے پوری سوانح حیات ہے اور مجہول افراد کے لیے علامہ کے تعلق سے ایک اہم و گرانقدر مواد کا سرچشمہ ہے اللہ تعالیٰ آپ کے قلم کا اقبال بلند فرمائے یہ بات حقیقت سے بالکل وابستہ ہے کہ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی دینی وملی خدمات اور ان کی علمی وفکری صلاحیت کا ہر باشعور طبقہ معترف ہے وہ کیا گئے؟ فکر وفن کی ایک انجمن سونی ہو گئی ایک عالم پر غمناک سناٹا چھا گیا۔ خدائے قادر وقیوم ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور انہیں اپنے گہوارۂ رحمت میں جگہ دے آمین۔ جمیع شرکاء ادارہ کو سلام۔

فقط / خیر خواہ محمد طاہر القادری کلیم فیضی

ناظم اعلیٰ مدرسہ انوار الاسلام سکندر پور بستی

یہ آپ جیسے کسی صاحب قلم ہی کا حق تھا

وقار ادب حضرت علامہ مبارک حسین صاحب مصباحی زید مجدہٗ سلام مسنون

بخیر و عافیت ہوں اللہ کرے آپ بھی بخیر و عافیت رہ کر باغ فردوس کے گلیاروں سے فردوس ادب کی صاف و شفاف مئے ناب تقسیم کرتے رہیں۔ ماہ جون اور جولائی کا تاریخی اور دستاویزی شمارہ موصول ہوا جسے رئیس القلم نمبر ہی کہا جائے گا۔ یقیناً آپ نے مبسوط، جامع اور خوبصورت ترین اداریہ لکھ کر سوئے جناں جانے والے گلشن حافظی کے عظیم سپوت کو جو خراج تحسین پیش کیا ہے وہ صحن اشرفیہ میں بسنے والے آپ جیسے کسی صاحب قلم ہی کا حق تھا جس پر آپ مبارکباد کے مستحق ہیں یقیناً رئیس القلم پر لکھنے پڑھنے والوں کے لیے آپ کا اداریہ راہبر اور راہ نما ثابت ہوگا اور ان کی ہر ہر سانس آپ کو خراج تحسین و تبریک پیش کرے گی رب قدیر آپ کو وہ اجر عطا فرمائے جس کے آپ مستحق ہیں اور جانے والے کی تربت پر رحمت و انوار کی بارش برسائے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

فقط والسلام مع الاکرام

ضمیم احمد مصباحی رضوی

فیض العارفین حضرت مولانا شاہ غلام آسی پیا

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

ابھی کتنے ہی دن گزرے ہیں کہ دین ودانش کی شہرۂ آفاق شخصیت رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کو ہم نے سپرد خاک کیا تھا، اس پہاڑ کے برابر غم کو اٹھا کر ابھی ہم سیدھے بھی نہیں ہو پائے تھے کہ اتنے میں ایک اور اندوہ ناک صدمے نے ہمیں نڈھال کر کے رکھ دیا۔ ۱۳ر جنوری ۲۰۰۳ء کو حضرت رئیس القلم کے برادر بزرگ فیض العارفین منبع رشد وہدایت حضرت مولانا شاہ غلام آسی پیا بھی داغ مفارقت دے گئے، دہلی کے جین ہاسپٹل میں ان کا انتقال ہوا۔ ۱۶ر جنوری کو ان کے قائم کردہ ادارے "دارالتصوف" اتروله ضلع گونڈہ میں انھیں دفنایا گیا اور ایک عالم پکار اٹھا......

ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

آپ کی پیدائش موضع سید پورہ بلیا یوپی میں ہوئی آپ کے والد حضرت مولانا عبداللطیف صاحب حضرت شاہ عبدالعلیم آسی مصنف "عین المعارف" کے مرید اور سلسلۂ رشیدیہ کے سالک تھے غالباً اسی نسبت سے آپ کا نام غلام آسی تجویز ہوا۔ آپ کا پورا نام فضل الرسول غلام آسی تھا، مشہور ہے کہ جس سال حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم آسی (م ۱۳۳۵ھ) کا وصال ہوا اسی سال آپ کی پیدائش ہوئی، صدر الشریعہ کی اہلیہ جو آپ کی بڑی ہم شیرہ تھیں، ان کے زیر تربیت آپ نے شعور کی آنکھیں کھولیں، اسی لیے حضرت صدر الشریعہ سے نسبت تلمذ رکھنے والے حضرات آپ کو ماموں جان کہہ کر پکارتے تھے، دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں آپ کی تعلیم ہوئی اس کے بعد مظہر اسلام بریلی شریف میں تکمیل فرمائی اس طرح آپ حضرت حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی اور محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد گورداسپوری علیہما الرحمہ کے ارشد تلامذہ میں

آتے ہیں۔ عہد طالب علمی کے رفقا میں حضرت مولانا عبد الرؤف علیہ الرحمہ، حضرت مولانا قاری مصلح الدین کراچی، حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی اور حضرت مولانا ظفر علی نعمانی کراچی وغیرہ علما و مشائخ کے نام آتے ہیں۔

حضرت فیض العارفین بہت سی خوبیوں کے جامع اور بافیض بزرگ تھے، ان کے دانش مندانہ دماغ پر قلندرانہ مزاج غالب تھا، اور عالمانہ جاہ وجلال پر صوفیانہ رنگ چڑھا ہوا تھا، آج عام طور پر جو مرشدان طریقت ہیں وہ یا تو نرے جاہل ہیں یا نرے عالم، جب کہ تصوف کے میدان میں قال پر حال کا غلبہ نہ ہو اور دانشوری پر قلندری کی عارفانہ چادر نہ چڑھی ہو تو مجاہد بے سیف نظر آتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ حال کے لیے قال اور قلندری کے لیے دانشوری ریڑھ کا درجہ رکھتی ہے، ورنہ ڈرامائی رنگ روپ اور مستانہ ہاؤ ہو کی حیثیت ایک دل فریب آرٹ سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ حضرت فیض العارفین پر قلندرانہ رنگ بہت چوکھا تھا، وہ مسلسل کیف وجذب کے عالم میں سرشار نظر آتے تھے، لیکن اہل علم کی محفل میں اگر موڈ میں آجاتے تو اچھے اچھوں کا ناطقہ بند کر دیتے تھے۔ فراغت کے بعد آپ نے ناگپور کی ایک درس گاہ سنبھالی، برسوں تک منطق وفلسفہ کی گتھیاں سلجھائیں، فقہ وحدیث کے مقام شیخیت پر بھی فائز ہوئے۔ الجامعۃ الاشرفیہ کے شیخ الحدیث محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری ان کے عہد تدریس کی حسین یادگار ہیں بقول محدث کبیر ''میرے پاس صرف ونحو کی جو کچھ پونجی ہے وہ میرے بڑے ماموں جان حضرت فیض العارفین کی تعلیم وتربیت کا فیضان ہے''۔

حضرت فیض العارفین کو شرف بیعت شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ حامد رضا بریلوی علیہ الرحمہ سے حاصل تھا لیکن جس شخصیت نے ان کو درس گاہی قیل وقال سے نکال کر بحر معرفت کا غواص بنا دیا وہ بھیسوڑی شریف ضلع رام پور کی خانقاہ کے سجادہ نشین صوفی میاں محمد حسن شاہ سلسلۂ عالیہ قادریہ ابو العلائیہ منعمیہ مہدیہ جہانگیریہ نقشبندیہ کے صاحب حال اور صاحب دل بزرگ تھے، خدا جانے شیخ کی وہ کون سی نظر تسخیر تھی کہ حضرت غلام آسی پیا نے درس گاہ چھوڑی، گھر بار چھوڑا، اہل وعیال چھوڑے اور برسوں تک حضرت

شیخ کے تتبع میں عبادت وریاضت اور ہاؤ ہو کے سوز وساز میں غرقاب رہے، مجاہدۂ نفس کی بھٹی سے جب کندن بن کر نکلے تو اہل علم ودانش سراپا حیرت بنے دیکھتے رہ گئے۔ اب ان کی دنیا بدل چکی تھی، معرفت کے پرنور جلووں میں کتابی علم اپنا وجود گم کر چکا تھا، قیل وقال کی ہنگامہ خیزیوں پر مہر سکوت لگ چکی تھی، کیف ووجد کی سرمستی انگ انگ پر چھا چکی تھی، بلکہ ان کی بزم مے کدہ کا ہر رند انھیں کے رنگ میں رنگا نظر آتا تھا۔ اہل مدارس اور علماے ظاہر انھیں ایک عام پیر اور دیوانہ تصور کرتے تھے، لیکن کسی حال آشنا اہل نظر سے پوچھیے، ان کے ایک اشارۂ ابرو پر کتنے فرزانے عالم سرمستی میں گردش کرتے نظر آتے تھے، جہاں سے گزر جاتے نشاں چھوڑ جاتے، جہاں بیٹھ جاتے خانقاہ کی بنیاد ڈال جاتے، کسی پر نگاہ ڈال دیتے حال دل بدل دیتے، ہاتھ میں ہاتھ لے لیتے اپنا رنگ چڑھا دیتے، گم گشتگان راہ کا ہاتھ پکڑتے منزل پر لا کر کھڑا کر دیتے۔

لگ بھگ ۱۹۸۴ء میں اس احقر نے ان کی پہلی بار زیارت سنبھل میں کی تھی، یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں مدرسہ سراج العلوم جامع مسجد سنبھل میں زیر تعلیم تھا۔ مدرسہ کے ناظم اعلیٰ خطیب شہیر حضرت مولانا حبیب اشرف علیہ الرحمہ سے ملاقات کے لیے حضرت فیض العارفین تشریف لائے تھے ان کے ساتھ اور لوگ بھی تھے، اب نہ ان کے چہرے ذہن میں ہیں اور نہ نام، بس اتنا یاد ہے کہ ہم چند ہم جماعت طلبہ اپنی درسی کتابیں لے کر مدرسہ کے گیٹ میں داخل ہوئے تو بائیں جانب مہمان خانہ میں کچھ بزرگ حضرات جلوہ افروز تھے، جامعہ اشرفیہ کے نصاب کی مطابقت سے ہم جماعت ثالثہ کے طالب علم تھے، ان دنوں مجھے کیا آتا جاتا ہوگا جب آج ہی کچھ نہیں آتا، مگر خدا جانے کیوں دماغ میں مطالعہ وصلاحیت کا بڑا غرہ تھا کافیہ، بحث اسم تک زبانی یاد تھی، ''البشیر'' ''البشیر الکامل'' کا متعدد بار بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا اور ان دنوں ''البشیر الناجیہ'' مطالعہ میں تھی۔ کافیہ کا سبق پڑھنے سے پہلے متعلقہ بحث کو پوری توجہ کے ساتھ ''البشیر الناجیہ'' میں دیکھتے تھے، کافیہ کا درس ہماری فکری جولان گاہ کی خاص آماجگاہ ہوتا تھا، دوران درس جب ہم اعتراضات کی بوچھار کرتے تو استاذ محترم کو ناگوار گزرتا، انھوں نے بار بار سمجھایا یہ تمام نکات بعد الوقوع ہیں ان کا کوئی

حاصل نہیں۔لیکن ہمارے دماغ میں بعض بڑوں کو دیکھ کر اور سن کر یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ ہماری درس گاہوں میں جو جتنا کٹ حجتی اور بحاث ہوتا ہے اتنا ہی قابل قدر ہوتا ہے، اگر چہ اب یہ سب گئے دنوں کی باتیں ہوگئیں آج عملی دور ہے آج انسان اپنے کام کی وجہ سے قابل قدر ہوتا ہے نہ کہ لا حاصل بحث وتکرار اور منطقیانہ کٹ حجتی سے اور یہی صحیح معیار ہے۔ ہاں تو اس وقت استاذ گرامی نے ہماری نحوی جولانیوں کی تسکین کے لیے ''تحریر سنبٹ'' درس میں داخل کر دی تھی۔

جملہ معترضہ شاید کچھ طویل ہو گیا میں عرض یہ کر رہا تھا کہ مدرسہ کے مہمانوں میں ہماری نظر ایک نورانی چہرے والی وجیہ شخصیت پر پڑی جو جہانگیری کلاہ لگائے ہوئے تھے اور گردن میں زعفرانی رنگ کا رومال تھا، ہم نے دیکھا تو دیکھتے ہی رہ گئے، بڑھتے ہوئے قدم ٹھہر گئے اور بغیر کسی ارادے کے ہم ان سے شرف نیاز حاصل کرنے کے لیے بڑھنے لگے، سلام ومصافحہ کے بعد انتہائی شفقت بھرے انداز میں ہم لوگوں کی خیریت معلوم کی اور تعلیمی احوال سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے میرے ہاتھ سے ''تحریر سنبٹ'' لے لی اور اچانک کتاب کھول کر فرمایا ''پڑھو اور اس کا مطلب بتاؤ'' ہمارے اسباق کے آگے کی بحث تھی لیکن اتنا یاد ہے کہ اس بحث کو ہم ھدایۃ النحو میں پڑھ چکے تھے عبارت پڑھ کر ترجمہ کرنا شروع کیا درمیان میں میرے لیے ایک غیر مانوس لفظ آگیا اور میں رک گیا حضرت نے فوراً اس لفظ کا ترجمہ بتا دیا میں نے ترجمہ مکمل کر کے پوری بحث کا حاصل اپنے لفظوں میں بڑی تیزی سے بیان کر دیا اور اس کے بعد حضرت بڑی دیر تک سبحان اللہ ماشاء اللہ کہتے رہے۔وہاں سے رخصت ہوئے تو ہم دل ہی دل میں بڑے مغرور و مسرور تھے، لگتا تھا ہم نے کوئی معرکہ سر کر لیا ہو۔استاذ گرامی سے جا کر روداد سنائی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: پیر صاحب حضرت علامہ ارشد القادری کے بڑے بھائی ہیں۔یہ تھی حضرت فیض العارفین سے میری پہلی ملاقات۔

اس کے بعد بے شمار مواقع پر ان سے ملاقاتیں ہوئیں بے پناہ شفقت ومحبت فرماتے تھے، فقیہ اعظم ہند حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ سے برابر کی نوک

جھونک ہوتی رہتی تھی، لیکن سب کچھ ادب واحترام کے دائرے میں ہوتا تھا۔ حضرت مفتی صاحب انھیں ماموں جان کہہ کر مخاطب کرتے اور وہ دونوں ہاتھ اٹھا اٹھا کر ان کے لیے دعائیں کرتے اور ان کے علم وفضل کا برملا اعتراف کرتے۔ رامپوری ہونے کی حیثیت سے مجھے ان کے پڑوسی ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ چونکہ وہ بھیسوڑی شریف کی تحصیل ملک ضلع رام پور میں برسوں سے مقیم تھے ان کے بڑے فرزند ارجمند حضرت مولانا راشد میاں مصباحی صاحب نے ملک میں اپنا مکان بھی بنالیا ہے، وہی قیام گاہ حضرت فیض العارفین کی خانقاہ بھی تھی ہر وقت ملنگوں کی آمد ورفت رہتی تھی، حضرت مولانا راشد میاں ان کے سوز وساز، عشق وعرفان اور علم وفضل کے سچے جانشین ہیں، حضرت آسی پیا نے برسوں سے انہیں اپنا عملی جانشین بنالیا تھا اگر کوئی مرید ہونے آتا تو فرماتے راشد میاں سے مرید ہو جاؤ ان کا مرید میرا ہی مرید ہے۔

حضرت راشد میاں مجھ سے فرمانے لگے ایک بار ابا حضور کچھ موڈ میں تھے فرمانے لگے میں اپنی وراثت اپنی موجودگی میں اپنے دونوں بیٹوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں چچا میاں (علامہ ارشد القادری) بھی تشریف فرما تھے۔ میں نے چچا میاں سے عرض کیا تقسیم وراثت سے قبل میری ایک گزارش مان لی جائے علامہ صاحب نے فرمایا" کہو کیا کہنا چاہتے ہو" مولانا راشد میاں نے عرض کیا" صرف ابا حضور کو مجھے تن تنہا دے دیا جائے اور باقی تمام مال وجائداد میرے بھائی کو دے دی جائے۔ یہ سن کر علامہ صاحب نے اپنی مسرتوں کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا" بہت ہوشیار ہو اب بھی تم ہی فائدے میں ہو۔"

حضرت فیض العارفین کو میں نے بڑے قریب سے دیکھا ہے بارہا ان کے دولت کدے پر حاضری کا شرف حاصل ہوا، ایک بار حضرت بھی میرے غریب خانہ پر شاہ آباد ضلع رام پور تشریف لائے تھے، مولانا راشد میاں تو بارہا تشریف لا چکے ہیں اور یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔ حضرت آسی پیا سالوں سال مسلسل روزے رکھتے، راتوں رات بیدار رہتے، وہ بلا شبہ دن کے مجاہد اور عابد شب زندہ دار تھے، ایک موقع پر حضرت آسی پیا نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اس عہد میں دین کی حفاظت کے لیے مدرسہ اور خانقاہ دو بنیادی

چیزیں ہیں۔ ہمارے استاذ گرامی حضور حافظ ملت نے مجھے خانقاہ سازی کے لیے وقف کردیا اور میرے برادر خرد علامہ ارشد القادری کو مدرسہ سازی کی مہم پر لگادیا۔" اور بلا شبہ یہ ایک سچائی ہے کہ ماضی قریب میں جس نے سب سے زیادہ مدرسے بنوائے ان کا نام "علامہ ارشد القادری" ہے اور جس نے سب سے زیادہ خانقاہیں بنوائیں ان کا نام "فیض العارفین غلام آسی پیا" ہے حضرت غلام آسی پیا کی نظر میں عقیدت کیشوں کے نذرانے کی حیثیت صرف اتنی تھی کہ اس کے ذریعہ کوئی خانقاہ تعمیر کرادی جائے، کسی مدرسے میں کوئی کمرہ بنوادیا جائے، کسی مسجد کے امام ومؤذن یا کسی طالب علم کا سالانہ یا ماہانہ وظیفہ مقرر کردیا جائے، پیران عصر کو ان کی زندگی سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔

حضرت فیض العارفین علیہ الرحمہ صاحب دل، صاحب نظر، حق گو اور حق شناس درویش تھے، ان کا وجود مدرسہ وخانقاہ کا سنگم تھا اگر ایک طرف انھوں نے خانقاہی جہالتوں پر شریعت مطہرہ کا پہرہ بٹھایا تو دوسری جانب علمائے ظاہر کو عشق ومعرفت کے چھلکتے جاموں سے سرشار کیا۔

(ماہنامہ اشرفیہ، فروری ۲۰۰۲ء)

شہیدِ مدینہ

انوار المشائخ حضرت سید غنیؔ میاں اشرفی جیلانی

خدا جانے وہ کون سی فیروز بخت گھڑی تھی جب حضرت انوار المشائخ سید غنی میاں اشرفی علیہ الرحمہ کی یہ فغان عشق نبی بارگاہ قدس میں مقبول ہوئی۔

مری زیست کے عناصر درِ مصطفٰی پہ چل کے
مرا ساتھ چھوڑ جاتے تو کچھ اور بات ہوتی

بڑے بڑے سلاطین زمانہ اور اساطین علم و معرفت پر سوز دعائیں کرتے رہے اور آج بھی مسافرین حرم یہ مچلتی ہوئی آرزو لیے بارگاہ رسول میں حاضر ہوتے ہیں۔ اے کاش دیار حبیب میں ابدی نیند سونے کو دو گز زمین مل جائے، مگر ہر ایک کا کوکب اقبال اتنا درخشاں کہاں۔

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے
جسے چاہا در پہ بلا لیا جسے چاہا اپنا بنا لیا

حضرت انوار المشائخ سید شاہ انوار اشرف معروف بہ غنی میاں اشرفی جیلانی سجادہ نشین خانقاہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ اپنے دو صاحب زادگان کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے، عمرہ سے فارغ ہو کر یہ کاروان شوق حرم پاک مصطفٰی میں جیسے داخل ہوا گاڑی کا ایک معمولی سا ایکسیڈینٹ ہوا اور ایک عاشق دلگیر کے عناصر حیات بکھر گئے۔ یہ حادثہ ۱۵؍ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ کو پیش آیا۔ اس اندوہناک خبر سے جماعت اہل سنت میں غم انگیز لہر دوڑ گئی، اہل عقیدت و ارادت میں صف ماتم بچھ گئی، ان کی داستان غم کے ڈھلکتے آنسوؤں میں دامن تر ہو گئے۔ ان کے لخت جگر نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں ٹھیک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قدموں میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اور بے

ساختہ زبان پر یہ مصرع آ گیا۔ ع

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

مولیٰ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و شکر کے ساتھ ان کے اخلاص و عمل کا وارث بنائے۔ آمین۔

حضرت سید شاہ مثنیٰ میاں علیہ الرحمہ کی ولادت ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء میں بسکھاری ضلع فیض آباد میں ہوئی، ابتدائی دینی تعلیم کے بعد عصری تعلیم میں اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں، ایک گورمنٹ شپنگ کمپنی کی ملازمت سے عملی زندگی کا آغاز کیا اور مختلف مراحل حیات سے گزرتے ہوئے کسٹم آفیسر ممبئی کے اعلیٰ عہدے پر ریٹائرڈ ہوئے، اس معاشی استحکام نے انھیں کبھی مریدوں کا دست نگر نہیں رکھا، بلکہ بے لوث دینی خدمات کا وافر جذبہ اور ناقابل شکست حوصلہ عطا کیا۔

ہمارے ایک بزرگ ہم سبق دوست حضرت سید محمد اشرف مصباحی صاحب ہیں جو حضرت کے بھانجے اور معتقد تھے انہیں کی معیت میں قریب دس برس پہلے حضرت سے ملاقات ہوئی تھی، ان کی پرکشش شخصیت نے پہلی ہی ملاقات میں دل و دماغ پر گہرا نقش چھوڑا، پھر بارہا ملاقاتیں ہوئیں، عرس مخدوم اشرف کے موقع پر کچھوچھہ مقدسہ میں اپنے حجرۂ خاص میں اپنے دستر خوان پر شریک طعام فرماتے، گھنٹوں گھنٹوں ملی اور تعلیمی مسائل پر گفتگو ہوتی، حضرت کے اندر فروغ دین و دانش کا جذبہ عشق کی حد تک چھایا رہتا تھا، حضرت فرماتے تھے جہاں پچیس پچاس گھر کی آبادی ہو ایک مدرسہ قائم ہونا چاہیے، ہر بلڈنگ میں ایک فلیٹ دینی مکتب کے لیے وقف کر دینا چاہیے۔ اور اپنے حلقہ اثر میں اس نظریہ کو بڑی حد تک عملاً فروغ بھی دیا۔

گزشتہ برس پہلی اور آخری بار الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور تشریف لائے تھے ایک شب قیام فرمایا وہ پہلے سے جامعہ کی خدمات سے حد درجہ متاثر تھے لیکن جب نظام تعلیم دیکھا تو فرط مسرت سے جھوم اٹھے بار بار فرماتے تھے حضرت حافظ ملت نے جامعہ اشرفیہ بنا کر جماعت اہل سنت کی آبرو بچالی، بعد نماز عشا عزیز المساجد میں جلسہ استقبالیہ کا انعقاد ہوا

تلاوت قرآن عظیم کے بعد ایک طالب علم نے انگریزی میں نعت مصطفیٰ پڑھی تو حضرت نے مجھے حکم دیا اس کے بعد کسی طالب علم سے عربی زبان میں تقریر کرایئے۔ ہم نے جامعہ کے طالب علم مولوی سلیم بریلوی کو مائک پر بلایا انھوں نے "اسلام اور دہشت گردی" کے موضوع پر تقریر کی، تقریر کے بعد حضرت نے قلبی مسرت کا اظہار فرمایا مگر ساتھ ہی مجھ سے فرمایا لگتا ہے آپ نے پہلے ہی طالب علم کو منتخب کر رکھا تھا تقریر پہلے ہی سے سیٹ تھی۔ میں نے عرض کیا یہ تو عربی تقریر تھی مقررین اردو تقریر تیاری کے بعد کرتے ہیں۔ اس جواب پر حضرت نے ایک خاص تبسم فرمایا اور فرمانے لگے "جب میں المؤتمر الشعبی الاسلامی" میں شرکت کے لیے عراق گیا تھا تو جو علما ساتھ گئے تھے، وہ عربی میں تقریر کرنے کے سلسلے میں بڑے مجبور نظر آئے تقریر کرنا تو دور کی بات ہے وہ عربی زبان میں ہوٹل کے اندر چائے وغیرہ کا آرڈر دینے کی صلاحیت سے بھی عاری تھے، مجبوراً مجھے تمام مواقع پر انگریزی زبان میں ہی کام چلانا پڑا، مجھے سخت حیرت ہے۔ آٹھ برس تک عربی میڈیم سے تعلیم حاصل کر کے اتنی صلاحیت بھی پیدا نہیں کر پاتے ہیں، مدارس کو اس طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ عراق سے واپسی کے بعد میں نے بہ طور خاص اس طرف توجہ کی، مگر اطمینان بخش کامیابی نہیں مل سکی تاہم کوشاں ہوں۔

حضرت انگریزی زبان پر بھرپور عبور رکھتے تھے دینی اور ملی مسائل پر آئے دن انٹرویو دیتے رہتے تھے، ممبئی کے اخبارات میں ان کے بیانات کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ چند برسوں سے رضا اکیڈمی ممبئی کے پروگراموں کی صدارت و پیشوائی بھی فرماتے تھے، موصوف اشرفی رضوی اختلافات پر بھی خون کے آنسو روتے تھے۔ اور عام طور پر وہ ان اختلافات کو زراندوزی اور شہرت و مقبولیت کا شاخسانہ قرار دیتے تھے۔ آپ نے اپنے فکر و عمل سے یہ دوریاں بھی ختم کیں، ان کا اشرفیہ تشریف لانا اسی سلسلہ کی ایک کوشش تھی۔ انہوں نے جامعہ اشرفیہ میں اپنی تقریر میں اس کا اظہار بھی فرمایا کہ جب میں اشرفیہ آنے لگا تو علمائے کچھوچھہ نے اعتراض کیا وہ حضرات رضا اکیڈمی کے پروگراموں میں شرکت کو بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ لیکن میں سب کو ایک ہی جواب دیتا ہوں میں دینی و ملی کاموں کو

پسند کرتا ہوں اور کام کرنے والوں کا ہر ممکن تعاون کرتا ہوں۔ حضرت نے اپنی تقریر میں حضور حافظ ملت اور جامعہ اشرفیہ کا بڑے والہانہ انداز سے ذکر فرمایا۔ آپ نے فرمایا تھا" اشرفیہ ہمارا قابل فخر مرکزی ادارہ ہے یہ ادارہ اس وقت ہندستان میں سنیت کی سب سے عظیم خدمات انجام دے رہا ہے اس کی مخالفت دراصل تبلیغ دین ودانش کی مخالفت ہے۔

آستانہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف کی مسند سجادگی پر فائز ہونے کے بعد آپ کی زندگی میں ایک حیرت انگیز انقلاب آیا، خوش خلقی، بلند کرداری کے ساتھ تقویٰ و پرہیز گاری میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ مدارس اسلامیہ کا قیام واستحکام آپ کی زندگی کا خوب صورت مشغلہ تھا، آپ نے قریب ایک درجن مدارس قائم فرمائے ۲۱ ر رمضان المبارک ۱۴۰۵ء میں دار العلوم اشرفیہ غریب نواز قائم فرمایا جو بڑی اہم خدمات انجام دے رہا ہے۔ دیگر مدارس کی فہرست اس طرح ہے۔ (۱) سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی اکیڈمی کچھوچھہ شریف (۲) جامعہ قادریہ اشرفیہ مولانا شوکت علی روڈ ممبئی (۳) مدرسہ کنیزان فاطمۃ الزہرا ممبرا ضلع تھانہ (۴) دار العلوم قادریہ اشرفیہ غریب نواز نانی دمن گجرات (۵) جامعہ اشرفیہ اہل سنت مظہر العلوم دھانے پور ضلع گونڈہ یوپی (٦) مدرسہ قادریہ اشرفیہ بسکھاری ضلع امبیڈکر نگر یوپی (۷) دار العلوم مخدوم سمنانی مرزا پور بازار گورکھپور یوپی (۸) مدرسہ معینیہ اشرفیہ ممبرا ضلع تھانہ۔

جو لوگ مدارس چلاتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ کتنی پر خار وادی ہے۔ آپ نے تن تنہا مدارس اسلامیہ کا جال پھیلا کر بلاشبہ گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے، آپ مسلمانوں کے سیاسی اور سماجی مسائل کے حل کے لیے بھی شب و روز سرگرداں رہتے تھے۔ آپ کی زندگی کا یہ گوشہ بجائے خود ایک دبستاں کا طالب ہے۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کے کارناموں کو باقی اور بافیض رکھے اور آپ کے پسماندگان کو آپ کے مشن کو آگے بڑھانے کا آب اخلاص وجنوں خیز عزم وحوصلہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

(ماہ نامہ اشرفیہ جنوری ۲۰۰۴ء)

دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کے فرزند اور سابق استاذ

حضرت علامہ مفتی ظفر علی نعمانی علیہ الرحمہ

دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کی اولین فصل بہار کا کوئی ذکر چھیڑ دیتا ہے تو حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی، حضرت علامہ مفتی ظفر علی نعمانی، حضرت علامہ شاہ سراج الہدیٰ گیاوی، حضرت علامہ قاری مصلح الدین کراچی، پیر طریقت حضرت مولانا شاہ غلام آسی پیا، مولانا محمد ابراہیم پنجابی، مولانا محمد عثمان ممبئی، پیر طریقت شاہ عبد الحق گجہروی علیہم الرحمہ کے مشک بار تصورات سے محفلوں کا سماں بدل جاتا ہے۔ یہ حضرات درس گاہ حافظ ملت کے وہ گل ولالہ تھے جن سے کتنے جہان دین و دانش مہک اٹھے اور حافظ ملت کی شب روشیں کے وہ نجوم وکواکب تھے جن سے علم و معرفت کے کتنے عالم جگمگا اٹھے۔ بساط اشرفیہ کی صف اول کے آخری دانائے راز اور لعل شب افروز حضرت علامہ مفتی ظفر علی نعمانی بقید حیات تھے، مگر آہ! اس عہد قحط الرجال کا یہ مرد علم بھی ۲۰ر رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۱۶ر نومبر ۲۰۰۳ء کو خلد آشیاں ہو گیا۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی قبر پر انوار پر رحمت و غفران کی موسلا دھار بارش فرمائے۔ آمین

ان کے وصال پر ملال کی خبر بروقت جامعہ اشرفیہ میں نہیں آسکی پاکستانی جرائد ورسائل سے ان کی رحلت کی اطلاع ہوئی تو حضرت عزیز ملت سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے گہرے رنج وغم کا اظہار فرماتے ہوئے حکم دیا کہ ان کا ذکر خیر اشرفیہ میں نمایاں طور پر آنا چاہیے، راقم السطور کو نہ ان کی زیارت نصیب ہوئی اور نہ کبھی مراسلت کا موقع ملا، لیکن ہمارے لیے ان سے تعلق خاطر کا یہ رشتہ سب پر بھاری ہے کہ وہ حافظ ملت کے وفادار تلمیذ رشید اور جامعہ اشرفیہ کے آخری دم تک مخلص اور سچے بہی خواہ تھے۔ حضرت عزیز ملت نے

فرمایا ''حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف علیہ الرحمہ (سابق نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ) اور حضرت علامہ مفتی ظفر علی نعمانی علیہ الرحمہ دونوں ہم عصر، حافظ ملت کے مزاج شناس اور ان کی محفل کے حاضر باش تھے۔ لیکن حافظ جی علیہ الرحمہ کم گو اور خاموش طبع تھے اور نعمانی صاحب بات میں بات پیدا کرنے والے اور حافظ ملت کے منھ لگے تھے، حافظ ملت کی نوازشات وعنایات کی روداد طویل ہونے کے باوجود انتہائی پرسوز اور دل آویز ہے۔ ان کی شخصیت سازی کے جس دور اور جس رخ پر بھی نظر ڈالیے حکمت وموعظت کا نور برساتا ہوا آفاق نظر آتا ہے۔ حافظ ملت نے جس پر نگاہ کرم ڈال دی رشک مہ وانجم بنادیا، جسے اپنے دامن میں جگہ دے دی عالم گیر شہرتوں کا حامل بنادیا۔ مگر اس نیرنگی زمانہ کو کیا کہیے کہ اب کچھ لوگ اپنے محسن ومربی کے اس شجر سایہ دار پر ہی تیشہ زنی کر رہے ہیں جس کے گھنیرے سایے میں انھوں نے شعور وآگہی کی آنکھیں کھولیں۔ حسان الہند حضرت بیکل اتساہی عزیزی نے ان حالات کے پس منظر میں بڑی لگتی ہوئی باتیں کہی ہیں ۔

کاٹ رہے ہیں کچھ اس کے پالے ہوئے	پٹہ بھی گلے میں ڈالے ہوئے
اس کی کھاتے اپنی گاتے	پتھر بھی اس پر برساتے
مانگی ہوئی اس کی اینٹوں سے	خود اپنا محل بناتے ہیں
اس کے احساں کو جھٹلا کر	خود کو محسن بتلاتے ہیں

ہم فرزندان اشرفیہ سے بڑے اخلاص وادب سے عرض گزار ہیں کہ حضور حافظ ملت اور جامعہ اشرفیہ نے آپ کو اپنے محبت بھرے علمی آغوش میں اسی لیے پروان چڑھایا تھا کہ آپ دعوت وارشاد اور علم وحکمت کے وسیع میدانوں میں اسلام کی خدمت کریں اور ملکوں ملکوں مسلک اعلیٰ حضرت کا پرچم لہرائیں، جامعہ اشرفیہ نے ہمیشہ اپنے قابل فخر فرزندوں کی خدمات کا اعتراف کیا ہے، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ہم میں سے بعض لوگ جامعہ کے دامن میں ابلتے ہوئے علمی چشمے ہی کو خشک کرنے کے لیے ہاتھ پیر مارنے میں لگ جائیں، اپنی مادر علمی کی قبر کھود کر اپنی عظمتوں کے مینار کھڑے کر لینا کہاں کی حوصلہ مندی اور سرخروئی ہے۔ اس آسمان کے برابر سچائی کا تو کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ

معاندین اشرفیہ نہ کل اشرفیہ کی کوئی اینٹ کھسکا سکے اور نہ آج کچھ بگاڑ سکتے ہیں، مگر نازیبا حرکتوں اور اشرفیہ مخالف تبصروں سے چہروں کی سرشت تو بے نقاب ہو جاتی ہے۔ جامعہ اشرفیہ کو حافظ ملت نے اپنے خون جگر سے سینچا ہے، یہ مشائخ مارہرہ کا منظور نظر ہے، یہ حضور مفتی اعظم ہند کی دعاؤں کا ہرا بھرا چمن ہے، یہ حضور صدر الشریعہ کی آرزوؤں کا نشیمن ہے۔ خدارا اس کی مخالفت کر کے اہل سنت کے علمی فروغ میں قدغن نہ لگائیں اگر اپنی جماعت کے سب سے بڑے ادارے اور اپنے محسن و مربی کے لالہ زاروں کا پانی بند کر کے اپنا چمن سیراب کرنا ہی وفا شعاری ہے تو لفظ ''غداری'' کے قالب میں معنی کی روح پھونکنے کے لیے ہمارے پاس کیا بچ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ رحمت و غفران کی موسلا دھار بارش فرمائے جامعہ اشرفیہ کے وفا پیشہ نام ور فرزند حضرت علامہ مفتی ظفر علی نعمانی علیہ الرحمہ پر جو ملکی فصیلوں کی بلند دیواروں کے پیچھے بھی اپنے محسن و مربی کے گن گاتے رہے اور ایک ہجراں نصیب عاشق دل گیر کی طرح ذکر حافظ ملت کی محفلیں سجاتے رہے۔ جامعہ اشرفیہ کو اپنے اس نامور اور علمی فرزند پر فخر و ناز ہے، خدا کرے ان کی علمی و دینی خدمات کی بساط کے دائرے دراز ہوتے رہیں۔ اور ان کی درس گاہی شمع فروزاں کے اجالے سے درس گاہوں میں نور علم کے چشمے ابلتے رہیں۔

ولادت وابتدائی تعلیم:- آپ کی ولادت ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء کو سید پورہ ضلع بلیا میں ہوئی۔ سید پورہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے مگر بڑا مردم خیز ہے، پیر طریقت حضرت مولانا غلام آسی پیا اور حضرت علامہ ارشد القادری علیہما الرحمہ جیسے اساطین علم و معرفت اسی سرزمین سے اٹھے، حضرت نعمانی صاحب کے والد گرامی مولانا محمد ادریس صاحب نے آپ کا اسم گرامی ظفر علی تجویز کیا بعد میں حضرت امام اعظم نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت سے ''نعمانی'' کا اضافہ کیا اور ''مفتی ظفر علی نعمانی'' کے نام سے شہرت پائی، خاندان میں دینی و تجارتی ماحول تھا والد صاحب علم دین کی دولت سے سرفراز تھے، اور خاندان میں کئی حافظ قرآن بھی تھے، اس طرح علم و تجارت کے شاداب ماحول میں آپ نے شعور کی آنکھیں کھولیں۔

پرائمری تعلیم :- بہ عمر دس سال اپنے وطن سید پورہ میں مکمل کی اور دینی تعلیم کے لیے بہار کی مشہور درس گاہ فیض الغربا میں داخلہ لے لیا اس ادارے کے بانی و مہتمم خلیفہ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا رحیم بخش قادری رضوی تھے اس لیے ادارے میں ذکر رضا اور علم و عشق کا سوز و ساز موجزن تھا۔

الجامعة الاشرفیہ مبارک پور میں :- شرح جامی (رابعہ) کی تکمیل کے بعد برصغیر کی شہرۂ آفاق درس گاہ اور حافظ ملت کی بافیض پناہ گاہ میں آ گئے، لیکن کسی وجہ سے ارادۂ تعلیم ترک کر کے گھر واپس چلے گئے، حضور حافظ ملت کو علم ہوا تو اظہار افسوس کیا، آپ نے فوراً ملیا اطلاع کی کہ مولوی ظفر علی کو اولین فرصت میں دارالعلوم بھیج دیں، اہل خانہ نے حکم کی تعمیل کی اور آپ دوبارہ دارالعلوم اشرفیہ آ گئے اور حضور حافظ ملت کے خصوصی فیضان کے گھنیرے سائے میں اکتساب علم و فضل میں مشغول ہو گئے، پاکستان کی شہرۂ آفاق شخصیت حضرت مولانا قاری مصلح الدین مصباحی علیہ الرحمہ آپ کے ہم سبق ساتھیوں میں تھے، وہ اپنے عہد طالب علمی اور حافظ ملت کے انداز تربیت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''مبارک پور میں جب تک رہے سوائے تعلیم کے اور کوئی کام نہ تھا البتہ شام کے وقت عصر کی نماز کے بعد اکثر یہ ہوتا کہ حافظ ملت تفریح کے لیے دو ڈھائی میل تک نکل جاتے تو ان کے پیچھے پیچھے ہم بھی نکل جاتے، راستے میں سوالات کی بوچھار کر دیا کرتے تھے اور جو کتابیں پڑھتے تھے ان میں اگر کچھ چیزیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں تو ان کے سوالات بھی کرتے حضرت تفریح کے لیے جاتے تھے اور سوالات کے جوابات بھی دیتے جاتے تھے، اکثر ایسا ہوتا کہ حافظ ملت جمعرات کو ہمیں کسی نہ کسی گاؤں میں تبلیغ کے لیے بھیج دیا کرتے تھے، چناں چہ جمعہ بھی ہم پڑھاتے تقریر وغیرہ کر کے شام کو آ جایا کرتے تھے۔'' (عرفان منزل، مصلح الدین نمبر ص ۲۲۰۔۲۲۱)

حضور حافظ ملت نے طلبہ میں اپنی پر سوز تعلیم و تربیت سے مطالعہ و تحقیق اور حرکت و عمل کی روح پھونک دی تھی، ابھی حضور حافظ ملت کو مبارک پور تشریف لائے ہوئے ایک برس

کا زمانہ گزر رہا تھا کہ طلبہ میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ طلبہ کی ایک لائبریری قائم ہونا چاہیے جس میں مختلف موضوعات پر کتابوں کا ذخیرہ ہو اور طلبہ میں مطالعہ وتحقیق کا ذوق فراواں پیدا ہو، اس پس منظر میں بلند حوصلہ طلبۂ دارالعلوم نے ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۵ء میں ''انجمن اہل سنت و اشرفی دارالمطالعہ'' کی بنا ڈالی پھر اس انجمن کی تحریک وتعمیر میں اپنے دیگر احباب کے ساتھ حضرت علامہ مفتی ظفر علی نعمانی بھی پیش پیش تھے، یہ آج سے قریب ۷۰ رسال پہلے کی بات ہے جب کہ دیگر مدارس میں عام طور پر آج تک طلبہ لائبریری کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بعض بعض مدارس میں مطالعہ کی بے ذوقی کا حال دیکھ کر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے، طلبہ تو اصلاح ورہنمائی کے محتاج ہوتے ہیں وہ اپنی درس گاہوں میں جیسا ماحول اور مزاج پاتے ہیں اسی میں ڈھل جاتے ہیں عام طور پر مدرسین کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان کی قیام گاہوں میں (جو عام طور پر درس گاہیں ہوتی ہیں) چند درسی کتابیں ایک دو عدد لغت کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ کولھو کے بیل کے طرح انھیں چند کتابوں کے گرد زندگی تمام کر دیتے ہیں اس پر بھی غرہ یہ کہ ہم ہی علامہ وفاضل ہیں باقی سب فضول ہیں۔ خدا ان کے جہل مرکب کی زنجیریں توڑ دے تا کہ وہ عصر رواں کی علمی وفنی تحقیقات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔

آپ کے رفیق حضرت مولانا قاری مصلح الدین علیہ الرحمہ اشرفی دارالمطالعہ کے تعلق سے اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

> ''وہاں (مبارک پور میں) ہم لوگوں نے طلبہ کی ایک تنظیم قائم کی جس میں ہم لوگ پیش پیش تھے، اس میں مفتی ظفر علی صاحب بھی تھے اور عبد الستار ہمارے ساتھیوں میں سے تھے، تو اس تنظیم کے تحت ایک لائبریری اور دارالمطالعہ قائم کیا جس میں ہم نے بہت سی کتابیں جمع کیں، اس کے بعد ہم نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوس کا سلسلہ بھی قائم کیا اور وہ الحمد للہ بڑا کامیاب ہو گیا، ہزاروں کی تعداد میں لوگ ہمارے ساتھ ہوتے تھے یہ سب طلبہ کے زیر اہتمام تھا۔''

(ماہنامہ اشرفیہ، انوار حافظ ملت نمبر، دسمبر ۱۹۹۲ء)

حضرت مفتی ظفر علی نعمانی اپنے استاذ گرامی حضور حافظ ملت سے بے حد محبت فرماتے تھے، وہ اپنی تمام تر کامیابیوں کو استاذ محترم کی دعا و فیض کا نتیجہ سمجھتے تھے، اپنے استاذ گرامی کے خلاف زبان کھولنا تو دور کی بات ہے کسی دوسرے سے بھی ایک لفظ نہیں سن سکتے تھے، حضرت عزیز ملت دامت برکاتھم العالیہ نے فرمایا۔ ''ایک بار آپ کلکتہ تشریف لے گئے وہاں کسی صاحب نے دریافت کیا کہ صاحب زادے کیا پڑھتے ہو؟ آپ نے جواب دیا ''صدرہ'' وغیرہ موصوف نے برجستہ نے کہا مولانا عبدالعزیز صدرہ پڑھالیتے ہیں؟ یہ سن کر آپ کا تیور بدل گیا اور پورے جاہ وجلال کے ساتھ فرمایا میرے استاذ کا پایہ علم تو بہت بلند ہے آپ جیسے لوگوں کو تو صدرہ میں پڑھا سکتا ہوں۔ اس جواب پر آں جناب کے حسد کی آگ بجھی یا نہیں یہ تو معلوم نہیں ہوا مگر بروقت بالکل خاموش ہو گئے۔ اور اس جواب کے بعد اپنا سا منھ لے کر رہ گئے۔ حضرت عزیز ملت نے فرمایا ''ایک بار مفتی ظفر علی نعمانی صاحب کراچی سے اپنے وطن تشریف لائے مبارک پور کا ویزا نہیں مل سکا تو دہلی سے اپنے گھر تک صرف اس لیے بائی کار تشریف لائے کہ راستے میں جا کر مزار حافظ ملت پر حاضری دینا آسان ہوگا۔ صرف بارگاہ حافظ ملت میں حاضری کے جذبۂ شوق نے طویل سفر کی مشقتوں کو وصل کی لذتوں میں بدل دیا۔ اسی کا نام احسان شناسی اور وفا شعاری ہے۔

۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں بعض ناگزیر حالات کے پیش نظر حضور حافظ ملت دار العلوم اشرفیہ مبارک پور سے جامعہ عربیہ ناگپور تشریف لے گئے، حضرت علامہ ارشد القادری جوان دنوں ابتدائی طالب علم تھے حضور حافظ ملت کے ساتھ چلے گئے، حضرت کے تشریف لے جانے کے بعد اشرفیہ کا تعلیمی نظام درہم برہم ہو گیا، حضرت مفتی ظفر علی نعمانی اس وقت دورۂ حدیث میں تھے آپ کی جماعت کو حضرت کی جدائی کا بڑا قلق ہوا، اور چند افراد نے حضرت کے پاس ناگپور جانے کے لیے رخت سفر باندھ لیا، طالبان علوم نبوت کے اس قافلۂ شوق میں حضرت علامہ عبدالرؤف سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، حضرت علامہ مفتی ظفر علی نعمانی اور حضرت علامہ قاری مصلح الدین کراچی شریک تھے، حضور حافظ ملت کے قدموں کی برکت سے جامعہ عربیہ کا ستارہ عروج پر پہنچ گیا بالکل پہلی بار بڑے تزک واحتشام سے دستار فضیلت کا جلسہ ہوا

اس اجلاس میں جن اساطین ملت اور مشائخ اہل سنت نے شرکت کی ان میں چند اسمائے گرامی اس طرح ہیں، مفسر قرآن صدر الافاضل حضرت سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۳۶۷ھ) محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد کچھوچھوی (م ۱۳۹۳ھ) فقیہ اعظم صدر الشریعہ حضرت علامہ محمد امجد علی اعظمی (م ۱۳۶۷ھ) ان مشائخ کے علاوہ بھی کثیر تعداد میں اہل علم و فضل جلوہ بار تھے۔ ناگپور جغرافیائی حیثیت سے وسط ہندوستان میں واقع ہے، اس لیے اس وقت اس کو سی پی (Central Province) کہتے تھے، حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ بہ آں فضل و کمال بھی بڑے خوش گلو تھے، ان دنوں آپ جامعہ عربیہ میں طالب علم تھے۔ اس پرمسرت موقع پر آپ نے ایک تہنیتی نظم لکھی اور رسم دستار بندی کے پر کیف ماحول میں اپنی پر کشش آواز میں پڑھی تو مجمع عام میں ایک وجدانی کیفیت طاری ہوگئی۔ شاید اب وہ نظم محفوظ نہیں اس کا ایک شعر سن لیجیے ؎

ان موتیوں کی تابشیں دنیا کو ہیں محیط
سی پی میں گرچہ ان کو یہاں دیکھتا ہوں میں

ایک برس کے بعد حضور حافظ ملت پھر مبارک پور تشریف لے آئے اور حضرت مفتی ظفر علی نعمانی صاحب کو اشرفیہ میں درجہ تخصص کی تکمیل کے لیے روک لیا، مسلسل تین برس تک حافظ ملت نے علوم و فنون کی اعلیٰ کتابیں پڑھائیں اور اس دوران اپنے عزیز تلمیذ کو عشق و معرفت کی بھٹی میں تپا کر کندن بنا دیا اور حضور حافظ ملت کی نگاہ کیمیا اثر سے ایک ذرہ درخشاں آفتاب بن گیا۔

عہد تدریس کا آغاز:۔ علوم و فنون کی تکمیل کے بعد قریب ڈیڑھ برس تک جامعہ اشرفیہ میں تدریسی خدمت انجام دی، دار العلوم امجدیہ کراچی کے مفتی قاری محمد صابر امجدی رقم طراز ہیں:

”مفتی صاحب نے تحصیل علم دین سے فراغت کے بعد اپنے شفیق و مہربان استاذ حضرت علامہ حافظ ملت عبد العزیز محدث مبارک پور کے قائم کردہ عظیم دینی ادارے جامعہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور میں استاذ محترم کی سرپرستی میں ہی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، حضرت حافظ ملت کا شمار حضرت صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت کے منظور نظر اور

ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔ جبکہ مفتی صاحب حد درجہ محبت اور بھرپور اعتماد بھی کرتے تھے، مفتی صاحب نے بھی ان کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچائی بلکہ ہمیشہ ان کے اعتماد پر پورے اترے۔" (رفیق علم ص ۲۰)

جامعہ اشرفیہ کے بعد حضرت صدر الشریعہ کے حکم پر دار العلوم اہل سنت کاٹھیاواڑ بہ حیثیت مفتی وصدر مدرس تشریف لے گئے قیام پاکستان کے دوسرے سال ۱۹۴۸ء میں کراچی تشریف لے گئے۔

دینی اور علمی خدمات:۔ آپ نے ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء میں کراچی میں دار العلوم امجدیہ قائم کیا جو آج پاکستان کا ایک بڑا ادارہ ہے اور اس کی گراں قدر علمی اور تبلیغی خدمات نصف صدی کو محیط ہیں، اس ادارہ میں حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ نے بھی کچھ دنوں درس دیا، ان کے علاوہ مشہور اساتذہ میں حضرت علامہ خادم رسول، حضرت علامہ عبد المصطفیٰ ازہری، حضرت مفتی وقار الدین، حضرت علامہ مفتی محبوب رضا، پیر طریقت حضرت علامہ قاری مصلح الدین وغیرہ کے نام نمایاں ہیں، چند برس قبل دار العلوم امجدیہ کا جشن زریں (گولڈن جبلی) اعلیٰ پیمانے پر منایا گیا جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے جامعہ اشرفیہ کے صدر شعبۂ افتا شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کو مدعو کیا اور اسی موقع پر الجامعۃ الاشرفیہ کی اعلیٰ خدمات پر کراچی کے اساطین اہل سنت نے تمغہ دیا جو بڑے اعزاز کے ساتھ آج بھی حضرت عزیز ملت سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کے آفس میں نمایاں طور پر آویزاں ہے۔ اس موقع پر طلبائے امجدیہ نے "رفیق علم" کے نام سے ایک ضخیم مجلہ شائع کیا اس میں حضرت صدر الشریعہ کی شخصیت پر بھی متعدد مضامین ہیں جو ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے "صدر الشریعہ نمبر" سے لیے گئے ہیں۔ مدیر مجلہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تمام مضامین ماہنامہ اشرفیہ صدر الشریعہ نمبر (۱۹۹۵) مبارک پور بھارت سے لیے گئے ہیں۔" (مجلہ رفیق علم دار العلوم امجدیہ کراچی)

حضرت مفتی ظفر علی نعمانی صاحب نے دار العلوم امجدیہ کی متعدد شاخیں اور متعدد

مسجدیں بھی تعمیر کرائیں اور ملک بھر میں امجدی فیضان کو عام کیا۔ آپ نے جامعہ امجدیہ سے ''الاسلام'' کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا جس نے ترجمان امجدیہ کی حیثیت سے تبلیغ حق کا یادگار کارنامہ انجام دیا۔

پاکستان میں رضویات کے اولین ناشر:- حضرت علامہ مفتی ظفر علی نعمانی صاحب مسلک اہل سنت و جماعت کے بلند پایہ عالم و مبلغ تھے امام احمد رضا قدس سرہ سے عشق و وارفتگی عہد طفولیت ہی سے دیدنی تھی، جب آپ پاکستان پہنچے تو انہیں یہ دیکھ کر سخت حیرت و افسوس ہوا کہ یہاں امام احمد رضا کا نہ تعارف ہے اور نہ عام طور پر لوگ ان کی تصانیف اور ان کی علمی خدمات سے واقف ہیں، کتابوں کی اشاعت اور ذوق خرید کے سلسلہ میں تقریروں کی رسیا ہماری پوری جماعت ہی بے حس واقع ہوئی ہے، چند برسوں سے مصباحی فضلا نے قلمی میدان میں جد و جہد کی ہے تو کچھ برف پگھلتی نظر آرہی ہے، اور اس وقت صحن اشرفیہ میں طلبا کی قلمی امنگوں کا فرط شوق اور عزم جنوں خیز دیکھ کر لگتا ہے کہ اکیسویں صدی عیسوی کی پہلی دہائی عبور کرنے تک ہم قلمی میدان میں بھی خود کفیل ہو جائیں گے۔

حضرت مفتی صاحب نے پاکستان میں ''مکتبہ رضویہ'' قائم کیا اور اس سے امام احمد رضا قدس سرہ اور دیگر علمائے اہل سنت کی کتابیں شائع کیں آپ نے پاکستان میں سب سے پہلے ''حدائق بخشش'' شائع کی، اس کے بعد ''کنز الایمان مع خزائن العرفان'' کی اولین اشاعت بھی آپ نے کی، نیز حضرت مولانا ظفر الدین بہاری کی مشہور تصنیف ''حیات اعلی حضرت'' کی پہلی جلد بھی پاکستان میں سب سے پہلے آپ نے شائع کی، پاکستان میں رضویات کے فروغ و تعارف کی یہ اولین پیش رفت تھی اس پس منظر میں یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ پاکستان کی سرزمین پر امام احمد رضا قدس سرہ کے تعارف کا کلیدی کردار بھی ایک مصباحی فاضل نے انجام دیا۔ آج کے دور میں امام احمد رضا کی کتابوں کا شائع کرنا اور عام کرنا کوئی خاص بات نہیں یہ اس دور کی بات ہے جب دہلی اور کراچی میں اہل سنت کا کوئی مکتبہ نہیں تھا، اور کوئی کسی مکتبہ پر اعلی حضرت کا ترجمہ مانگتا تھا تو بدعتی کہہ کر دوکان سے واپس کر دیا جاتا تھا، جب مفتی صاحب نے کنز الایمان شائع کیا تو مارکیٹ میں کوئی مکتبہ کوئی نسخہ اپنے پاس رکھنے کو

تیار نہیں تھا، آپ نے بہ ہزار اصرار ایک مکتبہ والے کو اس شرط پر راضی کر لیا کہ آپ چند نسخے رکھ لیں اگر ہدیہ ہو جائیں تو ٹھیک ورنہ میں واپس لے جاؤں گا اور پھر اپنے خریداروں کو اس مکتبہ پر بھیجنا شروع کیا اس طرح تجارتی نقطہ نظر سے اس کا حوصلہ بڑھا اور تعارف رضا کا دائرہ بوئے مشک کی طرح پھیلنے لگا اور اب تو بفضلہ تعالیٰ کنز الایمان کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ دہلی و کراچی کے قریب پچاس دیوبندی ناشرین اس کو مختلف انداز سے شائع کر رہے ہیں۔

سیاسی اور ملی خدمات:- حضرت مفتی صاحب ایک جید عالم دین تھے آپ کا خاص میدان تدریس و تبلیغ اور دار العلوم کا نظم و نسق تھا، لیکن ملی مسائل کے پیش نظر بساط سیاست میں بھی قدم رکھا اور اہم مناصب پر فائز ہو کر نمایاں کارنامے انجام دیے۔ دو مرتبہ قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا، جب پاکستان میں سینٹ کے قیام کا اعلان ہوا تو مفتی صاحب نے جمعیۃ العلما پاکستان کے ٹکٹ پر سینٹ کے انتخاب میں حصہ لیا اور پورے سندھ میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل کر کے کامیابی حاصل کی تقریباً تین سال تک اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان کے ممبر رہے اور پاکستان میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے سفارشات مرتب کرنے میں اہم دینی اور علمی کردار ادا کیا، عرصہ دراز تک حکومت پاکستان کی قائم کردہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے چیرمین بھی رہے جب حکومت سندھ نے صوبائی زکوٰۃ کونسل قائم کی تو اس کا آپ کو رکن نامزد کیا گیا۔ ان چند سطروں میں ہم نے آپ کے مناصب اور عہدوں کا ذکر کیا اگر ان عہدوں کی ذمہ داریوں اور ان کی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔ تو آپ کی سیاسی بصیرت کا ایک "دبستان نعمانی" منصہ شہود پر آ جائے گا۔

پس ماندگان:- آپ کا عقد مسنون حضرت صدر الشریعہ کی پوتی حکیم شمس الہدیٰ کی بیٹی (۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء) میں ہوا اللہ تعالیٰ نے پانچ صاحب زادے اور چھ صاحب زادیاں عطا فرمائیں، تین صاحب زادوں کا تو کم سنی میں انتقال ہو گیا، اولاد اور اہل خاندان پاکستان کے بڑے تاجروں میں شمار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ اشرفیہ، فروری ۲۰۰۴ء)

آہ! اشرف العلما............

جنھوں نے ۱۶ ربرس تک اشرفیہ مبارکپور میں تدریسی خدمات انجام دیں

یہ الم ناک خبر سناتے ہوئے قلم لرز رہا ہے کہ ۱۹ راپریل ۲۰۰۴ء ، ۱۸ ر صفر ۱۴۲۵ء بروز جمعہ ایک بجے اشرف العلما حضرت علامہ سید حامد اشرف اشرفی جیلانی اس دار فانی سے کوچ فرما گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اس بزم ہستی میں انسان کونپل کی طرح پیدا ہوتا ہے ۔ کلی کی طرح نشو ونما پاتا ہے ۔ پھول کی طرح مسکراتا ہوا خوشبو بکھیرتا ہے اور زندگی کے دن پورے ہوتے ہی ایک پژمردہ گلاب کی طرح عناصر میں بکھر جاتا ہے ۔

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب
موت کیا ہے انھیں اجزا کا پریشاں ہونا

لیکن گلستان حیات کا ہر پھول یکساں نہیں ہوتا ، کچھ سہرے کی زینت بن کر چند لمحوں میں تن وجاں کو معطر کر کے اپنا وجود کھو دیتے ہیں ۔ کچھ مزاروں کی چادروں میں زائرین کی روح افزائی کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں اور کچھ گل گلزار روحانیت بن کر حیات جاوداں پا لیتے ہیں ۔ جو ان کے قریب آجاتا ہے معطر ہو جاتا ہے ، ان کی عطر بیز فضاؤں میں تن وجاں بھی مشک بار ہوتے ہیں اور روح ووجدان بھی سرشار ہوتے ہیں ۔ روحانیت کے لالہ زاروں میں کھلنے والے یہ گل وریحان کبھی پژمردہ نہیں ہوتے بلکہ ہمہ دم تازہ رہتے ہیں ۔ ان کی عطر بیزیاں موسم بہاراں کی محتاج نہیں ہوتیں بلکہ بہاریں ان کے موسم برکات کا صدقہ ہوتی ہیں ۔

موسم گل کوئی آیا نہ کوئی پھول کھلا
جب بھی خالی ہوئی دنیا ترے دیوانوں سے

یہ سچ ہے کہ اللہ والے مرتے نہیں بلکہ اس جہان فانی سے جہان باقی کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں مگر پسماندگان اور وابستگان کو ان کی جدائی کا غم زہر قاتل کی طرح تڑپاتا ہے۔ مریدین و متوسلین کو ان کا داغ مفارقت رقص بسمل کی طرح مضطرب کر دیتا ہے۔ مگر اس خدائی فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی تو نظر نہیں آتا۔ اذا جاء اجلھم لا یستقدمون ساعۃ ولا یستاخرون۔

آپ کی رحلت کی خبر الجامعۃ الاشرفیہ میں پہنچی تو اساتذہ و اراکین نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا، عزیز المساجد میں اجتماعی قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا اور صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ اور محقق عصر حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب نے حضرت اشرف العلما کے تعلق سے اپنے غم انگیز تاثرات کا اظہار فرمایا۔ راقم سطور نے حضرت کے مختصر حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے اخبارات کو بیان جاری کیا۔ عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ نے ان کی رحلت کو ملت اسلامیہ کا عظیم خسارہ قرار دیا۔ مولیٰ تعالیٰ اس خلد آشیانی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے وارثین اور جانشین کو ان کے مشن کو باقی رکھنے اور ترقی دینے کی توفیق خیر عطا فرمائے، آمین۔

ولادت اور خاندانی پس منظر:۔ اشرف العلما حضرت مولانا سید حامد اشرف اشرفی جیلانی کی ولادت باسعادت ۱۹۳۰ بمقام کچھوچھہ مقدسہ ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب ۲۱ ویں پشت میں غوث اعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے اور سولہویں پشت میں سیدنا شیخ عبد الرزاق نور العین علیہ الرحمہ کا اسم گرامی آتا ہے۔ ماضی قریب میں آپ کے جد کریم مرشد طریقت حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی جیلانی قدس سرہ (۱۳۶۶ھ/۱۹۵۵ء) کی شخصیت بڑی دل آویز اور ہمہ گیر خوبیوں کی مرقع تھی۔

حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے دو صاحب زادے تھے۔ حضرت مولانا سید احمد اشرف (م ۱۳۴۳ھ) اور دوسرے صاحب زادے حضرت مولانا سید شاہ مصطفیٰ اشرف (۱۳۹۱ھ) ثانی الذکر کے دو فرزند ہوئے حضرت مولانا سید مجتبیٰ اشرف اشرفی مصباحی اور

حضرت مولانا سید حامد اشرف اشرفی مصباحی۔ یہ دونوں بھائی حضرت حافظ ملت کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ شارح بخاری نے حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے ظاہری اور باطنی جمال جہاں آرا کا تعارف جس دلکش پیرایہ بیان میں فرمایا ہے ان جملوں کو بار بار ورد کرنے کو جی چاہتا ہے فقیہ اعظم ہند حضرت شارح بخاری رقم طراز ہیں:

''حضرت نے بارہا میرے سر پر ہاتھ پھیرا ہے اور دعائیں دی ہیں ان دعاؤں کی برکتیں میں آج بھی محسوس کرتا ہوں۔ حضرت کے حلیہ جمال کا ہر نقش ونگار میرے دل ودماغ پر ثبت ہے۔ سبحان اللہ وہ نورانی دلکش چہرہ جس پر فردوس کی بہاریں قربان اور کیوں نہ ہوں کہ مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے۔

اشرفی اے رخت آئینہ حسن خوباں
اے نظر کردہ وپروردۂ سہ محبوباں

جس مجلس میں تشریف رکھتے ایسا معلوم ہوتا ملا اعلیٰ کا کوئی فرشتہ جلوہ گر ہے جو دیکھتا ہوش وخرد کھو بیٹھتا۔'' (ماہ نامہ اشرفیہ صدر الشریعہ نمبر)

حضرت حافظ ملت نے دار العلوم اشرفیہ واقع گولہ بازار مبارک پور کے سنگ بنیاد کے لیے جن بزرگوں کو مدعو کیا تھا ان میں حضرت اشرفی میاں اور صدر الشریعہ علیہما الرحمہ کے نام نمایاں تھے۔ ان بزرگوں کے دست مبارک کی حیرت انگیز برکتوں کو اہل مبارک پور نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا حضرت اشرفی میاں بلاشبہ ایک ولی کامل تھے انھوں نے فرمایا تھا ''جو اشرفیہ کی ایک اینٹ کھسکائے گا اللہ تعالیٰ اس کی دو اینٹ کھسکائے گا۔

تعلیم وتربیت:۔ حضرت اشرف العلما نے اس علمی اور روحانی ماحول میں شعور کی آنکھیں کھولیں، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن کچھوچھہ مقدسہ میں حاصل کی۔ ۱۰ر شوال المکرم ۱۳۶۵ھ کو ملک کی شہرۂ آفاق درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا۔ یہاں خوش نصیبی سے شخصیت ساز استاذ حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی کی آغوش تربیت مل گئی، علم وفضل کے اس گھنیرے سائے میں آپ نے علمی نشو ونما

پائی۔ اپنی نیک طبیعت، علمی جدوجہد اور حسن اخلاق کی وجہ سے اپنے اساتذہ کی بارگاہ میں مقام افتخار حاصل کرلیا اور باادب بانصیب کی دولت بے بہا سے سرفراز ہوئے۔ دورۂ حدیث کے سال بخاری شریف اور بیضاوی شریف حافظ ملت سے پڑھیں اور مسلم شریف حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی صاحب سے پڑھی۔ حضرت اشرف العلما پدرم سلطان بود پر قانع نہیں تھے۔ بلکہ بھرپور محنت اور کمال شوق کے ساتھ آپ نے درس نظامی کی تکمیل کی، سالانہ امتحان میں بخاری شریف اور مسلم شریف میں نوے نوے نمبر حاصل کیے۔ عہد طالب علمی میں بھی آپ کے اساتذہ آپ پر اعتماد کرتے تھے۔ اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ دورۂ حدیث کے سال بحیثیت معین المدرسین آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں با ضابطہ پڑھائیں۔ مرقات، علم الصیغہ، نحو میر، پنج گنج، شرح مأۃ عامل، میزان و منشعب۔ شعبان المعظم (۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء) میں سند فراغت حاصل کی اور دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ اسی سال آپ نے الہ آباد بورڈ سے عالم کا امتحان پاس کیا۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت حافظ ملت، حضرت مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی، حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف علیہم الرحمہ کے اسمائے گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ آپ کے ہم جماعت رفقائے درس میں مولانا کاظم علی عزیزی، مولانا بدرالدین گورکھپوری، مولانا سخاوت علی بستوی، مولانا صوفی نظام الدین بستوی، مولانا مصلح الدین بلیاوی کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔

تدریسی خدمات :- جامعہ اشرفیہ سے فراغت کے بعد اپنے استاذ گرامی حضرت حافظ ملت کے حکم پر مدرسہ حمیدیہ رضویہ بنارس سے تدریسی زندگی کا باضابطہ آغاز کیا۔ ایک سال کے بعد ۱۳۷۲ھ میں حافظ ملت نے بہ حیثیت مدرس جامعہ اشرفیہ میں بلایا اور مسلسل قریب ۱۶؍ برس تک پوری دل جمعی کے ساتھ جامعہ اشرفیہ میں ایک معتمد استاذ کی حیثیت سے خدمت انجام دی۔ حضرت حافظ ملت نے عہد طالب علمی ہی میں آپ کی علمی تربیت نہیں فرمائی بلکہ دوران تدریس بھی اپنی شفقتوں کی موسلا دھار بارش فرمائی۔ ۱۹۹۲ء میں حضرت اشرف العلمانے راقم سطور سے ارشاد فرمایا کہ حضرت ہر سال پڑھانے کے لیے

کسی اعلیٰ کتاب کا اضافہ فرماتے تھے لیکن میں پہلے اشاروں میں حضرت حافظ جی علیہ الرحمہ سے اجازت ضرور لیتا تھا۔۔ کیوں کہ پڑھانے کے دوران جب بھی کوئی مشکل درپیش آتی تو حافظ جی (علامہ عبدالرؤف) ہی سے مدد لیتا اور حضرت حافظ جی کمال شفقت کے ساتھ مجھ پر نوازش فرماتے اور ایک مشفق استاذ کی طرح میری ہر مشکل حل فرمادیتے تھے۔ جامعہ اشرفیہ کے طویل عہد تدریس میں آپ کے چشمۂ علم سے سیکڑوں طلبہ نے پیاس بجھائی۔ چند نامور تلامذہ کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں (۲) مفکر اسلام حضرت علامہ قمرالزماں اعظمی (۳) صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی (۴) حضرت مولانا نعمان خاں سابق صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ روناہی (۵) مفسر قرآن حضرت علامہ ظہیر الدین خاں ممبئی (۶) حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی دہلی (۷) غازی ملت حضرت مولانا سید ہاشمی میاں وغیرہ۔

دارالعلوم محمدیہ ممبئی کا قیام :۔ زکریا مسجد ٹرسٹ کی دعوت پر بحکم حافظ ملت ۱۵ رمئی ۱۹۶۷ء میں آپ ممبئی تشریف لے گئے اور زکریا مسجد کی امامت وخطابت کے منصب پر فائز ہو گئے۔ ابتداءً طبیعت اچاٹ ہوئی اور حافظ ملت سے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا لیکن حافظ ملت نے سختی سے ارشاد فرمایا: آپ کو بہر صورت ممبئی میں رہنا ہے اور یہاں دین وملت کی خدمت انجام دینا ہے۔ لب ہائے حافظ ملت سے نکلے ہوئے یہ جملے بارگاہ الٰہی میں مستجاب ہوئے اور آپ نے ممبئی میں دین ودانش اور دعوت وارشاد کی ایسی گراں قدر خدمت انجام دی کہ اس دور میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ حافظ ملت کے حکم کے بعد آپ نے اس یقین کے ساتھ ممبئی میں کام کا آغاز کیا کہ اب زندگی بھر ممبئی ہی میں دینی اور علمی خدمات انجام دینا ہے ۱۹۶۸ء میں اس خاموش انقلاب آفریں شخصیت نے باڈلا مسجد میں دارالعلوم محمدیہ کی بنا ڈالی۔ یہ دارالعلوم آج مہاراشٹر کا مرکزی دارالعلوم ہے علم کے اس شجر سایہ دار سے جو شاخیں پھوٹیں ان کی گھنی چھاؤں سے آج پورا مہاراشٹر فیض یاب ہو رہا ہے۔

مدرسہ چلانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ تمام اوصاف وکمالات عطا فرمائے تھے۔ جو ایک مقبول ترین پیر کے لیے ضروری ہیں۔ لیکن آپ زندگی بھر درس وتدریس میں مشغول رہے اور بیعت وارشاد کو ثانوی درجہ میں رکھا، جگہ جگہ دارالعلوم کی شاخوں کا جال بچھا دیا۔ مسجدوں میں اماموں کی ضرورت ہوتی تو آپ بر وقت انتظام فرماتے، کسی محلہ میں مدرسہ ومکتب کی ضرورت ہوتی تو آپ قیادت فرماتے کسی مقام پر سنی دیوبندی اختلاف کھڑا ہوتا تو آپ ایک سرپرست ثالث کی حیثیت سے اہل سنت کی بالادستی برقرار رکھتے، درجنوں مسجدیں دیوبندیوں سے حاصل کیں۔ اور ممبئ عظمیٰ میں اہل سنت کے عشق انگیز ماحول کی لہر پیدا کر دی۔ اس وقت باڈلا مسجد کے علاوہ دارالعلوم محمدیہ کی عظیم الشان پانچ منزلہ عمارت منارہ مسجد سے متصل ہے، تین سو طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ حضرت اشرف العلما صاحب کے آخری ایام تک اس دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور سرپرست کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے۔ حضرت مولانا حافظ سید اطہر علی اس کے ناظم اعلیٰ ہیں اور حضرت مولانا ظہیر الدین مصباحی صاحب صدر المدرسین ہیں اور مختلف شعبوں میں ۲۵؍ اساتذہ کرام تدریسی خدمات پر مامور ہیں۔ اب ادارہ کی سرپرستی حضرت اشرف العلما کے صاحبزادہ والا تبار حضرت مولانا خالد اشرف صاحب نے سنبھال لی ہے۔ جب کہ زکریا مسجد کی امامت وخطابت کی جانشینی کا فریضہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا سید نظام اشرف صاحب انجام دے رہے ہیں۔

مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی آپ کی دینی خدمات کے مقام امتیاز پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''عروس البلاد کی زمین بیعت وارشاد کے لیے ہمیشہ سازگار رہی ہے، اگر حضرت اشرف العلما ایک شیخ طریقت کی حیثیت سے دین کی خدمت کرتے تو یقیناً ایک عظیم شیخ طریقت کی حیثیت سے عالمی شہرت حاصل کر لیتے۔ لیکن آپ نے اپنے لیے نسبتاً ایک مشکل اور دشوار گزار نہج عمل اختیار کیا اور تعلیم وتدریس کو اولیت دی۔ بلاشبہ جنھیں اشرف العلما

سے قریب رہنے کا موقع ملا اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کو سب سے زیادہ فکر تھی تو مدرسہ کی اور تعلیم وتربیت کی اور حدیث پاک سے آپ کے شغف کا یہ عالم کہ زندگی کے آخری ایام تک ضعف ونقاہت، طویل بیماری کے باوجود دو آدمی کے سہارے درس گاہ تشریف لے جاتے اور طالبان علوم نبوت کو درس حدیث دیتے''۔

بیعت وارشاد:- حضرت اشرف العلما اپنے جد کریم عارف باللہ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے مرید تھے اور والد گرامی شیخ طریقت حضرت مولانا سید مصطفیٰ اشرف علیہ الرحمہ نے اجازت وخلافت عطا فرمائی۔ آپ اگر ایک طرف مسند تدریس سے طالبان علوم نبویہ کو سیراب کر رہے تھے تو دوسری جانب خانقاہ اشرفیہ کے میکدۂ عرفان سے طالبان معرفت کو سرشار کر رہے تھے۔ ممبئی میں خاص طور پر اور ملک بھر میں عام طور پر آپ کے ہزاروں مریدین ومتوسلین پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کے خلفا کی تعداد بھی خاصی ہے۔ لیکن بیعت وارشاد کو آپ نے دیگر پیروں کی طرح نہ زراندوزی کا ذریعہ بنایا اور نہ زندگی کا مقصد بنایا۔ بلاشبہ آپ کی زندگی خانقاہی شہزادوں کے لیے نقش عبرت تھی۔

جامعہ اشرفیہ سے قلبی لگاؤ:- ۳؍جنوری ۱۹۹۲ء میں سنی بڑی مسجد گھڑپ دیو ممبئی میں الجامعۃ الاشرفیہ کے دفتر برائے رابطہ عامہ کا افتتاح ہوا۔ اس موقع پر علمائے ممبئی نے کثیر تعداد میں شرکت فرمائی، فقیہ اعظم ہند حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ، تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری بریلوی اور حضرت عزیز ملت کے علاوہ خاص طور پر حضرت اشرف العلما بھی مدعو تھے۔ اجلاس میں متعدد علما ومشائخ کے خطابات ہوئے۔ اس موقع پر حضرت اشرف العلما نے جو خطاب فرمایا اسے ہم ماہنامہ اشرفیہ کی فائل سے ذیل میں نقل کرتے ہیں:

''جامعہ اشرفیہ سے ہمارا پہلے بھی رابطہ تھا مگر ضرورت تھی کہ یہ رابطہ مضبوط تر ہو بفضلہ تعالیٰ اس طرف ذمہ داران ادارہ اور مسلمانان ممبئی نے توجہ کی اور رابطہ عامہ کے دفتر کا افتتاح ہوگیا۔ مگر اس جشن افتتاح کا یہ مطلب ہرگز

نہیں کہ ہم نے ایک دفتر کا اضافہ کر دیا اس سے پہلے بھی یہاں بہت سے دفتر موجود ہیں مگر ان دفتروں سے کیا ہو رہا ہے؟ میرے دوستو! میں یہ چاہتا ہوں کہ حضرت عزیز ملت کی رہنمائی میں ہم سب فرزندان اشرفیہ اور اہل سنت وجماعت دین مصطفیٰ کی خدمت کریں اور باہمی اختلافات کو دور کردیں۔ اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ ممبئی اور مضافات ممبئی میں جتنے مدارس ہیں یہ سب اس دفتر سے منسلک رہیں، ایک ہی قسم کے پرچے اشرفیہ سے بن کر آئیں اور ایک ہی قسم کا امتحان ہوتا کہ تعلیم وتربیت کا نظام زیادہ سے زیادہ ترقی کرے۔

ان بلند خیالات پر تمام حاضرین نے مبارک باد پیش کی اور ارباب فکر ونظر نے اس تجویز کو منظور کیا اس سلسلہ میں علما ودانشوروں کی ایک میٹنگ بلانے پر غور کیا گیا"۔ (اشرفیہ فروری ۱۹۹۳ء ص:۳۱)

اسی موقع پر راقم سطور حضرت سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا اور ذکر چھڑ گیا ماہنامہ اشرفیہ کا دارالعلوم محمدیہ کے ایک بڑے استاذ نے بڑی بے اعتنائی سے فرمایا میرے پاس اشرفیہ بھی آتا ہے اور کئی رسالے آتے ہیں لیکن دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا، اس پر حضرت اشرف العلما نے بڑے دل آویز اور حوصلہ افزا لب ولہجہ میں فرمایا: جی ہاں، میرے پاس بھی ماہ نامہ اشرفیہ پوری پابندی سے آتا ہے اور ایک ایک مضمون پوری توجہ اور دلچسپی سے پڑھتا ہوں اور راقم کو دعائیں دیتے ہوئے حوصلہ افزا جملوں سے سرفراز فرمایا۔ بلاشبہ بڑوں کی بڑی بات ہوتی ہے۔ اسے کہتے ہیں اصاغر نوازی، یہ وصف خاص بھی انھیں حافظ ملت سے ورثے میں ملا تھا اور آج کے دور میں تو عام طور پر اصاغر نوازی کا تصور ہی عنقا ہے، الا ماشاء اللہ۔ حضرت اشرف العلما الجامعۃ الاشرفیہ کی رسید بھی اپنے پاس رکھتے تھے جو کچھ بھی اہل خیر حضرات دیتے تھے کل کا کل حضرت عزیز ملت سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کو عطا فرما دیتے تھے۔ حضرت اشرف العلما سرزمین ممبئی میں شہرت ومقبولیت کی بلندیوں پر فائز تھے۔ مگر ان تمام تر اوصاف وکمالات کے باوجود جامعہ اشرفیہ اور حضور حافظ ملت کے

احسان شناس رہے۔ جماعت کے انتشاری دور میں بھی انھوں نے اعتدال کا راستہ نہیں چھوڑا اور تادم آخر وہ حافظ ملت اور اشرفیہ کے سچے وفادار رہے اور اس نوشتہ دیوار سچائی کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ذمہ داران اشرفیہ اور خاص طور پر حضرت سربراہ اعلیٰ صاحب نے بھی انھیں اپنا سرپرست سمجھا اور بلاشبہہ وہ ایک وفا پیشہ، مخلص اور تقویٰ شعار شخصیت کے حامل تھے۔ آئینہ کی طرح ان کی شفاف زندگی میں فتنہ پروری اور حسد وکینہ کا کوئی بال نہیں تھا اور اس نازک دور میں ان کی عظمتوں کی درخشانی رہروان شوق کے لیے مشعل راہ بن گئی ہے جب کہ حافظ ملت کے بعض پروردہ جامعہ اشرفیہ کی شکست وریخت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا اشرفیہ مخالف ہر قدم، ذلت ورسوائی کے گڑھے میں پڑ رہا ہے اور بقول صدر الشریعہ ذلت ورسوائی ان کا مقدر بنتی چلی جا رہی ہے۔ دراصل بعض لوگوں کی فطرت ہی لڑانا ہوتی ہے، ان کا بغض وحسد سے بھرا ہوا دل نہ کسی شخصیت کی ترقی دیکھ سکتا ہے اور نہ کسی ادارہ کی ترقی انھیں ایک نظر بھاتی ہے، ایسے لوگوں کو حضرت اشرف العلما کی وفا شعار زندگی کے نقوش فکر وعمل سے عبرت وموعظت حاصل کرنا چاہیے۔ حضرت حافظ ملت سے محبت کا دم بھرنا اور ان کے مشن کی بیخ کنی کرنا شرم ناک مجرمانہ فکر ہے ایسے قومی مجرموں کو عتاب الٰہی کا انتظار کرنا چاہیے۔

صحیفۂ حیات پر ایک اجمالی نظر:- حضرت اشرف العلما خاندانی وجاہت وشرافت کے ساتھ گوناگوں اوصاف وکمالات کے مرقع جمیل تھے، ان کے صحیفۂ حیات کے جس گوشے پر بھی نظر ڈالیے وہ ایک قدآور شخصیت نظر آتے ہیں۔ متبحر عالم دین ہونے کے ساتھ زہد وورع کا بھی حسین سنگم تھے۔ نرم خو، بلند اخلاق، خاموش طبع اور ولی صفت انسان تھے۔ حضرت حافظ ملت فرماتے تھے کہ "حامد میاں اللہ کا ولی ہے" ولی را ولی می شناسد۔ ایک عارف باللہ کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے جملوں نے حضرت اشرف العلما کی شخصیت میں اپنے معنی تلاش کر لیے۔ وہ شریعت مطہرہ کے عارف وعامل بھی تھے اور بحر معرفت کے غواص بھی۔ وہ جس محفل میں جلوہ افروز ہو جاتے تھے امور صدارت انھیں کو زیب دیتے تھے۔ وہ حالات کے تقاضوں اور مسلمانوں کے مسائل پر بھی عقابی نظر رکھتے تھے

اپنے تو اپنے غیروں میں بھی ان کی قیادت وصدارت مسلم تھی، ان کی یہی وہ مومنانہ بصیرت اور سیاسی شعور وآگہی تھی کہ ممبئی کے مسلمانوں کو باہمی اختلاف وانتشار سے بالاتر ہوکر معاندین کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بنا کر کھڑی کردیا، اگرچہ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے ان کی ملی اور سیاسی سرگرمیوں کو بہ نظر استحسان نہیں دیکھا اور یہ کوئی نئی بات نہیں اس قسم کے مسائل سے ہر بڑی شخصیت دوچار ہوتی ہے، ہمیں تسلیم ہے کہ ان کے بعض سیاسی کارناموں پر نقطہ چینی کی گئی مگر روئے زمین پر اس وقت ہمیں کوئی ایسا فرشتہ صفت انسان بھی نظر نہیں آتا جو صد فی صد فکری غلطیوں سے معصوم ہو۔ جب کہ یہ سچائی بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ ان نقطہ چینی کرنے والوں کے پس منظر میں اخلاص نیت کی بہ نسبت عناد وحسد کی کارفرمائی کا غلبہ نظر آتا ہے۔ حضرت اشرف العلما متعدد بار سفر حج وزیارت کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوئے پہلا حج ۱۹۷۷ء میں کیا۔ اس سفر میں آپ حضرت مجاہد ملت مولانا شاہ حبیب الرحمن اڑیسوی کے ہم راہ تھے۔

پس ماندگان:- آپ کا پہلا نکاح حضرت سید حافظ علی صالح پوربستی کی دختر نیک اختر سے ہوا جو بڑی نیک طینت فیاض اور خداترس تھیں ان کے بطن سے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔ صاحبزادگان کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں: مولانا سید خالد اشرف، مولانا سید نظام اشرف اور مولانا سید فرید اشرف۔ صاحبزادگان اپنے والد گرامی کے نقش قدم پر ان کے علم واخلاق کے وارث ہیں۔ پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح ضلع اعظم گڑھ کی مشہور خانقاہ حضور یہ سریا کے سجادہ نشین مرشد طریقت حضرت مولانا شاہ سید قاسم علی مصباحی کی صاحبزادی سے ہوا جو بہ قید حیات ہیں۔

اور قافلہ حیات کی آخری منزل: حضرت اشرف العلما علیہ الرحمہ عرصہ دراز سے علیل چل رہے تھے، یہ قافلہ حیات کس سانس پر خیمہ زن ہوجائے یہ خدشہ تو لگا ہی ہوا تھا ۹ر اپریل کو ایک بجے دن وہ قیامت آشوب لمحہ آہی پہنچا کہ اشرف العلما ہزاروں مریدین وتلامذہ کو وعدہ حشر کا تصور دے کر رخصت ہوگئے ؎

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت میں ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

انتقال سے ایک روز قبل الجامعۃ الاشرفیہ کے ناظم اعلیٰ الحاج سرفراز احمد صاحب اور قاری شرف الدین امام وخطیب سنی بڑی مسجد گھڑپ دیو جامعہ اشرفیہ کے دفتر برائے رابطہ عامہ ممبئی سے حضرت کی زیارت کے لیے ہاسپٹل حاضر ہوئے وہاں حضرت کے صاحب زادگان سے ملاقات ہوئی دوسرے ہی دن یہ الم ناک خبر بجلی کی طرح پھیل گئی کہ حضرت کا وصال ہوگیا۔ پہلی نماز جنازہ مرین ڈرائیو کے اسلام جمخانہ میں ادا کی گئی۔ الحاج سرفراز صاحب نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ انھوں نے بتایا حد نظر مسلمانوں کا اڈتا ہوا ایک سیلاب تھا، لگتا تھا کسی عظیم دینی رہ نما کا جنازہ ہے اور اس میں شبہہ بھی کیا تھا۔ ع
عاشق کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے اٹھا۔

آپ کا جسد مبارک دوسرے روز بذریعہ چارٹرڈ فلائٹ ان کے آبائی وطن کچھوچھہ شریف لے جایا گیا۔ کچھوچھہ مقدسہ میں نماز جنازہ میں شرکت کے لیے ایک قافلہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے بھی روانہ ہوا۔ جس میں شہزادۂ عزیز ملت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مفتی زاہد علی سلامی اور راقم سطور تھا۔ نماز ظہر کے بعد حضرت مخدوم اشرف جہانگیر کے آستانہ عالیہ کے سامنے نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں بڑی تعداد میں علما ومشائخ اور قرب وجوار کے اساتذہ مدارس شریک تھے۔ آپ کو درگاہ میں اشرف المساجد کی بغل میں سپرد خاک کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر وشکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ اشرفیہ، جون ۲۰۰۴ء)

علامہ سید محمد بن علوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ

وہ دیار حرم میں منارہ حق وصداقت تھے

یہ اندوہناک خبر تو آپ گزشتہ شمارے میں پڑھ چکے ہوں گے کہ مکۃ المکرم کی عظیم علمی شخصیت حضرت علامہ شیخ محمد بن علوی مالکی علیہ الرحمہ ۱۵؍ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ ۲۹؍ اکتوبر ۲۰۰۴ء کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے، موصوف ضیاے ملت خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضرت مولانا ضیا الدین مدنی اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے خلیفہ ہونے کی نسبت سے سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں شامل تھے، موصوف متعدد بار ہندوستان تشریف لائے تھے گزشتہ برس بریلی شریف دربار اعلیٰ حضرت میں بھی حاضر ہوئے، ۱۹۹۷ء میں جب مجھے حج وزیارت کی سعادتیں نصیب ہوئیں تو دوبار ان کی نورانی محفل میں شرکت کا شرف حاصل ہوا، ان کی بزم نور میں عشق رسول کا جو سوز وگداز محسوس کیا ان وجد آفریں کیفیات سے آج تک دل ودماغ متاثر ہیں۔ ان کا وجود مسعود دیار حرم میں حق وصداقت کا منارہ نور تھا۔ ان کی رحلت پر عرب کی طرح برصغیر میں بھی دل روئے اور آنکھیں برسیں، مولیٰ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ ۱۹۹۴ء میں ان کی شہرۂ آفاق تصنیف انسان کامل کا اردو ترجمہ جب المجمع المصباحی مبارک پور سے شائع ہوا تو ”تعارف مصنف“ کے عنوان سے راقم نے ان کے احوال آغاز کا کتاب میں رقم کیے تھے سانحہ ارتحال کی مناسبت سے خراج عقیدت کے طور پر اس تحریر کو ہم اشرفیہ کے صفحات پر پیش کر رہے ہیں۔ مدیر۔

خاک حجاز:۔ بزم کائنات میں سب سے بابرکت اور باعظمت خطہ ہے، اس سرزمین پر تجلیات ربانی کا اولین مرکز کعبہ مکرمہ اور رحمت ونور کا سرچشمہ گنبد خضریٰ ہے

حجازی پہاڑوں کے دامن میں انبیا و مرسلین اور اولیا و صحابہ کی نہ جانے کتنی حسین یادگاریں ہیں جن سے ہمارے ایمان واعتقاد اور عشق و محبت کا اتنا نازک رشتہ ہے کہ فکر و قلم کی ادنیٰ سی لغزش بھی ہمیں دارین کی سعادتوں سے محروم کرسکتی ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے کوہ فاران سے جن ابدی سعادتوں کے چشمے جاری کیے تھے ان کی برکتوں سے دنیا آج بھی فیض یاب ہو رہی ہے۔

انھیں نبوی فیضان کے پیکروں اور شمع رسالت کے فیروز بخت پروانوں میں ایک عظیم اور بلند پایہ شخصیت جلالۃ العلم، فقیہ حرم، محدث مکہ، حضرت علامہ سید محمد بن علوی مالکی کی بھی تھی آپ مکہ مکرمہ کے ایک علمی اور دیندار خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ستائیس واسطوں سے نبی کریم ﷺ تک جا پہنچتا ہے۔ گھر کا ماحول عشق رسول ﷺ سے سرشار اور مسلک حق اہل سنت و جماعت کا آئینہ دار تھا۔ لیکن جب شعور کی منزل میں قدم رکھا تو گرد و پیش کے ماحول کو وہابیت زدہ اور حکومت واقتدار کو تحریک وہابیت کی تبلیغ واشاعت میں سرگرم عمل پایا۔ والد گرامی حضرت مولانا علوی بن عباس مالکی نے آپ کی رگوں میں ایمان و یقین اور عشق رسول ﷺ کا جو خون اتارا تھا حوادث روزگار اس حرارتِ ایمانی کو سرد نہ کرسکے بلکہ مخالفتوں کی پیہم یلغار نے ان میں مزید ذوق وشوق اور ولولہ و ترنگ پیدا کر دی، اور آپ پورے عزم و استقلال کے ساتھ اسلاف کی چودہ سو سالہ پاکیزہ روش پر ہمہ دم تازہ دم اور رواں دواں رہے۔

تعلیم وتربیت اور آغاز تدریس:- آپ کی تعلیم وتربیت مسجد حرام، مدرسۃ الفلاح اور مدرسہ تحفیظ القرآن میں ہوئی۔ آپ نے اچھے تعلیمی ماحول کے ساتھ باکمال اساتذہ علم وفن پائے، اور ذہانت وفطانت کے ساتھ ذوق وشوق بھی، ہر کتاب پڑھنے کے بعد دوسرے طلبہ کو درس بھی دیتے، اسی مشق و مہارت اور خداداد علمی لیاقت وصلاحیت کا نتیجہ تھا کہ آپ عالم عرب کے جید عالم ومحدث، حق گو اور بے باک مصنف اور اپنے والد بزرگوار کے سچے جانشین ثابت ہوئے۔

علامہ موصوف اپنے آغاز تدریس اور مسند ارشاد پر فائز ہونے کی روداد پر سپرد قلم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے بفضلہ تعالیٰ قبل بلوغ ہی اپنے والد ماجد سید علوی مالکی کے حکم سے پڑھانا شروع کر دیا تھا جس وقت میں کوئی کتاب ختم کرتا اس وقت میرے والد اس کتاب کے پڑھانے کا حکم دیتے اس طرح میں نے تدریس کی ابتدا کی ۔ میرے والد علیہ الرحمہ کی وفات کے تین دن بعد علماے کرام میرے گھر پر جمع ہوئے اور مجھے میرے والد کی جگہ مسجد حرام کا مدرس مقرر کیا''۔

(الطالع السعید المنتخب من المسلسلات والاسانید مطبع سحر جدہ ص:۲۰۳)

عالمی اسفار:-آپ اپنے فضل وکمال ،عظیم محقق ومصنف اور قد آور فقیہ ومحدث ہونے کی حیثیت سے عرب وبیرون عرب متعارف تھے ۔اور فطری طور پر مواد کی تلاش وجستجو کے خوگر اور تحقیق ومطالعہ کے عادی تھے ،اپنے ذوق مطالعہ کی تسکین اور تصانیف کے سلسلہ میں مواد کی فراہمی کے لیے بیرون عرب کے سفر بھی کیے اور اپنی کتاب ''فضل الموطا'' کی تصنیف وتحقیق کے لیے جن ممالک کے دورے کیے اس کی تفصیل انھیں کے قلم سے ذیل میں پڑھیے۔

جب میں نے کتاب کی تدوین کا عزم مصمم کرلیا اور کام کا آغاز کیا تو سفر وحضر کی کوئی رکاوٹ میرے کام کے درمیان حائل نہ ہوسکی ۔چناں چہ میں نے مکہ مکرمہ کے علاوہ اس کتاب کے کچھ حصے مصر ،مدینہ منورہ ،طائف، مغرب ،تیونس ،اور شام میں لکھے ۔اور بعض مخطوطات کو فوٹو لینے کے لیے قاہرہ ،دمشق اور تیونس کے سفر بھی کیے اور ترکی سے مخطوطات طلب کیے۔

(فضل الموطا : ۱۳ مطبعة السعادة مكة المكرمه ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء)

حضرت علوی صاحب کو ملک اور بیرون ملک بڑی بڑی کانفرنسوں اور سیمناروں میں مدعو کیا گیا جن میں آپ نے تقریریں فرمائیں اور اپنے تحقیقی اور پُر مغز مقالات پیش کیے ۔اس کی مختصر سرگزشت خود موصوف کے قلم سے پڑھیے:

جن جلسوں اور کانفرنسوں میں مجھے مدعو کیا گیا یا جن میں میں

نے شرکت کی وہ بہ کثرت ہیں مشہور کانفرنسیں یہ (۱) الملتقی الاسلامی
ہفتم الجزائر (۲) جشن تعلیمی ندوۃ العلما لکھنؤ ہند۔

مقالات پیش کرنے اور اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے دنیا
کے مختلف علاقوں سے مجھے دعوت ملی۔ مثلاً مرکز اسلامی جکارتہ، انڈونیشیا،
مرکز جمعیات اسلامیہ کناڈا، ندوۃ الامام مالک فاس مراکش، موتمر علما
مالکیہ لندن، موتمر علماے مسلمین مالا بار ہند، بین الاقوامی مقابلہ قرآن
حکومت سعودی عرب کی تین بار صدارت کی پھر معذرت کردی۔ رابطہ
اسلامی کے ثقافتی مواقع پر پہلے خطاب کے لیے دس سال تک شرکت کی۔
(مکتوب بنام مولانا یٰسین اختر مصباحی ۲۲/۲/۳ ۱۴۰ھ مطبوعہ جشن میلاد
النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المجمع الاسلامی مبارک پور ص:۳)

تحقیقات وتصانیف:- آپ کی تصانیف وتالیفات بڑی وقیع اور پُر مغز ہیں،
عقلی ونقلی شواہد ودلائل کی فراوانی اور عقائد حقہ کی ترجمانی آپ کی تحریروں کی امتیازی
خصوصیات ہیں۔ سطر سطر سے عشق رسول کی خوشبو پھوٹی پڑتی ہے جو دیکھتا ہے دلدادہ ہو جاتا
ہے، جو پڑھتا ہے کیف ووجد میں ڈوب جاتا ہے۔ متعدد کتب اردو میں منتقل ہو کر ہندو پاک
سے شائع ہو چکی ہیں اور یہ خوبصورت سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ آپ کے فکروفن اور
قرطاس وقلم کی گونج ہر جگہ سنی جارہی ہے ارباب علم ودانش سر اعتراف خم کر رہے ہیں۔
ذیل میں چند دانشوروں کے تاثرات ملاحظہ فرمائیے۔

جناب حفیظ البرکات شاہ منیجر ضیاء القرآن پبلی کیشنز اپنا اظہار تاثر ان الفاظ میں
کرتے ہیں:

"محمد بن علوی المالکی الحسنی عالم عرب بلکہ عالم اسلام کی ایک مستند
شخصیت ہیں۔ دنیا میں جن کے علم وفضل کا طوطی بول رہا ہے۔ فن تحریر میں
آپ کو وہ ملکہ حاصل ہے کہ نفس مضمون کو انتہائی اچھوتے انداز میں بیان
کرتے ہیں اور کلام میں وہ ندرت پیدا کرتے ہیں کہ قاری دنگ رہ جاتا

ہے۔(انسان کامل مطبوعہ ضیاالقرآن پبلیشنز لاہور)

حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

''گوناگوں مصروفیات کے باوجود تصنیف وتالیف کے کام سے بے حد دلچسپی ہے اوراب تک پچیسوں کتابیں آپ کے قلم سے نکل کر منظرعام پر آچکی ہیں جنھیں دانشوراور تعلیم یافتہ طبقوں میں خاصی مقبولیت حاصل ہے اوراپنے اپنے موضوع پرانھیں بیش قیمت اضافہ تصور کیا جاسکتا ہے۔''

(جشن میلادالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: المجمع الاسلامی مبارک پور)

حضرت علامہ محمد خان قادری لاہوری ذخائر محمدیہ کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''ہر ذی شعور پر آشکار ہے کہ آج امت مادیت کے غلبے اور فرنگی افکار وتخیلات کی رو میں اس طرح بہہ گئی ہے کہ اس کے دل ودماغ میں سب کچھ ہے مگر اللہ ورسول نہیں۔ یہ صورت حال ایک المیہ سے کم نہیں۔ اس پر دردمند دل خون کے آنسو رورہا ہے،تاہم کچھ خوش قسمت لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے اس کے بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لانے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ان لوگوں میں ایک نام عالم عرب کے عظیم مفکر شیخ محمد بن علوی مالکی کا بھی ہے جنھوں نے اس موضوع پر اتنا عمدہ کام کیا جس کی اس دور میں مثال نہیں ملتی۔اگر چہ انھوں نے محبت اور ادب کے موضوع پر بیسوں کتب لکھیں مگر ان میں ''الذخائر المحمدیہ'' کو خصوصی امتیاز حاصل ہے جو فضائل ومسائل نبوی اور آپ کی ذات اقدس کے بارے میں عقائد پر مشتمل ہے۔

(ذخائر محمدیہ:مطبوعہ عالمی دعوت اسلامیہ لاہور)

اب ہم ذیل میں آپ کی تصانیف کی فہرست پیش کرتے ہیں اس میں دعوتی واصلاحی بھی ہیں اور علمی وتحقیقی بھی،فن حدیث وتفسیر پر بھی ہیں اور تاریخ وسیر پر بھی۔

(۱) ادب الاسلام فی نظام الاسرۃ:

مطبوعہ مطابع سحر جدہ سعودیہ عربیہ۔ خاندانی نظام میں اسلامی تعلیمات کی ضرورت وافادیت پر ایک فکر انگیز اور معلومات افزا کتاب۔

(۲)الطالع السعید المنتخب من المسلسلات والاسانید :

مطبوعہ مطابع سحر جدہ۔اس کتاب میں سید صاحب نے اپنی اسناد کا ذکر کیا ہے مولانا جس کو سند حدیث وغیرہ کی اجازت دیتے ہیں اپنے دستخط ثبت کر کے اسے یہ کتاب پیش کرتے ہیں۔

(۳)حول الاحتفال بالمولد النبوی الشریف : ١٤٠٢ھ

جشن میلاد النبی ﷺ کے جواز واستحسان پر ایک پر مغز مقالہ اس کا اردو ترجمہ المجمع الاسلامی مبارک پور سے شائع ہو چکا ہے۔

(۴)زبدۃ الاتقان فی علوم القرآن :

مطبوعہ دار الانسان قاہرہ مصر ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔اصول تفسیر پر ایک جامع اور پر مغز کتاب۔

(۵)قل ھذہ سبیلی : مطبوعہ دار المدینۃ المنورہ للنشر والتوزیع المدینۃ المنورہ : ١٤٠٢ھ

یہ کتاب اسلام کے بنیادی عناصر اوران کے تقاضوں پر مشتمل ہے۔

(۶)الدعوۃ الاصلاحیۃ :

مطبوعہ مکتبہ الغزالی دمشق ومؤسسہ مناہل العرفان بیروت ۱۴۰۱ھ۔اسلامی اور اصلاحی عنوانات پر ریڈیو سعودیہ عربیہ سے نشر ہونے والے مضامین کا مجموعہ۔

(۷)فی سبیل الھدیٰ والرشاد :

مطبوعہ مطابع سحر جدہ ۱۴۰۱ھ۔عقائد واخلاق اور معاملات جیسے عنوانات پر ریڈیو سعودیہ عربیہ سے نشر ہونے والے خطبات کا مجموعہ۔

(۸)المنھل اللطیف فی اصول الحدیث الشریف :

مطبوعہ مطابع سحر جدہ۱۴۰۲ھ۔حدیث نبوی کے موضوع پر ایک عمدہ مفید اور

محققانہ کتاب۔

(۹) القواعد الاساسیہ فی علم مصطلح الحدیث :

مطبوعہ مطابع سحر جدہ ۱۴۰۲ھ۔ اصول حدیث پر ایک مختصر اور جامع کتاب۔

(۱۰) فضل الموطا وعنایۃ الامۃ الاسلامیۃ :

مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ میدان احمد ساہر ۱۳۹۸ھ۔ یہ کتاب مؤطا الامام مالک کی عظمت، اہمیت اور خصوصیت پر ایک دستاویز ہے۔

(۱۱) حاشیۃ المختصر فی السیرۃ النبویۃ :

مطبوعہ مطابع سحر جدہ ۱۴۰۲ھ۔ امام عبدالرحمن بن ربیع شیبانی کی تالیف مختصر فی السیرۃ النبویہ پر عمدہ تخریجات وتعلیقات۔

(۱۲) حول خصائص القرآن :

مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۱ھ۔ اس میں مختلف جہتوں سے قرآن عظیم کے فضائل وخصائص بیان کیے گئے ہیں۔

(۱۳) ذکریات ومناسبات :

مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق وموسسۃ مناہل العرفان بیروت۔ اس میں سال کے مختلف تاریخی ایام مہینوں کے فضائل اور اسلام کے اہم یادگار واقعات کا ذکر بڑے دل آویز انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

(۱۴) فی رحاب البیت الحرام :

مطبوعہ مطابع سحر جدہ ۱۳۹۹ھ۔ مکہ مکرمہ اور اس کے مقدس مقامات کی تاریخ وفضائل: مناسک حج اور مسائل زیارت پر ایک عمدہ اور معلومات افزا کتاب۔

(۱۵) المستشرقون بین الانصاف والعصبیۃ :

مطبوعہ جدہ ۱۴۰۲ھ۔ اس کتاب میں مستشرقین کے خیالات ونظریات اور ان کے تعصب وانصاف پر فکر انگیز بحث کی گئی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ المجمع الاسلامی مبارک پور سے شائع ہو چکا ہے۔

(۱۶) کشف الغمة فی اصناع المروف ورحمة الامة : جدہ ۱۴۰۱ھ۔

(۱۷) الانسان الکامل :

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ اور شمائل وفضائل پر ایک جامع اور پر مغز کتاب۔ اس کا اردو ترجمہ الجمع المصباحی مبارک پور سے منظر عام پر آچکا ہے اور متعدد اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

(۱۸) الذخائر المحمدیہ :

مطبوعہ قاہرہ مصر، یہ کتاب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ سے متعلق عقائد ونظریات پر مشتمل ہے۔ اس کا اردو ترجمہ پاکستان سے شائع ہو چکا ہے۔

(۱۹) مفاهیم یجب ان تصحح :

یہ کتاب مقام خالق ومخلوق، توسل، علم غیب۔ استغاثہ واستعانت وغیرہ عقائد وافکار پر مشتمل ہے اس کا اردو ترجمہ "اصلاح فکر واعتقاد" کے نام سے دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔

محبت الٰہی اور عشق رسول کا سوزو گداز :۔ حضرت سید صاحب عظیم مصنف ومحقق ہونے کے ساتھ عارف باللہ اور عاشق رسول بھی تھے۔ آپ کے دل ودماغ عشق وعرفان کے روحانی کیف سے سرشار رہتے۔ آپ کی محفلیں عشق واطاعت کے سوز وگداز میں ڈوبی رہتیں۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ناموس رسالت کے تحفظ اور مذہب عشق کے فروغ میں صرف ہوتا تھا۔ ذکر وفکر کی محفلیں منعقد کرنا اور میلاد رسول کی بزم سجانا آپ کی سب سے مرغوب روحانی غذا تھی۔ آپ احسان وتصوف کے بڑے عظیم منصب پر فائز تھے۔ اہل شوق دور دراز کا سفر طے کرکے آپ کی محفلوں میں شریک ہوتے اور تزکیہ نفس کا سامان فراہم کرتے۔

ماہنامہ "جہان رضا" لاہور آپ کے ذکر وفکر اور شغف عشق رسول پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اشراف مکہ میں ایک عاشق رسول، سرمایہ اہل سنت الشیخ سید محمد علوی مالکی جو حضرت مولانا ضیاء الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے خلیفہ، علم

وروحانیت ہیں۔ آپ ایک عظیم الشان دینی دارالعلوم، جس میں عالم اسلام کے مختلف ممالک سے آئے ہوئے طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، کے مہتمم وشیخ ہیں۔ اسی دارالعلوم کا ایک شعبہ ذکر وفکر کی محافل کا گہوارہ ہے جہاں صلاۃ وسلام کی صداؤں میں محافل میلاد واذکار منعقد ہوتی ہیں اور مختلف بلاد اسلامیہ سے آئے ہوئے اہل علم وذکر شیخ سید محمد مالکی علوی مدظلہ العالی کی نگرانی میں روحانیت کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔"

حضرت مولانا افتخار احمد قادری مصباحی ان کی محفل میں اپنی شرکت کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سید علوی صاحب بعد نماز مغرب تا عشا مسجد حرام کے اندر درس حدیث وقرآن میں مشغول رہتے ہیں اور بعد عشا اپنے مکان پر محفل منعقد کرتے ہیں جس میں تلاوت قرآن، ذکر نعت اور سلام پڑھے جاتے ہیں۔ گزشتہ ۱۳ر ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ کے موسم حج میں اس محفل میں شرکت کی سعادت راقم سطور اور صدیق مکرم مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کو بھی حاصل ہوئی۔ بڑی ہی پر کیف مجلس ہوتی ہے۔"

اصلاح عقائد اور سعودی مظالم:- شیخ سید محمد بن علوی مالکی سرزمین حجاز میں عقائد اہل سنت وجماعت کے سرگرم مبلغ اور بے باک ترجمان تھے، آپ کے عقائد ونظریات بعینہ وہی ہیں جو عہد رسالت سے متوارث ومتواتر چلے آ رہے ہیں۔ اور جن پر ہر دور میں جمہور علما ومشائخ اور محدثین ومفسرین کا عمل در آمد ہو رہا ہے۔ مگر افسوس اس وقت سعودی عربیہ میں حکومت واقتدار کی پوری توانائی وہابی مذہب کی توسیع اشاعت پر صرف ہو رہی ہے اور مذہب حق، اہل سنت وجماعت پر عمل کرنا انگاروں پر چلنے سے زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔ فتنہ نجد نے ارض حجاز کی مقدس پہنائیوں میں جو طوفان بلاخیز برپا کر رکھے ہیں چشم فلک نے پندرہ صدیوں کے طویل عرصہ میں اتنے قیامت آشوب حوادث نہیں دیکھے ہوں گے۔ آج جب اپنے عشق وایمان کے مرکز میں ہونے والے بھیانک جرائم کی وارداتیں

پڑھنے اور سننے کو ملتی ہیں تو سر شرم سے جھک جاتا ہے اور آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔ وہابیت اور سعودیت کی منظم سازشوں کے نتیجے میں بداعتقادی اور بدعملی کی وہ کون سی آلائش ہے جو یہاں موجود نہیں۔ عیاشی وفحاشی کے وہ کون سے حیا سوز کرتوت ہیں جن کی یہاں فراوانی نہیں۔ ہاں اگر قانون وسزا کا نفاذ ہے تو اعلائے کلمۃ اللہ اور عشق رسول کے اظہار پر گویا کہ رسول اللہ ﷺ کے دار السلطنت میں عشق رسول کا اظہار ہی سب سے بڑا گناہ بن کر رہ گیا ہے۔ جس سرزمین کا ذرہ ذرہ عشق رسول کی دل کشا خوشبوؤں سے معطر ہے۔

سعودی مظالم و درندگی کا نشانہ حضرت شیخ محمد بن علوی مالکی بھی بنے۔ جرم صرف یہ ہوا کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل وفضائل پر چند کتب تصنیف فرمائیں ہیں جن میں "الذخائر المحمدیہ" "الانسان الکامل" اور "حول الاحتفال بالمولد النبوی الشریف" خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

قرآن وسنت اور جمہور مسلک اہل سنت وجماعت کی روشنی میں لکھی جانے والی ان کتابوں کی اشاعت کے بعد سعودی حکومت کے ریزہ خوار نام نہاد علما وشیوخ نے آپ کو بدعتی اور گمراہ قرار دے کر مسجد حرام میں آپ کے درس حدیث پر پابندی عائد کرادی تھی۔ اور بیرون ملک کے دعوتی تبلیغی دوروں کو بھی بند کرادیا تھا۔ اگرچہ بعد میں دوروں سے پابندی اٹھا لی گئی اور ۲۰۰۴ء میں کیرل کی ایک سنی کانفرنس میں شرکت کی اور اسی سفر میں ممبئی اور دہلی اور سرکار اعلیٰ حضرت کے دربار میں بریلی شریف بھی حاضری کا شرف حاصل کیا۔

حضرت سید محمد بن علی مالکی کی ان کتابوں کے رد میں ایک نجدی عالم عبد اللہ بن سلیمان بن منیع نے "حوار مع المالکی فی رد منکراته وضلالاته" کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے سعودی حکومت نے دنیا بھر میں مفت تقسیم کیا۔

نجدی علمانے سید محمد بن علوی مالکی سے کئی مباحثے کیے اور بہ زور طاقت توبہ ورجوع کا مطالبہ بھی کیا۔ لیکن سعودی تاریخ کا یہ پہلا اعلان حق ہے کہ مکہ مکرمہ میں آپ نے ہر مطالبہ کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میں علمائے اسلام اور اسلاف کرام کے مسلک پر قائم ہوں اور اپنے مسلک کی حقانیت وصداقت پر میرا کامل ایمان ہے۔ اس لیے میں کسی دباؤ کے تحت اپنا کوئی

عقیدہ اور نظریہ تبدیل نہیں کر سکتا۔

اس واقعہ کے بعد عالم اسلام کے سیکڑوں ممتاز علما ومشائخ بھی آپ کی حمایت وپشت پناہی میں کھڑے ہو گئے اور سعودی حکومت کے خلاف سخت غم وغصے کا اظہار کیا۔ "حوار مع المالکی" کے جواب میں عالم اسلام کی طرف سے کئی کتابیں منظر عام پر آ گئیں ہیں جن میں سید علوی مالکی کی بھرپور حمایت اور نجدی علما کی زبردست تردید ہے۔ چند کتابوں کے اسما درج ذیل ہیں۔

(۱) اعلام النبیل بما فی شرح الجزائری من التلبیس والتضلیل : از علامہ شیخ راشد بن ابراہیم المریخی۔

(۲) الرد المحکم المنیع علیٰ منکرات وشبہات ابن المنیع : از شیخ یوسف السید ہاشم الرفاعی سابق وزیر اوقاف کویت۔ مطبوعہ کویت۔ ۱۴۰۴ھ۔ ۱۹۸۵ء۔

(۳) التحذیر من الاغترار بما جاء فی الحوار : از شیخ عبدالحیٔ العمروی خلیفہ رئیس فرد رابطہ العلما بفاس و شیخ عبدالکریم مرداد عضو رابطہ العلما بالمغرب طبع اول فاس مراکش۔

ان سب میں جرأت مندانہ اقدام وہ ہے جو خود سید محمد بن علوی مالکی صاحب نے کیا ہے پوری تحقیق وجامعیت کے ساتھ آپ نے "مفاھیم یجب ان تصحح" کے نام سے دوسو اڑتیس صفحہ کی ایک کتاب لکھ کر احقاق حق وابطال باطل کا وہ عظیم وجلیل اور تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے۔ جس سے پوری دنیا کے سواد اعظم اہل سنت وجماعت کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔
(ملخصاً از سواد اعظم ص: ۳۵ تا ۳۸۔ مطبوعہ دار القلم دہلی)

اس اہم کتاب کا انتہائی وقیع ترجمہ حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب نے کیا ہے۔ اصلاح فکر واعتقاد کے نام سے یہ کتاب دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔

(ماہنامہ اشرفیہ، جنوری ۲۰۰۵ء)

خلیفۂ حافظ ملت

حافظ محمد حنیف عزیزی بلرام پوری

ابھی کتنے دن گزرے ہیں کہ اہلِ بلرام پور نے مصباحی دبستاں کے بلند پایہ عالم زہرہ گداز ادیب و شاعر کو سپردِ خاک کیا تھا۔ جامعہ انوار القرآن کے اربابِ حل و عقد ان کے چہلم کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ اسی دوران انھیں حضور حافظ ملت کے ہر دل عزیز خلیفہ، گلِ گلزارِ عزیزیت کا جنازہ بھی لرزتے ہاتھوں سے اٹھانا پڑا۔ ابھی تو حضرت علامہ اسلم بستوی علیہ الرحمہ کے تہ در تہ غم کا غبار سرِ افق ہی تھا کہ صوفی باصفا حضرت حافظ محمد حنیف عزیزی بلرام پوری نے رختِ حیات سمیٹ کر غم زدہ آنکھوں کے سامنے کہرام برپا کر دیا اور صبر کے دباؤ سے بیٹھتا ہوا غم کا غبار اچانک پھر سمت مخالف اٹھا اور افق در افق چھا گیا۔

کہتے ہیں کہ بلرام پور کی سوندھی فضا اور کچی مٹی میں صرف شعر و ادب کی ہی فصلیں نہیں اگتیں بل کہ یہ عشق انگیز ماحول روحانی لالہ زار کے لیے بھی بڑا سازگار ہے۔ عرصۂ دراز سے اس فیروز بخت سرزمین پر مشائخ کبار کے روحانی قافلے اترتے رہے ہیں اور دلوں کو عشق و وارفتگی کا سوز و ساز دیتے رہے ہیں۔ سید العلما حضرت سید آلِ مصطفیٰ مارہروی، تاج دار اہلِ سنت حضور مفتی اعظم ہند بریلوی، مجاہد ملت حضرت مولانا شاہ حبیب الرحمن اڑیسوی، شیر بیشۂ اہلِ سنت حضرت مولانا شاہ حشمت علی پیلی بھیتی اور شارح بخاری فقیہ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے تو ارضِ بلرام پور پر برسوں تدریس و افتا اور دعوت و تبلیغ کی ٹھوس خدمات انجام دی ہیں۔ حضرت کی مایہ ناز تصنیف ''اسلام اور چاند کا سفر'' اسی سرزمین کا یادگار علمی کارنامہ ہے۔ کچی مٹی کے گیتوں سے خوشبو بکھیرنے والا فن کار اور نت نئی اصنافِ سخن میں نعتِ نبی کا رنگ بھرنے والا عظیم شاعر اسی شاداب سرزمین کی ادبی تاریخ کا

ایک حسین باب ہے، جنھیں خسر و عزیز ہونے کا بھی امتیازی اعزاز حاصل ہے۔ ان کی محفل میں بیٹھنے والا چند لمحوں میں حافظ ملت کی "روحانی بزم" تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ وہ بات کرتے کرتے خدا جانے کس چابک دستی سے کئی کاٹ کر حافظ ملت کی بارگاہ ناز میں پہنچ جاتے ہیں اور پھر بے تکان گھنٹوں ذکر حافظ ملت سے بزم احباب گرمائے رکھتے ہیں۔

بلرام پور دیکھنے سے پہلے ایک بات بار بار کانوں سے ٹکراتی رہتی تھی۔ بلرام پور حافظ ملت کی روحانی فرماں روائی کی راج دھانی ہے اور اس راج دھانی کا ایوان بالا ڈاکٹر عبدالمجید عزیزی کا دولت کدہ تھا۔ ان کے محل نما مکان پر آج بھی بڑے بڑے حروف میں "حافظ ملت منزل" لکھا ہوا ہے اور عشق و عقیدت کی اس روایت کو پورے احترام و اہتمام کے ساتھ ان کے فرزند ارجمند ڈاکٹر اقبال احمد عزیزی اور ان کے برادر خرد ڈاکٹر افضال احمد عزیزی سنبھالے ہوئے ہیں۔ حفظہما اللہ تعالیٰ۔

بلرام پور میں عزیزی دار الخلافہ کے روحانی اور علمی کاروبار چلانے کے لیے حضور حافظ ملت نے چار حضرات کو علاحدہ علاحدہ چار قلم دان سونپے تھے۔ ان حضرات میں سے تین یعنی ڈاکٹر عبدالمجید عزیزی مرحوم، علامہ اسلم بستوی علیہ الرحمہ اور حافظ محمد حنیف عزیزی علیہ الرحمہ صف اول خالی کر کے آگے بڑھ گئے۔ اب صف اول کی ساری ذمہ داری بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیت، سابق ایم. پی. خسر و عزیز حسان الہند پدم شری حضرت بیکل اتساہی بلرام پوری کے کاندھوں پر ہے۔ خدائے قدیر و جبار حافظ ملت کی روح پرور یادوں کے اس پیکر کو ہزاروں برس بقید حیات رکھے۔ آپ بھی دل کی گہرائیوں سے میری اس دعا پر آمین کہیں۔

اف جو داستان غم سنانے کے لیے میں نے قلم اٹھایا تھا وہ تو رہی جاتی ہے۔ ۳۱؍ مئی ۲۰۰۶ء مطابق ۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ بروز چہار شنبہ بہ وقت صبح ۸؍ بج کر ۵۵؍ منٹ پر حرکت قلب بند ہونے سے پیر طریقت خلیفۂ حافظ ملت حضرت حافظ محمد حنیف عزیزی بلرام پوری علیہ الرحمہ کا انتقال پُر ملال ہو گیا۔ اسی دن کچھ ہی دیر کے بعد یہ اندوہ ناک خبر جامعہ انوار القرآن کے شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ محمد مسیح احمد قادری مصباحی صاحب

نے مجھے دی۔ امریکہ ویورپ کی دہشت گردی کے نتیجے میں اب موت کی خبریں ۲۴ گھنٹہ پڑھی اور سنی جا سکتی ہیں۔ اس لیے اب یہ کوئی حادثہ نہیں رہ گیا۔ لیکن اس کے باوجود بھی جب کسی دینی وملی رہنما اور اخلاص ومحبت کے پیکر کے اٹھ جانے کی خبر کانوں میں پڑتی ہے تو کلیجہ منہ کو آجاتا ہے۔ درد وغم اور مستقبل کی فکر سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا جاتا ہے۔

حافظ محمد حنیف عزیزی کی فرخندہ خصال شخصیت اس حیثیت سے پورے جہان عزیزیت میں منفرد اور اپنی مثال آپ تھی کہ حافظ ملت جیسی عظیم علمی اور روحانی شخصیت کے آپ اکلوتے خلیفہ مشہور تھے۔ اگر سردست کسی مشربی دباؤ سے بوجھل نہیں ہیں تو اس سچائی کے قبول کرنے میں آپ کو کوئی باک نہیں ہونا چاہیے۔ عام طور پر بیعت و ارادت ایک نفع بخش پیشہ وتجارت ہوگئی ہے۔ اپنے کاروبار کے فروغ کے لیے رئیس خانقاہ اپنے خلفا کی کثرت پر خاص نظر رکھتا ہے۔ ادھر عالمی نظامِ تجارت میں جو چین سسٹم تجارت کا سلسلہ شروع ہوا ہے وہ شاید اسی بگڑے ہوئے خانقاہی نظام سے مستعار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک سچائی ہے کہ عہد نبوی سے لے کر آج تک کوئی بھی دور اللہ کے مخلص بندوں سے خالی نہیں رہا۔ جس دور میں "خلافت ناموں" کا نرخ زمین پر آگیا تھا اسی عہد میں حضور حافظ ملت کی خلافت کا معیار اقلیم تصوف کے سر آسماں تھا۔ اگر حافظ ملت عام پیروں کی طرح اس دولت بے زار طریقۂ روحانیت کو زر اندوزی کے لیے استعمال کرتے اور عشق وعرفان کے اس سوز دروں کو زمینی کاروبار میں بدلنا چاہتے تو حافظ ملت سے زیادہ علمی اور ہمہ گیر دستے کس کے پاس تھے۔ مگر واہ رے حافظ ملت! تمہارے اخلاص وللّٰہیت، تمہاری دینی جدوجہد اور تمہاری آہ سحر گاہی نے اسلاف کی مقدس روایات کو زندگی کے کسی موڑ پر شرمندہ نہیں ہونے دیا اور ملک وبیرون ملک پھیلے ہوئے ہزاروں مریدین اور ہزاروں تلامذہ میں خلافت کے لیے دو ایک افراد پر ہی اکتفا کیا۔ دراصل خلفا کی کثرت آئین تصوف میں کوئی معیوب نہیں۔ لیکن جس عہد میں یہ کثرت اپنی معنویت کھو بیٹھے اور بڑے بڑے کج کلاہانِ روحانیت اس روحانیت سوز جنگل کی آگ کو فرو کرنے سے عاجز نظر آئیں، اس دور میں کسی تاجدار روحانیت کا دو ایک افراد کی خلافت پر اکتفا کرنا ضرور

عزیمت واستقامت کی اعلامثال ہے اور حافظ ملت کی مرشدانہ زندگی کا یہ رخ بلاشبہ نوخیز پیروں کے لیے قابل تقلید ہے۔ مگر مچھلیوں کے بازار میں شمائم العنبر کی طرف کون متوجہ ہوتا ہے۔

حضرت حافظ محمد حنیف عزیزی نے بلرام پور کی قدیم اور شہرہ آفاق درس گاہ جامعہ عربیہ انوار القرآن میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور اسی درسگاہ سے ۱۸ ربرس کی عمر میں حفظ قرآن کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد تدریسی امور بھی انجام دیے۔ خدمتِ خلق، روحانی علاج اور بیعت وارشاد آپ کے خاص مشغلے رہے۔ تسخیر جنات، حاضرات اور تعویذ نویسی کے لیے آپ دور دور تک مشہور تھے۔ ۲۰ ربرس کی عمر میں جلالۃ العلم قطب الارشاد حضور حافظ ملت کے دست مبارک پر مرید ہوئے۔ آپ کی بیعت کا پس منظر بھی بڑا ایمان افروز ہے اور اپنے دامن میں ایک جہانِ عبرت لیے ہوئے ہے۔ قاری محمد یونس عزیزی کے حوالے سے حضرت مولانا محمد مسیح احمد قادری مصباحی فرماتے ہیں، ”حافظ محمد حنیف صاحب علیہ الرحمہ نے حضور حافظ ملت سے اپنے مرید ہونے کا واقعہ اس طرح بیان کیا کہ ایک رات حالتِ خواب میں ایک درویش صفت بزرگ کی زیارت نصیب ہوئی اور عین عالمِ شوق میں ان کے دامن سے وابستہ ہوگیا۔ اس روح افزا خواب کا تذکرہ موصوف نے حضرت قاری رحمۃ اللہ اوروی سے کیا مگر کوئی اطمینان بخش تعبیر سامنے نہیں آسکی۔ داخلی کیفیت کا اضطراب کسی خواب جیسی شکل وشباہت والی من موہنی صورت کی تلاش میں تھا۔ عالمِ تصور میں بارہا ایسا ہوا، کسی شناسا بزرگ کا تصور آئینۂ خیال میں اتارا اور جب ٹھیک اس کے سامنے اپنے خواب کا نقشہ رکھا تو کوئی زور سے کان میں کہہ جاتا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ میں ابھی اسی کش مکش میں تھا کہ علاقے بھر میں ایک خبر گشت کرنے لگی کہ مدرسہ اہل سنت انوار العلوم تلسی پور کے سالانہ اجلاس میں علما ومشائخ کا ایک کارواں اترنے والا ہے جن میں مفتی اعظم ہند، حضور محدث اعظم ہند، حضور شیر بیشۂ اہلِ سنت اور حضور حافظ ملت علیہم الرحمہ والرضوان کے مبارک نام سرفہرست تھے۔ طے شدہ تاریخ پر قاری رحمۃ اللہ اوروی کے ہم راہ حافظ محمد حنیف صاحب بھی تلسی پور پہنچے اور اپنے خواب کا شناختی کارڈ لے کر نورانی چہروں کو پڑھنے لگے۔ ایک سے ایک جمالیاتی بدرِ منیر سامنے آیا مگر خواب میں جو تصویر اتاری تھی، نگاہیں اسی

پیکرِ روحانیت کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔ اب بالکل آخر میں یہ قافلۂ شوق حضور حافظ ملت کی قیام گاہ میں جا پہنچا۔ پہلی ہی نظر میں حافظ صاحب کی حالت متغیر ہوگئی۔ اس علم و روحانیت کے تاج دار پر ایک عاشقِ دل گیر کی پہلی ہی نظر اتنی گہری پڑی کہ نظر ہٹانا بھول گیا۔ بالکل وہی چہرہ وہی نقش، وہی بزرگانہ انداز دل ربائی، ایک آواز بار بار کانوں میں گونج رہی تھی کہ مصورِ فطرت نے ہو بہو خواب کا نقشہ زمین پر اتار دیا ہے۔ محبوبوں کو خوابوں میں دیکھنے کی روایت تو عام سی بات ہے، لیکن خوابوں میں تراشے ہوئے پیکروں کو عالمِ بیداری میں دیکھ لینا بڑی فیروز بخت آنکھوں کا مقدر ہوتا ہے۔

حافظ محمد حنیف صاحب نے سلام و دست بوسی کے بعد بکھری ہوئی ہمت سمیٹ کر اپنا مدعا بیان کر ہی دیا۔ حضور حافظ ملت نے فرمایا تلسی پور میں بڑی بڑی خانقاہوں کے مرشدانِ طریقت جلوہ بار ہیں۔ جائیے، ان میں سے کسی کے دامن سے وابستہ ہو جائیے۔ مگر اس انکار سے حافظ محمد حنیف صاحب کی کیفیت شدتِ پیاس سے مضطرب ایسے صحرائی کی طرح ہونے لگی جو چلچلاتی دھوپ میں کسی ندی کے کنارے پہنچ گیا ہو۔ دریا کی سرد موجیں اس کی تپتی آنکھوں کو تسکین پہنچا رہی ہوں، مگر اسے پانی پینے کی اجازت نہ دی جا رہی ہو۔ مگر دل میں جب طلب صادق ہو تو فیضان خود اٹھ کر آغوشِ محبت میں اٹھا لیتا ہے۔

ابھی مرید ہوئے چند برس ہی گزرے تھے کہ جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور کے سالانہ اجلاس میں حضور حافظ ملت بلرام پور تشریف لائے اور اسی مبارک موقع پر آپ نے حافظ محمد حنیف عزیزی صاحب کو خرقہ و دستار عطا فرما کر اعلان فرمایا کہ میں حافظ محمد حنیف صاحب کو سلسلہ قادریہ رضویہ چشتیہ اشرفیہ اور دیگر سلاسل کی خلافت و اجازت دے رہا ہوں۔

حافظ محمد حنیف صاحب عہد طالب علمی ہی سے نیک طبیعت اور پاکیزہ خصلت تھے، لیکن حافظ ملت کی نگاہ کیمیا اثر نے ان کے فکر و عمل کا رخ ہی بدل دیا تھا۔ سفر ہو یا حضر ان کے مخصوص اوراد و وظائف اور نوافل تک کی ادائیگی میں فرق نہیں پڑتا تھا۔ تلاوت قرآن کریم ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ ہر تیسرے دن ایک قرآن عظیم ختم کرنا ان کا خاص معمول تھا۔ قریب پچاس برس تک بلرام پور کی جامع مسجد ابراہیم مستری مرحوم میں بلا معاوضہ نماز تراویح پڑھائی۔ آپ

بلا ناغہ عرس حافظ ملت میں شرکت کے لیے مبارک پور تشریف لاتے تھے، مگر نہ جلسہ وجلوس میں نظر آتے اور نہ عام نشست گاہوں میں۔ ایام عرس میں مزار حافظ ملت ان کے اوراد وظائف کا خاص مقام تھا۔ عرس میں ملک بھر سے ہزاروں عزیزی مریدین حاضر ہوتے ہیں مگر ان کے دل میں یہ خواہش کبھی بیدار نہیں ہوئی کہ وہ شیدائیان حافظ ملت میں اپنے خلیفہ ہونے کا پرچار کریں۔ ورنہ عام طور پر اپنے مشائخ کے اعراس میں خلفا اپنا اپنا شوروم کھول کر خلیفانہ تراش خراش کے ساتھ کسی بلند جگہ پر آویزاں نظر آتے ہیں۔

حافظ ملت کو اپنے اخلاص پیشہ مریدین ومعتقدین کی وجہ سے سرزمین بلرام پور سے ایک خاص لگاؤ تھا۔ جامعہ انوار القرآن بلرام پور کے سرپرست ہونے کی وجہ سے اس ادارے پر خصوصی توجہ رکھتے اس کے سالانہ جلسوں میں شرکت کرتے۔ یہاں قیام کے دوران آپ کو قلبی سکون ملتا۔ بیماری کی حالت میں بھی آپ نے بلرام پور میں کئی دن تک قیام فرمایا۔ "اہل بلرام پور نے اپنی محبتوں سے حضور حافظ ملت کو اتنا قریب کر لیا تھا کہ انھیں وہاں قلبی سکون ملتا تھا۔ آخری ایام میں بھی حافظ ملت نے بلرام پور میں قیام فرمایا۔ جب آپ قدرے روبہ صحت ہوئے تو بلرام پور سے تقریبات میں شرکت کے لیے بنارس تشریف لے جانے کا قصد فرمایا۔ مگر چلتے وقت اپنے خلیفہ حافظ محمد حنیف صاحب سے فرمایا۔ اب مجھے بلرام پور میں نہیں آنا ہے۔ حافظ صاحب سمجھے کہ ناراضی کی بنا پر حضرت ایسا فرما رہے ہیں۔ حافظ جی گھبرائے اور ہمت کر کے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہر بات معلوم نہیں کرتے۔" (ملخصا حافظ ملت نمبر ص: ۴۴۳)

حافظ ملت کی یہ کرامت تو اس وقت ظاہر ہوئی جب آپ اپنے مولا سے جا ملے اور پھر کبھی اپنی ارادت نگری میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔

آیئے، اس مقام پر ماہر رضویات ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی بلرام پوری کے ایک اقتباس سے یادوں کے چراغ روشن کرتے ہیں۔

"یہ شرف بلرام پور ہی کو حاصل ہے کہ حضور حافظ ملت کے واحد خلیفہ حضرت حافظ محمد حنیف صاحب قبلہ اس شہر کے ہیں۔ برصغیر ہندو پاک میں آپ کے پائے کے چند ہی ماہرین عملیات ملیں گے۔ جن وآسیب اور سحر وغیرہ بھگانے میں آپ کا جواب نہیں۔ حاضرات میں بھی آپ کو ملکہ

حاصل ہے۔ آپ کے علم و عمل کو ہی دیکھ کر حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے آپ کو خلافت و اجازت مرحمت فرمائی۔ ہر سال دھوم دھام اور تقدیسی آن بان کے ساتھ "عرس حافظ ملت" کا بلرام پور میں انعقاد کرتے ہیں۔ (ملخصاً اشرفیہ جولائی ۲۰۰۵ء)

حضرت حافظ محمد حنیف عزیزی علیہ الرحمہ ایک مقبول ترین روحانی معالج، دینی پیشوا اور سماجی رہنما تھے۔ خدمت خلق ان کی زندگی کا نمایاں باب تھا۔ دین داری اور تقویٰ شعاری ان کی شناخت تھی۔ وہ مصباحی اور عزیزی حلقوں میں حضور حافظ ملت کے حوالے سے پہچانے جاتے تھے۔ زندگی بھر حضور حافظ ملت کے نقشِ قدم پر چلتے رہے اور ان کی فکر و شخصیت کا اجالا پھیلاتے رہے۔ انھوں نے بزم عزیزیہ امجدیہ بلرام پور کے ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے حافظ ملت کی شہرۂ آفاق تصنیف "معارف حدیث" شائع کی اور دور دور تک مفت تقسیم کی۔ آپ نے اپنی جیب خاص اور حلقۂ اثر سے جامع مسجد ابراہیم مستری مرحوم کی تعمیر جدید بھی کرائی اور اس سے متصل مسافر خانہ اور دو منزلہ دوکانوں کی عمارت بھی تعمیر کرائی۔ یہ وہ اہم خدمات ہیں جو حافظ محمد حنیف عزیزی علیہ الرحمہ کی یادوں کے چراغ کبھی بجھنے نہیں دیں گی۔

شہزادۂ حضور حافظ ملت حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ نے ان کی نماز جنازہ بھی پڑھائی اور ان کے جلسۂ چہلم میں بھی شرکت فرمائی۔

دعا ہے مولیٰ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ اشرفیہ اگست ۲۰۰۶ء)

ممتاز الشعرا حضرت واصف عزیزی

۱۱ر ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۳۱ر مارچ ۲۰۰۷ء مشہور نعت نگار حضرت حافظ ممتاز احمد واصف عزیزی کا اپنے وطن بھوجپور ضلع مراد آباد میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ۱۲ر ربیع الاول کو بعد نماز ظہر تجہیز و تکفین ہوئی۔ نماز جنازہ میں اہل بھوجپور اور علمائے کرام نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ ہر طرف غم و اندوہ کا عالم تھا۔ ہنستے بولتے، چلتے، پھرتے چند لمحوں میں حرکت قلب بند ہوتے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ خانوادہ عزیزی کے لیے یہ بڑا حادثہ ہے، اسی رہ گزر سے ہم سب کو گزرنا ہے مگر جب اپنا کوئی قریبی اس منزل سے گزرتا ہے تو یادوں کے بڑے گہرے اور الم ناک نقوش چھوڑ جاتا ہے۔

جامعہ اشرفیہ میں جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعطیل تھی۔ سربراہ جامعہ حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم القدسیہ ساؤتھ افریقہ کے دورے پر تھے۔ محب گرامی حضرت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی اورنگ آباد مہاراشٹر تشریف لے گئے تھے۔ راقم السطور مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی عظیم الشان کانفرنس میں شرکت کے لیے لکھنؤ پہنچ چکا تھا۔ مدرسہ حنفیہ کے اساتذہ و طلبہ کانفرنس کی تیاریوں میں سراپا شوق و عمل بنے ہوئے تھے۔ ہر طرف جشن عید میلاد النبی ﷺ کی گہما گہمی کا عالم تھا۔ محب مکرم حضرت قاری ذاکر علی صدر المدرسین جامعہ حنفیہ نے اپنے زمین دوز مہمان خانے میں مجھے محفوظ کر دیا تھا۔ اہل محبت کی آمد و رفت کا نورانی سلسلہ جاری تھا۔ شاید دن کے ۱۲ر بجے ہوں گے کہ موبائل فون پر کسی کی آہٹ محسوس ہوئی۔ دیکھا تو برادر عزیز محمد عظیم سلمہ کی مدھم سی آواز تھی۔ خیریت دریافت کرنے سے اندازہ ہوا کہ کچھ پریشان ہیں۔ کسی طرح انھوں نے یہ الم ناک خبر سنائی۔ ''ابھی کچھ دیر پہلے حرکت قلب بند ہونے سے ممتاز بھائی کا انتقال

ہو گیا''۔ ممتاز نام سنتے ہی اسی لمحے کئی شناسا ''ممتاز'' سطح خیال پر ابھرے میں نے جب استفہامیہ لب ولہجے میں وضاحت طلب کی تو کہا کہ ''اپنے واصف صاحب'' یہ سنتے ہی دل ودماغ پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ پھر انھوں نے خود ہی یہ بھی بتایا کہ کل بعد نماز ظہر نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ ہچکیوں کے ماحول میں یہ دردناک روداد سنا کر وہ خاموش ہو گئے۔ مگر میں دیر تک ان کی یادوں کے گہرے سمندر میں ڈوبتا ابھرتا رہا۔ مرحوم کی زندگی کے دل آویز کردار ایک ایک کر کے سامنے آنے لگے۔ ان کی باتوں اور نعتوں کے نکھرے سطح ذہن پر ابھرنے لگے، ان کی یادوں کی خوشبو بوے گل کی طرح اہل محفل میں پھیلنے لگی، اہل محفل ان کی شخصیت وشاعری کے تذکرے کرنے لگے۔

میں اب ذہنی طور پر ایک نازک دوراہے پر کھڑا تھا۔ ایک جانب تعلق خاطر کا شدید تقاضا تھا کہ میں نماز جنازہ میں شرکت کروں اور دوسری جانب مہینوں پہلے کا وعدہ آواز دے رہا تھا کہ میں ادارہ شرعیہ ٹانڈہ فیض آباد جلسۂ سیرت النبی میں حاضر ہو کر خطاب کروں۔ اس کشمکش میں احباب و متعلقین سے مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ میں جلسے میں تو جوان فاضل اشرفیہ مولانا توفیق احمد مصباحی کو بھیج دوں جو آج ہی ممبئی سے لکھنؤ پہنچے تھے اور ضلع فیض آباد اپنے گھر جانا چاہتے تھے۔ خیر، وہ میرا کہا مان گئے۔ کانفرنس کے بعد میں بھوج پور کے لیے روانہ ہو گیا اور وہ ٹانڈہ کے لیے سوار ہو گئے۔

راستے بھر حضرت واصف عزیزی کے دبستان حیات کا ایک ایک ورق الٹتا گیا اور ان کا تصور، غم کے آنسو رلاتا رہا۔ وہ شاعر بھی تھے اور شاعر مزاج بھی، نیک سیرت بھی تھے اور بلند اخلاق بھی، ملنساری اور مہمان نوازی ان کی فطرت کا ایک حصہ تھا، وہ جب بھی ملتے مسکراتے ہوئے بازو پھیلا دیتے، اپنے اعزہ واحباب کو دیکھتے تو آغوش محبت وا کر دیتے۔ لب ہاے خنداں پر پر زور استقبالیہ جملے تیر جاتے۔ موصوف باں القاب وآداب حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ کے داماد تھے اور سب سے عزیز داماد تھے۔ ان کے تعارف کا یہ حوالہ سب سے بلند اور اہم تھا۔ اسی حوالے سے وہ مصباحی اور عزیزی حلقوں میں دور دور تک پہچانے جاتے تھے۔

موصوف کا دوسرا حوالہ ان کی نعتیہ شاعری تھی۔ وہ نعتیں لکھتے بھی اور پڑھتے بھی خوب

تھے۔ ملک کے اہم اسٹیجوں اور کل ہند مشاعروں میں وہ اپنی نعتیں سنا چکے ہیں۔ عرس حافظ ملت کے عظیم اجلاس میں تو وہ قریب قریب ہر سال ہی پڑھتے تھے۔ عرس میں تازہ تازہ منقبتیں پڑھتے اور خوب داد و دہش لوٹتے۔ شعر و سخن میں دبستانِ بیکل سے وابستہ تھے۔ واصف عزیزی حضرت عزیز الہ آبادی کی طرح رکھ رکھاؤ اور رنگ ڈھنگ میں بیکل کی کاپی تو نہ بن سکے مگر جب وہ جی لگا کر پڑھتے تھے تو بیکل و واصف میں امتیاز مشکل ہو جاتا تھا۔ عزیزیت کے روحانی اشتراک نے بھی دونوں کو بہت قریب کر دیا تھا۔ جب انتقال کے بعد میں نے حضرت بیکل اتساہی کو فون کیا تو وہ غم سے نڈھال تھے، فرمایا کہ مدرسہ انوار القرآن بلرام پور میں قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب کرا دیا گیا۔ سب کچھ کھلی کتاب کی طرح تھا، اس لیے مزید نہ وہ کچھ کہہ سکے اور نہ میں کہہ سکا۔

حضرت واصف صاحب میں ایک خاص بات یہ تھی کہ انھوں نے زندگی بھر حافظ ملت سے نسبت کا بھرم باقی رکھا۔ بھوج پور میں حافظ ملت اور خانوادۂ حافظ ملت کا ہر مہمان ان کا مہمان بھی ہوتا تھا۔ کیا مجال تھی کہ کوئی عزیزی یا حافظ ملت کا شیدائی بھوج پور پہنچے اور ان کے دسترخوان سے استفادہ کیے بغیر بھوجپور چھوڑ دے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" والا معاملہ تھا۔ اگر وہ کبھی نہیں ہوتے تو گھر کا گھر سراپا میزبان بن جاتا تھا۔ یہ ان کی بے لوث اخلاقی تربیت کا اثر تھا۔ اقتصادی حال اگرچہ بہت اعلیٰ نہیں تھا مگر اخلاقی حالت کتنے امیروں اور رئیس زادوں سے بلند تھی۔ آج اس کمپیوٹر کے دور میں لوگوں کی مالی حالت تو ہر تیسرے دن بدلتی رہتی ہے مگر اخلاقی خوش گواری سے تن و جاں ہمیشہ معطر رہیں گے اور اس حوالے سے انھیں ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔ ان کے ساتھ بارہا دور دراز علاقوں کے سفر کا اتفاق ہوا، مگر کبھی ان کی پیشانی پر بل نہیں دیکھا۔ وہ حافظ ملت سے محبت نہیں عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے تھے، جو حافظ ملت کا تھا، ان کا تھا اور جو حافظ ملت کا نہیں ان کا نہیں، کے اصول پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔ موصوف کی زندگی کا ایک بڑا حصہ حافظ ملت سے تعلقِ خاطر میں گزرا۔ وہ حافظ ملت کی بہت سی چشم دید کرامتیں بھی سناتے تھے، حافظ ملت بھی انھیں بے پناہ نوازتے تھے۔ ایک بار موصوف نے بیان کیا کہ جب میں

سفر حج کے موقع پر حافظ ملت کو بمبئی بندرگاہ الوداع کہنے گیا تو وقتِ رخصت آنکھوں میں آنسو آگئے۔ حافظ ملت نے سینے سے لگاتے ہوئے جو جملہ ارشاد فرمایا وہ میں کبھی نہ بھول سکا۔ ''آپ تو ممتاز ہیں اور انشاء اللہ ممتاز رہیں گے۔'' حافظ ملت کے حسنِ اخلاق کی یہی وہ خوشبو ہے جو زمانہ آج تک نہیں بھولا اور افسوس حافظ ملت کے فیض یافتگان ان کے اس وصف کو لے نہ سکے الا ماشاء اللہ۔ خیر اس کا تعلق دلوں سے ہے اور کسی کی قلبی واردات پر نقد کرنے کا ہمیں کیا حق پہنچتا ہے۔ حضرت واصف صاحب اپنی ہر کامیابی حافظ ملت کا فیضان ہی تصور کرتے تھے اور یہ حقیقت بھی تھی۔ وہ جب حافظ ملت کا ذکر چھیڑتے تھے تو یادوں کی حرارت سے دلوں کا موسم بدلنے لگتا تھا اور آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ انھوں نے حافظ ملت کی بہت سی منقبتیں بھی لکھیں۔ موقع کی مناسبت سے ایک منقبت کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے، جو ان کے قلبی جذبات کے سچے ترجمان بھی ہیں۔

زینتِ بزمِ اہلِ زبان و قلم صاحبِ علم و حکمت کی یاد آگئی
جب کہیں بھی سجی بزمِ علم و ادب حافظِ دین و ملت کی یاد آگئی

رس بھرے بول تھے اور شیریں زباں اب بظاہر وہ ہم آپ میں ہیں کہاں
دیکھ کر ان کے روضے کی جلوہ گری ساکنِ باغِ جنت کی یاد آگئی

حضرت واصف عزیزی نے مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی فرمائی ہے، لیکن نعت گوئی ان کا خاص میدان تھا۔ ان کے یہاں فکر و فن کی خوشبو بھی ہے اور لب و لہجہ کا بانکپن بھی۔ عشقِ دروں کا سوز و گداز بھی ہے اور علم و ادب کی ترسیل بھی۔ ان کی شاعری فکر و عمل کی صداقت پر مبنی ہوتی تھی، وہ صرف لفظوں کا کھیل نہیں کھیلتے تھے بلکہ دل کی صداقتیں لفظوں کے دلوں میں اتارنے کا فن جانتے تھے۔ ان کا یہ قطع دیکھیے، احوالِ دل پیکر محسوس بن گئے ہیں۔

خانۂ دل کے مرے دیوار و در میں مصطفیٰ
میری سانسوں میں مری فکر و نظر میں مصطفیٰ
ہر گھڑی ہر لمحہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے
میری تنہائی کی ہر شام و سحر میں مصطفیٰ

پرسوز، ہجراں نصیب عاشقِ رسول کی صدا بھی سنیے ۔

مدحتِ گیسوئے سرکار دو عالم کے طفیل
کتنی مہکی ہوئی میری شبِ تنہائی ہے

ایک عاشقِ رسول ﷺ کی یہ قلبی آرزو ہمیشہ مچلتی رہتی ہے کہ ۔

مدینہ جاؤں پھر آؤں پلٹ کے پھر جاؤں
اسی میں عمر یہ میری تمام ہو جائے

مگر حضرت واصف نے اس خیال کو بالکل انوکھے انداز میں باندھا ہے۔

تصورات کی دنیا میں ہم مدینہ کو
ہزاروں بار گئے، آئے، بار بار چلے

دن نکلتا ہے رات ہوتی ہے
کاکل و رخ کی بات ہوتی ہے

سچا مریضِ عشق لاعلاج ہوتا ہے، مگر پھر بھی علاج کی کوشش کی جاتی ہے اور مرض بڑھتا ہی رہتا ہے۔ بڑا مشہور شعر ہے۔

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی

مگر حضرت واصف نے اپنے مرضِ عشق کا کبھی علاج نہیں کیا۔ انھوں نے عشقِ رسول کی دیوانگی میں بھی خود شناسی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ میرے اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے۔

طبیب ناداں سے میرے دل کا علاج ہرگز نہ ہو سکے گا
مریضِ عشقِ رسول ہوں میں مری تو کوئی دوا نہیں ہے

وہ محض شاعر ہی نہیں تھے بلکہ تقاضائے عشقِ رسول سے بھی واقف تھے بلکہ اپنے نبی کے کردار و اخلاق کو مخالف کے ہر زہر کا تریاق سمجھتے تھے اور اس تریاق کی خوشبو وہ اپنی محفلوں میں تقسیم کرتے رہتے تھے۔ یہ دیکھیے کیسی فلسفیانہ نصیحت فرما رہے ہیں۔

زندگی دُرِّ انمول ہے	اس کو ہنس کر بسر کیجیے
خلق و اخلاص و کردار سے	قلب دشمن میں گھر کیجیے

اس نعت کا یہ عشق انگیز پیغام بھی پڑھنے اور یاد رکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

ذکرِ خیر البشر کیجیے	زندگی معتبر کیجیے

یہ ان کے عشقِ رسول کی صداقت اور مقبولیت ہی تھی کہ ٹھیک ۱۲ ربیع الاول شریف کے مبارک موقع پر انھیں قبر میں اتارا گیا۔ ہر طرف رحمت و نور کی بارش ہو رہی تھی، ہلالی پرچم فضاؤں میں لہرا رہے تھے، لبوں پر درود و سلام کے نغمے تھے۔ ملک بھر میں ۱۲ ربیع الاول کی تعطیل تھی۔ قریہ قریہ نگر نگر عید میلاد النبی کے جشن منائے جا رہے تھے، آمدِ رسول کی مسرتوں میں عالم اسلام ڈوبا ہوا تھا۔ اسی پرنور ماحول میں بعد نماز ظہر آپ کو ہزاروں افراد نے سپردِ خاک کیا۔

اب تو پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
جس کے جویاں تھے ہے اسی گل سے ملاقات کی رات

مرحوم کے تین صاحب زادگان اور چار صاحب زادیاں ہیں۔ دعا ہے مولا تعالیٰ پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیق بخشے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

(ماہ نامہ اشرفیہ جون ۲۰۰۷ء)

خانوادۂ رضویہ کے چشم و چراغ اور تعلیم و تدریس کے تاج دار

صدر العلما علامہ تحسین رضا علیہ الرحمہ

شہید مرتا نہیں، زندۂ جاوید ہوتا ہے۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ حضرات، اللہ تعالیٰ جنھیں شہادت کی دولت سے سرفراز فرماتا ہے۔ یہ الم ناک خبر ہمارے قارئین تک پہنچ چکی ہوگی کہ صدر العلما حضرت علامہ تحسین رضا علیہ الرحمہ ۵؍ اگست ۲۰۰۷ء بروز جمعہ ناگ پور کے قریب ایک روڈ حادثہ کا شکار ہو کر جاں بہ حق ہو گئے۔ موصوف خانوادۂ رضویہ کے چشم و چراغ، استاذ زمن علامہ حسن رضا بریلوی کے پوتے اور علامہ حسنین رضا بریلوی کے بیٹے تھے۔ عظیم خاندان سے نسبت کے ساتھ بہ ذاتِ خود بھی علمی مرد تھے۔ اہل علم میں ان کی شخصیت کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ شہری سطح پر بھی ہر عام و خاص ان کے علم و تقویٰ اور کردار و اخلاق کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ یہ مقامی مقبولیت پروپیگنڈہ کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ ان کے علم و کردار کے ہاتھوں کی کمائی تھی جو ناقابلِ شکست اور دیرپا ہوتی ہے۔ حضرت صدر العلما کے وصال پر ملال کی خبر بجلی کی طرح ملک اور بیرون ملک پھیل گئی۔ ملک کے گوشے گوشے سے اہلِ عقیدت کے قافلے بریلی کی جانب رختِ سفر باندھنے لگے اور لاکھوں لاکھ کا مجمع ان کی نماز جنازہ میں شریک ہوا۔

جامعہ اشرفیہ میں قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا۔ مختلف شعبوں میں ایصالِ ثواب کی نشستیں ہوئیں، تنظیم ابنائے اشرفیہ کے مرکزی دفتر سے ملک کے اہم اخبارات کو تعزیتی خبریں بھیجی گئیں اور بریلی شریف جانے کے لیے تیاریاں ہونے لگیں اور ایک قافلہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے سربراہِ اعلیٰ عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ کی قیادت میں روانہ ہو گیا۔ ان میں حضرت مولانا زاہد علی سلامی، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، حضرت مولانا ساجد علی مصباحی، حضرت مولانا عرفان احمد مصباحی اور یہ راقم سطور مبارک حسین مصباحی شریکِ سفر تھے۔ یہ تمام

حضرات اساتذۂ اشرفیہ ہیں۔ بروقت ریزرویشن نہ ہونے کی وجہ سے بائی روڈ سفر ہوا۔ قریب ۱۲ر بجے شب مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ پہنچے۔ حضرت قاری محمد احمد بقائی اور حضرت قاری ذاکر علی صاحبان سے پہلے ہی گفتگو ہو چکی تھی۔ قیام وطعام کا معقول انتظام تھا، نماز عشا کی ادائیگی کے بعد آرام کی نیند سو گئے۔ نماز فجر کے بعد ایک قافلہ حضرت قاری ذاکر علی صاحب کی قیادت میں لکھنؤ سے تیار ہو گیا اور پھر ایک ساتھ دو گاڑیاں بریلی شریف کے لیے روانہ ہو گئیں۔ قریب ایک بجے ہم لوگ بریلی شریف میں داخل ہوئے۔ ارادہ تھا کہ الحاج ابرار احمد ایڈوکیٹ کے یہاں فریش ہو کر ہم لوگ بارگاہ اعلیٰ حضرت میں حاضری دیں گے، مگر وہاں تک گاڑیوں کا پہنچنا ممکن نہیں تھا، وقت کم تھا، اس لیے ہم لوگ سیدھے محلہ سوداگران رضا مسجد پہنچے۔ نماز ظہر ادا کی اور پھر بڑے ولولہ وشوق کے ساتھ اقلیم عشق کے تاج دار اعلیٰ حضرت اور تاج دار اہل سنت حضور مفتیِ اعظم ہند کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور پھر ہم لوگ اسلامیہ انٹر کالج کی طرف رانہ ہو گئے، جہاں نماز جنازہ ادا ہونی تھی۔ سخت گرمی تھی پورا میدان شیدائیوں سے بھرا ہوا تھا، شاہراہ عام پر بھی کاندھے سے کاندھا چھل رہا تھا۔ ہم لوگ ابھی روڈ پر ہی تھے کہ جنازہ کی گاڑی حضور مفتیِ اعظم گیٹ سے اسلامیہ انٹر کالج کے میدان میں داخل ہوئی۔ ہجوم اتنا زیادہ تھا کہ گاڑی اپنے طے شدہ مقام پر بھی نہیں پہنچ سکی۔ چلچلاتی دھوپ میں مجمع پہلے ہی سے سراپا شوق تھا۔ لاؤڈ اسپیکر نہ ہونے کی وجہ سے مجمع کی عجیب وغریب حالت تھی۔ یہ پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ نماز جنازہ کب اور کہاں ہوگی۔ طے شدہ مقام پر منتظمین اور اہل خاندان اس انتظار میں تھے کہ جنازہ یہاں آئے گا۔ ادھر مجمع سے مسلسل تقاضے بڑھ رہے تھے کہ نماز جنازہ جلد ہو۔ شدت انتظار کی اس کش مکش میں ہمارے کانوں میں تکبیر کی صدا گونجی اور ہم لوگ صف بستہ ہو گئے۔ نماز جنازہ تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا ازہری دامت برکاتہم العالیہ نے پڑھائی۔ نماز جنازہ سے فراغت کے بعد دعاے مغفرت ہوئی اور مجمع کا ہجوم مفتیِ اعظم گیٹ کی جانب ٹوٹ پڑا۔ گرمی سے بری حالت تھی۔ خدا خدا کر کے ہم لوگ گاڑیوں تک پہنچے اور پھر کہیں جانے کے بجائے ہم لوگ مبارک پور کے لیے واپس ہو گئے۔

حضرت صدر العلما کی زیارت بریلی شریف میں کئی بار ہوئی مگر عرس کی جیٖڑ بھاڑ میں کبھی باضابطہ ملاقات نہیں ہوئی۔ پہلی تفصیلی ملاقات دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور کے سالانہ اجلاس کے موقع پر ہوئی۔ جس کمرے میں ان کا قیام تھا اسی سے متصل میرا قیام بھی تھا۔ مولانا عرفان

سنبھلی جوان کے شریکِ سفر تھے مجھے لے کر ان کے روبہ رو حاضر ہوئے۔ مولانا نے جب میرا تعارف کرایا تو لبوں پر تبسم بکھر گیا۔ دیر تک میری تعریف کرتے رہے۔ یہ ان کی بزرگانہ شفقت اور خوردنوازی تھی ورنہ ''من آنم کہ من دانم''۔ اب یہ باتیں عنقا ہوتی جا رہی ہیں۔ چھوٹوں پر شفقت کرنا، یا ان کے کسی کام کی تحسین کرنا اپنے منصب کی توہین تصور کرتے ہیں۔ ان سے ملاقات کے بعد دل و دماغ نے گہرا اثر قبول کیا۔ ان کے اخلاق و تقویٰ اور کردار و عمل کے بارے میں جو کچھ سن رکھا تھا، اس سے سوا پایا۔ عالمانہ رکھ رکھاؤ، متوسط مائل بہ دراز قامت، دبلا پتلا منحنی جسم، کشادہ اور پرنور پیشانی، بڑی بڑی آنکھیں جن میں شب بیداری کا نورانی خمار، خوب صورت جسم پر سفید لباس، سر پر عمامہ، ہاتھ میں چھڑی۔ لگتا تھا کوئی مردِ علم اور تقویٰ شعار رجلِ عظیم ہے۔ وہ عظیم خاندان کے چشم و چراغ تھے، علم و فضل میں بھی یکتائے روزگار تھے، زہد و ورع میں بھی حضور مفتیِ اعظم ہند کے عکسِ جمیل تھے، صاحب علم و فضل تھے، مگر ان کے فکر و عمل کے کسی زاویے سے بھی اظہار علم و فضل نہیں ہوتا تھا، کم گو، منکسر المزاج، وسیع النظر تھے، بے جا تکلفات سے بالاتر انتہائی سادہ لوح تھے، ان سے ملاقات کے بعد ہمیں یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ ہم کسی عظیم شخصیت کے روبہ رو محو گفتگو ہیں۔ یہ ایک تاریخی سچائی ہے کہ اگر کسی شخصیت کے حقیقی کردار کے بارے میں پتہ لگانا ہو تو اس کے قرب و جوار سے پتہ لگایا جائے۔ بریلی شریف میں میرا آنا جانا بہت ہے۔ عام طور پر علما اور پیرانِ طریقت پر تنقیدوں کے تیر و نشتر بھی خوب برسائے جاتے ہیں، مگر اہلِ بریلی کو میں نے ان کی شان میں کچھ کہتے ہوئے نہیں سنا۔ علما ہوں یا عوام ہر ایک ان سے متاثر اور ان کی مدح میں رطب اللسان نظر آیا۔ بڑے سے بڑا نقاد بھی ان کی فکر و شخصیت کے حوالے سے سراپا امتنان و تشکر نظر آیا۔ یہ ان کی ہمہ گیر مقبولیت، ان کے بلند کردار و عمل کی علامت و شناخت تھی۔ ان کی عظیم شخصیت کے پیچھے صرف پدرم سلطان بود ہی کا نعرہ نہیں لگتا تھا بلکہ ان کی شناخت میں ان کی جد و جہد، دعوت و تبلیغ اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا دخل تھا۔

صدر العلما حضرت علامہ تحسین رضا علیہ الرحمہ کی ولادت ۱۴ر شعبان المعظم ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۳۰ء بہ مقام محلہ سوداگران بریلی شریف میں ہوئی اور بعد میں محلہ ناکر ٹولہ پرانا شہر بریلی شریف میں سکونت اختیار فرمائی۔ ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں حاصل کی۔ عربی و فارسی تعلیم کے لیے دار العلوم منظر اسلام میں داخلہ لیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے منظر اسلام بی بی جی میں داخل ہوئے۔

دونوں ہی مقام پر حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ کا علمی اور تدریسی فیضان حاصل رہا۔ تقسیم ہند کے بعد جب حضرت محدث اعظم ہند پاکستان تشریف لے گئے اور وہاں فیصل آباد میں آپ نے جامعہ رضویہ مظہر اسلام کی بنیاد ڈالی تو حضرت صدر العلما دورۂ حدیث کے لیے پاکستان تشریف لے گئے جہاں آپ نے چھ ماہ میں علوم حدیث کی تکمیل فرمائی۔ آپ اپنی خداداد خاندانی ذہانت، ذاتی محنت اور علمی لیاقت کی وجہ سے اساتذہ کی نظروں میں محبوب رہے اساتذۂ کرام آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ عہدِ طالب علمی میں تاج دار اہل سنت حضور مفتیِ اعظم ہند کی سرپرستی حاصل رہی اور اساتذہ بھی حضور مفتیِ اعظم ہند کو آپ کا مربی و سرپرست سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ پاکستان سے سند فراغت لے کر بریلی شریف واپس ہوئے تو محدثِ اعظم ہند نے آپ کے تعلق سے مفتیِ اعظم ہند کے نام مکتوب ارسال فرمایا۔ مکتوب کا متن حسب ذیل ہے:

> ”عزیزم مولانا تحسین رضا خان صاحب سلمہ کی دستار بندی حضور والا کو مبارک ہو، دار العلوم (مظہر اسلام بریلی شریف) میں اسباق جوان کے سپرد کیے جائیں ان میں مشکوٰۃ شریف ان کے پاس ضرور رکھی جائے اور آئندہ سال نسائی شریف اس کے بعد ابن ماجہ پھر مسلم شریف، پھر ترمذی شریف۔ جب ہر سال حدیث کی ایک کتاب پڑھا لیں تو بعد میں بخاری شریف۔ خدا چاہے اس طرح تدریجاً دورۂ حدیث کے اسباق پڑھا لیں گے۔ حدیث کے سبق کے علاوہ جو اسباق ان کے لیے مناسب ہوں، دیے جائیں۔ کل چھ ماہ اس جگہ انھوں نے قیام کیا ہے۔ اگر دو سال یہاں قیام ہو جاتا تو خدا چاہے مزید استعداد اور قابلیت ہو جاتی۔ ماشاء اللہ سمجھ دار ہیں، ہوشیار ہیں۔“

اس مکتوب گرامی سے بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت محدث اعظم پاکستان آپ کی تعلیمی لیاقت پر اعتماد فرماتے تھے اور حضرت مفتیِ اعظم ہند ان کی تعلیم و تربیت کے سب سے بڑے ذمہ دار تھے۔ حضرت صدر العلما کو فقیہ اعظم صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ سے تفسیر جلالین پڑھنے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ حضور مفتیِ اعظم ہند کی علمی

اور روحانی شخصیت سے بھی خوب فیض اٹھایا اور خاص طور پر فتاویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی۔ آپ کے دیگر اساتذہ میں شمس العلما قاضی شمس الدین جون پور، مولانا سردار احمد خاں رضوی بریلوی، مولانا تحسین رضوی پرنوی، مفتی وقار الدین مفتی اعظم پاکستان اور شیخ العلما مولانا غلام جیلانی علیہم الرحمہ والرضوان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپ نے مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف میں عہد طالب علمی ہی میں تدریس کا آغاز کر دیا تھا، لیکن اس کے بعد ۱۹۵۴ء میں چھ ماہ کے لیے آپ پاکستان تشریف لے گئے، وہاں سے فراغت کے بعد باضابطہ آپ نے مظہر اسلام میں مسند تدریس سنبھالی۔ یہاں آپ نے ۱۸؍ برس تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۷۵ء میں بعض وجوہ کی بنا پر مظہر اسلام سے مستعفی ہو کر منظر اسلام میں بہ حیثیت صدر المدرسین خدمت فرمائی۔ ۱۹۸۲ء میں آپ بہ حیثیت شیخ الحدیث جامعہ نوریہ رضویہ میں تشریف لے گئے۔ اور تقریباً ۲۳؍ برس تک یہاں تدریس حدیث کی خدمت میں مصروف رہے اور گزشتہ دو برس سے مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا بریلی شریف میں خدمت انجام دے رہے تھے۔

اس طرح آپ نے بریلی شریف کی چاروں اہم درس گاہوں میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ حدیث آپ کا خاص موضوع تھا۔ بہ حیثیت استاذ آپ نے پوری زندگی ذمہ داریوں کو بہ حسن وخوبی پورا کیا۔ اگر تدریسی ذمہ داریوں کو پورا کیا جائے تو دیگر امور کے لیے وقت نکالنا مشکل ہوتا ہے۔ شاید اسی لیے آپ نے قرطاس وقلم اور تقریر وخطابت کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ اپنے معمولات کے انتہائی پابند تھے۔ سنتوں کا اہتمام اور عشق رسول کا جذبہ شوق آپ کو وراثت میں ملا تھا۔ حضور مفتی اعظم ہند کے زیر سایہ آپ نے فتاویٰ نویسی کا کام بھی انجام دیا، مگر افسوس وہ علمی اور فقہی ذخیرہ محفوظ نہ رہ سکا۔ شہرت پسندی اور جاہ طلبی سے آپ زندگی بھر کنارہ کش رہے۔ ملکی سیاست سے بھی عملاً آپ کا کبھی کوئی تعلق نہ رہا۔ کم گو اور تخلیہ پسند تھے، نماز باجماعت کے سخت پابند تھے بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں شریعتِ مصطفیٰ کی عملی تصویر تھے۔ "حیات صدر العلما" کے مولف آپ کے عام معمولات پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> حضور صدر العلما نمازِ فجر سے قبل بیدار ہو کر باجماعت نماز کی ادائیگی کے بعد اوراد و وظائف میں مشغول ہو جاتے ہیں، پھر ناشتے سے

فارغ ہو کر مدرسے کے لیے تشریف لے جاتے ہیں اور دوپہر کو واپس تشریف لاتے ہیں، دوپہر کا کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرتے ہیں پھر نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد اپنے مکتبہ (مکتبہ مشرق) پر تشریف رکھتے ہیں جہاں ضرورت مندوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ لوگ اپنے اپنے مسائل لے کر حاضر ہوتے ہیں اور آپ ہر سائل کی بات تسلی اور خندہ پیشانی سے سنتے ہیں اور ہر ایک کا اس کے مناسب حل پیش فرماتے ہیں۔ روزانہ درجنوں تعویذ تحریر کر کے بھی انسانیت کی عظیم خدمت انجام دیتے ہیں۔ نماز عشا تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور نماز کے بعد آپ کھانا تناول فرما کر حسب عادت مطالعہ کرتے ہیں اور مطالعہ سے فارغ ہو کر آرام فرماتے ہیں۔"

اپنی علمی مصروفیت اور خدمتِ خلق کی وجہ سے آپ سفر کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے رہے۔ گزشتہ چند سالوں سے جب آپ کا حلقۂ ارادت بڑھا تو سفر کرنا شروع کر دیا۔ مدارس کے جلسوں اور ختم بخاری شریف کے پروگراموں میں بھی آپ نے آنا جانا شروع کر دیا تھا۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تشریف لے گئے۔ ان کے علاوہ شیدائیوں کے بے حد اصرار پر ملک سے باہر کے بھی دورے کیے۔ بیرون ممالک میں ماریشش، موزامبیق، زمبابوے، پاکستان وغیرہ کا دورہ فرمایا۔

علمائے بریلی نے بتایا کہ مقامی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ ان کا درسِ حدیث ہے۔ اہلِ محلہ کے اصرار پر آپ نے عام لوگوں کی صلاح و فلاح کے لیے اپنے مکان میں درس دینا شروع کیا۔ لوگوں کی بھیڑ بڑھی تو قریب کی مسجد (نورانی مسجد) میں یہ سلسلہ شروع کیا۔ جب یہاں بھی بھیڑ بڑھنے لگی تو وسیع مسجد (مسجد چھ میناری) میں درسِ حدیث منتقل کر دیا اور یہ سلسلہ آخری عمر تک جاری رہا۔ یہ سلسلہ نومبر ۱۹۸۲ء میں شروع کیا تھا۔ ۱۹۸۳ء میں درسِ قرآن بھی شامل کر لیا تھا۔ ہر جمعہ کو فجر کی نماز کے ایک گھنٹہ بعد درس شروع ہوتا، پہلے ایک رکوع کا ترجمہ و تفسیر بیان فرماتے پھر آدھا گھنٹہ مشکوٰۃ شریف کا درس دیتے اس کے بعد ۱۵ رمنٹ وقفہ سوالات ہوتا، لوگ اپنے اشکالات پیش کرتے، آپ ان کا شرعی حل پیش کرتے۔ لوگوں پر اس درس کا بڑا گہرا اثر تھا۔

شعر و شاعری آپ کو ورثہ میں ملی تھی۔ آپ کے دادا استاذِ زمن علامہ حسن رضا بریلوی

مکتب داغ دہلوی کے نمائندہ عظیم شاعر تھے، جب کہ امام احمد رضا اور حضور مفتی اعظم کا خاندانی فیضان بھی آپ کو خوب ملا۔ آپ کا کوئی دیوان تو شائع نہ ہو سکا تاہم جو کلام دستیاب ہوا ہے وہ انتہائی اہم اور صنف نعت کا اعلیٰ شاہ کار ہے۔ چند اشعار بہ طور نمونہ ملاحظہ کیجیے۔

عظمتِ فرقِ شہِ کونین کیا جانے کوئی
جس نے چومے پائے اقدس عرش اس کا نام ہے
آرہے ہیں وہ سرِ محشر شفاعت کے لیے
اب مجھے معلوم ہے جو کچھ مرا انجام ہے

واللہ یعطی انا قاسم کی کیا خوب صورت تعبیر بیان فرماتے ہیں۔

خدا دیتا ہے تم تقسیم کرتے ہو زمانے کو
میانِ خالق و مخلوق محکم واسطہ تم ہو
مجھے پروا نہیں موجیں اٹھیں طوفان آجائیں
شکستہ ہے اگر کشتی تو غم کیا، ناخدا تم ہو

یہ اشعار بھی ان کے شاعرانہ فکروفن کے آئینہ دار ہیں۔

ادھر آؤ، بہت ممکن نشانِ راہ مل جائے
یہ ہیں نقشِ قدم بڑھ کر تلاشِ کارواں کرلیں
لپٹ کر ان کے دامن سے مچل کر ان کے قدموں پر
ہم اپنی بستیوں کو پھر حریفِ آسماں کرلیں

ان کی شاعری میں بلاشبہ علامہ حسن رضا کی شاعری کا انعکاس ہے۔ لفظوں کے رکھ رکھاؤ کے ساتھ فکر کی بلندی بھی ہے۔ شاعری ان کا خاص میدان نہیں تھا۔ عشقِ رسول کی تسکین کے لیے کبھی کبھی نعتیں کہہ لیا کرتے تھے، مگر جو کچھ ہے اعلیٰ اور انتخاب ہے۔

اس عہدِ قحط الرجال میں آپ کی شخصیت منارۂ نور اور لعلِ شب افروز تھی۔ علمی حیثیت سے خانوادۂ رضویہ میں آپ کو ممتاز مقام حاصل تھا۔ دعا ہے مولا تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر وشکر کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

(ماہ نامہ اشرفیہ اکتوبر ۲۰۰۷ء)

شرفِ اہلِ سنت

حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

ایک شمع اور بجھی اور بڑھی تاریکی

آنکھوں میں اگر نورِ بصیرت ہو تو مستقبل ایک سراپا کردار بن کر تصورات کی تحصیل میں اترنے لگتا ہے، مستجاب دعائیں پیکرِ محسوس بن کر نگاہوں کو خیرہ کرنے لگتی ہیں۔ قیامِ پاکستان سے کوئی تین برس پہلے کی بات ہوگی، مشرقی پنجاب ہندوستان کے مرزاپور ضلع ہوشیار پور میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ یہ ۲۴ رشعبان ۱۳۶۳ھ/ ۱۳ راگست ۱۹۴۴ء کی ساعتِ سعید تھی۔ والدِ گرامی مولوی اللہ دتا ایک صوفی منش دین دار شخص تھے جو "حافظ جی" کے نام سے مشہور تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ اپنے اہلِ خانہ کو لے کر لاہور میں مقیم ہوگئے۔ جامع مسجد صدیقیہ انجن شیڈ میں خطیب پاکستان مولانا غلام الدین علیہ الرحمہ کے نائب و خادم کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ حافظ جی اپنے بیٹے کی انگلی پکڑ کر گاہے بہ گاہے مولانا غلام الدین کی بارگاہ میں لے جاتے تھے، بھولے بھالے، من موہنی صورت والے بچے کو دیکھتے تو مولانا غلام الدین فرطِ مسرت سے جھوم اٹھتے اور حسبِ عادت ارشاد فرماتے آیئے "علامہ، آیئے "فاضلِ لاہوری"۔ خطیب پاکستان کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ سندِ قبولیت سے شرف یاب ہوئے اور یہ بچہ بڑا ہو کر حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری فاضل لاہوری کے نام سے مشہور ہوا۔

حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری ایک عالمِ ربانی، تقویٰ شعار، بلند پایہ مصنف و مدرس، جماعتی درد رکھنے والے، اخلاص پیشہ محسنِ اہلِ سنت تھے۔ آپ نے اردو، عربی اور فارسی زبان میں قریب ایک سو کتابیں تصانیف و تراجم کی شکل میں مرتب فرمائیں۔ مستقل تصانیف و تراجم کے علاوہ مختلف ناموں سے آپ کے مقالات و مضامین کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ آخری

عہد میں کنزالایمان کی روشنی میں آپ نے ترجمۂ قرآن بھی تحریر فرمایا۔ حضرت علامہ شرف قادری صاحب کی علمی شخصیت گوناگوں اوصاف وکمالات کی حامل تھی۔ آپ نے پاکستان کی مختلف درس گاہوں میں مدرس، صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے کام کیا۔ ملک کے طول وعرض میں آپ کے تلامذہ دین ودانش کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ نے زندگی بھر لکھا بھی اور اپنی تربیت گاہ سے باصلاحیت ارباب قلم پیدا بھی کیے۔ آپ رواں دواں استدلالی اسلوب میں لکھتے تھے۔ ہمارے عہد میں پاکستان کے جن چند اہل قلم نے پورے برصغیر کو متاثر کیا ان میں ایک وقیع نام حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری لاہوری علیہ الرحمہ کا بھی تھا۔

شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ کا آخری عشرہ تھا۔ میں دہلی کے ایک جلسۂ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں خطاب کرنے دہلی جا رہا تھا۔ راستے ہی میں مولانا خوشتر نورانی کا دہلی سے فون آیا کہ افسوس حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کا وصال ہو گیا۔ چند لمحوں کے لیے میں دم بہ خود رہ گیا۔ بڑی مشکل سے زبان پر کلمات استرجاع جاری ہوئے۔ میں نے دوران سفر ہی برادرم مولانا محمد نعیم الدین عزیزی کو مبارک پور اطلاع دی کہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی اور دیگر علمائے اشرفیہ کو خبر کر دیں۔ یہ تعطیل کلاں کا موقع تھا۔ علمائے کرام اشرفیہ میں موجود نہیں تھے۔ پھر بھی میں نے عزیزی صاحب سے عرض کر دیا کہ اولین فرصت میں اس حادثۂ جاں کاہ کی خبر اردو اخبارات کو جاری کرا دیں۔ شام قریب پانچ بجے میں ضیا محل جامع مسجد دہلی پہنچا۔ کتب خانہ امجدیہ کے مالک حضرت مولانا انوار احمد امجدی کی دعوت پر دہلی آیا تھا، اس لیے سیدھا وہیں پہنچا۔ وہاں بیٹھ کر سب سے پہلے مختلف مقامات سے حضرت شرف قادری صاحب کے حوالے سے مزید معلومات فراہم کیں۔ اتنے میں الجامعۃ الاشرفیہ کے ناظم اعلیٰ الحاج سرفراز احمد صاحب کا فون آیا اور انھوں نے بھی انتہائی غم کے ساتھ یہی اطلاع دی۔ تنظیم ابنائے اشرفیہ دہلی یونٹ کے متعدد حضرات سے رابطہ کیا۔ رضوی کتاب گھر دہلی میں ایک تعزیتی نشست کا انعقاد کیا گیا۔ راقم نے اختصار کے ساتھ حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر مختصر روشنی ڈالی۔ حافظ قمر الدین رضوی صاحب نے ایصال ثواب کا اہتمام کیا۔ ماہ نامہ کنزالایمان کے مدیر حضرت مولانا ظفر الدین برکاتی مصباحی نے اخبارات

کے لیے رپورٹ تیار کی اور دہلی کے اردو اخبارات کو فیکس اور ای میل کر دی۔ ہندوستان ایکس پریس دہلی کے سب ایڈیٹر مولانا نیاز احمد مصباحی نے بڑے نمایاں انداز سے خبر لگائی۔

الجامعۃ الاشرفیہ اور علماے اشرفیہ سے حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کے بڑے مخلصانہ روابط تھے۔ وہ فرزندانِ اشرفیہ کی علمی اور قلمی خدمات سے متاثر تھے۔ راقم عہد طالب علمی ہی سے ان کی تحریریں پڑھتا رہا ہے۔ جولائی ۱۹۹۰ء میں جب ماہ نامہ اشرفیہ کی ادارت میرے حوالے ہوئی تو یک طرفہ شناسائی طرفین شناسی میں تبدیل ہو گئی۔ ماہ نامہ اشرفیہ میں ان کی تحریریں پہلے ہی سے شائع ہوتی رہی ہیں۔ راقم سے بھی مراسلت شروع ہو گئی۔ محبت بھرے خطوط آنے لگے۔ میں ان کے خطوط بار بار پڑھتا اور ہر بار نیا لطف اٹھاتا۔ میرے نام ان کے درجنوں خطوط ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع ہو چکے ہیں، جو ماہ نامہ اشرفیہ کی فائلوں میں آج بھی محفوظ ہیں۔

حضرت علامہ شرف قادری صاحب پہلی بار جامعہ اشرفیہ ممبئی کے راستے سے آئے تھے۔ در اصل ممبئی میں منعقد ہونے والی ایک بین الاقوامی سنی کانفرنس میں انھیں مدعو کیا گیا تھا، کانفرنس کسی وجہ سے ملتوی ہو گئی تھی، مگر اس التوا کی اطلاع ان تک نہیں پہنچ سکی تھی اور وہ اسی دعوت پر ممبئی تشریف لے آئے۔ انھیں اطلاع نہ ملنے کا سخت افسوس تھا۔ اس سفر میں وہ بالکل پہلی بار جامعہ اشرفیہ مبارک پور بھی تشریف لائے۔ جامعہ اشرفیہ کے گیٹ پر اساتذہ اور طلبہ نے ان کا پر زور استقبال کیا۔ علماے اشرفیہ نے اپنی بے پناہ محبت سے ان کا غم غلط کر دیا۔ وہ اشرفیہ سے واپس ہوئے تو بے پناہ مسرور تھے۔ یہ ان کی زیارت کا پہلا موقع تھا۔ ان کے علم و اخلاق، سادگی اور تقویٰ شعاری سے اہل اشرفیہ بھی حد درجہ متاثر ہوئے۔ ان کے بارے میں جو کچھ سنا اور پڑھا تھا، اس سے کہیں زیادہ بلند پایا۔ جامعہ اشرفیہ میں جب مجلسِ برکات کا قیام عمل میں آیا تو جناب حاجی رفیق برکاتی صاحب بہ طور خاص انھیں اشرفیہ لے کر آئے۔ مجلس برکات کا بنیادی نشانہ سنی حواشی کے ساتھ درسِ نظامی کی اشاعت ہے۔ یہ ایک مشکل ترین کام تھا۔ ابتدا میں بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔ علماے دیوبند نے اہلِ سنت کے قدیم حواشی کے ساتھ بڑا کھلواڑ کیا ہے۔ کتنے ہی حاشیہ نگاروں کے نام قلم زد کر دیے ہیں۔ بلکہ چوری اور سینہ زوری کی انتہا یہ ہے کہ حاشیہ نگاروں کے اصل نام خارج کر کے اپنے نام لکھ مارے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ عام طور پر درسِ نظامی

کی اشاعت دیوبندی مکتب فکر کے کتب خانے کر رہے تھے۔ انھیں کی مطبوعہ کتابیں ہماری درس گاہوں میں داخل نصاب تھیں۔ دراصل علمائے اہل سنت کی غیرت ایمانی اسٹیج پر ہی زیادہ بیدار نظر آتی ہے۔ اے کاش مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگانے والوں نے اگر امام احمد رضا کے قرطاس وقلم کی بھی حفاظت کی ہوتی تو آج ہماری تاریخ کچھ اور ہوتی۔ خیر دیر آید درست آید۔

مجلس برکات کے دائرۂ عمل، طریقۂ کار اور حواشی کے انتخاب کے سلسلے میں علامہ شرف قادری صاحب ہفتہ عشرہ تک جامعہ اشرفیہ میں مقیم رہے۔ روزانہ دو تین نشستیں ہوتیں۔ ان نشستوں میں حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، مولانا عبد الحق رضوی، مولانا شمس الہدیٰ مصباحی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا زاہد علی سلامی، مولانا صدر الوریٰ قادری، راقم السطور اور دیگر اساتذۂ اشرفیہ شریک ہوتے۔ جامعہ کی دونوں لائبریریوں سے ایک ایک کتاب کے مختلف نسخے نکلوائے جاتے۔ حواشی کی علمی حیثیت اور حاشیہ نگاروں کی اعتقادی حیثیت پر اظہار خیال کیا جاتا۔ اس مجلس میں علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری اور علامہ محمد احمد مصباحی کی رائیں حرف آخر ہوتیں۔ ان مجلسوں میں ہم جیسے لوگوں کو بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ دوران گفتگو کچھ علمی اور مجلسی لطائف بھی سامنے آتے۔ ان کے چہرے پر بشاشت کے آثار تو نظر آتے مگر انھیں کبھی ہم نے کھل کر ہنستے نہیں دیکھا۔ اصل موضوع سے ہٹ کر بھی کبھی کبھی علمی گفتگو ہوتی مگر ان میں کبھی بے جا اظہار علم اور خود نمائی کا شائبہ تک نہیں دیکھا۔ یہ تو عام طور پر کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں عالم عامل شریعت اور سنتوں کے پابند ہیں، تقویٰ شعار ہیں، مگر ان اوصاف کے حقیقی مصداق چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نظر نہیں آتے۔ کسی شخصیت کو پرکھنے کے لیے آٹھ دس دن کے شب و روز بھی کم نہیں ہوتے۔ ہم نے انھیں واقعی شریعت وسنت کا پابند پایا۔ وہ جتنے بڑے عالم تھے اتنے ہی بڑے عامل بھی تھے۔ انھیں ہم نے نازک سے نازک موقع پر بھی کسی کی تضحیک و تنقیص کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ان کے اس وصف نے مجھے بے پناہ متاثر کیا۔ حالاں کہ علما میں آج کل یہ وبا عام ہے۔ ان کی مجلس کا ایک حادثہ میں کبھی نہیں بھولتا۔ ایک بار انھوں نے مجھ سے کوئی کتاب طلب کی۔ پر زور گفتگو چل رہی تھی، میں نے انتہائی عجلت میں کتاب اٹھائی اور بائیں ہاتھ سے دینے لگا۔

اب وہ میری جانب دیکھ رہے ہیں مگر کتاب نہیں لے رہے ہیں۔ جب میں ان کا مخفی اشارہ نہیں سمجھ سکا تو آہستہ سے کہا "دائیں سے"۔ مجھے فوراً جھٹکا لگا، جیسے کسی نے نیند سے اچانک بیدار کر دیا ہو۔ میں نے اسی لحہ کتاب دائیں ہاتھ سے ان کے حوالے کر دی۔ اہل محفل میں تو اس حادثہ کو کوئی نہیں سمجھ سکا مگر میں اس مشفقانہ تنبیہ کو آج تک نہیں بھول سکا۔

ان طویل نشستوں میں ہم نے ان کے علم اور تجربات سے خوب استفادہ کیا۔ یہ مختصر تحریر تفصیلات کی متحمل نہیں۔ بہت سے اہل جبہ و دستار کو دیکھا گیا ہے کہ وہ عبادات و معمولات کے سخت پابند ہوتے ہیں مگر خود غرضی، خود نمائی، نیش زنی اور دوسروں کی پگڑیاں اچھالنے سے باز نہیں آتے اور خاص طور پر اہل ثروت کے سامنے دوسرے علما کو حرف غلط کی طرح مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری صاحب کو ہم نے عام روش سے بہت بلند پایا۔ غیبت سننا اور کرنا تو دور کی بات ہے وہ کسی عالم کی تنقیص و تخفیف بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ ان کی اس پاکیزہ خصلت نے ہم سب کو بہت متاثر کیا۔ ان کے سامنے جب بھی کسی پاکستانی عالم کا تذکرہ آیا، وہ ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آئے۔ وہ تو ماشاء اللہ بڑے ذی علم ہیں، دین کا بڑا کام کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے امثال پیدا فرمائے۔ اگر ان کے سامنے کوئی طالب علم بھی پہنچتا تو پوری توجہ سے اس کی بات سنتے۔ اسی دوران انھیں مبارک پور کی ایک مسجد کی تعمیر جدید کے سنگ بنیاد کے لیے لے جایا گیا۔ گاڑی میں حضرت علامہ شرف قادری، الجامعۃ الاشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ حضرت عزیز ملت تھے اور بحیثیت خادم راقم سطور بھی تھا۔ دوران سفر شرف صاحب عزیز ملت کی خدمات پر مبارک باد دینے لگے۔ حضرت عزیز ملت فرمانے لگے، ہم سے جو کچھ ہو رہا ہے کر رہے ہیں مگر بعض حضرات ہمیں چین سے کام کرنے نہیں دیتے، حاسدین مسلسل نیش زنی کرتے رہتے ہیں، یہ کہتے ہوئے وہ کچھ مغموم تھے۔ یہ باتیں سن کر حضرت علامہ شرف قادری صاحب نے فرمایا: حضرت آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ بڑے بڑے لوگ آپ کے کاموں سے حسد کر رہے ہیں، اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ والرضوان کی دعا کا یہ جملہ نقل فرمایا: یا اللہ اس دن سے پہلے مجھے اٹھا لے جس دن میں محسود نہ رہوں۔ حضرت شرف صاحب کی گفتگو سے بڑا حوصلہ ملا۔

حضرت علامہ شرف قادری صاحب نے مبارک پور سے رخصت ہونے سے قبل چند علماے اشرفیہ کو سندِ حدیث کی اجازت بھی مرحمت فرمائی، اور پھر مطبوعہ سند لاہور سے بھی ارسال فرمائی۔ ان خوش نصیبوں میں ایک نام میرا بھی ہے۔ دیگر حضرات میں حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، حضرت مولانا زاہد علی سلامی، حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری اور حضرت مولانا ناظم علی بریلوی کے اسماے گرامی مجھے یاد آرہے ہیں۔ اس طرح مصباحی قبیلے کا ان سے علمی اور روحانی رشتہ بھی قائم ہو گیا۔ حضرت کی جب بھی کوئی کتاب شائع ہوتی، ارسال فرماتے، اسی طرح ہم اپنی تالیفات روانہ کرتے تو دعاؤں سے نوازتے، حوصلہ افزائی فرماتے۔ میرے نام ان کے درجنوں خطوط ہیں۔ اگر کوئی صاحب قلم ان کے مکتوبات مرتب کر دیتا تو ان کی دل کش یادوں اور علمی باتوں کا بڑا ذخیرہ جمع ہو جاتا۔ محترم عبدالستار طاہر مسعودی صاحب نے آپ کی حیات وخدمات کے حوالے سے دو اہم کتابیں مرتب فرمائیں جو شائع ہو چکی ہیں۔ "محسنِ اہلِ سنت" یہ سوانحی خاکہ ۳۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ جب کہ "تذکارِ شرف" ان پر لکھی گئی تحریروں اور ان سے لیے گئے انٹرویوز کا دل آویز گل دستہ ہے۔

حضرت علامہ شرف قادری کی شخصیت بھی محتاط ومرتاض تھی اور ان کا قلم بھی محتاط ومستند تھا۔ مگر وہ کسی کے اعتراف میں نہ کوئی جھجک محسوس کرتے اور نہ حوصلہ افزائی میں کبھی بخل سے کام لیتے۔ ہم نے صدر الشریعہ حضرت علامہ شاہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کے حوالے سے ماہ نامہ اشرفیہ کا ضخیم "صدر الشریعہ نمبر" شائع کیا۔ اس نمبر پر اظہار خیال کرتے ہوئے حضرت نے تحریر فرمایا:

> "آپ کا ارسال کردہ "صدر الشریعہ نمبر" اور دیگر کتب موصول ہو گئیں۔ حضرت صدر الشریعہ کے حوالے سے اتنا سارا مواد جمع کر کے آپ نے ایک تاریخ ساز کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ آپ نے جا بہ جا بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو کر ان موتیوں کی تاب ناکی کو دیر تک کے لیے محفوظ کر دیا ہے .... "پیامِ سیرت" بہترین کوشش اور وقت کی ضرورت ہے، اسے زیادہ سے زیادہ عام کرنا چاہیے۔ "تبرکات کے آداب و فضائل" بھی عمدہ کاوش ہے۔ یہ رسالہ پاکستان میں چھپ چکا ہے۔ "عشق رضا کی سرفرازیاں" بھی لائق مطالعہ ہے۔" (اشرفیہ مارچ ۱۹۹۶ء)

ماہ نامہ اشرفیہ کے "سیدین نمبر" اور "افتراق بین المسلمین کے اسباب" کے تعلق سے حضرت کے تاثرات نے بھی مجھ ہیچ مداں کے حوصلوں کو بڑی توانائی عطا فرمائی اور خاص بات یہ ہے کہ حضرت کے نام سیدین نمبر ارسال نہیں کیا گیا تھا بلکہ مکتبہ نبویہ لاہور سے خرید کر حسب ذیل تاثرات ارسال فرمائے تھے:

> "سیدین نمبر مکتبہ نبویہ پر دیکھا تو خرید لیا۔ آپ کی ہمت مردانہ کو سلام کرتا ہوں۔ آپ نے اتنا ضخیم نمبر نکالا ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس کے لیے مقالات حاصل کرنے میں آپ کو کتنی مشقت اٹھانی پڑی ہوگی۔ پھر ان کی ترتیب، تصحیح، طباعت اور جلد بندی۔ ان سب کاموں میں آدمی کے صبر اور حوصلے کا بڑا امتحان ہے۔ اسے کہا جا سکتا ہے "کوہ کندن و خزینہ بر آوردن" مجھ ایسا فقیر بے نوا آپ کو داد اور دعا تو دے ہی سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حوصلوں کو مزید استحکام عطا فرمائے۔ مکتبہ نبویہ ہی سے آپ کی کتاب "افتراق بین المسلمین کے اسباب" ملی۔ اس میں آپ نے اپنا موقف بڑے ٹھوس حوالوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اسے پڑھ کر معقول آدمی کے لیے سرتابی کی مجال نہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ کی انگلیوں نے زمانے کی نبض ٹٹول لی ہے اور یہ محسوس کر لیا ہے کہ کس لب و لہجہ میں بات کی جائے تو زیادہ موثر ہوگی۔" (اشرفیہ اکتوبر ۲۰۰۲ء)

ان کے گراں قدر مکتوبات میں اس طرح کی خوردہ نوازی کی درجنوں مثالیں ہیں۔ راقم نے ان کی کتابوں پر تبصرے لکھے۔ ان کی کتابیں المجمع المصباحی مبارک پور سے شائع کیں۔ سخت بیماری کی حالت میں بھی ان کے خطوط آتے رہے۔ ان کا علمی وجود ہمارے لیے ایک شجر سایہ دار کا سا تھا۔ آہ! یکم ستمبر ۲۰۰۷ء کو ان کا وصال پر ملال ہو گیا۔ ان کی رحلت صرف ان کے خانوادے کا غم نہیں بلکہ پوری جماعت کا عظیم خسارہ ہے۔ مولا تعالیٰ جنت الفردوس میں ان کا مقام بلند فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ اشرفیہ نومبر ۲۰۰۷ء)

حضرت مولانا محمد نعمان خاں اعظمی کا سانحۂ ارتحال

الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد کے سابق پرنسپل حضرت مولانا محمد نعمان خاں مصباحی ۲۱ رصفر ۱۴۲۹ھ / ۲۹ رفروری ۲۰۰۸ء کو شب ۱۱ ربج کر ۱۰ رمنٹ پر انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ موت کا وقت متعین ہے۔ عمر ستر سال تھی مگر ابھی خاصے صحت مند تھے، عشا کی نماز بھی حسب عادت پڑھی تھی۔ دو ایک گھنٹے کی معمولی علالت کے بعد مرحوم اس دنیا سے چل بسے۔ اس الم ناک خبر سے مشرقی یوپی کے علما اور مدارس میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ ملک اور بیرون ملک ان کے ہزاروں شاگرد پھیلے ہوئے ہیں۔ جس نے سنا سکتے میں رہ گیا۔ ان دنوں آپ جامعہ حنفیہ رحمت گنج بستی میں بہ حیثیت پرنسپل خدمات انجام دے رہے تھے۔ حافظ ملت مسجد اور مدرسے کی تعمیری سرگرمیوں سے بھی دل چسپی تھی، بلکہ اپنے حلقۂ اثر سے بھر پور تعاون کرا رہے تھے، تعلیمی شعبے بھی ارتقا پذیر تھے۔ ان کی رحلت سے تعلیم و تعمیر کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا۔ رات ڈیڑھ بجے ایمبولینس کے ذریعہ آپ کی میت کو اپنے وطن دیوگاؤں اعظم گڑھ لایا گیا۔ دور دراز علاقوں سے علما اور طلبا کثرت سے آنے لگے۔ حضور حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ سے ان کا تعلق خاندانی طور پر تھا۔ آپ کے والد گرامی جناب منیر احمد خاں منیر صاحب سے حافظ ملت کا بڑا گہرا رشتہ تھا۔ ان کی رحلت کی خبر سے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں بھی غم کی چادر تن گئی، مسکراتے ہوئے چہرے اداس ہو گئے۔ نماز جنازہ میں شرکت کے لیے ایک قافلہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے بھی روانہ ہو گیا، جس میں عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، شیخ الجامعہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، حضرت مفتی محمد معراج القادری، حضرت مفتی زاہد علی سلامی، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی اور راقم سطور وغیرہ شامل تھے۔ دیگر اداروں میں الجامعۃ الاسلامیہ روناہی، دار العلوم نور الحق چرہ محمد

پور، دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، جامعہ حنفیہ بستی، دارالعلوم حبیب الرضا گئی روڈ علاول دیوریا گونڈہ، مدرسہ ضیاء العلوم پرانا گورکھ پور، مدرسہ اشرف العلوم ڈیوہاری بستی، دارالعلوم اشاعت الاسلام پرتاول بازار مہراج گنج، دارالعلوم حق الاسلام لال گنج بستی اور دارالعلوم جائس وغیرہ کے اساتذہ قابلِ ذکر ہیں۔ نماز جنازہ یکم مارچ کو حضرت عزیز ملت نے پڑھائی اور ہزاروں لوگوں نے بہ صد حسرت وغم آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا۔

جامعہ اشرفیہ کے رجسٹر اندراج کے مطابق حضرت مولانا محمد نعمان خاں اعظمی ۳ر جولائی ۱۹۴۰ء کو دیوگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مڈل کلاس تک اپنے وطن میں حاصل کی، بہ عمر ۱۲ رسال ۳ر جولائی ۱۹۵۲ء کو دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے۔ جہاں آپ نے حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی اور دیگر اساتذۂ کرام کے زیر سایہ ابتدائی عربی فارسی سے لے کر دورہ حدیث تک کی تعلیم مکمل کی، ۱۰ر شعبان ۱۳۸۱ھ/ جنوری ۱۹۶۲ء کو جلسۂ دستار فضیلت کے موقع پر دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

حضرت مولانا محمد نعمان خاں مصباحی علمی ماحول کے پروردہ تھے، آپ کے والدِ گرامی جناب منیر احمد خاں نعت گو شاعر اور سچے عاشقِ رسول تھے، ان کے دو نعتیہ مجموعے بھی شائع ہوئے "کوثر وزمزم" اور "لمعات منیر" جب کہ آپ کے بڑے بھائی عبدہ کے کئی نعتیہ اور غزلیہ مجموعے منظر عام پر آئے۔ جناب منیر احمد صاحب ۱۲ر ربیع الاول شریف کے موقع پر سالانہ محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام بڑے ذوق وشوق سے فرماتے تھے۔ حضور حافظِ ملت بلا ناغہ اس محفل میں مدعو ہوتے تھے۔ حضرت حافظِ ملت نے ۱۹۶۱ء میں لکھا تھا کہ اس محفل میں شرکت کرتے ہوئے ۲۵ر برس گزر گئے، جب کہ یہ سلسلہ اس کے بعد بھی جاری رہا۔ ۱۹۷۶ء میں حضور حافظ ملت کا وصال ہوا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریب ۴۰ر برس حضور حافظِ ملت نے اس محفل میں شرکت فرمائی۔ جناب منیر احمد صاحب کے مجموعۂ نعت "کوثر وزمزم" پر اظہار خیال کرتے ہوئے حافظ ملت نے تحریر فرمایا تھا:

"محترم جناب مولوی منیر احمد خاں صاحب منیر زید مجدہم سے میرا

دیرینہ تعارف ہے۔ 25 سال سے میں ان کے دولت خانے پر بسلسلۂ میلاد شریف حاضر ہوتا رہا۔ میں نے ان کو دین دار خوش اوقات پایا، موصوف بڑے باذوق ہیں، اچھے ادیب ہیں، صاحب قلم ہیں، صاحب لسان ہیں۔ نظم ونثر دونوں پر اچھی قدرت رکھتے ہیں۔ خداداد ذہانت وذکاوت کے ساتھ حافظہ کا یہ عالم ہے کہ ان کو اقبال احمد خاں صاحب سہیلؔ کا دیوان کہا جاتا ہے۔ خود اپنا کلام اس قدر یاد ہے کہ وہ اپنے بھی دیوان ہیں باوجودے کہ وہ دیوانہ رسول ہیں اور یہی ان کا سب سے بڑا کمال ہے۔"

حضرت مولانا محمد نعمان خاں حضور مفتیِ اعظم ہند کے مرید اور حضور حافظِ ملت کے شیدائی اور تلمیذ رشید تھے۔ اس طرح آپ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے بھی قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ حافظ ملت کے بعد وہی عقیدت مندانہ روابط آپ حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ سے رکھتے تھے۔ جامعہ اسلامیہ روناہی چھوڑنے کے بعد آپ جہاں جہاں بہ سلسلۂ تدریس تشریف لے گئے حضرت عزیز ملت کی رہ نمائی یا ان سے مشورہ کے بعد گئے۔ حافظِ ملت اور خانوادۂ حافظِ ملت سے ان کا تعلق خاطر تاحیات رہا، خود راقم سطور پر بھی بے پناہ نوازش فرماتے تھے۔

حضرت مولانا محمد نعمان خاں اعظمی بلند پایہ اور بااصول استاذ تھے۔ جہاں بھی رہے خود دار اور باوقار رہے۔ انھوں نے تعلیم وتربیت کے بنیادی اصولوں سے کبھی سمجھوتا نہیں کیا۔ تعلیم کے ساتھ طلبہ کی تربیت پر خصوصی نظر رکھتے تھے۔ ہر مدرسے میں اُن کا یہ اصول رہا کہ نماز فجر سے قبل بیدار ہوتے اور تمام طلبہ کو نماز فجر کے لیے بیدار کرتے۔ وہ خود بھی شریعتِ مطہرہ کے سخت پابند تھے۔ موذن کے بعد سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتے اسی لیے نماز کی پابندی کے حوالے سے طلبہ پر ان کا گہرا اثر رہتا۔ آپ اپنے حصے کی تمام ذمہ داریوں کو خود اعتمادی کے ساتھ پورا کرتے۔ لب ولہجہ کڑک دار تھا، بلند قد وقامت اور وجیہ چہرہ تھا، دیکھنے ہی سے

پٹھان معلوم ہوتے تھے، عدل پرور اور حق گو تھے۔ ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے انھیں کبھی خوشامد کرتے نہیں دیکھا گیا، مگر اسی کے ساتھ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر حد درجہ شفقت فرماتے تھے، اپنے طلبہ سے حقیقی باپ کی طرح محبت فرماتے تھے۔

جامعہ اشرفیہ سے فراغت کے بعد اسی سال ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء میں اپنے استاذ و مربی حضرت حافظِ ملت کے حکم پر مدرسہ انوار العلوم جین پور اعظم گڑھ میں تدریس کی ذمہ داری سنبھالی۔ پھر ۱۹۶۴ء میں دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ گئے اور ۱۹۷۳ء تک یہاں انتہائی محنت ولگن کے ساتھ خدمت انجام دی۔ تدریس الاسلام کی شہرت وترقی میں آپ کا بڑا کلیدی کردار رہا۔ اس کے بعد قریب ایک سال جامعہ امداد العلوم مبٹنا میں رہے۔ پھر ۱۹۷۴ء میں بہ حیثیت صدر المدرسین الجامعۃ الاسلامیہ روناہی میں آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ ۱۹۷۴ء سے سرکاری ریٹائرمنٹ ۳۰ رجون ۲۰۰۳ء تک تقریباً ۳۰ رسال کا عرصہ الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی میں گزرا۔ یہ دور آپ کا سب سے زریں دور رہا۔ یہاں ہزاروں تلامذہ نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ آپ کی بے پناہ جدوجہد سے جامعہ نے تعلیم وتربیت کے میدان میں خوب ترقی کی۔ الجامعۃ الاسلامیہ کی تاریخ میں آپ کا نام ہمیشہ زریں حروف میں لکھا جائے گا۔

رونا ہی سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ دار العلوم اہل سنت ضیاء الاسلام ہوڑہ تشریف لے گئے، کچھ ہی دنوں میں آپ نے اس ادارے میں تعلیمی لہر پیدا کردی، مگر جمود پسند لوگوں کو یہ اچھا نہیں لگا اور مجبوراً آپ کو ادارہ چھوڑنا پڑا، اس کے بعد آپ دار العلوم جائس تشریف لے گئے وہاں بھی زیادہ نہ رہ سکے۔ ان دنوں آپ جامعہ حنفیہ شہر بستی میں صدر المدرسین کے عہدے پر فائز تھے۔ ادارہ کا پورا نظام آپ کے ہاتھوں میں تھا۔ جامعہ بڑی تیزی سے ترقی کی شاہراہ پر گامزن تھا، مگر آپ کی اچانک رحلت سے سارے منصوبے بکھر کر رہ گئے۔

آپ کے تلامذہ ملک اور بیرون ملک میں دین ودانش اور دعوت وتبلیغ کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ مفتی شبیر احمد رضوی مصباحی رونا ہی، مولانا عبید اللہ خاں اعظمی ممبر پارلیمنٹ، مولانا قمر الحسن بستوی امریکہ، مولانا نظام

الدین بستوی افریقہ، مولانا حفیظ الرحمٰن امریکہ، مولانا محمد ایوب روناہی، مولانا صاحب علی پرتاول، مفتی محمد معراج القادری مبارک پور، قاری عین الدین ممبئی، مولانا شمس الہدیٰ مصباحی مبارک پور، مفتی محمد نسیم مصباحی مبارک پور، مفتی اختر حسین جمدا شاہی، مولانا مسیح الدین گونڈوی وغیرہ۔

حضرت مولانا محمد نعمان خاں علیہ الرحمہ نے دو بار حج و زیارت کا شرف حاصل کیا، پہلی بار اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ ۱۹۹۳ء میں اور دوسری بار اپنی اہلیہ کے ساتھ ۲۰۰۵ء میں آپ نے اپنے آبائی وطن دیوگاؤں میں ۲۰۰۱ء میں مدرسہ رضویہ عزیزیہ قائم کیا جو بفضلہ تعالیٰ آج بھی اپنے علاقے میں علم دین کی اہم خدمت انجام دے رہا ہے۔ یہ ادارہ الجامعۃ الاشرفیہ کی شاخ ہے، جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے اس میں بھرپور تعاون کیا ہے۔ ملک کے مختلف علاقوں میں آپ نے درجنوں اداروں کا سنگ بنیاد رکھا اور اپنے اثر ورسوخ سے بہت سے اداروں کو فائدہ پہنچایا۔ اعلیٰ تدریسی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۸۳ء میں آپ کو صدر جمہوریہ ایوارڈ سے نوازا گیا اور ۲۰۰۱ء میں وزیر اعلیٰ راج ناتھ سنگھ نے پرست پتر (प्रशस्ति-पत्र) سے سرفراز کیا۔ یہ سارے اعترافات آپ کی اعلیٰ خدمات کے اعتبار سے معمولی حیثیت کے حامل ہیں۔ آپ کی دینی اور علمی خدمات کی حقیقی جزا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ملے گی، انھوں نے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ برسوں علم دین کے فروغ کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں وہ جماعتی سطح پر بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

پس ماندگان میں اہلیہ اور چھ صاحب زادگان ہیں۔ دعا ہے، مولیٰ تعالیٰ موصوف علیہ الرحمہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر واجر سے نوازے اور اُن کی مشکلات آسان فرمائے۔ آمین۔

ماہ نامہ اشرفیہ، مئی ۲۰۰۸ء

اجالوں کا سفیر

۲۸ر اپریل ۲۰۰۸ء کو ماہر رضویات ناشر مجددیات سعادت لوح وقلم حضرت پروفیسر مسعود احمد علیہ الرحمہ کا انتقال پر ملال ہوگیا، یہ اندوہناک خبر ہم اپنے قارئین کو جون میں ہی دے چکے ہیں۔ ہم نے گزشتہ ماہ حضرت کی شخصیت پر کچھ لکھنے کا وعدہ کیا تھا اسے ہم کسی حد تک پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

پروفیسر مسعود احمد کی رحلت کا غم جہان سنیت کے ہر باشعور انسان نے محسوس کیا، موصوف اپنے وجود میں فکر وقلم کی ایک انجمن اور ہمہ گیر تحریک تھے، ان کی فکر و شخصیت، جدید وقدیم علوم وفنون کا سنگم تھی، انھوں نے درجنوں موضوعات پر لکھا اور سیکڑوں اہل قلم کو لکھنے کی راہ ہموار کی، آپ کی توجہ سے پہلے، امام احمد رضا قدس سرہ کا تعارف بہت کم تھا، آپ نے علمی دنیا میں رضا شناسی کی لہر پیدا کی، قلمی تحریک سے برصغیر میں ہزاروں ہم نوا پیدا کیے، درجنوں یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا کی کثیر جہات شخصیت پر پی. ایچ. ڈی. کی ڈگریاں تفویض ہوئیں۔ آپ نے رضا رضا کہا، ہر طرف رضا رضا ہوگیا، آپ نے لکھنے والوں کو عناوین دیئے، قیمتی مواد دیئے اور بھرپور تعاون کیا، اللہ تعالیٰ نے ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے امام احمد رضا کا انتخاب فرمایا اور مصطفیٰ جان رحمت نے رضا شناسی کے لیے پروفیسر مسعود احمد کا انتخاب فرمایا۔ یہ بڑے کرم کے فیصلے ہیں یہ بڑی نصیب کی بات ہے۔ اسی کے ساتھ آپ نے امام ربانی مجدد الف ثانی پر بھی کام کیا اور حق یہ ہے کہ کام کا حق ادا کردیا، دیگر مکاتب فکر بڑی چابک دستی سے امام ربانی کو اپنے کھاتے میں ڈال رہے تھے، پروفیسر صاحب نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کردیا، دونوں مجددین اپنے اپنے عہد میں مسلک اہل سنت کے ترجمان ونقیب تھے۔ کسی ایک کو بھی نظر انداز کر کے برصغیر میں اہل

سنت کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔ پروفیسر صاحب نے دونوں شخصیات پر اس خوبصورتی سے کام کیا کہ حق روشن ہو گیا اور باطل بے نقاب ہو گیا، آپ کی فکر انگیز، دل آویز اور مدلل تحریروں نے جدید وقدیم دونوں طبقوں کو متاثر کیا، آپ اپنی طرز نگارش اور فکر رسا میں منفرد تھے، وہ روپوش ہو گئے مگر اپنی فکروں کا اجالا چھوڑ گئے۔

پروفیسر مسعود علیہ الرحمہ کی ولادت ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء میں دہلی کے مشہور علمی خانوادے میں ہوئی، والد گرامی نے آپ کا نام جد امجد شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ کے نام پر تجویز کیا، جد امجد اپنے عہد کی بلند پایہ بزرگ علمی شخصیت تھے ان کے ایک معاصر تذکرہ نگار، امیر الدین حنفی رقم طراز ہیں:

> ''زبدہ فقہائے جہاں، واصلح صلحائے جہاں، اعراف العرفا، فاضل الفضلاء، فقیہ بے بدل، مفتی بے مثل، محقق مسائل دین حضرت مولوی مفتی رحیم بخش المشہور مولانا مفتی محمد مسعود احمد صاحب مفتی دہلی دام فیوضہ۔'' (تذکرہ مسعود ملت ص: ۱۱۲)

پروفیسر صاحب کی شخصیت پر اس کی برکتیں ظاہر ہوئیں اور وہ اپنے عہد میں منفرد المثال شخصیت بن کر ابھرے اور چار دانگ عالم میں شہرت ومقبولیت کے بام عروج پر پہنچے۔ آپ کے والد گرامی مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ بھی اہل سنت وجماعت کے زبردست عالم اور مفتی اعظم دہلی تھے، جہانِ رضا کے اکابر سے بڑے گہرے روابط رکھتے تھے۔

۱۹۴۷ء میں شہر دلی فساد کی زد پر تھا، امن وسکون غارت تھا، انھیں حالات میں پروفیسر مسعود احمد صاحب کے برادر گرامی مولانا منظور احمد پاکستان حیدرآباد سندھ چلے گئے، ہوئے اتفاق وہاں پہنچ کر شدید بیمار ہو گئے، والد گرامی نے پروفیسر صاحب کو حکم دیا کہ وہ اپنے بھائی کی تیمارداری کے لیے چلے جائیں اور ہو سکے تو انھیں واپس لے آئیں، پروفیسر مسعود احمد (بہ عمر ۱۸ر برس) بے پناہ مشکلات جھیلتے ہوئے حیدرآباد سندھ پہنچے تو بیماری بڑھ چکی تھی، کچھ روز میں ان کا وصال ہو گیا اور پروفیسر صاحب پاکستان ہی میں قیام پذیر ہو گئے۔

مشرقی پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۴۸ء میں فاضل فارسی کیا، پنجاب یونیورسٹی لاہور

سے ۱۹۵۱ء میں میٹریکولیشن کیا، اسی یونیورسٹی سے ۱۹۵۳ء میں فاضل اردو اور انٹرمیڈیٹ کیا، اسی یونیورسٹی سے ۱۹۶۵ء میں بی. اے. کیا، سندھ یونیورسٹی حیدرآباد سے ۱۹۵۸ء میں ایم. اے. کیا اور اسی یونیورسٹی سے ۱۹۷۱ء میں پی. ایچ. ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

پروفیسر مسعود احمد صاحب نے جب اپنے والد گرامی حضرت مفتی مظہر اللہ دہلوی سے پی. ایچ. ڈی. کے موضوع کے حوالے سے مشورہ طلب کیا تو انھوں نے رہ نمائی کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

> ''جو موضوع تم نے تصنیف کے لیے منتخب کیا ہے اس میں دینی خدمت نظر نہیں آتی قرآن کریم کی ایسی خدمت اگر کرتے تو بہتر ہوتا جس میں تبلیغی جھلک ہوتی اور اس کی تعریف میں غیر ادیان والوں نے جو تحریر کیا ہے اس کو منظر عام پر لاتے بلکہ انگریزی ہی میں تحریر کرکے دوسرے ممالک میں اس کو پیش کرتے تو بہتر ہی بہتر ہوتا، اس سلسلہ میں دوسرے مذاہب کے مسائل بھی علم میں آجاتے۔ ایسی تصنیف سے اگر ایک شخص بھی داخل اسلام ہو گیا تو تم سے اسلام کی بڑی خدمت ہوئی، خیر یہ تو میرا خیال تھا جس کا اظہار ہوا، باقی تم بہتر جانتے ہو۔'' (جہانِ مسعود ص: ۱۷۷)

اس مشورہ کے بعد پروفیسر صاحب نے اپنے مقالے کا عنوان ''اردو قرآنی تراجم و تفاسیر'' منتخب کیا، اس مقالے میں ۶۰۰/ سے زیادہ اردو تراجم و تفاسیر کی تفصیلات پیش کی ہیں اور مقدمے میں ۵۰/ سے زیادہ زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر کا تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔

پروفیسر مسعود احمد صاحب نے قلمی میدان میں جو خدمات انجام دیں وہ تو شہرۂ آفاق ہیں ہی اسی کے ساتھ آپ نے تدریسی میدان میں بھی نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ ہم ذیل میں آپ کی تدریسی خدمات کا ایک اجمالی خاکہ سپردِ قلم کرتے ہیں۔

(۱) ایس اے ایل گورنمنٹ ڈگری کالج میرپور خاص ضلع تھرپارکر، پاکستان میں بحیثیت لکچرر و صدر شعبہ اردو ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۶ء۔ (۲) گورنمنٹ ڈگری کالج، کوئٹہ، بلوچستان میں بحیثیت پروفیسر شعبہ اردو میں ۱۹۶۶ء تا ۱۹۷۰ء۔ (۳) گورنمنٹ ڈگری کالج ٹنڈو محمد خاں ضلع حیدرآباد میں

بحیثیت پرنسپل و پروفیسر، ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۴ء۔ (۴) گورنمنٹ کالج کھیرو، ضلع تھر پارکر (سندھ) میں بحیثیت پرنسپل ۱۹۷۴ء۔ (۵) گورنمنٹ کالج مٹھی ضلع تھر پارکر سندھ میں بحیثیت پرنسپل ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۸ء۔ (۶) گورنمنٹ سائنس کالج سکرنڈ ضلع نواب شاہ (سندھ) میں بحیثیت پرنسپل ۱۹۷۸ء تا ۱۹۸۰ء۔ (۷) گورنمنٹ کالج ٹھٹھہ (سندھ) میں بحیثیت پرنسپل۔

پروفیسر مسعود صاحب نے یوں تو دین و دانش اور تاریخ و ثقافت کے بہت سے موضوعات پر لکھا، انگریزی کتابوں کے ترجمے کیے، اہم علمی ذخائر کی ترتیب جدید فرمائی، سیکڑوں کتابوں پر مقدمے، پیش لفظ لکھے اور تبصرے کیے، درجنوں سیمیناروں، کانفرنسوں اور اہم رسائل و جرائد کے لیے مقالات و مضامین سپرد قلم کیے مگر فکر و قلم کے خاص موضوعات مجددین کی کثیر الجہات شخصیات تھیں۔ آپ خود ایک مقام پر رقم طراز ہیں:

''فقیر نے ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء کے درمیان حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کام کیا، پھر ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۲ء تک امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کام کیا جو ابھی تک جاری ہے۔ ۱۹۹۲ء سے ۲۰۰۲ء تک مسلک اہل سنت و جماعت پر کام کیا یہ بھی ابھی تک جاری ہے، ۲۰۰۲ء میں پھر امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوا۔'' (جہان امام ربانی اقلیم اول، ص:۹۶)

پروفیسر مسعود احمد صاحب علمی سطح پر الجامعۃ الاشرفیہ اور فرزندان اشرفیہ سے بھی متاثر تھے، کتابوں کے تبادلے ہوتے، محبت بھرے خطوط آتے، علمی کاموں کے لیے گراں قدر مشورے دیتے، ماہ نامہ اشرفیہ کے لیے وقیع مضامین ارسال فرماتے، حضرت مولانا اسلم بستوی مصباحی نے جب مناقب حافظ ملت پر مشتمل مجموعہ ''اوراق گل'' مرتب کیا تو پروفیسر صاحب نے بڑا دل آویز تبصرہ فرمایا، آپ حافظ ملت کی شخصیت سے بے پناہ متاثر تھے۔ موصوف اسی تبصرے میں لکھتے ہیں:

> ''علامہ جلیل حضرت حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی قدس سرہ العزیز روحانی، علمی اور اخلاقی کمالات کے حامل تھے۔ کیوں نہ

ہوتے کہ ان کے استاذ حضرت استاذ الاساتذہ مولانا امجد علی اعظمی اور ان
کے شیخ، شیخ المشائخ حضرت شاہ علی حسین اشرفی رحمہما اللہ تعالیٰ۔ حضرت
حافظ ملت کی بے مثال سیرت کا جوہر "استغنائے قلب" تھا انھوں نے غیر
کی بندگی قبول نہ کی کہ وہ تذلیل بندگی ہے اور مولیٰ کی بندگی وقار بندگی۔
غربت وافلاس میں مولیٰ کی رزاقیت پر اعتماد کامل کوئی معمولی بات نہیں،
بہت بڑی بات ہے اور بہت بڑی کرامت ہے بندوں پر بھروسہ کیا جائے
تو انسان نامراد ہو سکتا ہے مگر جو مولیٰ پر بھروسہ کرتا ہے نامراد نہیں ہو سکتا۔"

پروفیسر صاحب حافظ ملت کی تعمیری خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وہ مدرسہ اشرفیہ آئے اور فیضان تربیت سے اس مدرسے کو جامعہ بنادیا
گویا ذرے کو آفتاب بنادیا، مردہ لوگ اپنے لیے کرتے ہیں، دوسروں
کے لیے نہیں، مگر زندہ لوگ سب کے لیے کرتے ہیں اپنے لیے نہیں۔"

(اشرفیہ، مئی، جون، ۱۹۷۷ء ص:۵۲)

ماہ نامہ اشرفیہ پابندی سے ان تک پہنچتا تھا اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے راقم
کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

مکرمی زید عنایتکم ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ رسالہ اشرفیہ مل رہا ہے ممنون ہوں اہل
سنت کے رسائل میں معیار کے لحاظ سے یہ رسالہ ممتاز نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
اور ترقیاں عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط والسلام　　　احقر مسعود احمد

سعادت لوح وقلم حضرت علامہ پروفیسر مسعود احمد کا وجود مسعود بلا شبہہ اجالوں کا سفیر
تھا۔ ان کا وصال پرملال جماعت اہل سنت اور جامعہ اشرفیہ کے لیے ایک بڑا غم ہے مولیٰ تعالیٰ
انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور ان کی فکر و تحقیق کا اجالا عام فرمائے۔ آمین۔

ماہ نامہ اشرفیہ، جولائی ۲۰۰۸ء

مرا رفیق مرے غم کا ترجمان گیا

آہ! کیا یہ سچ ہے کہ مولانا شکیل احمد مصباحی اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ ہزاروں لوگوں کو ان کی موت کی خبر دے چکا، مگر اپنے دل کو ابھی تک یہ یقین نہیں دلا سکا کہ وہ واقعی دائمی مفارقت دے گئے۔ سطح ذہن پر جب بھی ان کا دل آویز نقش ابھرتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اب چل چکے ہوں گے اور اب آ رہے ہوں گے۔ وہ میری صحافتی اور قلمی دنیا کے سب سے بڑے رازدار تھے۔ میں ان کے مشوروں پر اپنے فیصلے بدل دیتا تھا۔ وہ ایک مخلص رفیق و دمساز تھے۔ ان کے بغیر رسالے کا ہر کام ادھورا رہتا تھا۔ وہ میرے فکر و خیال سے اتنے قریب تھے کہ کسی کام کے لیے بس اشارہ کافی ہوتا تھا۔ ۱۲ رمحرم الحرام ۱۴۳۰ھ/ ۱۰ رجنوری ۲۰۰۹ء کو بارہ بجے تک ہم لوگ ماہ نامہ اشرفیہ کے دفتر میں ایک ساتھ تھے۔ آفس سے رخصت ہوتے وقت میں نے کہا، آج رات کو انجمن غوثیہ پرانی بستی میں شہدائے کربلا کے حوالے سے ایک جلسہ ہے، اگر جی چاہے تو آجانا۔ انھوں نے جواب دیا، آج کچھ طبیعت علیل ہے، پیٹ میں تکلیف ہے، میرا آنا مشکل ہوگا۔ پھر دوسرے ٹائم گھر پر چپراسی آیا، مولانا شکیل صاحب نے کمپوز شدہ مضامین مانگے ہیں وہ انھیں رات میں پڑھ لیں گے۔ میں نے فائل اس کے حوالے کر دی اور مطمئن ہو گیا۔

قریب دس بجے میں تقریر کرنے کے لیے بیٹھ گیا۔ مولانا محمد نعیم الدین عزیزی جلسہ کی صدارت فرما رہے تھے، پورا مجمع محو سماعت تھا۔ میرے فون پر کئی کالیں آئیں مگر دوران تقریر میں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ ساڑھے دس بجے کے بعد مولانا محمد نعیم الدین عزیزی صاحب میرے قریب آئے اور کہا، تقریر بند کر دیجیے، وجہ دریافت کرنے پر بتایا کہ مولانا شکیل احمد مصباحی کا ساڑھے دس بجے انتقال ہو گیا اور اس وقت وہ اسلامیہ ہاسپٹل میں ہیں۔ میں نے گھبرا کر معلوم کیا، کون مولانا شکیل؟ کہا اپنے مولانا شکیل۔ اتنا سن کر میرے ہوش و حواس اڑ

گئے۔اس کے بعد میں ایک لفظ بھی نہیں بول سکا۔ اسی وقت جلسے میں ان کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔ یہ وحشت ناک خبر سن کر میری حالت غیر ہونے لگی۔ مولانا نعیم الدین عزیزی صاحب نے فرمایا، آپ تھوڑی دیر ہمارے گھر بیٹھیے، میں ہاسپٹل ہو کر آپ کو لینے کے لیے آرہا ہوں۔ چند منٹ کے بعد وہ مجھے لینے کے لیے آئے۔ جا کر دیکھا تو حواس باختہ ہو گیا۔ وہ ایک بنچ پر دراز تھے۔ شگفتہ چہرہ دیکھ کر لگا کہ کچھ دیر میں اٹھ بیٹھیں گے، مگر آہ! وہ دائمی نیند سو چکے تھے۔ اساتذہ، طلبہ اور اہلِ مبارک پور کا ہجوم تھا۔ مجھ پر ایک سکتہ سا طاری تھا۔ کیا کہوں، کس سے کہوں ہر شخص غم کی تصویر بنا کھڑا تھا اور سرد کہرے کے عالم میں جامعہ سے اساتذہ اور طلبہ کی آمد کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ مولانا کے والد صاحب پوری فیملی کے ساتھ ہزاری باغ جھارکھنڈ میں تھے، وہ وہاں سروس کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا، آپ حضرات مولانا کو ان کے آبائی وطن ایجورا بزرگ ضلع فتح پور لے کر آجائیں، ہم لوگ ابھی یہاں سے نکل رہے ہیں۔ جامعہ کے ناظمِ اعلیٰ الحاج سرفراز احمد صاحب نے گاڑی کا انتظام کیا۔ مولانا ہارون مصباحی فتح پوری، حافظ معین الدین مبارک پوری اور چند علاقائی طلبہ انھیں لے کر ساڑھے بارہ بجے رات کو ان کے وطن روانہ ہو گئے۔ تمام موجود لوگوں نے انھیں اشک بار آنکھوں سے الوداع کہا اور پورا جامعہ غم واندوہ میں ڈوب گیا۔ پوری رات ایک لمحے کے لیے نیند نہیں آئی۔

موت ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے، مگر جوانی کی موت کا صدمہ اپنوں کے لیے بڑا گہرا اور دیرپا ہوتا ہے۔ مولانا ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر تھے، مگر رسالے کو بروقت لانے اور معیاری بنانے میں مجھ سے زیادہ کوشاں رہتے تھے۔ وہ انتہائی مخلص، محنتی اور دیانت دار تھے۔ ان کی سنجیدہ مزاجی، منکسرانہ خوئی اور اخلاقی بلندی سے پورا جامعہ متاثر تھا۔ ان کی نظر ڈیوٹی کے وقت پر نہیں بلکہ کام کی تکمیل پر رہتی تھی۔ انقلاب ۱۸۵۷ء نمبر کا اعلان کر کے میں خاموش ہو گیا تھا، مگر ان کے پیہم اصرار اور تعاون نے مجھے یہ کامیاب نمبر نکالنے پر مجبور کیا۔ موت سے دو ایک روز پہلے کہہ رہے تھے، پروفیسر مسعود احمد پر تو بہت کچھ لکھا جا رہا ہے، مگر حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ پر خاص کام سامنے نہیں آیا۔ ان پر اشرفیہ کا

ایک وقیع گوشہ آنا چاہیے۔ علامہ اسلم مصباحی بستوی علیہ الرحمہ پر بھی ہم نے گوشہ نکالنے کا ارادہ کیا تھا، بلکہ ان سے متعلق مضامین کی فائل بھی انھوں نے تیار کی تھی کہ کسی مناسب موقع سے ان پر بھی اشرفیہ کا خصوصی گوشہ شائع کریں گے۔ ''فکر امروز، مسائل ومباحث اور بزمِ دانش'' جو ماہ نامہ کے مستقل کالم ہیں ان کے لیے مسلسل مضامین کی حصولیابی بھی انھیں کی جدو جہد کا نتیجہ ہوتی تھی۔ وہ ارباب قلم سے مسلسل رابطے میں رہتے تھے۔ انتقال سے آدھا گھنٹہ پہلے انھوں نے بزمِ دانش کے مضمون کے لیے مولانا ساجد رضا مصباحی سے رابطہ کیا تھا۔ ان کی اس احساسِ ذمہ داری کو جامعہ کس طرح فراموش کر سکتا ہے۔ ان کے عہد میں ماہ نامہ اشرفیہ کے معیار میں اور مقبولیت میں اضافہ ہوا تھا، یہ مبالغہ نہیں بلکہ اعتراف حقیقت ہے۔

ان کی جدائی کے بعد ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اچانک ہمارے اوپر غم کی دیوار گر گئی اور ہم ابھی تک اس کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ یہ لفظوں کی بازی گری نہیں بلکہ دل کی آواز ہے کہ مولانا شکیل احمد مصباحی کی رحلت نے ہمیں نڈھال کر کے رکھ دیا ہے۔ جب ان کا تصور آتا ہے تو نہاں خانۂ دل سے ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔ جب ہمارا عالم یہ ہے تو ان کے والدین اور بھائی بہنوں کے صدموں کا عالم کیا ہوگا؟

مولانا شکیل احمد مصباحی ۱۵ر مارچ ۱۹۸۲ء میں ایجورا بزرگ ضلع فتح پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی مدرسہ میں حاصل کی، پھر دار العلوم امجدیہ رضویہ گھوسی میں داخلہ لیا۔ ۱۵ر فروری ۱۹۹۸ء میں جماعت سادسہ میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے۔ ۲۰۰۰ء میں جامعہ اشرفیہ سے سند فضیلت حاصل کی۔

۲۸ر مئی ۲۰۰۵ء کو بہ حیثیت نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ، جامعہ اشرفیہ میں تقرر ہوا اور امید سے زیادہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا۔ مولانا شکیل احمد مصباحی ابھی رشتۂ ازدواج میں بھی منسلک نہیں ہوئے تھے، ان کے اخلاص واخلاق نے انھیں مقبولِ خاص وعام بنا دیا تھا۔ ان کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح جہانِ سنیت میں پھیل گئی۔ ملک کے متعدد اخباروں میں ان کی رحلت کی خبر چھپی، ملک کے گوشے گوشے سے سیکڑوں تعزیتی فون آئے اور یہ سلسلہ

ابھی تک جاری ہے۔ درجنوں مدارس میں ان کے لیے اجتماعی قرآن خوانی اور ایصال ثواب کیا گیا۔ تعزیتی نشستوں کی خبریں بھی ملک کے مختلف اردو اور ہندی کے اخبارات میں شائع ہوئیں۔ انگلینڈ سے مولانا فروغ القادری صاحب کا فون آیا اور گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں علامہ قمر الزماں اعظمی، علامہ ممتاز احمد مصباحی، قاری محمد اسماعیل مصباحی وغیرہ علما نے مولانا شکیل مصباحی کے لیے دعاے مغفرت فرمائی اور اظہار غم کیا ہے۔

ہم جامعہ کی جانب سے ان تمام بیرونی حضرات کے شکر گزار ہیں جنھوں نے انفرادی یا اجتماعی طور پر ایصال ثواب کیا، اخباروں میں خبریں دیں، فون، فیکس، ڈاک اور ای میل سے تعزیت کی۔

مولانا کے انتقال کے وقت عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ ممبئی میں تھے۔ جب میں نے صبح میں انھیں یہ اندوہ ناک خبر سنائی تو دعاے مغفرت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، مجھے اطلاع مل چکی ہے۔ ۱۱ر جنوری ۲۰۰۹ء بعد نماز ظہر جامعہ اشرفیہ کی عزیز المساجد میں اجتماعی قرآن خوانی ہوئی جس میں اساتذہ، طلبہ اور اراکین ادارہ نے شرکت فرمائی۔ آخر میں تعزیتی پروگرام ہوا، جس میں شیخ الجامعہ صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی اور راقم سطور نے اپنے اپنے رنج وغم کا اظہار کیا اور ان کے اخلاق وکردار پر روشنی ڈالی اور ان کے لیے دعاے مغفرت کی گئی۔

میں نے کئی بار مولانا شکیل احمد مصباحی علیہ الرحمۃ والرضوان پر لکھنے کے لیے قلم کاغذ سنبھالا، مگر دل ودماغ پر قابو نہ پا سکا اور نہ انگلیوں نے ساتھ دیا۔ چند روز میں مولانا کے تعلق سے اتنی تحریریں آگئیں کہ موجودہ شمارے کا ایک حصہ ”گوشہ مولانا شکیل مصباحی“ کے نام ہو گیا۔ اسی گوشے کے جبری تقاضے کے پیش نظر یہ چند سطریں سپرد قلم کردیں، ورنہ یہ سطریں نہ تو ان کی خدمات کا اعتراف ہیں اور نہ شکیل رعنا شخصیت کا تعارف۔ مولانا مرحوم پر لکھنا مجھ پر قرض رہے گا۔ آیئے اب ایک بار ہاتھ اٹھا کر دعا کریں، مولا تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں مولانا کے درجات کو بلند فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو بھرپور صبر عطا فرمائے۔ آمین، بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔　　　ماہ نامہ اشرفیہ، مارچ: ۲۰۰۹ء

اب انھیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

(مولانا شکیل احمد مصباحی کے وصال پر
اہلِ علم ودانش وارباب قلم کی تعزیتی تحریریں اور مکتوبات)

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

مولانا شکیل جیسا دوسرا ملنا مشکل ہے۔ان کی اصل خوبیاں تو مولانا مبارک حسین مصباحی جانتے ہیں اور اسٹاف کے دیگر افراد۔لیکن مولانا مجھ ناچیز راقم الحروف سے بھی بہت کچھ رابطہ رکھتے تھے۔چند سال پیش تر جب مولانا سریاں، اعظم گڑھ کی خانقاہ نقش بندیہ مجددیہ سے سہ ماہی جام حضوری کی ادارت کیا کرتے تھے اس وقت بھی مہینے دو مہینے پر ایک بار ضرور حاضری دیتے، مضامین کی درخواست بھی کرتے اور جو مضامین حاصل ہوتے انھیں دکھاتے۔خاص طور سے خود جو لکھتے اُس پر اصلاح لیتے، پھر جب مبارک پور مستقل رہنے لگے اور ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر ہوگئے تب بھی برابر رابطے میں رہتے۔ خاص طور سے جب مولانا مبارک حسین مصباحی لمبے دورے پر ہوتے تو ضرور آتے، مشورہ لیتے، آئندہ چھپنے والے مضامین پر نظر ثانی کراتے، کبھی کبھی اصرار کرکے اداریہ بھی لکھواتے تاکہ رسالہ وقت پر شائع ہوسکے۔میٹھے بول کے عادی تھے، سنجیدگی اور شائستگی آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔کسی کے بارے میں شکوہ شکایت سے ہمیشہ گریز کرتے، اپنے کام سے کام رکھتے، ذمہ داری کو حتی الامکان نبھانے کی پوری کوشش کرتے، دوسروں کا کام بھی بسا اوقات بلاتکلف انجام دے دیتے۔تعلّی اور تکبر سے کوسوں دور تھے

انکساری اور تواضع ان کا خاص شیوہ تھا۔

............از: مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری............

جواں سال صحافی شکیل مصباحی کی رحلت

مولانا شکیل احمد مصباحی ایک ایسے جواں سال مصباحی صحافی تھے جن سے اہل سنت و جماعت کو کافی امیدیں وابستہ تھیں۔ الجامعۃ الاشرفیہ میں تعلیم کے دوران وہ اکثر میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور کسی نہ کسی موضوع پر تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ وہ مجھ سے کئی سال جونیئر ہونے کے باوجود مجھے وہ ایک اچھے دوست کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ جب انہوں نے ماہنامہ اشرفیہ کے نائب مدیر کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھالی تو اس وقت میں نے روزنامہ راشٹریہ سہارا سے مستعفی ہوکر ماہنامہ "ماہ نور" کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ اس سے قبل مجھے بین الاقوامی میڈیا سیمینار جو الجامعۃ الاشرفیہ میں منعقد ہوا تھا اس کے لئے وہاں جانا پڑا۔ پھر وہاں ایک تحریک ملی کہ "ماہ نور" کا "ابنائے اشرفیہ" نمبر نکالا جائے۔ اس کے لئے مولانا شکیل صاحب نے ہمیں کافی مواد فراہم کیا اور مولانا مبارک مصباحی سے صلاح و مشورہ کرکے وہ مسلسل معلومات فراہم کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ مسلسل کسی نہ کسی موضوع پر مضمون تحریر کرنے کے لئے فون کیا کرتے تھے۔ ہر وقت ان کے ذہن میں ماہنامہ اشرفیہ کو بہتر سے بہتر بنانے کی فکر رہتی تھی۔ خوش نصیبی سے انہیں ایک ایسا میدان میسر تھا جہاں ان کی رہنمائی کے لئے ایک سے ایک فنکار موجود تھے۔ اپنے اساتذہ کی سرپرستی میں قوم و ملت کی خدمت کا مزا ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ ہر پل سیکھنے، تجربہ حاصل کرنے، غلطیاں سرزد ہونے پر رہنمائی حاصل کرنے کا موقع نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا شکیل مصباحی نے اپنے تین سالہ دور ادارت میں اپنے اساتذہ سے خوب سیکھا۔ اس لئے یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ اتنی کم عمری میں ان کا انتقال ملک و ملت اور بالخصوص اہل سنت و جماعت کے لئے بڑا نقصان ہے۔ انہوں نے دین کی خدمت کے لئے جس میدان کو چنا

تھا وہ آج کے دور میں سب سے زیادہ مؤثر ہے۔ وہ اس کے ذریعہ موجودہ دور کے چیلنج کا مقابلہ کرسکتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے پیش قدمی بھی کردی تھی۔ چنانچہ دہشت گردی کے موضوع پر مولانا مرحوم کی چند تحریریں مثال کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں۔ مولانا شکیل چونکہ میدان صحافت کے شہسوار تھے، اس لئے میرے لئے انتہائی قابل قدر تھے۔ گزشتہ کچھ برسوں میں چند جواں سال مصباحی برادران جو صحافت کے میدان میں کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش کررہے ہیں، ان میں ایک مولانا مرحوم تھے۔ وہ اچھی صلاحیت کے مالک تھے، تبھی تو ماہنامہ ''اشرفیہ'' کے نائب مدیر تھے۔ اہل سنت کے ترجمان رسالے کا نائب مدیر ہونا اپنے آپ میں کافی اہمیت کا حامل تھا۔ وہ انتہائی خلیق، ملنسار، خوش اخلاق، خوش گفتار، نرم خواور عادات اطوار کے اچھے تھے۔ ماہنامہ ''اشرفیہ'' کے نائب مدیر بننے کی تمام صلاحیت ان کے اندر موجود تھی۔ تحریر بھی کافی شستہ اور سلیس ہوتی تھی۔ مختلف موضوعات پر ان کی تحریریں اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ مستقبل میں قلم کے ایک اچھے شہسوار ثابت ہوسکتے تھے اور اپنی تحریر سے ملک وملت کی اچھی خدمت کرسکتے تھے۔ لیکن افسوس کہ انہیں موقع نہ مل سکا اور وہ صرف ۲۸ رسال کی عمر میں ۱۲ رجنوری ۲۰۰۹ کو رات کے ۱۰ ربجے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ وہ چلے گئے لیکن ان کی یادیں ہمیں ہمیشہ ستاتی رہیں گی۔

......از: افضل مصباحی، ایسوسی ایٹ ایڈیٹر ہمارا سماج، دہلی......

مر گئے وہ تو بھلائے نہیں جاتے ہم سے

مولانا شکیل احمد مصباحی ایک اعلیٰ کردار کے انسان تھے، ان سے میری ملاقات روزانہ تو نہ ہوتی تھی لیکن جب بھی ہوتی انتہائی خلوص سے ملتے اور ملاقات پر دلی مسرت کا اظہار فرماتے۔ پھر جب یکم دسمبر ۲۰۰۵ء کو میرے ذمہ ماہ نامہ اشرفیہ کی تزئین کاری و کمپوزنگ کا کام آیا تو موصوف سے روزانہ ملاقاتیں ہونے لگیں۔ روزانہ کی ان ملاقاتوں سے ان کی شخصیت کے جوہر کھل کر میرے سامنے آئے۔ وہ اپنے سینے میں ایک دلِ دردمند

رکھتے تھے جو قوم و ملت کی زبوں حالی پر تڑپتا تھا۔ مسلمانوں کے عصری مسائل پر جب وہ گفتگو کرتے تو ان کی باتیں اتنی مدلل ہوتیں کہ کہیں سے ان کا رد ممکن ہی نہیں لگتا۔ ہمہ جہت اور ہشت پہلو شخصیت کے مالک مولانا شکیل صاحب انتہائی بیدار مغز اور زبردست فہم و فراست کے مالک تھے۔ اخبارات و رسائل کا مطالعہ خوب کرتے، سیاسی معاملات پر خوب بحثیں کرتے اور ان کی بحثوں کا ماحصل یہ ہوتا کہ اکثر جو کچھ وہ کہتے وہی باتیں منظر عام پر آتیں، میں اکثر سوچتا اگر یہ شخص میدانِ سیاست میں ہوتا تو انتہائی کامیاب سیاست داں سمجھا جاتا۔ ان کی سیاسی بصیرت کے ثبوت ان کے وہ مضامین ہیں جو وقتاً فوقتاً ماہ نامہ اشرفیہ اور دیگر رسائل و جرائد میں شاملِ اشاعت ہوتے رہے۔

تحریر و قلم سے ان کی دل چسپی کا یہ عالم تھا کہ اکثر رات بھر ماہ نامہ اشرفیہ کے سلسلے میں اپنی مصروفیات جاری رکھتے، روزانہ جامعہ اشرفیہ کے کمپیوٹر سینٹر بھی تشریف لاتے جہاں ماہ نامہ کی کمپوزنگ ہوتی ہے۔ ماہ نامہ کے سلسلے میں اکثر غور و فکر کرتے اور ماہ نامہ کو ترقی دینے کے لیے تدابیر کرتے رہتے تھے۔ ابھی حال ہی میں انھوں نے قارئین کے لیے ماہ نامہ اشرفیہ کی فراہمی، مشورے اور شکایات کے لیے ایس ایم ایس سروس شروع کی تھی، اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ماہ نامہ اشرفیہ کی ترقی و ترویج کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

ادھر نومبر ۲۰۰۸ء سے ماہ نامہ اشرفیہ کی اشاعت میں بعض ناگزیر وجوہات سے تاخیر ہونے لگی، اور جب جنوری و فروری ۲۰۰۹ء کے شمارے کی کمپوزنگ ہو رہی تھی، کام کا زبردست دباؤ تھا، ایک دن مزاح کے موڈ میں تھے یا شاید قدرتِ الٰہی ان کی زبان سے پیش آئندہ سانحہ کا اشارہ دینے والی تھی، انھوں نے کہا: ''پیامی صاحب! آپ فروری کا ماہ نامہ جلد سے جلد کمپوز کر دیجیے، اس کے بعد میں آپ کو ماہ نامہ کیا کسی بھی سلسلے میں تنگ نہیں کروں گا۔'' کسے معلوم تھا کہ ان کی کہی ہوئی بات صحیح ہو جائے گی اور وہ ہمیں رنج و غم کے ماحول میں چھوڑ کر اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے چلے جائیں گے۔

......از: مهتاب پیامی، شعبۂ کمپیوٹر جامعہ اشرفیہ، مبارکپور......

مولانا شکیل احمد مصباحی ایک ذمہ دار اور مخلص مدیر تھے

مولانا شکیل احمد مصباحی تقریباً ۴؍سالوں سے ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو نہایت محنت ولگن، ذوق وشوق اور خوش اسلوبی سے انجام دے رہے تھے۔ مادر علمی کے ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ سے شروع ہی سے میرا قلبی لگاؤ رہا۔ استاذ گرامی مولانا مبارک حسین مصباحی اور دیگر اساتذہ کی شفقتوں اور عنایتوں سے تحریر وقلم اور تحقیق ومطالعہ سے بھی خاصا شغف ہو گیا تھا۔ اکثر ان (اساتذہ) کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کسب فیض کیا کرتا۔ ۲۰۰۵ء میں جب مولانا مرحوم رسالے کے نائب مدیر منتخب ہوئے تو اسی توسط سے ان سے بھی گہرے روابط پیدا ہو گئے۔ مادر علمی میں تحصیل علم کے دوران میرا اور میرے ہم سبق دوست مولانا قطب الدین رضا مصباحی کا اکثر ماہ نامہ کے دفتر میں آنا جانا رہتا۔ موصوف نہایت خوش اخلاقی سے ملتے، عزت واحترام کے ساتھ بٹھاتے اور ماہ نامہ اشرفیہ کی تزئین وترقی کے لیے تبادلۂ خیال ہوتا، مشورے ہوتے۔ مولانا اپنی جیب خاص سے ضیافت کا بھی اہتمام فرمایا کرتے۔ آفس میں آنے والے ہر مہمان کے ساتھ ان کا یہی برتاؤ ہوتا۔ ماہ نامہ کے تعلق سے کسی ممبر کو کوئی شکایت ہوتی تو نہایت سنجیدگی سے ان کی شکایت سنتے اور فوراً اس کا ازالہ بھی فرماتے۔

محمد ساجد رضا مصباحی، صمدیہ، پھپھوند شریف

ایک روشن دماغ تھا، نہ رہا

مولانا مرحوم روشن خیال، بلند نگاہ، شگفتہ اور متحرک وفعال شخصیت کے مالک تھے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کے دست راست اور اچھے معاون ومددگار تھے۔ انھوں نے اپنے حسن خدمت اور ایمان داری ودیانت داری کی بنیاد پر الجامعۃ الاشرفیہ کی انتظامیہ اور ذمہ داران کا دل جیت لیا تھا اور سبھی حضرات ان کے حسن کارکردگی کے مداح ومعترف تھے

۔مولانا مرحوم میرے ایک دانش مند مشیر تھے۔ دار العلوم حضوریہ میں تدریس کے دوران ہی میرے ان سے تعلقات تھے، لیکن الجامعۃ الاشرفیہ میں ان کی آمد کے بعد تعلقات میں مزید استحکام آگیا تھا۔ تنظیم ابنائے اشرفیہ کی ملازمت کے زمانے میں آفس میں آتے اور ہم دونوں کے درمیان گھنٹوں باتیں ہوتیں۔ مولانا کسی کی برائی نہ کرتے، لاکھ کسی سے تکلیف پہنچے غائبانہ بھی برائی نہ کرتے۔ سچائی، خلوص، ایمان داری، حقیقت پسندی اور غیر جانب داری کو انھوں نے اپنا وطیرہ بنالیا تھا۔ ان میں عصبیت، تنگ نظری اور کسی قسم کی جانب داری بالکل نہ تھی۔ وہ اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیتے۔ ان کے عمل میں یکسوئی اور انہماک تھا۔ ہر وقت ماہ نامہ کی ترویج و ترقی کے لیے کوشاں رہتے۔ قلم کار حضرات سے رابطہ کرتے، مضامین کا مطالبہ کرتے اور ماہ نامہ اشرفیہ کو ترقی کے بام عروج پر پہنچانے کے لیے ہر ممکن تدابیر اپناتے۔ موجودہ دور قحط الرجال میں ایسے نیک خصلت، فیروز مند فرد کا اٹھ جانا ایک قومی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ ماہ نامہ اشرفیہ کو ان کا بدل عطا فرمائے۔

امتیاز احمد مصباحی، المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور

تعزیتی مکتوبات

خلد بریں مکانی شکیل احمد

واجب الاحترام حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔ آج فقیر نے ماہ نامہ اشرفیہ میں فون کیا تو معلوم ہوا کہ ۱۰؍جنوری ۲۰۰۹ء کو نائب مدیر مولانا شکیل احمد مصباحی صاحب انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ غالباً اسی دن ان کا فون آیا تھا ایک ادبی مضمون کے لیے، جسے ان کی فرمائش پر فقیر نے دو یوم بعد روانہ بھی کر دیا تھا۔ محترم شکیل احمد مصباحی جیسے جوان العمر عالم دین اور قلم کار وصحافی کی اس اچانک موت کی خبر سن کر واقعی صدمہ ہوا، سو اصبر کے چارہ ہی کیا ہے۔ رب

غفور مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے گھر والوں کو صبر جمیل کی توفیق دے، آمین۔
(مادۂ تاریخ وفات۔ ''خلد بریں مکانی شکیل احمد'' ۱۴۳۰ھ)
مرحوم کے سوگواروں میں برابر کا شریک۔
(ڈاکٹر) عبدالنعیم عزیزی۔ 104۔ جسولی، بریلی شریف

بڑے ملنسار و منکسر المزاج انسان تھے

فخر صحافت مفکر اسلام حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی مدظلہ۔ سلام مسنون
۲۰۰۷ء اوائل ماہ اگست کی بات ہے جب میں مہنداول، خلیل آباد، بستی و گورکھپور ہوتا ہوا مادر علمی ''الجامعۃ الاشرفیہ'' وارد ہوا اور بس اڈہ سے براہ راست دفتر ''ماہ نامہ اشرفیہ'' پہنچا۔ یہاں دیرینہ رفیق و ہم درس مولانا عبدالصمد مصباحی نائب مدیر تو نہ ملے مگر موجودہ نائب مدیر مولانا شکیل احمد مصباحی ضرور پرتپاک انداز میں خیر مقدم کرتے نظر آئے۔ اثنائے ملاقات میں نے انھیں اشاعت کی خاطر ایک تحریر دی اور پھر ملی و جماعتی مسائل و امور پر دیر تک گفتگو کی۔ مخاطبت کے دوران انھوں نے جہاں میری قلمی کاوشوں کو سراہا و تحسین فرمائی وہیں حکم بھی دیا کہ آپ فرسودہ و پامال موضوعات پر لکھنے کے بجائے جدید ناگزیر مباحث و مسائل کی جانب اپنی عنان توجہ مرکوز رکھنے کی جہد پیہم کریں۔ ہم جیسے کندۂ ناتراش کے حق میں ان کا یہ حکم نامہ کیا معنویت و افادیت رکھتا ہے؟ یہ تو ایک الگ موضوع بحث ہے۔ مگر اس ایک مجلس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ ہوا کہ محب مکرم حضرت مولانا شکیل احمد مصباحی اپنے آئینۂ وجود میں جہاں گوناگوں نیک و صالح خصائص و خصائل کے حامل ہیں وہیں اپنے اقران و امثال کی دل دہی و پذیرائی اور حوصلہ افزائی میں انمول انسان ہیں۔ سنا ہے کہ مولانا منصبی فرائض کی ادائیگی اور ذمہ داریوں کی انجام دہی میں بہت متین و سنجیدہ اور جہد کناں واقع ہوئے تھے۔ کیسی ہی ذاتی ضرورت و اہم حاجت کی گھڑی آپڑے، وہ پورے استقلال و انہماک کے ساتھ مجلہ اشرفیہ ہی کی مصروفیات میں غلطاں و پیچاں دیکھے جاتے تھے۔

اب جب کہ وہ ہمیں چھوڑ کر دائمی سفر پر روانہ ہو چکے ہیں، حافظے میں ان کی یادوں کا تلاطم غم والم کی عجیب وغریب کیفیتوں سے دوچار کرتا محسوس ہوتا ہے۔ شاید صحیح کہا گیا ہے:

"یادِ ماضی عذاب ہے یارب"۔　　اسیر غم

خواجہ ساجد عالم مصباحی، استاذ مدرسہ لطیفیہ رحمٰن پور، کٹیہار

رب کریم ان کے اماثل پیدا فرمائے

برادر گرامی، رئیس الصحافت والنشر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب

ایڈیٹر اشرفیہ مبارک پور، ہدیہ سلام وخلوص۔

مزاج ہمایوں: تلمیذ حافظ ملت، بقیۃ السلف حضرت علامہ ممتاز احمد اعظمی صاحب قبلہ مقیم بریڈفورڈ برطانیہ کے ذریعہ سے نوجوان عالم دین باصلاحیت قلم کار اور ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر حضرت مولانا شکیل احمد مصباحی کے اچانک انتقال کی خبر وحشت اثر مسموع ہوئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) بے حد افسوس اور قلبی صدمہ گزرا۔ اللہ جل شانہ ان کے اہل خانہ اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ ابھی تو انھیں زندگی کی بہت ساری رعنائیاں اور علم وفن کی نہ معلوم کتنی بہاریں دیکھنی تھیں۔ اتنی جلد وہ ہم سے رخصت ہو جائیں گے، یقین نہیں آتا۔ مگر مشیت خداوندی برحق ہے۔ اس کی حکمت وارادت میں کسی کو دخل نہیں۔ وہ جب بھی چاہے گا ہم اس کی بارگاہ میں لبیک کہتے ہوئے حاضر ہو جائیں گے۔ مولانا مرحوم سے وقتاً فوقتاً یہاں لندن سے فون پر اشرفیہ اور ماہ نامہ اشرفیہ سے متعلق بات ہو جایا کرتی تھی۔ ابھی جب میں دسمبر ۲۰۰۸ء کے آخری عشرے میں حج بیت اللہ سے واپس ہوا ہوں تب بھی ان سے تفصیلی بات ہوئی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ مجھ سے ان کی آخری گفتگو ہوگی۔ ان کا اچانک اٹھ جانا بلاشبہہ ماہ نامہ اشرفیہ کا ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ کام کے لیے کسی مخلص اور دردمند آدمی کا حصول عصر حاضر کی مصلحت پسندیوں میں ایک دشوار گزار مرحلہ ہے۔ مولانا کی بروقت کمی کا ہمیں بے حد احساس رہے گا۔ وہ اس وقت ہم سب سے جدا ہو گئے جس وقت ان کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ دعا ہے کہ رب

کریم ہم میں ان کے امثل پیدا فرمائے اور اس شہید عشق ومحبت کی قبر پاک پر رحمتوں کے پھول برسائے۔ آمین۔ میں آپ کے اس غم میں برابر کا شریک ہوں۔ بقیہ حالات اچھے ہیں۔ حضرت عزیز ملت صاحب قبلہ شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی عبد الشکور صاحب قبلہ اور دیگر اساتذہ سے سلام کہہ دیں۔ فقط والسلام

محمد فروغ القادری، ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ

اداریہ نہیں، نوحۂ غم ہے

حضرت مکرم علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج مارچ کا ماہ نامہ اشرفیہ ملا، اس میں آپ کا اداریہ "مرا رفیق مرے غم کا ترجمان گیا" پڑھا۔ یہ اداریہ نہیں، آپ کے رفیق کار مولانا شکیل احمد مصباحی (رحمۃ اللہ علیہ) کی رحلت کی خبر کے ساتھ ساتھ ان کی وفات پر "نوحۂ غم" ہے، ان کی رفاقت اور ان کی علمی خدمات پر بھرپور خراج عقیدت تھا۔ مجھے اس خبر نے غم زدہ کر دیا، مجھے آپ کے غم نے دل فگار بنا دیا، مجھے اس اندوہ ناک خبر نے صدمے سے دوچار کر دیا۔

ع:　اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے!

یہ جوان سال فاضل یگانہ اہلسنت کی صحافی دنیا کا بلند پایہ اسکالر، نہ صرف جامعہ اشرفیہ اور ماہ نامہ اشرفیہ کو ناقابلِ تلافی نقصان دے کر دنیا سے رخصت ہوا بلکہ قارئین اشرفیہ کو اپنے علمی اور مسلکی فیضان سے محروم کر گیا۔ ان کی تحریریں ملتی تھیں۔ اشرفیہ کی اشاعت میں ان کا کردار ہمارے لیے نہایت اہمیت کا حامل تھا۔ میں ذاتی طور پر جب فون کرتا، ان کی آواز مجھے لبیک کہتی۔ آج میں نے تین بار فون کیا، گھنٹی بجتی رہی مگر صدائے برنخواست۔

ع:　اہلِ دل کے قافلے کن وادیوں میں کھو گئے

آپ ایک عزیز رفیق کار سے محروم ہو گئے۔ آپ کو اس صدمہ سے زیادہ دوچار ہونا پڑا

اور آپ کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں ۔ میں آپ کا شریک غم ہوں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت دے اور آپ اشرفیہ کو اچھے انداز سے جاری رکھ کر مرحوم کی روح کو ہدیۂ تحسین پیش کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ نائب مدیر کی مغفرت فرمائے (آمین)۔ والسلام

شریکِ غم، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

(مدیر اعلیٰ جہانِ رضا لاہور) مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور

چند اہم کتابیں (زیر طبع)

فتاویٰ حافظ ملت

ترتیب وتخریج: مبارک حسین مصباحی

درخشاں مستقبل کی تلاش

از: مبارک حسین مصباحی

ترتیب: نیاز احمد مصباحی جے این یو، دہلی

اسلام اور عصر حاضر کا چیلنج

میڈیا کے حوالے سے

ترتیب: مبارک حسین مصباحی

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کی تصنیفات وتالیفات

۱۔	پیام سیرت	المجمع المصباحی مبارک پور اعظم گڑھ
۲۔	کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے؟	المجمع المصباحی مبارک پور اعظم گڑھ
۳۔	عشق رضا کی سرفرازیاں	المجمع المصباحی مبارک پور رضا اکیڈمی لاہور
۴۔	خلیج کا بحران	المجمع الاسلامی محمد آباد گوہنہ یوپی
۵۔	اسلام اور ہندوستانی مذاہب	المجمع المصباحی مبارک پور اعظم گڑھ
۶۔	مدارس اسلامیہ	المجمع المصباحی مبارک پور اعظم گڑھ
۷۔	جہان رئیس القلم	المجمع المصباحی مبارک پور اعظم گڑھ
۸۔	الجامعۃ الاشرفیہ۔ایک تعارف	شعبۂ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور
۹۔	قربانی اور عہد جدید کے شبہات	المجمع المصباحی مبارک پور اعظم گڑھ
۱۰۔	دو عظیم شخصیتیں	مکتبہ نظامیہ لہرولی سنت کبیر نگر یوپی
۱۱۔	افتراق بین المسلمین کے اسباب	المجمع المصباحی مبارک پور مرکزی مجلس رضا لاہور
۱۲۔	موسم بہاراں	المجمع المصباحی مبارک پور اعظم گڑھ
۱۳۔	سیدین نمبر	شعبۂ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور
۱۴۔	صدر الشریعہ نمبر	شعبۂ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور
۱۵۔	معارف شارح بخاری (یکے از مرتبین)	دائرۃ البرکات کریم الدین پور گھوسی مئو
۱۶۔	حافظ ملت افکار و کارنامے	ادارہ تحقیقات حافظ ملت مبارک پور

دیگر مصنفین کی کتابیں جنھیں علامہ مصباحی نے مرتب کیا

۱۷۔ تبرکات کے آداب و فضائل — از امام احمد رضا — المجمع المصباحی مبارک پور
تخریج و ترجمہ — از علامہ مبارک حسین مصباحی — پروگریسو بکس ۴۰ اردو بازار لاہور
ادارۂ افکار رضا ناگسی بازار پورنیہ

۱۸۔ انوار احمد و ملت — از مولانا انوار الحق سلامی
ترتیب و ترجمانی — از علامہ مبارک حسین مصباحی — المجمع المصباحی مبارک پور

۱۹۔ اسلام اور ہندوستان — از صدر الافاضل مرادآبادی
ترتیب و تقدیم — از علامہ مبارک حسین مصباحی — المجمع المصباحی مبارک پور

۲۰۔ خطبات نظامی — از علامہ مشتاق احمد نظامی
تقدیم و ترتیب جدید — از علامہ مبارک حسین مصباحی — المجمع المصباحی مبارک پور

علامہ مصباحی کی کتابوں کے دیگر زبانوں میں مطبوعہ تراجم

۲۱۔ الجامعۃ الاشرفیہ — انگریزی — شعبۂ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور
۲۲۔ مدارس اسلامیہ — انگریزی — اسلامک ادبی مشن سوسائٹی کراچی
۲۳۔ مدارس اسلامیہ — ہندی — المجمع المصباحی مبارک پور اعظم گڑھ
۲۴۔ مدارس اسلامیہ — گجراتی — انجمن رضائے مصطفےٰ دیادرا بھروچ گجرات
۲۵۔ قربانی اور عہد جدید کے شبہات — گجراتی — انجمن رضائے مصطفےٰ دیادرا بھروچ گجرات
۲۶۔ افتراق بین المسلمین کے اسباب — گجراتی — انجمن رضائے مصطفےٰ دیادرا بھروچ گجرات
۲۷۔ جہان رئیس القلم — گجراتی — انجمن رضائے مصطفےٰ دیادرا بھروچ گجرات

رابطے کا پتہ

AL-MAJMAUL-MISBAHI
MUBARAK PUR AZAM GARH(UP)
PIN:276404
Ph. : Office (05462) 250149, 250092
Resi: 250021

تنظیم ابنائے اشرفیہ کے اغراض و مقاصد

(۱) ابنائے اشرفیہ کے درمیان رابطہ استوار کرنا اور ضروری معلومات پر مشتمل ابنائے اشرفیہ کی ڈائرکٹری کی ترتیب و اشاعت۔

(۲) حسب ضرورت ملکی، صوبائی اور ضلعی سطح کی شاخیں تشکیل دینا، ان کی ضرورت اور عصری تقاضوں کے پیش نظر فروغ اہل سنت کے لیے خطوط عمل طے کرنا اور شاخوں کے تعاون سے فروغ اشرفیہ کے لیے راہیں تلاش کرنا۔

(۳) تنظیم کا ایک ترجمان شائع کرنا اور اہل سنت کے اخبارات و رسائل سے رابطہ رکھنا تاکہ وقت ضرورت وہ تنظیم کے نظریات کی اشاعت کرسکیں۔ ملک اور بیرون ملک اخبارات و رسائل سے رابطہ رکھنا اور وقت ضرورت انھیں اسلام کی حقانیت، فروغ اہل سنت اور اشرفیہ کی سرگرمیوں کے تعلق سے مضامین اور رپورٹیں ارسال کرنا۔

(۴) مذہبی و ملی ضروریات اور جامعہ کے حالات کے پیش نظر حسب موقع اجتماعات، جلسے، سیمینار منعقد کرنا، مناسب مقالات اور کتب شائع کرنا۔

(۵) امت مسلمہ کی فلاح و بہبود کی کوشش کرنا اور تعلیمی، سیاسی اور ملی مسائل میں اس کی ہر ممکن رہنمائی کرنا۔

(۶) اشرفیہ اور ابنائے اشرفیہ کی خدمات سے دنیا کو متعارف کرانا۔

(۷) ضرورت مند ممتاز طلبہ کی اعلیٰ تعلیم کے لیے اسباب و وسائل فراہم کرنا اور عام طلبہ کی تعلیمی رہنمائی کرنا۔

(۸) فسادات و حادثات کے مواقع پر ریلیف پہنچانا۔

(۹) ضرورت مند علمائے اہل سنت اور ابنائے اشرفیہ کی مالی و معنوی مدد کرنا۔

(۱۰) انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع سے اسلام مخالف سازشوں کا پتہ لگانا اور ان کے مضر اثرات سے امت مسلمہ کو بروقت آگاہ کرنا اور فکر انگیز دلائل کے ساتھ ان کا جواب دینا۔

(۱۱) ضرورت مند مدارس و مساجد کے لیے مناسب ائمہ اور علما کا انتظام کرنا۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ کی ضلعی شاخوں کے لیے
رہ نما اصول

(۱) اس تنظیم کی ہندوستان کے ہر اس صوبے اور ضلع میں شاخ ہوگی جہاں فرزندان اشرفیہ سرگرم عمل ہیں۔

(۲) ضلعی شاخ کا ہیڈ کوارٹر ضلع کے صدر مقام پر یا ایسی جگہ ہوگا جہاں مسلمانوں کی آبادی کثیر ہو اور ذرائع ابلاغ کی آسانی ہو۔

(۳) ضلع میں موجود تمام ابنائے اشرفیہ اس تنظیم کے ممبر ہوں گے۔

(۴) جملہ ممبران ضلع ہیڈ کوارٹر پر جمع ہو کر صدر، سکریٹری، خزانچی وغیرہ کا انتخاب کریں گے، جس کی منظوری مرکزی صدر سے تحریری طور پر فی الفور لی جائے گی۔

(۵) ہر ممبر کو ایک سو روپیہ سالانہ بہ طور فیس جمع کرنا ہوگا، جس کا نصف ضلعی شاخ کے پاس برائے اخراجات رہے گا اور نصف مرکزی کمیٹی کو بھیج دیا جائے گا۔

(۶) کمیٹی کے تمام امور ممبران کی کثرت رائے سے طے کیے جائیں گے جس کے لیے ہر تین مہینے کے بعد تمام ممبران کی ایک نشست ہیڈ کوارٹر یا کسی اہم مقام پر منعقد ہوگی۔

(۷) ضلعی میٹنگ میں کسی اہم مسئلہ پر اگر شدید اختلاف پیدا ہو تو مرکزی کمیٹی سے ضلعی کمیٹی مشورہ طلب کرے گی اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو مرکزی کمیٹی سے مشاہد (آبزرور) بھیجنے کی درخواست ضلعی کمیٹی کرے گی۔

(۸) ضلعی کمیٹی کا آفس سکریٹری، سال میں ہونے والی چار لازمی نشستوں کی رپورٹ مرکزی کمیٹی کو باضابطہ صدر کمیٹی کے تصدیق کردہ دستخط کے ساتھ مرکزی کمیٹی کو بھیجے گا۔

(۹) ضلعی کمیٹی کا صدر یا جنرل سکریٹری یا کوئی نمائندہ مرکزی کمیٹی کی سالانہ میٹنگ میں لازمی طور پر حصہ لے گا۔

(۱۰) آفس سکریٹری کو مرکزی کمیٹی کے اہم منصوبوں، اقدامات اور سرگرمیوں کی رپورٹ بھیجی جائے گی جس کو وہ اپنے ضلعی اور صوبائی اخبارات کو بہ غرض اشاعت دے گا۔

(۱۱) ضلعی کمیٹی کی تمام سرگرمیاں بھی اخبارات میں شائع کرائی جائیں گی، نیز ہر وہ اخبار یا اس کی فوٹو کاپی مرکزی کمیٹی کو بھیجی جائے گی۔

(۱۲) ضلعی کمیٹی کے ممبران اس بینر سے کوئی سیاسی بیان ہرگز نہ دیں، البتہ اپنے طور پر بغیر اس تنظیم کا بینر استعمال کیے جو بھی سیاسی غیر سیاسی بیان دینا چاہیں، اس کے لیے آزاد ہیں۔

(۱۳) دین وملت کی تعمیر وترقی اور اسلام دشمن عناصر سے دفاع کے لیے وقت ضرورت میٹنگیں بلائیں، قرار دادیں منظور کریں، اخبارات ورسائل کو برائے اشاعت ارسال کریں، پریس کانفرنسوں کا اہتمام کریں۔

ہر دل عزیز سیاسی قائد

ڈاکٹر شمیم احمد

(چیرمین نگر پالیکا، مبارک پور)

و

محسنِ ملت الحاج محمد اشہد

زماں ساری ہاؤس، نیا پورہ، مبارک پور

و

ناظم ملت الحاج سرفراز احمد

ناظمِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

جو علما اور مشائخ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں
اور ان کی خدمت اپنے لیے باعثِ صد افتخار سمجھتے ہیں

ان حالات میں جب برسرِ عام علما و مشائخ کی توہین کی جارہی ہے۔

علما و مشائخ کے احوال و فضائل پر مشتمل کتاب

"شہرِ خموشاں کے چراغ"

کی اشاعت پر ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ ان حضرات کا سیاسی اور سماجی قد آسمان کی بلندیوں تک پہنچائے

شکر گزار

تنظیم ابنائے اشرفیہ

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

مبارک حسین مصباحی ہمارے ان قلم کاروں میں ایک امتیازی شان رکھتے ہیں، جنہوں نے قلم کی حرمت کو ہمیشہ اولیت دی ہے- ان کی کتابیں اور موقر جرائد میں ان کے مضامین دلچسپی اور سنجیدگی سے پڑھے جاتے ہیں- سیمناروں میں ان کے مقالے توجہ اور رغبت سے سنے جاتے ہیں- ان کی کتابوں، مضامین اور مقالات کا بنیادی موضوع ہمیشہ وہ ہوتا ہے جس سے مصنف کا گہرا شعوری تعلق ہوتا ہے- معتبر جریدے ماہنامہ ''اشرفیہ'' میں ان کے اداریے اپنے موضوع کی اہمیت اور تفہیمی انداز کے باوصف بہت مقبول ہیں-

زیر نظر کتاب ان معنی میں ذرا مختلف نوعیت کی ہے کہ اس میں معاملات و مسائل کا نہیں، ان افراد ذی وقار کا ذکر خیر ہے جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن اپنے کام اور شخصیت کی بدولت کسی نہ کسی شکل میں آج بھی ہمارے درمیان موجود ہیں- اس مناسبت سے کتاب کا نام ''شہر خموشاں کے چراغ'' نہایت موزوں اور دلکش ہے-

تیس سے زیادہ افراد کے اذکار کی دولت سے مالا مال یہ کتاب بے حد متنوع شخصیات کا ایک خوب صورت نگار خانہ بن گئی ہے- اس میں سلاطین طریقت و معرفت، راز داران شریعت، مردان قلم، مسند نشینانِ درس و تدریس سے لے کر تاریخ دانوں، ادارہ سازوں، فکر و فن کے ماہرین اور ادباء و شعرا کے ساتھ ساتھ ان کا بھی ذکر ہے جنہوں نے اپنی دردمندی اور خلوص پیہم سے اپنے معاصرین کو گرویدہ کر رکھا تھا- کتاب کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ یہ صرف افراد کا ذکر نہیں ہے بلکہ بیسویں صدی کی طویل شب سیاہ میں چمکتے ان ستاروں کا آئینہ ہے جس میں ہم بازاری معیشت، خود غرضی، عیاری اور شدید نفسانفسی کے دور سے ٹھیک پہلے کے اس زمانے کا مشاہدہ کر سکتے ہیں جس میں انسانیت اور انسانیت نوازی، شرافت اور دردمندی، سخاوت اور فیض رسانی، شرفِ محنت اور جہد مسلسل، شفقت اور اصاغر نوازی، محبت علم اور علما نوازی جیسے اوصاف حمیدہ آج کی طرح مفقود نہیں تھے-

اس کتاب نے مبارک حسین مصباحی کی تصنیفی حوصلہ مندی کی دستار میں ایک اور زریں طرے کا اضافہ کیا ہے- امید قوی ہے کہ شہر خموشاں کے چراغوں کی روشنی قاری کے راستے کو دیر تک اور دور تک روشن رکھے گی-

سید محمد اشرف مارہروی

۲؍مئی ۲۰۰۹